رضیہ سلطانہ

خان آصف

A contact loved ones.
ایک رابطہ اپنوں سے
Aik Rabta Apno Se.
پاکستانی پوائنٹ
www.PakistaniPoint.Com

پیش لفظ

رضیہ سلطان جرات و ہمت کا ایک مثالی پیکر تھی۔ ترک نسل سے تعلق رکھنے والی یہ شہزادی ایک درویش صفت اور مردِ شجاع کی بیٹی تھی۔ اُس کا باپ شمس الدین التمش نہ صرف ایک صاحبِ کردار اور خوفِ خدا رکھنے والا بادشاہ تھا بلکہ ایک مردِ آہن بھی تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا وہ ایک ولیء کامل کی دُعاؤں کے زیرِ اثر تھا۔ اِسی خوش نصیبی نے اُسے دوسرے بادشاہوں سے ممتاز کر دیا تھا۔ اُس کا دورِ حکومت مسلمانوں کی تاریخ کا بہترین دور تھا۔

التمش اپنی بیٹی سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ اُس نے اپنی بیٹی کی پرورش عام انداز سے نہیں کی تھی۔ دینی و دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ رضیہ سلطان نے سپاہ گری میں بھی مہارت حاصل کی۔ وہ صرف ملکوتی حُسن رکھنے والی شہزادی ہی نہیں بلکہ عسکری تربیت سے بھی مالا مال تھی۔ التمش اس لحاظ سے بدقسمت تھا کہ اُس کے ناکارہ بیٹوں میں سے کوئی بھی اُس کے اقتدارِ عالیشان کو سنبھالنے کے قابل نہیں تھا۔ اسی لیے اُس نے اپنی ذہین اور لائق بیٹی کو اپنے بیٹوں پر ترجیح دی اور عنانِ حکومت اُس کے سپرد کی، اگرچہ رضیہ سلطان نے اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنے مختصر دورِ حکومت میں ملّتِ اسلامیہ کو مضبوط بنانے کی بھرپور کوششیں کیں..... مگر بساطِ سیاست میں وہ اپنے ہی مہروں سے مات کھا گئی۔ انسانی تاریخ کا یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ بڑے بڑے انسانی رشتے اقتدار کی ہوس کا شکار ہوئے، سیاست کا یہ بدترین طرزِ عمل آج بھی جاری ہے، رضیہ سلطان جیسی ہوشمند اور دلیر عورت کو بھی اپنوں کے فریب اور منافقت نے شکست دی۔ مگر بحیثیت حکمران سردار بھی اُس کے پائے استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا اُس نے بڑی بہادری کے ساتھ موت کو گلے لگایا، بلاشبہ وہ ایک بہت مضبوط اعصاب رکھنے والی عورت تھی۔ جنوبی ایشیا کی پہلی خاتون حکمران کا اعزاز بھی اُسے حاصل تھا۔ اُس کا نام تاریخ کی بہادر ترین خواتین میں ہمیشہ نمایاں رہے گا۔

رضیہ سلطان پر کہانی میرے والد نے 1993ء میں ''اخبار جہاں'' میں لکھی، جو قسط وار چھپی، والد صاحب نے جس خوبصورت اور سہل انداز میں اس کہانی کو لکھا اُس میں کوئی شبہ نہیں..... آج بھی اُن کے بے شمار مداحوں کے ذہنوں میں اُن کا منفرد طرزِ تحریر محفوظ ہے۔ اسی بنا پر اُن کو ''تاریخ کے نبض شناس اور رمز شناس'' جیسے القابات سے نوازا گیا۔ والد صاحب کی دیگر تحاریر کی طرح القریش پبلی کیشنز کے مالک محمد علی قریشی صاحب نے اِس کہانی کو بھی ناول کی شکل دینے کا بیڑا اُٹھایا..... اور الحمدوللہ وہ اپنی اِس کوشش میں کامیاب رہے، بلاشبہ وہ ایک علم دوست انسان ہیں، اللہ کے فضل و کرم سے آج یہ ناول چھپ چکا ہے اور آپ کی پذیرائی کا منتظر ہے۔

اسماء خان آصف

پورے دہلی میں کہرام برپا تھا۔ گلی کوچوں سے گریہ وزاری کی آوازیں آ رہی تھیں۔ قصرِ شاہی کے خدمت گاروں اور کنیزوں نے ماتمی لباس پہن لئے تھے۔ ان کے چہرے دھواں دھواں تھے اور آنکھیں اشک برسا رہی تھیں۔

''کیا شریف النفس شہزادہ تھا۔'' محل کی کنیزیں دبی دبی سسکیوں میں ایک دوسرے سے کہہ رہی تھیں۔ ''اس نے کبھی ہمارے جسموں کے مینا بازار نہیں سجائے۔ نہ کسی سیم تن کا رقص دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اور نہ کسی دستِ حنائی سے جامِ سرخ طلب کیا۔ گناہ گاروں کی بستی میں ایک فرشتہ آ گیا تھا، خدا نے اسے جلد ہی اپنے پاس بلا لیا۔''

''اب رکن الدین ہی ولی عہدِ سلطنت بنے گا۔'' ایک کنیز نے خوفزدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اختیارات نہ ہوتے ہوئے بھی قصرِ شاہی کی کوئی بھی کنیز اس کی دست درازیوں سے محفوظ نہیں۔ عورت اور شراب، اس کے سوا کچھ نہیں۔ اب دہلی کے برے دن آ گئے۔ خدا خیر کرے۔''

''کون آئے گا اور کون جائے گا؟ ہمیں اس سے کیا؟'' دوسری کنیز نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا۔ ''ہمارے لئے سب موسم برابر ہیں۔''

''حاکم کے نیک اور بد ہونے سے بڑا فرق پڑتا ہے گلنار!'' تیسری کنیز نے اپنی ساتھی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''بھیڑ بکریوں کے لئے کیا فرق پڑتا ہے؟'' گلنار کے لہجے میں وہی شدی اور سرکشی تھی۔ ''چرواہا ہانک کر لے جائے یا کوئی قصاب۔ ہم تو مردوں کی خواہشات کے غلام ہیں۔ جدھر آنکھ کا اشارہ ہوا، اسی طرف چل دیئے۔''

''مگر شہزادہ ناصر الدین محمود نے تو انسانی جسموں کے مقتل کبھی آراستہ نہیں کئے۔'' ایک کنیز نے گلنار کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''تُو کتنی حسین ہے گلنار! مگر کیا کبھی مرحوم شہزادے نے تجھے ہوس ناک نظروں سے دیکھا؟''

گلنار چند لمحوں کے لئے گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر نفی میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے بولی۔ ''کبھی نہیں۔''

''پھر تو اپنے آقا کی موت کا ماتم کیوں نہیں کرتی گلنار؟'' شاہی کنیز فردوس نے رقت آمیز لہجہ میں کہا۔

''مجھے اپنی ہی آرزوؤں کے ماتم سے فرصت نہیں۔'' گلنار یہ کہتی ہوئی ترکان شاہ کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

ترکان شاہ ایک خوبصورت ترکی کنیز تھی۔ سلطان شمس الدین التمش کی بیوی بن جانے کے بعد اگرچہ ترکان شاہ کو ملکہ کا درجہ حاصل ہو گیا تھا لیکن کم نسبت ہونے کی وجہ سے اسے سلطان کی دوسری بیگمات کے مقابلے میں کچھ زیادہ عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ ترکان شاہ دن رات سازشوں میں مصروف رہتی تھی مگر سلطان شمس الدین التمش جیسے متقی اور پرہیزگار حکمراں پر اس کا کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ ترکان شاہ نے کئی بار خلوتوں میں اپنے ناز و ادا کا مظاہرہ کرتے

ہوئے کہا تھا۔

''ہندوستان کا ایک با اختیار شہنشاہ اور اتنی سادہ زندگی؟ مجھے تو آپ سلطان ہی نظر نہیں آتے۔''

''پھر کیا نظر آتا ہوں؟'' سلطان شمس الدین التمش مسکراتے ہوئے جواب دیتا۔

''کوئی درویش یا فقیر۔'' ترکان شاہ کو اپنی خوبصورتی پر بڑا ناز تھا، اس لئے کبھی کبھی وہ سلطان کے حضور میں گستاخ ہو جاتی تھی۔

''درویشی ہی اصل حیات ہے۔'' سلطان شمس الدین التمش نہایت شیریں لہجے میں اپنی کم فہم ملکہ کو سمجھانے کی کوشش کرتا۔

''شاہوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ فقیرانہ زندگی اختیار کریں۔'' ترکان شاہ کی چرب زبانی میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا۔

''پھر تم ہی بتاؤ کہ تمہارا شہنشاہ کیا کرے۔'' سلطان شمس الدین التمش مسکرانے لگتا۔

''ایسے جاہ وجلال کا مظاہرہ کہ تاریخ میں اس کی کوئی دوسری مثال نظر نہ آئے۔'' ترکان شاہ فریب کارانہ انداز میں گفتگو کرنے کا فن جانتی تھی۔ ''نہ محفلِ رقص وسرور، نہ بزمِ ناؤ نوش، نہ ہنگامہ خیز تقریبات، نہ رسمِ سجدہ، نہ آدابِ بندگی۔''

''میں خدا نہیں ہوں ترکان شاہ!'' یکایک سلطان التمش سنجیدہ ہو جاتا۔ ''خدا کا ایک حقیر بندہ ہوں جو اس قدر نوازے جانے کے قابل نہیں تھا۔''

''آپ کے اسی انکسار نے تو رعایا کو خودسر بنا دیا ہے۔'' ترکان شاہ نئے نئے زاویے بدل کر اپنے شوہر کو ورغلاتی رہتی تھی۔ ''یہ روز روز کی بغاوتیں اسی وجہ سے ہیں۔''

''بغاوتوں کی وجہ میرا انکسار نہیں ترکان شاہ!'' سلطان التمش اپنی بیوی کے جاہلانہ مطالبات کے جواب میں مثالی تحمل کا مظاہرہ کرتا۔ ''یہ تو سیاسی کھیل ہیں جو کسی نہ کسی عنوان ہر مقام پر جاری رہتے ہیں۔''

''بہرحال میں آپ کو شاہانہ جبروت کے ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں۔'' ترکان شاہ کے ناز وانداز کا وہی عالم برقرار رہتا۔

ایک دن ترکان شاہ اسی قسم کی گفتگو کر رہی تھی۔ سلطان التمش نے بہت غور سے اپنی شریک حیات کی طرف دیکھا پھر بلند آواز میں بولا۔ ''یہ ممکن نہیں ترکان شاہ! میں فرمانروائے ہند ہونے کے علاوہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا مرید بھی ہوں۔''

''اسی فقیر کی صحبتوں نے تو آپ کو بگاڑا ہے۔'' ترکان شاہ کو یہ بھی ہوش نہ رہا کہ وہ کس کے بارے میں کیا کہہ رہی ہے؟

''حدِ ادب! ترکان شاہ! حدِ ادب!'' سلطان شمس الدین التمش غضب ناک ہو گیا۔ ''اس مردِ کامل کی صحبتوں نے مجھے بگاڑا نہیں، غلام سے شہنشاہ بنا دیا۔ کل تک گلی کوچوں کی منتشر خاک مگر جب اس کے قدموں نے مجھے چھوا تو میں اکسیر بن گیا۔'' حضرت قطبؒ کا نام لیتے ہی سلطان کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا اور آنکھیں اشک برسانے لگی تھیں۔

شوہر کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر ترکان شاہ سہم گئی۔

''تجھے کیا معلوم ترکان شاہ! کہ میرا ماضی کس قدر تاریک تھا۔'' سلطان التمش انتہائی پُرسوز لہجے میں بولا۔ ''اندھوں کو کیا نظر آئے گا کہ یہ درویش کون ہیں؟ مجھ سے پوچھ اُن کی نگاہِ کیمیا اثر کا حال۔ آج بھی میری آنکھوں کے سامنے وہ عجیب ترین واقعہ اپنے پورے خدوخال کے ساتھ روشن ہے کہ جب میں بغداد میں اپنی غلامی کا ابتدائی زمانہ بسر کر رہا تھا، ایک دن میرے مالک نے کچھ درویشوں کو اپنے گھر مدعو کیا۔ پھر محفلِ سماع آراستہ ہوئی۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری اس وقت مجلس عرفانی کے صدر تھے۔ میں رات بھر شمع لئے کھڑا رہا۔ صوفیا حالتِ وجد میں نعرہ ہائے مستانہ بلند کرتے رہے۔ صبح کے قریب قاضی صاحب نے مجھ پر نگاہِ کرم کی۔ میں سر سے پاؤں تک لرز اٹھا۔ قاضی صاحب مسکرائے، پھر بڑی شفقت کے ساتھ فرمایا۔ ''لڑکے! فقیروں کو تیری یہ ادا بہت پسند آئی۔ عنقریب دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گی کہ جو پست تھے، انہیں بلند کر دیا گیا۔''

یہ کہہ کر سلطان التمش خاموش ہو گیا۔ پھر مختصر سے وقفۂ سکوت کے بعد ترکان شاہ کو اپنے ماضی کا یہ عجیب وغریب قصہ سنانے لگا۔

''میں کم فہم تھا، اس لئے قاضی صاحب کے اشارے کو نہیں سمجھ سکا۔ پھر جب میں مختلف بازاروں میں فروخت ہوتا ہوا اپنے آقا قطب الدین ایبک کے پاس ہندوستان پہنچا تو ایک روز حضرت خواجہ معین الدین چشتی اپنے خلیفۂ اکبر حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے ملنے کے لئے دہلی تشریف لائے۔ اس وقت مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ عظیم الشان ہستیاں کون ہیں؟ غلامی کا لباس میرے جسم پر تھا اور میں اسی حالت میں حضرت خواجہ کے سامنے سے گزرا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔

''خدا اس لڑکے کو اس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھائے گا، جب تک ہندوستان کا تخت اس کے قدموں کے نیچے نہیں آجاتا۔''

یہ سن کر میں حضرت خواجہ کی قدم بوسی کے لئے جھک گیا۔ پھر آپ نے مجھے مزید دعاؤں سے سرفراز کیا۔ اور آج ان ہی دعاؤں کے طفیل ہندوستان کا تخت میرے قدموں کے نیچے ہے۔ در در کی ٹھوکریں کھانے والا ایک غلام لڑکا اور شہنشاہِ ہندوستان؟ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آسمان کے نیچے ایسا حیرت انگیز واقعہ بھی رونما ہو گا۔'' یہ کہہ کر سلطان التمش اپنی بیوی ترکان شاہ کی طرف دیکھنے لگتا۔ ''تو اپنی طرف کیوں نہیں دیکھتی؟ ایک لونڈی سے ملکۂ ہند کے درجے تک پہنچ گئی۔ یہ سب اسی فقیر کی دعاؤں کا نتیجہ ہے جس سے تو حسد رکھتی ہے۔ خدا سے ڈر ترکان شاہ! خدا سے ڈر۔ اور حضرت قطب سے معافی مانگ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تجھ پر کوئی قہر نہ ٹوٹے۔''

سلطان التمش کی باتیں سن کر ترکان شاہ خاموشی ہو جاتی مگر دل ہی دل میں نئی سازشوں کے منصوبے ترتیب دیتی رہتی۔ دراصل وہ اپنے شوہر کو دوسرے بادشاہوں کی طرح رنگ رلیوں میں غرق دیکھنا چاہتی تھی۔ ایک کنیز ہونے کی وجہ سے اس کے نزدیک یہی معیارِ شہنشاہیت تھا۔ سلطان کو عیش وعشرت میں مبتلا دیکھنے کی خواہش اس لئے بھی تھی کہ اس کا اپنا بیٹا رکن الدین ایک آوارہ مزاج شہزادہ تھا۔ اسے خوب صرت کنیزوں کا رقص دیکھنے اور شراب پینے کے سوا کوئی دوسرا کام نہیں تھا۔ سلطان التمش بیٹے کی یہ بے راہ روی دیکھ کر غضب ناک ہو جاتا۔ کئی بار اس نے سوچا کہ وہ رکن الدین کو سخت سزا دے کر حوالۂ زنداں کر دے تاکہ اس طرح شہزادے کی اصلاح ہو سکے۔ مگر بعض وزیروں

کے مشورے پر وہ اپنے ارادوں سے باز رہا۔ ہوش مند وزیروں کا کہنا تھا کہ اگر سلطان نے شہزادے کو سرعام سزا دی تو اس کے منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ رعایا کی نظروں میں شاہی خاندان کا وقار مجروح ہوگا اور مخالفین کے لئے نئی سازشوں کے دروازے کھل جائیں گے۔

شہزادہ رکن الدین کی اسی بدقماشی کے باعث سلطان التمش اسے سخت ناپسند کرتا تھا۔ اس کے برعکس ناصرالدین محمود ایک نیک سیرت، ذہین اور بلند حوصلہ شہزادہ تھا۔ وہ جب بھی باپ کے سامنے سر جھکائے ہوئے آتا تو سلطان جوشِ محبت میں اسے دیکھ کر کھڑا ہو جاتا۔ پھر ناصرالدین محمود کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے انتہائی جذباتی لہجے میں کہتا۔

''خدا نے مجھے کثیر الاولاد بنایا ہے۔ میرے گیارہ بیٹے ہیں مگر حقیقتاً ناصرالدین کے سوا میرا کوئی بیٹا نہیں۔ یہی میرا محبوب ہے، یہی میرا وارث ہے اور اسی کے چہرے میں مجھے ہندوستان کا معمار نظر آتا ہے۔''

جب ترکان شاہ اپنے شوہر کے یہ الفاظ سنتی تو آتشِ حسد سے اس کا پورا وجود جل اُٹھتا اور وہ دامن پھیلا کر شہزادہ ناصرالدین محمود کو کوسنے لگتی۔ ''خدا سلطان کے محبوب کو ہلاک کر دے کہ اس کی ہلاکت کے بغیر میرا بیٹا ولی عہدِ سلطنت نہیں بن سکتا۔''

ناصرالدین محمود سے ترکان شاہ کے حسد کا یہ حال تھا کہ وہ شہزادے کی بربادی کے لئے ایک ہندو شعبدہ باز سوامی دینا ناتھ کے دروازے تک پہنچ گئی تھی۔

❄==❄==❄

سوامی دینا ناتھ سفلی علوم کا ماہر تھا اور اسی حوالے سے ہندوستان گیر شہرت رکھتا تھا۔ دینا ناتھ نے دریائے جمنا کے کنارے اپنی کٹیا تعمیر کی تھی۔ کہنے کو وہ ایک سادھو کی کٹیا تھی مگر حقیقتاً وہ ایک چھوٹا سا محل تھا۔ دہلی کے سرمایہ دار ہندوؤں نے سوامی دینا ناتھ کو دنیا کی ہر آسائش مہیا کی تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ شہاب الدین غوری کے ہاتھوں پرتھوی راج چوہان کی شکست کے بعد سوامی دینا ناتھ کے منتر ہی ہندوستان میں دوبارہ رام راج قائم کر سکتے ہیں۔ سوامی دینا ناتھ دن رات شراب سے لے کر مدک، بھنگ، گانجا اور چرس تک دنیا کا ہر نشہ استعمال کرتا اور خوبصورت دیوداسیوں کے رقص دیکھتا۔ پھر جب دہلی کے دولت مند اور معزز ہندو انتہائی عقیدت کے ساتھ دینا ناتھ کے سامنے حاضر ہوتے تو وہ شعبدہ باز اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر چیخنے لگتا۔

''ستارے مجھ سے سرگوشیاں کرتے ہیں اور دیوتا مجھ سے ہم کلام ہوتے ہیں۔''

''سوامی! تم سے دیوتا کیا کہتے ہیں؟'' ہندو سردار دینا ناتھ کے سامنے گڑگڑانے لگتے۔ ہندوؤں کی یہ وہی جماعت تھی جو مسلمانوں کی حکومت کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتی۔ جب یہ لوگ تلوار کی بازی ہار گئے تو منتروں کا سہارا ڈھونڈنے لگے۔

سوامی دینا ناتھ فطرتاً بڑا ذہین اور عیار تھا۔ وہ مزے لے لے کر اپنی شکست خوردہ قوم کے جذبات سے کھیلتا۔

''دیوتا ایک ہی بات کہتے ہیں کہ دھیرج دھرو۔ بہت جلد مسلمانوں کا سرو ناش ہو جائے گا۔''

جب ترکان شاہ نے سوامی دینا ناتھ کی شعبدہ بازیوں کے چرچے سنے تو ایک دن وہ بھی اس کی کٹیا میں داخل ہو

گئی۔ ملکۂ ہند کو اپنے سامنے پا کر سوامی دینا ناتھ گھبرا سا گیا۔ ترکان شاہ کے احترام میں کھڑا ہوا تو اس کے شراب سے بوجھل قدم کانپ رہے تھے۔

''آیئے مہارانی! آیئے۔'' سوامی دینا ناتھ کسی غلام کی طرح نصف قد تک جھک گیا۔ ''کہاں ایک داس کی کٹیا اور کہاں بھارت ورش کی مہارانی؟'' دینا ناتھ پریشان نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ''مہارانی نے تو مجھے پریکشا (امتحان) میں ڈال دیا۔ کسی سپاہی کو بھیج دیا ہوتا۔ میں خود سر کے بل چلا آتا۔'' سوامی بڑے منافقانہ لہجے میں بات کر رہا تھا۔

''نہیں دینا ناتھ!'' ملکہ ترکان شاہ بلند آواز میں بول رہی تھی مگر اس کے لہجے سے جلالِ شاہی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ آخر وہ کنیز تھی جو تاج پہن لینے کے بعد بھی کنیز ہی رہتی ہے۔ ''ہم چاہتے تو تجھے قصرِ شاہی میں طلب کر سکتے تھے مگر یہ سوچ کر چلے آئے کہ دنیا کے ہنگاموں سے دور رہنے والا ایک گیانی انسان ہے اور ہم گیانیوں کا بہت احترام کرتے ہیں۔'' ترکان شاہ نے بھی اپنے چہرے پر جھوٹ اور فریب کا خوبصورت نقاب سجا لیا تھا۔

''میں کیا اور میرا گیان کیا مہارانی!'' یہ کہتے کہتے سوامی دینا ناتھ کچھ اور جھک گیا تھا۔

''میں مہارانی نہیں ہوں دینا ناتھ!'' ترکان شاہ کے لہجے میں کرب تھا۔ ''صرف رانی ہوں جس کی محل میں کوئی قدر و منزلت نہیں۔''

سوامی دینا ناتھ بہت تیزی سے سیدھا ہوا اور اس نے اپنی بڑی بڑی سرخ آنکھیں ترکان شاہ کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ ملکۂ ہند نے محسوس کیا کہ سوامی کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک ہے۔

''آپ کے ماتھے پر موٹے سے اکشروں (حروف) میں صاف صاف لکھا ہے کہ آپ ہی بھارت ورش کی مہارانی ہیں۔'' سوامی دینا ناتھ پُرجوش لہجے میں بول رہا تھا۔ ''آپ کے سوا کوئی دوسری استری یہ سمان (عزت) پراپت نہیں کر سکتی۔''

''تو یہ بات کس طرح کہتا ہے سوامی؟'' ترکان شاہ حیرت زدہ نظر آ رہی تھی۔

''میں نہیں، میرا گیان کہتا ہے۔'' ملکۂ ہند کو پگھلتا دیکھ کر سوامی دینا ناتھ کی لاف زنی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

''سوامی! مجھے اپنی تو فکر نہیں مگر.....''

ابھی ترکان شاہ کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ سوامی دینا ناتھ نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ''بیٹھ جایئے مہارانی! کب تک کھڑی رہیں گی؟''

ترکان شاہ سرخ مخملیں گدّے پر بیٹھنے لگی تو سوامی دینا ناتھ نے ایک بار پھر اپنی کم مائیگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''میں جانتا ہوں کہ یہ استھان آپ کے بیٹھنے کے یوگیہ (لائق) نہیں، پرنتو ایک سادھو سنت کیا کرے کہ بس یہی اس کی پونجی ہے۔ دہلی کے کچھ دھرم سیوکوں نے یہ چیزیں دان کر دی ہیں۔ ورنہ میرے لئے تو ایک چٹائی اور مٹی کا بستر ہی بہت ہے۔''

''میں اپنے لئے کچھ نہیں مانگتی سوامی!'' ترکان شاہ بہت آہستہ لہجے میں بول رہی تھی اور گفتگو کے دوران اِدھر اُدھر بھی دیکھ لیتی تھی۔

''یہاں آپ کی باتیں سننے والا کوئی نہیں ہے مہارانی!'' سوامی دینا ناتھ نے بڑی رازداری کے ساتھ کہا۔

''آپ، میں اور بھگوان، بس۔''

''دینا ناتھ! میں چاہتی ہوں کہ میرا بیٹا رکن الدین ولی عہدِ سلطنت بن جائے۔'' آخر کار ترکان شاہ نے اپنے دل کی بات ایک ایسے شخص سے کہہ ڈالی جسے شعبدہ بازی کے سوا کوئی ہنر نہیں آتا تھا۔ مگر ملکۂ ہند کی نظریں سوامی دینا ناتھ کے پیکر میں کسی عظیم روحانی طاقت کا مشاہدہ کر رہی تھیں۔

سوامی نے ایک اچٹتی سی نظر ترکان شاہ پر ڈالی اور پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں جیسے وہ مراقبے میں چلا گیا ہو اور وقت کی دیوار پر تحریر شدہ حالات پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

ترکان شاہ شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا تھی۔ اس کے چہرے پر مختلف رنگ اُبھر اُبھر کر ڈوب رہے تھے۔ وہ سوامی دینا ناتھ کے جواب کی منتظر تھی۔ مگر اسے نہیں معلوم تھا کہ سوامی کے ہونٹوں کی جنبش کیا خبر لے کر آئے گی؟ اس کا بیٹا رکن الدین، ولی عہدِ سلطنت بنے گا یا ہمیشہ کے لئے اس اعزاز سے محروم کر دیا جائے گا۔

آخر طویل انتظار کے بعد دینا ناتھ نے آنکھیں کھولیں۔ سوامی کے ہونٹوں پر بڑی فاتحانہ مسکراہٹ تھی جیسے اس نے کوئی سخت معرکہ جیت لیا ہو۔

''کنور رکن الدین تو پیدائشی سمراٹ ہیں۔'' سوامی دینا ناتھ ایک ایک نقطہ پر زور دے کر اس طرح بول رہا تھا جیسے شہزادے کا مستقبل اس کی گرفت میں ہو۔ ''ہونی ہو کر رہے گی۔ اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔''

دینا ناتھ کی پیشین گوئی سن کر ترکان شاہ مسرت سے جھوم اُٹھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے پر فکر و پریشانی کے آثار نظر آنے لگے۔ ''مگر میرا بیٹا ولی عہدِ سلطنت کس طرح بنے گا؟ ابھی تو شہزادہ ناصرالدین محمود زندہ ہے۔ اور سلطان تمام اراکین حکومت کی موجودگی میں اسے اپنا نائب قرار دے چکے ہیں۔ سوامی! تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔'' ترکان شاہ کے چہرے پر لرزنے والے بے یقینی کے سائے کچھ اور گہرے ہو گئے تھے۔

''عنقریب آپ سب کچھ جان لیں گی مہارانی!'' سوامی دینا ناتھ کے لہجے میں جوش بھی تھا اور دعویٰ بھی۔ ''بھارت ورش کا راج سنگھاسن صرف کنور رکن الدین کے لئے بنا ہے۔ آپ جن رکاوٹوں کی بات کر رہی ہیں، وہ ایک ایک کر کے دور ہو جائیں گی۔''

''اگر ایسا ہو گیا سوامی! تو میں تجھے سونے میں تول دوں گی۔'' ترکان شاہ بیٹے کے اقتدار کی خبر سن کر پاگل سی ہو گئی تھی۔ ''تیرے اس پوجا استھان کو راج بھون میں تبدیل کر دوں گی۔ وہ دن تو آئے سوامی! کہ میرے بیٹے کے سر پر تاجِ شاہی جگمگانے لگے۔ پھر تیرے دن بھی پھر جائیں گے۔''

''سادھو سنتوں کو کچھ نہیں چاہئے مہارانی!'' سوامی دینا ناتھ نے بڑے بے نیازانہ انداز میں کہا اور آنکھیں بند کر کے نعرہ زنی کرنے لگے۔ ''جے جگدیش ہرے..... جے جگدیش ہرے۔''

❁==❁==❁

ترکان شاہ، سوامی دینا ناتھ کی کٹیا سے اپنی آنکھوں میں نئے خواب سجا کر قصرِ شاہی چلی آئی۔

اتفاق سے کچھ دن بعد ہی شہزادہ ناصرالدین محمود کے انتقال کی خبر آ گئی اور پورے دہلی میں کہرام مچ گیا۔

سلطان شمس الدین التمش نے سب سے پہلے ناصرالدین محمود کو ہانسی کی جاگیر عطا کی، پھر شہزادے کے حُسنِ

انتظام سے متاثر ہو کر اودھ کی حکومت بھی اس کے سپرد کر دی۔ ناصرالدین محمود کا تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے بدترین دشمن راجہ بریتھو کو شکست فاش دی اور اس کا سر کاٹ کر سلطان کی خدمت میں دہلی بھیج دیا۔ راجہ بریتھو لکھنوتی (بنگال) کے علاقے رنگ پور کا حکمراں تھا۔ اس نے صرف مذہبی تعصب کی بنیاد پر ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو شہید کر ڈالا تھا۔ سلطان التمش نے راجہ بریتھو کی سرکوبی کے لئے اپنے کئی سالار روانہ کئے مگر بنگال کے پُر پیچ اور دشوار گزار راستوں کے باعث کسی کو بھی کامیابی حاصل نہ ہو سکی تھی۔ آخر شہزادہ ناصرالدین محمود نے باپ کو ایک خط تحریر کیا۔

''سلطانِ ذی وقار! اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے دنیا کی ہر نعمت اور آسائش سے سرفراز کیا ہے۔ مگر پھر بھی میرے دن شدید اضطراب میں گزرتے ہیں اور راتیں بے خواب ہیں۔ دن کو دربار آراستہ کرتا ہوں تو مجھے ہر گوشے میں لکھنوتی کے شہیدوں کی تڑپتی سسکتی لاشیں دکھائی دیتی ہیں۔ اور جب میں رات کو بستر پر پہنچتا ہوں تو مجھے اپنے دینی بھائیوں کی چیخیں اور سسکیاں سنائی دیتی ہیں۔ اکثر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مسلمان مقتولین میری خواب گاہ کے دروازے پر کھڑے فریاد کر رہے ہوں کہ کیا ہماری بے گور و کفن لاشوں کا حساب لینے والا کوئی نہیں؟ اگر حضورِ والا اجازت دیں تو میں قسمت آزمائی کروں اور اللہ کی زمین کو اس ظالم بریتھو سے نجات دلاؤں۔''

سلطان شمس الدین التمش نے اشک بار آنکھوں کے ساتھ بیٹے کا خط پڑھا اور فوراً ہی شہزادہ ناصرالدین محمود کو لکھنوتی کا حاکم مقرر کر دیا۔ شہزادے نے کچھ دن تک صورتِ حال کا جائزہ لیا اور پھر اپنی صفیں درست کرنے کے بعد رنگ پور کے حکمران راجہ بریتھو پر حملہ کر دیا۔ راجہ گزشتہ فتوحات کے نشے سے سرشار تھا۔ اس لئے وہ ناصرالدین محمود کی لشکر کشی کو بھی ایک عام جنگی مہم سمجھ رہا تھا۔ مگر جب مسلمان فوجیوں نے میدانِ جنگ کو انسانی خون سے سرخ کر دیا تو راجہ کو اندازہ ہوا کہ شہزادہ ناصرالدین محمود دوسرے حملہ آوروں سے مختلف ہے۔ کئی دن تک خونریز معرکہ جاری رہا۔ آخر راجہ بریتھو کو شکست ہوئی اور ناصرالدین محمود کے ایک جانباز نے راجہ کا سر کاٹ کر اس کی خدمت میں پیش کر دیا۔ پھر یہی کٹا ہوا سر دارالحکومت روانہ کر دیا گیا تاکہ سلطان التمش اور دہلی کے باشندے بھی ایک ظالم و سرکش انسان کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

بیٹے کی تاریخی فتح پر سلطان التمش نے بہت سے قیمتی تحائف ارسال کئے اور اس کے اختیارات میں مزید اضافہ کر دیا۔ اب شہزادہ ناصرالدین محمود، لکھنوتی کے بادشاہ کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا تھا مگر اس کی ہر دھڑکن اور ہر سوچ دہلی کے تابع تھی۔ سلطان التمش بیٹے کی بہادری، بلند کرداری اور انتظامی صلاحیت سے مطمئن تھا۔ وہ اکثر بھرے دربار میں اپنے امراء کو مخاطب کر کے کہتا تھا۔

''خدا کا شکر ہے کہ اس نے تختِ ہندوستان کے وارث کا مسئلہ حل کر دیا۔ اب مجھے کوئی فکر نہیں کہ میرے بعد کیا ہو گا۔''

مگر التمش کا یہ اطمینان بہت عارضی تھا۔ تقریباً ڈیڑھ سال بعد شہزادہ ناصرالدین بیمار ہوا۔ بہترین طبیبوں نے علاج کیا مگر انسانی تدبیر فرشتۂ اجل کے بڑھتے ہوئے قدموں کو نہ روک سکی۔ یہاں تک کہ 626ھ میں ناصرالدین محمود نے وفات پائی۔ اور جب یہ جانگداز خبر دہلی پہنچی تو پورے دارالحکومت میں صفِ ماتم بچھ گئی۔

شہزادے کی موت پر ہندو مسلمان اپنے پرائے سبھی سوگوار تھے۔ مگر ترکان شاہ کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہیں تھی۔

وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کے بیٹے کے راستے کی فولادی دیوار ہوا کے ایک ہی جھونکے سے گر جائے گی۔ سوامی دینا ناتھ کی پیشگوئی حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی تھی۔ ناصرالدین محمود کے انتقال کی خبر ملتے ہی ترکان شاہ نے اپنے ایک رازدار غلام کے ذریعے سوامی دینا ناتھ کو کئی قیمتی تحائف بھیجے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہلوایا تھا کہ اسے اپنا وعدہ یاد ہے۔

ترکان شاہ کی عنایات کے جواب میں سوامی دینا ناتھ نے بھی غلام کے کانوں میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''ہونی کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ ابھی اور بھی بہت سی دیواریں گریں گی۔''

ابھی ترکان شاہ کا غلام سوامی دینا ناتھ کا خفیہ پیغام لے کر پہنچا ہی تھا کہ اس کی رازدار کنیز گلنار کمرے میں داخل ہوئی۔

''گلنار! کیا خبر لائی ہے؟'' ترکان شاہ کے لہجے میں خوشی کے ساتھ ساتھ گہری تشویش بھی تھی۔ اگرچہ رکن الدین کے راستے کا سب سے بھاری پتھر ہٹ چکا تھا مگر ترکان شاہ سلطان کے دوسرے بیٹے معزالدین سے خائف تھی۔ معزالدین عمر میں رکن الدین سے چھوٹا تھا مگر وہ یہ راز جانتی تھی کہ مزاجِ سلطانی پر کوئی چیز اثر انداز نہیں ہوتی۔ اگر التمش چاہتا تو اپنے کم سن بیٹے قطب الدین کو بھی ولی عہد نامزد کر سکتا تھا۔ اسے روکنے والا کون تھا؟ یہی سوچ کر ترکان شاہ پریشان نظر آ رہی تھی۔

''شہزادے کے غم میں تمام بیگماتِ شاہی کی آنکھوں سے اشکوں کی برسات ہو رہی ہے اور تمام کنیزوں نے اپنے گریبان چاک کر ڈالے ہیں۔'' گلنار نے محل کی سوگوار فضا کی صحیح عکاسی کرتے ہوئے کہا۔

''تو جھوٹ بولتی ہے گلنار!'' ترکان شاہ، مرحوم شہزادے کی اس محبوبیت کو برداشت نہ کر سکی۔

''ملکۂ معظمہ بہتر جانتی ہیں کہ میں نے حقِ نمک کس طرح ادا کیا ہے؟'' گلنار ترکان شاہ کا آتشیں لہجہ سن کر سہم سی گئی۔ وہ ملکۂ ہند کی انتقامی فطرت اور کینہ پروری سے بخوبی واقف تھی۔ گلنار، ترکان شاہ کی آلۂ کار اس لئے نہیں بنی تھی کہ ہندوستان کی یہ کم ظرف ملکہ اسے کوئی جاگیر بخش دے گی۔ دراصل اچھے بے پناہ حُسن کے باعث گلنار، شہزادے کی خلوت میں داخل ہوئی اور اُسے اپنے دلکش خدوخال کا اسیر بنا لیا۔ وہ جانتی تھی کہ شہزادے کی ماں ترکان شاہ بھی کبھی ایک حسین لونڈی تھی۔ پھر جب سلطان التمش کی نگاہِ انتخاب اس پر پڑی تو وہ ایک معمولی کنیز سے ملکۂ ہند بن گئی۔ گلنار بھی یہی خواب لے کر شہزادہ رکن الدین کے شبستان میں پہنچی تھی۔

رکن الدین ایک اوباش فطرت شہزادہ تھا۔ اس نے اقتدار کی بھوکی کنیز کو چند لمحوں میں رام کر لیا۔ وہ تنہائی میں گلنار کو ملکۂ ہند کہہ کر مخاطب کرتا اور قصرِ شاہی کی ایک کنیز یکایک سطحِ زمین سے بلند ہو کر عرش کی وسعتوں میں پرواز کرنے لگتی۔ پھر جب اس کے خیالات کا طلسم ٹوٹتا تو وہ شہزادہ رکن الدین کی خواب گاہ کے فرش پر ایک ٹوٹی ہوئی صراحی کی طرح بکھری نظر آتی۔ کبھی کبھی گلنار، شہزادے سے اپنے خوف اور اندیشوں کا ذکر کرتی تو رکن الدین اسے خوبصورت الفاظ سے بہلا دیتا۔

''تختِ ہندوستان میرے قدموں کے نیچے آ جائے پھر دیکھنا کہ ایک شہنشاہ کس طرح اپنا وعدہ وفا کرتا ہے۔''

گلنار کئی سال سے اسی وعدۂ فردا کے سہارے زندہ تھی اور شہزادہ رکن الدین کی وجہ سے ترکان شاہ جیسی سخت گیر عورت کی جاسوسہ بننے پر مجبور تھی۔

''اور میرے بیٹے کے بارے میں قصرِ شاہی کے مکین کیا کہتے ہیں؟'' ترکان شاہ نے گلنار سے پوچھا۔

''کوئی بھی شہزادے سے خوش نہیں ہے۔'' گلنار سرگوشی کے انداز میں بول رہی تھی۔

''کسی کے خوش اور ناخوش ہونے سے کیا ہوتا ہے؟'' ترکان شاہ جوشِ جذبات میں چیخنے لگی۔ ''وہ ولی عہدِ سلطنت ہے اور مستقبل کا شہنشاہ۔ اس سے دشمنی رکھنے والا ایک شخص بھی زندہ نہیں بچے گا۔''

''آہستہ بولیے ملکۂ معظمہ! گلنار، ترکان شاہ کے کچھ اور قریب ہو گئی۔ ''اس وقت سلطانِ عالی مقام، بیٹے کے غم میں بدحال ہو رہے ہیں۔ آپ اُن کی غم گساری کیجئے۔ سائے کی طرح ان کے ساتھ رہئے۔ یہ دور رہنے کی گھڑی نہیں ہے۔ اور شہزادۂ عالم کو بھی سمجھائیے کہ وہ کچھ دنوں کے لئے شراب پینا ترک کر دیں۔ سلطان ان سے بہت خفا ہیں۔'' گلنار بڑی ذہانت سے ترکان شاہ کو نئی بازی کھیلنے کے انداز سکھا رہی تھی۔

❁==❁==❁

دہلی کے ہزاروں باشندے اور سلطنت کے تمام امراء، شہزادہ ناصرالدین محمود کی وفات پر سلطان سے تعزیت کر چکے تھے اور بظاہر سوگ کی رسم ختم ہو چکی تھی۔ مگر التمش کے دل کے زخموں سے اب بھی خون جاری تھا۔ وہ سرِ دربار اپنے جذبات پر قابو رکھتا لیکن جب خلوت میں پہنچتا تو بے اختیار بیٹے کو یاد کر کے رونے لگتا۔ ترکان شاہ موقع بے موقع سلطان کی خدمت میں حاضر ہوتی اور اپنے منصوبے کے مطابق مرحوم شہزادے کے غم میں سینہ کوبی کرنے لگتی۔

''کاش! ولی عہدِ سلطنت کے بجائے میرے بیٹے رکن الدین کو موت آ جاتی۔''

ترکان شاہ کا یہ اندازِ تعزیت اس قدر مصنوعی ہوتا کہ سلطان التمش پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا۔ ''اس نمائش سے کچھ حاصل نہیں ہو گا ترکان شاہ! اگر تجھے واقعی ناصرالدین کی موت کا غم ہوتا تو تیری آنکھیں اس طرح خشک نہ ہوتیں۔ ارا آئینہ تو دیکھ کہ تیری پلکوں میں ہلکی سی نمی تک نہیں ہے، چہرے پر عکسِ ملال تک نہیں۔ پھر یہ کیسا سوگ ہے، کیسا ماتم ہے؟''

''آپ نے ہمیشہ میری رفاقت پر شک کیا ہے۔'' ترکان شاہ گھبرا جاتی جیسے اس کی شخصیت پر چڑھا ہوا ملمع اُتر گیا ہو اور وہ اپنے حقیقی نقش و نگار کے ساتھ بے نقاب نظر آنے لگی ہو۔

''سچا رفیق وہی ہے جو میرے فیصلوں کو دل سے قبول کرے۔'' سلطان نے اسے آزمانے کے لئے کہا۔

''کیا ایسی کوئی مثال موجود ہے کہ جب میں نے سلطانی فیصلے سے اختلاف کیا ہو؟'' ترکان شاہ حسبِ عادت چرب زبانی پر اُتر آئی۔

''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ شہزادہ معزالدین کو ولی عہدِ سلطنت نامزد کر دوں۔'' سلطان التمش نے ٹھہر ٹھہر کر کہا اور ترکان شاہ کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا۔

''یہ کھلی ہوئی ناانصافی ہے۔'' ترکان شاہ کا سرخ و سفید چہرہ یکایک مسخ ہو گیا اور وہ بدحواس ہو کر چیخنے لگی۔ ''یہ کیسے ممکن ہے کہ بڑے بیٹے کی موجودگی میں چھوٹے بیٹے کو اس اہم ترین منصب پر فائز کر دیا جائے۔''

''سب کچھ ممکن ہے ترکان شاہ!'' التمش نے پُرجلال لہجے میں کہا۔ ''سلطنت کا مالک خوب جانتا ہے کہ کس کے کاندھے وراثت کا بوجھ اُٹھا سکتے ہیں۔ شہزادہ معزالدین نوعمر ہونے کے باوجود تیرے بیٹے سے زیادہ مضبوط ارادوں

کا مالک ہے۔''

''آپ اپنے فیصلے کو کوئی بھی نام دے دیں۔ مگر اسے فیصلہ نہیں کہا جا سکتا۔'' ترکان شاہ اپنے شوہر سے مسلسل جرح کر رہی تھی۔

''ابھی کچھ دیر پہلے تو ملکۂ ہند نے کہا تھا کہ وہ سلطان کے ہر فیصلے کا احترام کرتی ہے۔'' التمش کے لہجے سے شدید طنز جھلک رہا تھا۔

''کچھ بھی ہو مگر میں رکن الدین کی حق تلفی نہیں ہونے دوں گی۔'' ترکان شاہ سرکشی پر اُتر آئی تھی۔

''تیرے بیٹے کا حق نہیں مارا جائے گا ترکان شاہ!'' اچانک التمش کا لہجہ شکستہ ہو گیا۔ ''مگر اس شخص کی بدنصیبی کا تو خیال کر جو ایک نالائق اور ناکارہ سپاہی کو اپنی افواج کا سالار بنانے پر مجبور ہے۔''

خواب گاہ میں سلطان کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ ترکان شاہ اُٹھ کر چلی گئی۔ التمش بڑی اُداس نظروں سے اس عورت کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا جو ابھی ابھی شوہر کی وفاداری کا دم بھر رہی تھی مگر جب اولاد درمیان میں آئی تو اس نے ہر رشتے کو قتل کر دیا۔

❁==❁==❁

اس دن کے بعد سے ترکان شاہ چھوٹے شہزادے معزالدین کی طرف سے بھی بہت محتاط ہو گئی تھی۔ اس نے فوری طور پر اپنے بیٹے رکن الدین کو تنہائی میں طلب کرتے ہوئے کہا تھا۔

''آخر وہی ہوا، جس کا مجھے اندیشہ تھا۔'' ترکان شاہ کے ہونٹوں سے نفرتوں کا زہر ٹپک رہا تھا۔ ''یہ سب حکمران ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔ اپنی خواہشات کے تابع اور اپنی مرضی کے مالک۔ حق داروں کو حق سے محروم کرنے والے اور حاشیہ برداروں کو اپنے سر پر بٹھانے والے۔'' ترکان شاہ اس شوہر پر الزام تراشی کر رہی تھی جس کے عدل و انصاف کی پورے ہندوستان میں دھوم تھی۔

''کیا ہوا مادرِ گرامی؟'' رکن الدین حیرت زدہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''وہی ہونے والا ہے جو نہیں ہونا چاہئے۔'' ترکان شاہ کا چہرہ غصے سے سرخ تھا اور ہونٹوں سے شعلے برس رہے تھے۔ ''سلطان نے مجھ سے کہا ہے کہ تیرا سوتیلا بھائی معزالدین بھی ولی عہدِ سلطنت ہو سکتا ہے۔''

''مگر تمام امرائے سلطنت تو میرے حق میں ہیں۔'' رکن الدین نے چونکتے ہوئے کہا۔

''یہ تو کیسے کہہ سکتا ہے کہ تجھے تمام امرائے سلطنت کی حمایت حاصل ہے؟'' فرطِ حیرت سے ترکان شاہ کی زبان لڑکھڑانے لگی تھی۔

''میں ان سب سے گفتگو کر چکا ہوں۔ وہ دربار سے لے کر خلوتِ سلطانی تک میری ہی تائید کریں گے۔'' رکن الدین نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

ترکان شاہ جذباتی ہو گئی اور اس نے آگے بڑھ کر رکن الدین کو گلے سے لگا لیا۔ ''اب میرا بیٹا سیاست کی چالیں سیکھ گیا ہے۔'' ترکان شاہ نے رکن الدین کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ مجھے اتنا کند ذہن سمجھتی ہیں کہ میں بساطِ سیاست پر ایک چال بھی نہیں چل سکتا؟'' رکن الدین کے چہرے پر ناگواری کا رنگ اُبھر آیا تھا۔

''میں نہیں، تیرے باپ تجھے ناکارہ بھی سمجھتے ہیں اور نالائق بھی۔'' ترکان شاہ کی خودغرضی اور کمینگی نے باپ اور بیٹے کے درمیان اختلافات کی پہلی دیوار اٹھا دی تھی۔

''کیا بابا محترم میرے بارے میں ایسا سوچتے ہیں؟'' رکن الدین کا چہرہ دھواں ہوتا جا رہا تھا۔

''اس سے بھی زیادہ۔'' ترکان شاہ نے پہلے بیٹے کے دل میں ایک چنگاری پیدا کی اور اب اسے ہوا دے رہی تھی۔

''مگر میں تو بابا جان کا بہت احترام کرتا ہوں۔ میرے دل میں ان کے لئے شدید محبت ہے۔'' رکن الدین نے نظریں جھکا لی تھیں مگر اس کے چہرے پر اُداسیوں کے سائے لرزنے لگے تھے۔

''میں یہ کب کہتی ہوں کہ تو ان سے محبت نہ کر۔'' یکایک ترکان شاہ کا لہجہ بدل گیا تھا اور اب وہ نئے زاویے سے بیٹے کو شیشے میں اُتار رہی تھی۔ ''میں تو بس اتنا چاہتی ہوں کہ تجھے تیرا حق مل جائے اور تیری ماں سرخرو ہو جائے۔''

''آخر آپ کی سرخروئی میں کیا کمی رہ گئی ہے؟'' رکن الدین نے حیران ہو کر کہا۔ ''ملکۂ ہند ہیں آپ، اس کے بعد کون سا منصب باقی رہ جاتا ہے؟''

''رکن الدین! تیری ماں ملکۂ ہند ہے، ملکۂ عالیہ نہیں۔'' یہ کہتے کہتے ترکان شاہ رونے لگی تھی۔ ''تمام بیگماتِ سلطانی تیری ماں کو ایک حقیر لونڈی سمجھتی ہیں۔'' ترکان شاہ کے آنسو وہی آنسو تھے جنہیں اکثر عورتیں اپنے آخری ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ ''تجھے کیا معلوم ہے کہ تیری ماں پچیس سال سے کس آگ میں جل رہی ہے۔ اگر تو غیرت مند بیٹا ہے تو ہاتھ سے جامِ شراب پھینک دے اور تلوار اُٹھا لے۔ مجھے میرا حق دے رکن الدین! میں نے اسی دن کے لئے تجھے اپنا خون پلا کر جوان کیا تھا۔''

ماں کے آنسو دیکھ کر رکن الدین بھی بے قرار ہو گیا تھا۔ ''میں قسم کھاتا ہوں مادرِ گرامی! کہ اگر منصبِ شاہی تک پہنچ گیا تو آپ کی ایک ایک محرومی کا ازالہ اس طرح کروں گا کہ ساری دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھے گی۔''

''اور اگر تجھ سے تیرا حق چھیننے کی کوشش کی گئی؟'' ترکان شاہ بڑی عیاری سے اپنے بیٹے کے گرد دام بچھا رہی تھی۔

''تو پھر میں تلوار سے کام لوں گا۔'' رکن الدین بھی جوش میں آ گیا تھا۔ ''ولی عہدی میرا حق ہے۔ بابا محترم بھی مجھے اس حق سے محروم نہیں کر سکتے۔''

''تیری عمر دراز ہو رکن الدین!'' ترکان شاہ نے ایک بار پھر بیٹے کی پیشانی پر ہونٹ رکھ دیئے۔ ''اگر تجھ سے تیرا حق چھیننے کی کوشش کی گئی تو سلطان کی ایک اولاد بھی زندہ نہیں بچے گی۔ ولی عہدی کے مقابلے میں بس دو ہی تیرے حریف ہیں۔ ایک معزالدین اور دوسرا قطب الدین۔ اگر سلطان کے فیصلے میں کوئی تبدیلی آئی تو یہ دونوں تہہ تیغ کر دیئے جائیں گے۔ میرے ہی وفادار سپاہی آج کل ان دونوں کی حفاظت پر مامور ہیں۔''

ترکان شاہ کی زبان سے خونی منصوبے کی تفصیل سن کر شہزادہ رکن الدین گھبرا سا گیا۔ ''نہیں مادرِ گرامی! یہ بہت خطرناک کھیل ہے۔''

''تو ابھی بچہ ہے رکن الدین! تجھے کیا خبر کہ اقتدار کے لئے کیسے کیسے خوفناک اقدام کئے جاتے ہیں۔'' ترکان شاہ کی آنکھوں میں اس درندے کی جھلک نظر آنے لگی تھی جسے انسانی خون پینے کی عادت پڑ چکی ہو اور جو بہت دنوں سے پیاسا ہو۔ ''اگر میرا بیٹا تختِ ہندوستان تک نہ پہنچ سکا تو سلطان کی کوئی اولاد بھی اس اعزاز سے شرف یاب نہ ہو

سکے گی۔ سب کو خونیں کفن پہنا دوں گی اور پورا قلعۂ معلیٰ مقتل بن جائے گا۔ میں ترکان شاہ ہوں۔ ترکان شاہ!''

شہزادہ رکن الدین نے پہلی بار اپنی ماں کا یہ روپ دیکھا تھا۔ حیرت کی زیادتی سے اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ ابھی وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

''آجا شمسہ!'' ترکان شاہ نے بلند آواز میں کہا۔

خواب گاہ کا دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر عورت اندر داخل ہوئی۔

''یہ کون ہے مادرِ گرامی؟'' شہزادہ رکن الدین نے اجنبی عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''سلطانِ معظم کی کنیزِ خاص۔'' ترکان شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اور میری معتبر جاسوسہ۔ یہ بھی سلطان کے عدل و انصاف کی ماری ہوئی ہے۔ اس کا جواں سال بیٹا قلعے کے محافظ سپاہیوں میں شامل تھا۔ اس نے شراب کے نشے میں کسی غریب شہری کو قتل کر دیا تھا۔ سلطان نے خون بہا کے طور پر اس کے بیٹے کو قتل کرایا۔ یہ بہت روئی، بہت چیخی، سلطان کے رحم کو پکارا۔ مگر عدالت نے اس کی کوئی فریاد نہیں سنی۔ وائے ہند اُس کے بیٹے کو معاف کر سکتے تھے مگر معاف نہیں کیا گیا۔ پھر یہ دن رات آنسو بہاتی رہی۔ آخر ایک دن اس کے آنسوؤں کے سیلاب میں شہزادہ ناصرالدین محمود ڈوب گیا۔ اسی روز یہ پہلی بار مسکرائی اور کہنے لگی کہ ''انصاف ہو گیا۔'' ترکان شاہ بڑی بے رحمی اور کمینگی کے ساتھ سلطان التمش کے انصاف کو بدنام کر رہی تھی۔

شہزادہ رکن الدین نے ایک بار پھر اس عورت کو بہت غور سے دیکھا جو گوشت و پوست کی بنی ہوئی تھی مگر پتھر نظر آ رہی تھی۔

''کیا خبر لائی ہے شمسہ؟'' ترکان شاہ نے اپنی جاسوسہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''آج کل شہزادی رضیہ سلطانہ باقاعدگی کے ساتھ خلوتِ سلطانی میں حاضر ہو رہی ہے۔'' شمسہ کا لہجہ بہت سرد تھا۔

''ایک باپ اور بیٹی کی ملاقات پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟'' ترکان شاہ نے کنیز شمسہ کی اس اطلاع کو غیر اہم سمجھتے ہوئے کہا۔

''شہزادی روزانہ نصف شب کے قریب تشریف لاتی ہیں اور اذانِ فجر تک سلطان کے ساتھ مصروفِ گفتگو رہتی ہیں۔''

اس انکشاف پر ترکان شاہ چونک اُٹھی۔ ''تُو نے ان دونوں کی باتیں سنیں؟''

''یہ میرے لئے ممکن نہیں۔'' شمسہ نے اپنی مجبوری کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ ''میں کمرے میں اسی وقت داخل ہو سکتی ہوں جب سلطان کسی کام کے لئے مجھے طلب کرتے ہیں۔ اتنے مختصر سے وقت میں اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟ پھر بھی جو بے ربط الفاظ میرے کانوں میں محفوظ رہ گئے ہیں، ان کا مفہوم تو یہی ہے کہ حکومت کے انتظامات کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے۔''

ترکان شاہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اور پھر کچھ دیر بعد شمسہ سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''رضیہ سلطانہ پر نظر رکھ۔ کہیں وہ شہزادہ رکن الدین کے خلاف سلطان کو ورغلانے کی کوشش نہ کرے۔''

شمسہ آہستہ قدموں کے ساتھ ترکان شاہ کی خواب گاہ سے نکل کر سلطان التمش کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

❄==❄==❄

شہزادی رضیہ سلطانہ آج بھی حسبِ معمول آدھی رات کے قریب باپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔

سلطان التمش تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگ رہا تھا۔ رضیہ سلطانہ دبے پاؤں آگے بڑھی اور دوزانو ہو کر باپ کے پیچھے بیٹھ گئی۔ جب التمش مصلے سے اُٹھا تو اس کی نظر رضیہ پر پڑی۔

''بیٹی! تم کب آئیں؟''

''ابھی کچھ دیر پہلے..... آپ دعا میں مصروف تھے۔'' رضیہ سلطانہ نے باپ کی طرف دیکھا۔ التمش کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''بابا محترم! پھر یہ آنسو؟'' رضیہ کے لہجے میں بڑی تڑپ تھی۔ ''آپ نے تو مجھ سے وعدہ فرمایا تھا.....''

''میں وعدہ شکن نہیں ہوں بیٹی!'' التمش نے رضیہ سلطانہ کو اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔ ''مگر کیا کروں؟ ناصرالدین مجھے بڑی آزمائش میں چھوڑ گیا ہے۔ جب اس کی یادوں کے آتشیں غبار سے سینہ جل اُٹھتا ہے تو آنکھیں بھی برسنے لگتی ہیں۔ اپنے بیٹے کا غم تو برداشت کر لیا مگر ان لاکھوں بیٹوں کا کیا کروں جن کی ذمہ داریاں میرے سپرد کی گئی ہیں؟ لکھنوتی میں ایک بار پھر حالات خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ خود وہاں جاؤں تو دہلی میں کسے چھوڑ دوں؟ طالع آزما موقع کے انتظار میں ہیں اور ایک دوسرے سے سرگوشیاں کر رہے ہیں کہ خاندانِ التمش ختم ہو گیا۔''

''کیسے سوچ سکتے ہیں وہ یہ بات؟'' رضیہ سلطانہ انتہائی تند و تیز لہجے میں بول رہی تھی۔ ''خدا خاندانِ التمش کو اپنی امان میں رکھے۔ اگر ایک شیر سو گیا تو کیا ہوا؟ ابھی دس شیر باقی ہیں اور سب کے سب جاگ رہے ہیں۔'' رضیہ نے سلطان التمش کے دس بیٹوں کا ذکر بڑے فخر کے ساتھ کیا تھا۔

''مجھے یہی غم تو کھائے جاتا ہے بیٹی! کہ میرے شیروں نے گیدڑوں کی کھالیں پہن لی ہیں اور جنگل کے تمام جانور آہستہ آہستہ ہر خوف سے بے نیاز ہوتے جا رہے ہیں۔'' التمش کے لہجے میں بڑی شکستگی تھی جیسے وہ اپنی محرومیوں کا نوحہ پڑھ رہا ہو۔

''بھائی رکن الدین، معزالدین اور قطب الدین اس قابل ہیں کہ آپ کے جنگل کی حفاظت کر سکیں۔'' رضیہ سلطانہ نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

''بیٹی! یہ تیری اعلیٰ ظرفی ہے کہ تُو ہمیشہ اپنے سوتیلے بھائیوں کی تعریف کرتی رہتی ہے۔'' التمش نے بڑی شفقت سے رضیہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''خیر! قطب الدین! تُو ابھی بہت نوعمر ہے لیکن معزالدین بھی اس قابل نہیں کہ وہ شہنشاہیت کا بارِ گراں اُٹھا سکے۔ اور وہ تیرا سب سے بڑا بھائی رکن الدین، ولی عہدی کا امیدوار، تُو اُس کے بارے میں کیا جانتی ہے؟ جب وہ مجھ سے شہزادہ ناصرالدین محمود کی تعزیت کے لئے آیا تھا تو اس کے منہ سے شراب کی بُو آ رہی تھی۔'' التمش کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

رضیہ سلطانہ کچھ دیر تک اذیت و کرب کے عالم میں خاموش بیٹھی رہی، پھر اس نے باپ کے سینے پر سر رکھ دیا۔

''بابا محترم! آپ تنہا نہیں ہیں۔ ابھی تو میں زندہ ہوں۔ طالع آزماؤں کے ایک ایک منصوبے کو خاک میں ملا دوں گی۔''

''ہاں میری شیر دل بیٹی! مجھے تجھ پر اعتبار ہے۔ اگر تُو نہ ہوتی تو شاید آج التمش بھی زندہ نہ ہوتا۔'' یہ کہتے کہتے سلطان کی آنکھوں کے سامنے وہ خوفناک منظر گھوم گیا، جب شکار کے دوران ایک شیر نے التمش پر حملہ کر دیا تھا۔ اس

وقت رضیہ سلطانہ، باپ کے قریب تھی۔ امرائے سلطنت، التمش کی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے۔ مگر شہزادی رضیہ نے بڑی دلیری کا ثبوت دیا اور شیر پر تلوار کے کئی وار کئے۔ یہاں تک کہ جنگل کا بادشاہ، ہندوستان کے بادشاہ کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔

''کاش! تُو لڑکا ہوتی تو تیرا باپ اس طرح اپنے وارثوں کی نا اہلی کا ماتم نہ کرتا۔'' سلطان التمش خیالات کے حصار سے نکل آیا اور رضیہ کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر بڑی حسرت سے دیکھنے لگا۔

''میں لڑکا ہی ہوں بابا محترم! میری طرف غور سے دیکھئے۔'' رضیہ سلطانہ نے بڑے پُرعزم لہجے میں کہا۔

''ہاں.....تُو لڑکا.....ہی ہے۔'' سلطان التمش رُک رُک کر بول رہا تھا۔ ''میری سلطنت کا وارث۔''

ترکان شاہ کی جاسوسہ، شمسہ دروازے سے کان لگائے ہوئے باپ اور بیٹی کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔ جیسے ہی التمش خاموش ہوا، شمسہ تیز قدموں سے آگے بڑھی اور ترکان شاہ کے کمرے کی طرف جانے لگی۔

❁==❁==❁

جب کنیز شمسہ نے التمش اور شہزادی رضیہ سلطانہ کے درمیان ہونے والی گفتگو ترکان شاہ کو منتقل کی تو کچھ دیر کے لئے ملکۂ ہند سکتے میں آ گئی۔

''کیا.....یہ.....بھی.....ممکن ہے؟'' ترکان شاہ کی زبان سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔

''شہزادہ رکن الدین کی مخالفت میں سب کچھ ممکن ہے ملکۂ عالیہ!'' شمسہ نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔ وہ آج بھی سلطان التمش کو اپنے بیٹے کی موت کا ذمہ دار سمجھتی تھی۔ اسی لئے یہ نمک حرام کنیز اپنے آقا کے خلاف مسلسل سازشیں کر رہی تھی۔ شمسہ چاہتی تھی کہ خاندانِ التمش کے تمام افراد ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں۔ بیگمات آپس میں لڑیں، بھائی، بھائی کی گردن کاٹ دے اور بیٹے اقتدار کے لئے باپ کا سر تن سے جدا کر دیں۔

شمسہ کی زبان سے ملکۂ عالیہ کا لفظ سن کر ترکان شاہ خوشی سے جھوم اُٹھی تھی۔ ''تُو نے کیا کہا شمسہ؟'' ترکان شاہ تمام باتیں بھول کر ملکۂ عالیہ کے طلسم میں اُلجھ گئی تھی۔

''میرے نزدیک آپ ہی ملکۂ عالیہ ہیں۔'' عیار شمسہ، ترکان شاہ کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

ترکان شاہ نے فوراً ہی اپنی گردن سے قیمتی موتیوں کا ہار اُتار کر شمسہ کی طرف بڑھا دیا۔ ''ہم اپنے خدمت گاروں پر اسی طرح لطف و کرم کی بارش کرتے ہیں۔'' ترکان شاہ کے لہجے میں بڑا غرور تھا۔

شمسہ نے چند قدم آگے بڑھ کر موتیوں کا ہار لے لیا اور ترکان شاہ کے سامنے سات بار فرشی سلام پیش کیا۔ ورنہ آج سے پہلے وہ شہزادہ رکن الدین کی ماں کو صرف ایک ہی سلام کرتی تھی اور وہ بھی نصف قد تک خم ہو کر..... ''ملکۂ عالیہ کا اقبال بلند ہو۔''

''ہم یہ لفظ سلطانِ معظم کی زبان سے سننا چاہتے ہیں شمسہ!'' ترکان شاہ کی ناآسودہ حسرت نے ایک بار پھر اس کے سینے میں آگ لگا دی تھی۔ ''جب ہم سرِ دربار پہنچیں تو سارے امراء اسی ایک لفظ کی گردان کریں۔''

''یہ اس وقت تک ممکن نہیں ملکۂ عالیہ! جب تک دوسری بیگماتِ شاہی زندہ ہیں۔'' شمسہ نے ایک نئے انداز سے

ترکان شاہ کے دل میں بھڑکتی ہوئی آگ کو ہوا دی تھی۔

سلطان التمش کی دوسری بیویوں کا ذکر سنتے ہی ترکان شاہ کا چہرہ مسخ ہو کر رہ گیا۔

عیار شمسہ اس صورتِ حال سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ ''سلطانِ معظم سب سے زیادہ شہزادی رضیہ کی ماں سے محبت کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو ولی عہد نامزد کرنا چاہتے ہیں۔''

''ایک لڑکی اور ولی عہدِ سلطنت؟'' اگرچہ رضیہ کی ماں کا نام سن کر ترکان شاہ جل اُٹھی تھی لیکن پھر بھی اس نے اپنے حواس نہیں کھوئے تھے۔ ''ایک عورت لاکھوں مردوں پر حکومت کرے؟ تیرے کان دھوکا کھا گئے شمسہ!'' ترکان شاہ نے اپنی جاسوسہ کو جھٹلاتے ہوئے کہا۔

''بے شک! تُو نے سلطانِ معظم اور شہزادی رضیہ کی گفتگو سننے میں غلطی کی۔'' شہزادہ رکن الدین نے بھی کنیز شمسہ کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ وہ بہت دیر سے خاموش بیٹھا تھا۔ ''یہ ہو سکتا ہے کہ سلطانِ ذی حشم میرے بجائے کسی دوسرے بیٹے کو پسند کرتے ہوں، مگر یہ ممکن نہیں کہ وہ ایک لڑکی کو غیرت مند ترکوں پر مسلط کر دیں۔''

شمسہ گھبرا گئی مگر فوراً ہی سنبھل کر بولی۔ ''شہزادۂ مکرم! میرے اور سلطان کے درمیان فاصلہ زیادہ تھا، اس لئے ہو سکتا ہے کہ چند الفاظ میری سماعت کی گرفت میں نہ آ سکے ہوں اور گفتگو کا مفہوم خبط ہو کر رہ گیا ہو۔ مگر میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ ولی عہدی کا مسئلہ ان دونوں کے درمیان زیرِ بحث تھا۔''

ترکان شاہ کچھ دیر تک گہری سوچ میں ڈوبی رہی، پھر اپنی جاسوسہ کی طرف دیکھتے ہوئے بہت آہستہ لہجے میں کہنے لگی۔

''میں تیری کارکردگی سے مطمئن ہوں شمسہ! شہزادی رضیہ اور سلطانِ معظم سے اس کی ملاقاتوں پر گہری نظر رکھ۔ وہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ کسی وقت بھی مزاجِ شاہی پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔''

کنیز شمسہ نے ترکان شاہ کی خدمت میں رخصتی سلام پیش کیا اور اُلٹے قدموں چلتی ہوئی ملکۂ ہند کی خواب گاہ سے نکل گئی۔

شمسہ کے جاتے ہی ترکان شاہ اپنے بیٹے شہزادہ رکن الدین سے مخاطب ہوئی۔

''شمسہ کی فراہم کردہ خبر مکمل طور پر بے بنیاد نہیں ہے۔ لاکھ اس کے کانوں نے دھوکا کھایا ہو، مگر ولی عہدی کا مسئلہ بہت اہم ہے۔'' بیٹے سے گفتگو کرتے وقت ترکان شاہ کی آنکھوں میں تمام دنیا کی عیاریاں سمٹ آئی تھیں۔

''یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ شہزادی رضیہ کسی بھی حال میں ولی عہدِ سلطنت نہیں بن سکتی۔ مگر یہ تو ممکن ہے میرے بے خبر بیٹے! کہ وہ اپنے حقیقی بھائیوں معزالدین اور قطب الدین کی سفارش کرے اور سلطان تجھے تیرے حق سے محروم کر دیں۔''

ماں کی باتیں سن کر شہزادہ رکن الدین بھی پریشان نظر آنے لگا۔ ''کیا آپ نے بابا محترم کی آنکھوں میں ایسے کسی ارادے کی جھلک دیکھی ہے؟''

''ابھی تک تو اس قسم کے آثار نظر نہیں آئے مگر شاہوں کا کیا اعتبار؟'' ترکان شاہ نے بیٹے کی خاطر اپنے شوہر کی بلند کرداری کی مکمل نفی کر دی تھی۔ ''ناصرالدین کی موت کو اتنے دن ہو گئے، اس کی ہڈیاں بھی گل سڑ کر مٹی میں مل چلی ہوں گی۔ مگر ابھی تک تجھے کوئی عہدہ و منصب نہیں دیا گیا ہے۔ بس سلطان کی یہی خاموشی اس بات کی غماز ہے

کہ وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ رضیہ نے مداخلت کی ہو اور سلطان کی نظریں شہزادہ معزالدین پر مرکوز ہوگئی ہوں۔''

''پھر میں کیا کروں مادرِ گرامی؟'' شہزادہ رکن الدین کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے خوابوں کا محل ڈھیر ہوگیا ہو اور وہ اس کے ملبے میں دبا کراہ رہا ہو۔

''اس کے سوا ہم کیا کر سکتے ہیں کہ معزالدین کا کام تمام کر ڈالیں۔'' ترکان شاہ کی فطری درندگی اس کی آنکھوں سے جھلکنے لگی تھی۔

شہزادہ رکن الدین نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا، پھر تیزی سے اٹھا اور کمرے کا دروازہ کھول کر کچھ دیر تک طویل راہ داری میں نظریں جمائے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد شہزادے نے دروازہ بند کیا اور ماں کے قریب آ گیا۔

''باہر کیا دیکھ رہے تھے؟'' ترکان شاہ نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

''جب آپ کی جاسوسہ شمسہ، سلطانِ معظم کی گفتگو سننے کی کوشش کر سکتی ہے تو پھر ایسی ہی کوئی کنیز ہماری خلوتوں کے راز بھی چرا کر لے جا سکتی ہے۔'' شہزادہ رکن الدین نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''مادرِ محترم! مجھے آپ سے بڑی شکایت ہے۔''

''کیسی شکایت؟'' ترکان شاہ کے ماتھے پر کئی بل پڑ گئے۔

''آپ کی جذباتی طبیعت اور مزاج کی یہ تیزی کسی وقت بھی ہمارے لئے خطرہ بن سکتی ہے۔'' شہزادہ رکن الدین نے اپنی ضدی اور سرکش ماں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''کسی شہزادے کے قتل کی باتیں اتنی بلند آواز میں نہیں کی جاتیں۔ اور پھر کون قتل کرے گا معزالدین کو؟'' رکن الدین کے لہجے میں کسی قدر ناگواری کا رنگ شامل تھا۔

''میرے غلام، میرے نمک خوار معزالدین کے کاندھوں کا بوجھ ہلکا کریں گے۔'' ترکان شاہ کی آواز مدھم تھی مگر لہجہ بڑا سفاکانہ تھا۔

''کیا شہزادہ معزالدین کوئی عام شہری ہے کہ جس کے قتل کی کوئی باز پرس نہیں ہوگی؟'' شہزادہ رکن الدین نے اپنی جذباتی ماں سے بڑا عجیب سوال کر ڈالا تھا۔ ''آپ سمجھتی ہیں کہ کوئی عدالت آراستہ نہیں ہوگی اور کسی گواہ کو طلب نہیں کیا جائے گا؟''

بیٹے کی باتیں سن کر ترکان شاہ حیران رہ گئی تھی۔ اس کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں حلقوں سے باہر نکل آئی تھیں۔

''جب شہزادے کے قاتلوں پر تشدد کیا جائے گا تو آپ کے ان ہی نمک خواروں کی زبانیں ایک ایک راز کو اُگل دیں گی۔'' رکن الدین کا لہجہ تلخ ہوگیا تھا۔

''پھر کیا ہوگا میرے بیٹے؟'' اب کی بار ترکان شاہ نے اپنے بیٹے سے وہی سوال دہرایا تھا۔ ''اگر تیرے بجائے کوئی دوسرا شہزادہ، ولی عہدی کے منصب پر فائز ہوگیا تو میری بچھائی ہوئی پوری بساط ہی اُلٹ جائے گی۔''

''ابھی ہم انتظار کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔'' شہزادہ رکن الدین نے ماں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''جب سلطانِ معظم کا کوئی ارادہ ظاہر نہیں ہوا ہے تو پھر ہمیں بھی کچھ دن تک صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے۔ آپ کی اضطراری حرکتیں بنا بنایا کھیل بگاڑ بھی سکتی ہیں۔ اور آپ کے یہ جاسوس؟..... کسی کی بھی زبان، سلطانِ معظم کے سامنے لڑکھڑا سکتی ہے۔

پھر بڑی رسوائیاں ہوں گی مادرِ گرامی!''

ترکان شاہ کے چہرے پر فکر و پریشانی کی پرچھائیاں لرزنے لگیں۔

❄==❄==❄

ادھر ترکان شاہ اور شہزادہ رکن الدین اقتدار حاصل کرنے کے لئے درپردہ سازشوں میں مصروف تھے اور دوسری طرف قرامطہ کی ایک جماعت سوامی دینا ناتھ کی کٹیا میں داخل ہو کر اس شعبدہ باز سے مدد کی درخواست کر رہی تھی۔ قرامطہ ایک ایسا فرقہ تھا، جس نے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔ ایک قرمطی سردار ابوطاہر 319ھ میں مکہ معظمہ پہنچا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر شمشیرِ بے نیام لئے مسجد حرام میں داخل ہوا اور پھر اس بدکار نے وہاں بیٹھ کر شراب پی۔ طواف میں مصروف حاجیوں کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ ''چاہِ زم زم'' اور شہر مکہ کے کئی کنوئیں مسلمانوں کی لاشوں سے پٹ گئے۔ پھر قرمطی ابوطاہر نے خانۂ کعبہ کا دروازہ اُکھڑوا دیا اور ایک ایسا نعرہ لگایا، جس کی جرأت شیطان بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''میں ہی اللہ ہوں اور اللہ میں ہی ہو سکتا ہوں۔ میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور میں نے ہی انہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا۔''

پھر وہ ''حجرِ اسود'' کو اپنے ساتھ لے گیا۔ جس کی وجہ سے دس سال تک حج موقوف رہا۔ ابوطاہر قرمطی چیچک کے مرض میں مبتلا ہو کر بڑی دردناک موت سے دوچار ہوا۔ اس کے مرتے ہی قرامطہ کا زور ٹوٹ گیا اور وہ اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ بہت سے قرامطہ فرار ہو کر گجرات (ہندوستان) کے ساحل پر آباد ہوگئے۔ محمود غزنوی نے اپنے دورِ اقتدار میں ان کی بنیادیں کھود ڈالیں اور مرکزیت کو ختم کر دیا۔ مگر پھر بھی قرامطہ کی ایک جماعت اپنی جان بچا کر ملتان اور دہلی کی گلیوں میں روپوش ہوگئی۔ آج اسی جماعت کے کچھ نمائندے تخریب کاری کا نیا منصوبہ لے کر سوامی دینا ناتھ کے پاس آئے تھے۔

''آخر تم لوگ مجھ سنیاسی سے کیا چاہتے ہو؟'' دینا ناتھ نے قرامطہ کے سردار ملک الماس سے کہا۔ ''ایک تارک الدنیا شخص تمہاری کیا مدد کر سکتا ہے؟''

''سلطان محمود غزنوی نے اپنے دورِ حکومت میں ہم پر بڑے مظالم ڈھائے تھے سوامی!'' ملک الماس نے بڑی عیاری کے ساتھ دینا ناتھ کے مذہبی جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ ''ہم تمہارے تعاون سے ان مظالم کا حساب لینا چاہتے ہیں۔''

''محمود غزنوی کو تو مرے ہوئے بھی زمانے گزر گئے۔ پھر تم کس سے اپنا حساب لینا چاہتے ہو؟'' سوامی دینا ناتھ نے تلخ لہجے میں کہا۔ محمود غزنوی کے حوالے سے اسے شکستِ سومنات یاد آ گئی تھی۔ ''جب لاکھوں ہندو اس سے اپنا حساب نہ لے سکے تو پھر تم چار نہتے افراد کیا کرو گے؟ غزنوی کی تو قبر بھی ہندوستان میں نہیں ہے۔ پھر کس سے انتقام لو گے؟''

''ہمارے انتقام کا ہدف محمود غزنوی کی قبر نہیں، سلطان شمس الدین التمش کا اقتدار ہوگا۔ التمش بھی غزنوی کے نقشِ قدم پر چل رہا ہے۔ تمہارے مندروں کو ڈھا رہا ہے اور مذہب اسلام کی توسیع کے لئے بے دریغ ہندوؤں کا

خون بہا رہا ہے۔'' قرمطی ملک الماس نے بڑی بے حیائی کے ساتھ سلطان شمس الدین التمش پر الزام تراشی کی تھی۔

سلطان نے جالور (راجستھان) کے حاکم راجہ اڈیسہ کو شکست دی تھی۔ راجپوتوں کے مضبوط ترین قلعے رنتھنبور کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ مگر ہندوؤں کی کسی عبادت گاہ کو چھوا تک نہیں تھا۔ البتہ مالوہ اور اجین پر لشکر کشی کے وقت ''مہا کال'' کے مندر کو ضرور نقصان پہنچا تھا۔ اور اس بربادی کا سبب بھی خود ہندو سپاہی تھے جو سلطان سے شکست کھا کر مندر میں روپوش ہو گئے تھے۔ التمش کئی دن تک اعلان کراتا رہا کہ تمام سپاہی مندر سے باہر آ جائیں مگر جب سلطان کی آواز بے اثر ثابت ہوئی تو مجبوراً اُس نے مندر پر حملہ کیا اور ایک ایک سپاہی کو چُن چُن کر قتل کر دیا۔ اس حملے میں مندر کے تمام پجاری محفوظ رہے۔

قرمطی سردار ملک الماس حقائق کو مسخ کر کے سوامی دینا ناتھ کے مذہبی رجحانات کو بھڑکا رہا تھا۔

''ہمیں بھی اس کا دکھ ہے۔'' سوامی نے ایک آہِ سرد کھینچتے ہوئے کہا۔ ''مگر کیا کریں کہ سمے ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔''

''میں اس وقت کو واپس لا سکتا ہوں سوامی!'' ملک الماس بہت زیادہ پُر جوش نظر آ رہا تھا۔

''مگر کیسے؟'' سوامی نے شراب کا بھرا ہوا پیالہ منہ کو لگاتے ہوئے کہا۔

''اگر تم مجھے آٹھ سو مسلح آدمی فراہم کر دو تو میں ہندوستان کی تاریخ بدل سکتا ہوں۔'' ملک الماس نے دینا ناتھ کے کچھ اور قریب ہوتے ہوئے کہا۔ اب ان دونوں کے درمیان برائے نام فاصلہ رہ گیا تھا۔ ''سلطان التمش ہر جمعہ کو جامع مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آتا ہے۔ اس کے ساتھ بس گنتی کے محافظ سپاہی ہوتے ہیں۔''

سوامی دینا ناتھ نے مسکراتے ہوئے اپنے سر کو جنبش دی۔ ''تُو سلطان کو نماز کی حالت میں قتل کرنا چاہتا ہے؟''

''یقیناً۔'' ملک الماس کے ہونٹوں پر بڑا خوفناک تبسم اُبھر آیا تھا۔ ''اُس روز ہمارے مسلح آدمی بھی جامع مسجد میں نماز ادا کریں گے۔ پھر جیسے ہی سلطان سجدے میں جائے گا، اُس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔''

سوامی دینا ناتھ نے ان بوڑھے راجپوت سرداروں کی طرف دیکھا جو شہاب الدین غوری کے حملے میں شکست کھا کر اپنی جاگیروں سے محروم ہو چکے تھے اور دن رات اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح دہلی کی حکومت تباہ ہو جائے اور ہندو راجے ایک بار پھر اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کر لیں۔ ان ہی راجپوت سرداروں نے سوامی دینا ناتھ کی کٹیا کو سازشوں کا مرکز بنایا تھا۔ ہندوستان کے گوشے گوشے سے ہندو نوجوان یہاں جمع ہوتے تھے اور سوامی کے ہاتھ پر قسم کھاتے تھے کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ نہیں کر دیں گے۔ بظاہر وہ نوجوان جوگیوں کے لباس میں نظر آتے تھے مگر در پردہ انہیں جنگی تربیت دی جاتی تھی۔ سوامی دینا ناتھ نے اپنی کٹیا میں زمین دوز تہہ خانے بنائے تھے اور ان ہی تہہ خانوں میں ہتھیار جمع کئے جاتے تھے۔ سوامی اور راجپوت سرداروں کا منصوبہ یہ تھا کہ آہستہ آہستہ مذہب کے نام پر قربان ہونے والوں کی ایک فوج جمع ہو جائے۔ اور جب دہلی کی حکومت کمزور پڑنے لگے تو سادھوؤں کا یہ لشکر قلعے پر حملہ کر کے شاہی خاندان کو قتل کر ڈالے۔

''ہاں سوامی! یہی وقت مناسب ہے۔'' راجپوت سردار بلرام سنگھ نے ملک الماس کے منصوبے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ ''شہزادہ ناصر الدین محمود کی موت کے بعد سلطان التمش لاوارث ہو کر رہ گیا ہے۔ اگر اسے راستے سے ہٹا دیا جائے تو اس خاندان کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ اور پھر قطب الدین ایبک کے ''ترکان چہل گانی'' دو گز زمین

کے لئے آپس میں لڑتے ہوئے ایک دوسرے کی گردن پر خنجر آزمائی کریں گے۔ گلی کوچوں میں لڑائی ہو گی اور پھر مسلمان اپنے ہی ہاتھوں سے ہزاروں مقتل بنا ڈالیں گے۔'' ترکان چہل گانی، قطب الدین ایبک کے وہ مشہور چالیس غلام تھے جنہیں اس نے بڑی محبت کے ساتھ پالا تھا۔ یہ سارے غلام لے پالک بیٹوں کا درجہ رکھتے تھے اور انہیں بارگاہِ سلطانی میں بڑا رسوخ حاصل تھا۔

''بلرام سنگھ! یہ محض تمہارا اندازہ ہے یا حقیقت؟'' سوامی دینا ناتھ کچھ اُلجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔

''نہیں سوامی! میں ہواؤں میں تیر چلانے کا عادی نہیں ہوں۔'' راجپوت سردار بلرام سنگھ نے کسی قدر پُر جوش لہجے میں کہا۔ ''ہماری کئی جاسوس لڑکیاں شاہی کنیزوں میں شامل ہو چکی ہیں۔ آپ شاید نہیں جانتے کہ سمراٹ پرتھوی راج چوہان کے دربار کی مشہور رقاصہ لاجونتی کی حسین و جمیل بیٹی گاشتری، شہزادہ رکن الدین کے بہت قریب پہنچ چکی ہے۔ اس نے مسلمانوں کا لباس پہن لیا ہے اور اب اس کا نام گلنار ہے۔''

سوامی دینا ناتھ مسکرانے لگا۔ ''میں نہیں جانتا کہ ٹھاکروں کے دماغ میں بھی اتنی طاقت ہوتی ہے۔''

''کیا کریں سوامی! جسم بوڑھا ہو جائے تو پھر دماغ ہی سے کام لینا پڑتا ہے۔'' راجپوت سردار بلرام کے لہجے سے شدید نفرت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''سمراٹ پرتھوی راج چوہان کے خون اور شکست کا بدلہ ہم پر قرض ہے۔''

بلرام سنگھ کو جذباتی ہوتے دیکھ کر سوامی دینا ناتھ نے بات کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ ''مگر ٹھاکر! کیا وہ ایک نرم و نازک لڑکی ہمارے منصوبے کو تکمیل تک پہنچا سکے گی؟''

''اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں سوامی!'' بلرام سنگھ بہت زیادہ پُر جوش نظر آ رہا تھا۔ ''گاشتری (گلنار) نے میری موجودگی میں بھگوان کی مورتی کے سامنے قسم کھائی ہے کہ وہ ایک ایک کر کے تمام شہزادوں کو اپنے حُسن کا اسیر بنائے گی اور پھر انہیں ہوس کے مقتل میں لے جا کر ذبح کر ڈالے گی۔ فی الوقت سلطان کی اولادوں میں شہزادہ رکن الدین سب سے بڑا ہے اور وہی ولی عہدِ سلطنت بننے والا ہے۔ اس لئے گلنار آج کل اس کے پیچھے سائے کی طرح لگی ہوئی ہے۔ رکن الدین کا کام تمام ہوتے ہی وہ شہزادہ معز الدین اور پھر شہزادہ قطب الدین کی طرف متوجہ ہو جائے گی۔''

''کیا اُسے اپنے حُسن پر اس قدر اعتبار ہے؟'' دینا ناتھ نے گلنار کے حُسن کی تعریف سنتے ہوئے کہا۔ سوامی کی آنکھوں میں ہوس کی چنگاریاں ناچنے لگی تھیں۔

''سوامی! وہ لڑکی نہیں، آکاش سے اُتری ہوئی اپسرا ہے۔ جسے دیکھ کر سادھو سنت اور پیر فقیر بھی اپنے حواس کھو بیٹھتے ہیں۔'' بوڑھا راجپوت سردار بلرام سنگھ مزے لے لے کر اپنی سیاسی چالیں بیان کر رہا تھا۔

''تو پھر آج تک وہ ہمارے ''رنگ بھون'' میں کیوں نہیں ناچی ٹھاکر!'' سوامی دینا ناتھ کچھ ایسے ترسے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا جیسے اس نے ساری زندگی کوئی خوبصورت لڑکی نہ دیکھی ہو۔

ٹھاکر بلرام سنگھ، دینا ناتھ کی ہوس زدہ گفتگو سن کر جھنجلا گیا۔ ''تجھے مستی سوجھ رہی ہے سوامی! اور یہاں جان پر بنی ہوئی ہے۔''

''میں تو مذاق کر رہا تھا ٹھاکر!'' بلرام سنگھ کے بگڑے تیور دیکھ کر دینا ناتھ بات بدل گیا۔ ''میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ گلنار ایک کمزور لڑکی ہے۔ کہیں معاملہ بگڑ نہ جائے اور وہ کسی لالچ یا دباؤ میں آ کر اپنی زبان نہ کھول دے۔''

چند لمحوں کے لئے ٹھاکر بلرام سنگھ کے چہرے پر فکر و پریشانی کا ہلکا سا رنگ اُبھرا مگر فوراً ہی ڈوب گیا۔ ''گائتری سے یہ اُمید تو نہیں کہ وہ آزمائش کے کسی موڑ پر ڈگمگا جائے۔ لیکن اگر ایسا ہو بھی گیا تو ہم پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔'' بلرام سنگھ نہایت مطمئن لہجے میں بول رہا تھا۔ ''سارا شہر جانتا ہے کہ وہ قاضی عبید احمد کے ہاتھ پر مسلمان ہوئی ہے اور اسی وجہ سے اسے شاہی کنیزوں کے حلقے میں داخل کیا گیا ہے۔ اگر گلنار نے ہمارے خلاف زبان کھولی تو ہم سلطان سے صاف صاف کہہ دیں گے کہ مسلمان ہونے کے باعث وہ اپنے پرانے ہم مذہبوں سے انتقام لے رہی ہے۔''

''کہیں مسلمان ہوتے ہی گائتری کے دل و دماغ بھی نہ بدل گئے ہوں۔'' دینا ناتھ نے ایک بار پھر اپنے شک کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''تجھے تو ہر چیز پر شبہ کرنے کی عادت سی پڑ گئی ہے سوامی!'' ٹھاکر بلرام سنگھ نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔ ''حد سے زیادہ ہوشیاری کوئی اچھی بات نہیں دینا ناتھ! گلنار نے بظاہر مسلمانوں کا لباس پہن لیا ہے، مگر اندر سے وہ کٹر ہندو لڑکی ہے جس نے دھرم کی خاطر اپنا جسم قربان کر ڈالا ہے۔''

سوامی دینا ناتھ کچھ دیر تک آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنے خیالات کی دنیا میں غرق ہے۔ قرمطی سردار ملک الماس اور ٹھاکر بلرام سنگھ بڑے غور سے دینا ناتھ کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ آخر کچھ دیر بعد سوامی نے آنکھیں کھولیں اور ملک الماس سے مخاطب ہو کر بولا۔

''تمہارے پاس کتنے آدمی ہیں جو اس کام کے لئے اپنی جانیں قربان کر دیں گے؟''

''دو سو۔'' ملک الماس نے جواباً کہا۔ ''مگر یہ تعداد بہت کم ہے۔ اگر میرے پاس ایک ہزار جاں نثار ہوں تو میں دہلی کی گلیوں کو انسانی خون سے سرخ کر دوں اور صفحۂ ہستی سے خاندانِ التمش کا نام تک مٹا ڈالوں۔'' ملک الماس اس وقت ایک خونی درندہ نظر آ رہا تھا۔

سوامی دینا ناتھ کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''تو پھر ہم تجھے اپنے آشرم سے آٹھ سو جاں نثار دیئے دیتے ہیں۔ تُو انہیں کچھ دن تک اسلامی آداب و معاشرت سے آگاہ کر۔ تاکہ یہ جامع مسجد میں داخل ہوتے وقت اجنبی نظر نہ آئیں۔''

پھر سوامی نے اپنے ان نوجوان جوگیوں کو جمع کیا جو نہایت مضبوط جسم کے مالک تھے۔ ''درگا اور کالی کے پجاریو! اب تمہاری پریکشا (امتحان) کا سمے آ گیا ہے۔ دھرم کے شتروؤں کو مٹا دو یا خود دیوتاؤں کے نام پر مٹ جاؤ۔''

تمام جوگیوں نے سوامی دینا ناتھ کو سجدہ کیا اور پھر قسمیں کھائیں۔

''سلطان التمش کا سر لے کر آئیں گے یا پھر اپنے سر اُسے دے آئیں گے۔''

قرمطی سردار ملک الماس کے کہنے سے دینا ناتھ کے چیلوں نے مسلمانوں کی طرح داڑھیاں بڑھا لی تھیں اور اپنے لباس تبدیل کر ڈالے تھے۔ سوامی دینا ناتھ کی محل نما کٹیا میں سلطان التمش کے قتل کے خوفناک منصوبے کی ابتدائی تیاریاں ہو رہی تھیں اور والیٔ ہندوستان، ولی عہدِ سلطنت کے مسئلے میں اُلجھا ہوا تھا۔

❁==❁==❁

اگرچہ تمام امرائے سلطنت، شہزادہ رکن الدین کی ولی عہدی پر متفق تھے لیکن التمش کی نظریں اپنی بیٹی رضیہ سلطانہ

پر مرکوز تھیں۔

التمش کو رضیہ سے بے پناہ محبت تھی۔ شہزادی کی پیدائش کی خبر سن کر اس نے بے اختیار کہا تھا۔

''آج سے قصرِ شاہی پر خدا کی رحمت کا نزول شروع ہو گیا۔''

دوسرے دنیا پرست بادشاہ، لڑکی کو ایک بارِ گراں سمجھتے تھے مگر التمش ایک دین دار حکمراں تھا۔ اس لئے جانتا تھا، پیغمبرِ اسلام (ﷺ) نے تین لڑکیوں کی بہترین تعلیم و تربیت پر ایک باپ کو جنتی ہونے کی خوشخبری سنائی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب رضیہ سلطانہ چار برس کی ہوئی تو اُسے قرآن مجید پڑھانے کے لئے دہلی کے سب سے بڑے قاری مولانا انور علی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ رضیہ نے تین سال میں قرآن حکیم ختم کر لیا۔ ختمِ قرآن کی تقریب اس قدر دھوم دھام سے ہوئی کہ ہزاروں بھوکوں کو کھانا کھلایا گیا، انہیں عمدہ لباس پہنائے گئے اور ان کے خالی دامنوں کو نقرئی سکّوں سے بھر دیا گیا۔ تمام لشکرِ سلطانی کی تین روز تک مسلسل دعوت ہوتی رہی۔

اس تقریب میں دہلی کے تمام ممتاز علماء شریک ہوئے تھے۔ پھر جب سلطان کے کہنے پر شہزادی رضیہ نے تلاوت شروع کی تو بام و در ساکت ہو گئے اور اہلِ مجلس کو اپنے دل کی دھڑکنیں رُکتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ شہزادی رضیہ کی آواز اس قدر دلنشیں اور پُرسوز تھی کہ علمائے دہلی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس مجلس میں شہر کے مشہور مجذوب نذیر شاہ بھی شریک ہوئے تھے۔ سلطان التمش نے اُنہیں ایک بے حال شخص سمجھ کر اس قسم کا دعوت نامہ نہیں بھیجا تھا اور نذیر شاہ کسی بن بلائے مہمان کی طرح خود ہی چلے آئے تھے۔ تلاوت کے دوران دوسرے علماء کے ساتھ ساتھ نذیر شاہ بھی رو رہے تھے۔ پھر جب رضیہ نے تلاوت ختم کی تو ہر طرف سے ''مرحبا مرحبا'' اور ''سبحان اللہ، سبحان اللہ'' کی صدائیں اُبھرنے لگیں۔

یکایک نذیر شاہ مجذوب کھڑے ہوئے اور علماء کے درمیان سے گزرتے ہوئے شہزادی رضیہ سلطانہ کی طرف بڑھے۔ علمائے ظاہری کو ایک مجذوب کی یہ حرکت بہت گراں گزری تھی۔ مگر التمش کے چہرے پر کسی قسم کی ناگواری کا رنگ نمایاں نہیں تھا۔ شاید اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ جیسے بزرگ کا مرید بھی تھا اور فطرتاً فقیر دوست بھی۔ سلطان نے نذیر شاہ مجذوب کا نام تو بہت سنا تھا مگر اسے ایک جاں سوختہ کے روحانی مقام سے آگاہی حاصل نہیں تھی۔ نذیر شاہ مجذوب اکثر قلعے کی دیوار کے نیچے گشت کرتے رہتے تھے۔ خود سلطان نے بھی ایک دو بار قلعے سے نکلتے وقت انہیں عجیب عجیب حرکتیں کرتے دیکھا تھا۔ نذیر شاہ کبھی اس طرح اپنے ہاتھوں کو گردش دیتے جیسے وہ تلوار چلا رہے ہیں..... اور کبھی یوں محسوس ہوتا کہ وہ اپنی کمان سے کسی نامعلوم نشانے کی طرف تیر پھینک رہے ہوں۔ اور کبھی پُرجوش انداز میں نعرہ زنی کرتے۔ مار ڈالا..... مار ڈالا..... قلعہ کے محافظ سپاہیوں نے سلطان سے نذیر شاہ کی شکایت بھی کی تھی کہ ایک پاگل شخص دن رات چیختا رہتا ہے۔ اگر حکم ہو تو اسے یہاں سے جبراً ہٹا دیا جائے۔

سلطان نے سپاہیوں کی شکایت کے جواب میں پوچھا تھا۔ ''کیا اس پاگل شخص نے کبھی تمہیں کوئی تکلیف پہنچائی ہے؟''

سپاہیوں نے نفی میں جواب دیا تو سلطان نے کسی قدر برہم لہجے میں کہا۔

''جب وہ کسی کو تنگ نہیں کرتا تو پھر تم اسے کیوں پریشان کرنا چاہتے ہو؟ تمہاری طرح نذیر شاہ بھی میری رعایا

ہے۔اسے آرام سے رہنے دو۔''

آج وہی نذیر شاہ، جنہیں تمام دہلی والے پاگل سمجھتے تھے، بے دھڑک مجلسِ سلطانی میں چلے آئے تھے۔شہزادی رضیہ نے بڑی حیرت سے ایک بے حال شخص کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ ننگے سر، بڑھے ہوئے بال، بے ترتیب داڑھی اور جسم پر میلا کچیلا بوسیدہ سا لباس۔

''مبارک ہو شہزادی!..... تجھے یہ سعادت مبارک ہو۔'' نذیر شاہ مجذوب نے بڑے بے باکانہ انداز میں اپنا ہاتھ رضیہ سلطانہ کی طرف بڑھایا۔

شہزادی گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔اسے خود بھی ایک پاگل انسان کی یہ ادا پسند نہیں آئی تھی۔

نذیر شاہ کے چہرے پر شدید اذیت و کرب کی ایک تیز لہر اُبھری۔ وہ چند لمحوں تک اپنے آگے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھتے رہے، پھر اسے کھینچ لیا اور مسکراتے ہوئے بولے۔

''تُو نے سوئے ہوئے سینوں میں حشر اُٹھا دیا۔مگر ہم پھر بھی نہیں بھاگیں گے۔''

یہ کہہ کر نذیر شاہ مڑے اور واپس جانے لگے۔

سلطان التمش اور شہزادی رضیہ حیرت سے اس شخص کو جاتے دیکھتے رہے، جسے لوگوں کے بقول اپنی جان کا بھی ہوش نہیں تھا۔

''اے خدا! تیری پناہ۔ اے خدا! تیری پناہ۔'' نذیر شاہ علمائے دہلی کے درمیان سے گزر کر جاتے ہوئے بڑبڑا رہے تھے۔

''کیسی پُرسوز اور دلوں میں شگاف ڈال دینے والی آواز ہے۔مگر افسوس! اہلِ ہند اس آواز کو برداشت نہیں کر سکیں گے۔''

سلطان التمش نے اتنا دیکھ لیا کہ نذیر شاہ کے ہونٹ لرز رہے ہیں مگر فاصلہ اتنا زیادہ ہونے کے باعث وہ اُن کی گفتگو نہیں سن سکا۔ پھر جب نذیر شاہ کمرے سے نکل کر چلے گئے تو اس نے دوسرے علماء سے پوچھا۔

''یہ شخص کیا کہہ رہا تھا؟''

دربارِ سلطانی کے سب سے بڑے عالم مولانا عماد الدین جو مجذوبوں اور قلندروں کو سخت ناپسند کرتے تھے، انتہائی نفرت آمیز لہجے میں بولے۔''آپ کیسے کیسے پاگلوں کو ایسی متبرک مجلسوں میں بلا لیتے ہیں۔ وہ شہزادی صاحبہ کو موت کی بددعا دے کر گیا ہے۔''

سلطان التمش بہت متحمل مزاج انسان تھا۔مگر بیٹی کی محبت میں نذیر شاہ کی اس حرکت کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے فوراً حکم جاری کر دیا کہ آئندہ نذیر شاہ قلعے کے قریب نظر نہ آئے۔ مولانا عماد الدین نے نذیر شاہ کی باتوں کو غلط مفہوم دے کر سلطان کے سامنے پیش کیا تھا۔ اگر التمش خود اپنے کانوں سے نذیر شاہ کے کلمات سن لیتا تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔لیکن سلطان نے تحقیق کئے بغیر ایک مجذوب کے بارے میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔ سپاہیوں نے سلطان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نذیر شاہ کو زدوکوب کر کے زخمی حالت میں اس جگہ لے جا کر پھینک دیا جو فقیروں کی بستی کہلاتی تھی۔

ختمِ قرآن کے بعد رضیہ سلطانہ نے فارسی زبان کی تعلیم حاصل کی اور شعر و ادب کا مطالعہ کیا۔ چودہ سال کی عمر

ہوتے ہی اس نے خطوط نویسی میں کمال حاصل کر لیا۔ رضیہ کی تحریر سادہ مگر پُر اثر ہوتی۔ وہ بڑے سے بڑے مضمون کو چند الفاظ میں اس طرح ادا کرتی کہ سرکاری منشی بھی حیران رہ جاتے۔

پھر وہ دن بھی آیا کہ رضیہ اپنے باپ کو سیاسی امور میں مشورے دینے لگی۔ سلطان اپنی نوعمر بیٹی کے مشوروں کو ہنس کر ٹال دیتا۔ مگر جب کئی بار رضیہ کی پیش گوئیاں درست ثابت ہوئیں تو التمش کو شہزادی کی ذہانت و فراست کا قائل ہونا پڑا۔

پھر جب شہزادہ ناصر الدین محمود کا انتقال ہو گیا تو شہزادی رضیہ سیاسی مشاورت میں سلطان کے قریب تر آئی۔ اب التمش کے حکم پر رضیہ کو جنگی فنون کی تربیت دی جا رہی تھی۔ اس سلسلے میں سلطان نے بہرام غوری کو رضیہ کا اتالیق مقرر کیا۔

❄==❄==❄

بہرام غوری، شاہانِ غور (سلطان غیاث الدین غوری اور شہاب الدین غوری) کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ نہایت ذہین، اعلیٰ تعلیم یافتہ، شعر و سیاست کے رموز سے باخبر، فنونِ جنگ میں ماہر، فطری طور پر شجاع ایک حسین و جمیل نوجوان تھا۔ جب گردشِ ماہ و سال نے غوری خاندان کی اقبال مندیوں کو دُھندلا کر رکھ دیا تو بہرام تلاشِ معاش میں دہلی پہنچا۔ سلطان شمس الدین التمش نے یہ کہہ کر اسے اپنے سر پر بٹھایا۔

''تم میرے آقا زادے ہو۔ مقبوضہ علاقوں میں سے کوئی بھی جاگیر اپنے لئے پسند کر لو۔''

بہرام غوری نے سلطان کے اس اندازِ کریمانہ کا دل سے شکریہ ادا کیا۔ مگر اس بنیاد پر کوئی رعایت قبول نہیں کی کہ وہ خاندانِ غور کا چشم و چراغ تھا۔''میں اپنے مورثِ اعلیٰ کے خواب کی تعبیر چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے گوشے گوشے پر اسلامی پرچم لہرائے۔ سپاہی زادہ ہوں، اس لئے تلوار ہی میرا مقدر ہے۔''

سلطان التمش نے بہرام غوری کی جنگی صلاحیتوں کا امتحان لیا اور اُسے افواجِ دہلی کا نائب بنا دیا۔''ابھی نوجوان ہو، مگر وقت گزرنے اور تجربہ حاصل کرنے کے بعد مجھے یقین ہے کہ تم ہی سلطانی لشکروں کی سالاری کرو گے۔''

دوسرے بادشاہوں کی طرح التمش کے عہدِ حکومت میں بھی فنونِ جنگ کے حوالے سے سالانہ مقابلے منعقد ہوا کرتے تھے۔ بہرام غوری ہر مقابلے میں اوّل آتا۔ اور پھر یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ اس سے بہتر تیرانداز، شہسوار اور شمشیر زن پورے دہلی میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔

پھر جب ولی عہدِ سلطنت کا مسئلہ سامنے آیا اور سلطان کو رضیہ کی شخصیت میں تختِ ہندوستان کا وارث نظر آنے لگا تو اس نے طے کر لیا کہ وہ اپنی بیٹی کو فنونِ سپاہ گری میں بھی طاق بنا دے۔ یہی وجہ تھی کہ التمش نے رضیہ کی جنگی تعلیم و تربیت کے لئے بہرام غوری کا انتخاب کیا تھا۔

''تم شرفاء کے خاندان سے ہو۔ اور ایک شریف نوجوان خوب جانتا ہے کہ امانت کسے کہتے ہیں اور انسان کی عزت و آبرو کیا ہوتی ہے۔'' سلطان التمش نے بہرام غوری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔''آج سے تم شہزادی رضیہ کے اتالیق بھی ہو اور محافظ بھی۔''

بہرام غوری، سلطان کے اشارے کو سمجھ گیا تھا۔''والیٔ ہندوستان مطمئن رہیں۔ میری زندگی میں کوئی غلیظ ہاتھ

آپ کے دامنِ عزت وجلال کو نہیں چھو سکے گا۔"

پھر جب پہلی بار شہزادی رضیہ سلطانہ اس کے سامنے آئی تو غوری شہزادہ کچھ دیر کے لئے تصویرِ حیرت بن کر رہ گیا۔ بہرام نے اپنی پوری زندگی میں اتنی حسین وجمیل دوشیزہ نہیں دیکھی تھی۔ اس کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ پھر ان ہی آندھیوں کے شور میں بہرام غوری کو سلطان کی ہدایات یاد آنے لگیں۔ وہ فوراً ہی خیالات کے طلسم سے نکل آیا۔

"شہزادی معظمہ! تلوار ایک دفاعی ہتھیار ضرور ہے مگر زندگی اور فتح کی ضمانت نہیں۔" بہرام غوری نے رضیہ سلطانہ کو پہلا سبق دیتے ہوئے کہا جو آقا زادی بھی تھی، شاگرد بھی اور اس کے ہوش وحواس پر مسلط ہو جانے والی ایک دوشیزہ بھی۔

"ہم خوب جانتے ہیں۔" رضیہ سلطانہ نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ "ہمیں روزِ اوّل سے صرف اپنے خدا پر بھروسہ کرنا ہی سکھایا گیا ہے۔"

شہزادی کی ادائے بے نیازی دیکھ کر بہرام بجھ سا گیا۔ وہ اس قدر جاذبِ نظر نوجوان تھا کہ صنفِ نازک اس کی موجودگی کے احساس سے بے خبر نہیں رہ سکتی تھی۔ محل کی کنیزوں کا تو ذکر ہی کیا؟ بارہا ایسا ہوا تھا کہ وزیرزادیاں اس کی قربت کے بہانے ڈھونڈتی تھیں مگر بہرام غوری انہیں عام لڑکیاں سمجھ کر نظرانداز کر دیتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شہزادی رضیہ سلطانہ بھی دیگر امیرزادیوں کی طرح اسے دیکھ کر کچھ دیر کے لئے مبہوت ہو جائے گی۔ لیکن جب سلطان التمش کی بیٹی نے بہرام غوری کو ایک ملازم سے زیادہ حیثیت نہیں دی تو اسے اپنی خوب صورت شخصیت کے قدآور بت میں ہلکی ہلکی دراڑیں پڑتی محسوس ہونے لگیں۔

❄==❄==❄

شہزادہ ناصرالدین محمود کے انتقال کے کچھ دن بعد ہی لکھنوتی کے حالات بگڑنے لگے تھے۔ پھر جب اس علاقے سے بغاوت کی خبریں آنے لگیں تو سلطان التمش خود ایک لشکرِ جرار لے کر لکھنوتی کی طرف بڑھا۔

دارالحکومت چھوڑنے سے پہلے سلطان نے اپنے بڑے بیٹے شہزادہ رکن الدین کو خلوت میں طلب کرتے ہوئے کہا۔

"ایک باپ اپنے خدا سے اولادِ نرینہ کی دعائیں اس لئے مانگتا ہے کہ جب وہ بوڑھا ہو کر تھک جائے اور اس کے ناتواں قدم خارزارِ حیات میں لڑکھڑانے لگیں تو جوان بیٹا آگے بڑھ کر اُسے سہارا دے۔"

شہزادہ رکن الدین نے اطاعت وفرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سر جھکا دیا۔

"سلطانِ ذی حشم! غلام کا سینہ حاضر ہے۔ آپ اس کے دل پر پاؤں رکھ کر گزر جائیے۔ کسی کانٹے کی کیا مجال کے وہ حضورِ والا کے مبارک تلوؤں کو چھو بھی سکے۔" ترکان شاہ نے بیٹے کو باپ سے گفتگو کرنے کا ہنر سکھا دیا تھا۔

سلطان نے چونک کر شہزادے کی طرف دیکھا۔ "کاش! یہ الفاظ تمہارے عمل کے تابع ہوں۔" التمش کے لہجے سے بے یقینی کا رنگ جھلک رہا تھا۔ "بہرحال میں علاقہ بدایوں کا انتظام تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔ اسے اپنا امتحان سمجھو۔ آئندہ تمہارے منہ سے شراب کے بجائے دشمنوں کے خون کی بو آئے۔ میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا۔"

یہ اعلان کرنے کے بعد سلطان لکھنوتی کی طرف روانہ ہو گیا۔

ترکان شاہ کے سارے وسوسے اور اندیشے ختم ہو چکے تھے۔ اب وہ تصور کی آنکھ سے شہزادہ رکن الدین کو تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوتے اور تمام ہندوستان کو اپنے آگے سجدہ ریز ہوتے دیکھ رہی تھی۔

رکن الدین کے حامی وزیروں اور امیروں کے کہنے پر ترکان شاہ نے ایک ہنگامہ خیز جشن کا اہتمام کیا۔ ایک ایسی محفلِ رقص وسرود آراستہ کی گئی جو سلطان التمش جیسے پرہیزگار حکمراں کی موجودگی میں ممکن نہیں تھی۔

پھر جب آخر شب رکن الدین اپنی خواب گاہ میں پہنچا تو گلنار دست بستہ دروازے پر کھڑی تھی۔ شہزادے نے اسے دیکھ کر برا سا منہ بنایا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔ گلنار بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی تھی۔

"یہ کنیز، حضور کے دیدار کو ترس گئی ہے۔" گلنار کے لہجے سے رقت جھلک رہی تھی۔ "کتنی راتیں دروازے پر کھڑے کھڑے گزر گئیں، مگر سرکار نے اندر طلب نہیں کیا۔" یہ کہتے کہتے گلنار، رکن الدین کے قدموں سے لپٹ گئی۔

شہزادہ بستر پر دراز ہو گیا۔ "کسی کنیز کو کیا پتہ کہ شہنشاہ کو دنیا میں کتنے کام ہوتے ہیں؟ تیرے ہاتھ سے شراب پینا ہی تو ہمارا مشغلہ نہیں۔ یہ فضول سی خدمت تو کوئی بھی کنیز، کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ انجام دے سکتی ہے۔"

گلنار کو محسوس ہوا جیسے کوئی تیز نشتر اُس کے دل میں اُتر گیا ہو۔

"کیا شہزادۂ معظم مجھ سے اُکتا گئے ہیں؟" گلنار نے خود پر جبر کرتے ہوئے ناز وادا کا مظاہرہ کیا۔

"فضول باتیں نہ کر اور ہمیں تنہا چھوڑ دے۔" شہزادہ رکن الدین نے دوسری طرف کروٹ لے لی تھی۔ "چند گھڑیاں آرام کر لیں کہ صبح ہوتے ہی ہمیں بدایوں روانہ ہونا ہے۔"

"یہ کنیز بھی حضور کے ہمراہ جائے گی۔" گلنار کی محبوبیت کا وہی انداز تھا۔

"ہم نے تو تجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے نہیں کہا۔" رکن الدین نے تلخ لہجے میں کہا اور سیدھا ہو کر گلنار کی طرف دیکھنے لگا جو بدستور اس کے قدموں سے لپٹی ہوئی تھی۔

"پھر یہ کنیز آپ کو دیکھے بغیر کس طرح رہے گی؟" گلنار نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

"میں وہاں محفلِ رقص سجانے نہیں جا رہا ہوں۔" رکن الدین کے لہجے کی تلخی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ "تجھے کیا خبر کہ میرے کاندھوں پر کیسی ذمہ داریاں آ پڑی ہیں؟" یہ کہہ کر شہزادے نے انتہائی ناگواری کے ساتھ اپنے دونوں پاؤں کھینچ لئے۔ یہ ایک خاموش اشارہ تھا کہ اب وہ اپنی خواب گاہ میں کسی دوسری ہستی کا وجود برداشت نہیں کرے گا۔

گلنار کھڑی ہوئی اور لرزتے قدموں سے باہر جانے لگی۔ یکا یک شہزادے کی بارعب آواز گونجی۔

"آئندہ میری اجازت کے بغیر کمرے میں داخل نہ ہونا۔"

گلنار نے مڑ کر بھیگی آنکھوں سے اپنے محبوب کی طرف دیکھا اور خواب گاہ سے باہر نکل گئی۔

طویل راہ داری سے گزرتے ہوئے گلنار کے دل و دماغ میں ایک حشر سا برپا تھا۔ وہ اپنی ماں لاجونتی اور ٹھاکر بلرام سنگھ کے کہنے پر مسلمان ہوئی تھی۔ اس نے بھگوان کی مورتی کے سامنے عہد کیا تھا کہ رکن الدین کو زہر دے کر ہلاک کر ڈالے گی۔ مگر مسلمان ہوتے ہی اُس کے خیالات بدل گئے اور وہ شہزادے کے عشق میں مبتلا ہو گئی۔ دوسری کنیزوں کی طرح گلنار نے بھی ملکہ بننے کے خواب دیکھے تھے مگر دراصل وہ رُکن الدین کی محبت میں گرفتار تھی۔ اس نے بچپن سے لے کر جوانی تک ہندو عورتوں کو اپنے شوہروں کی پوجا کرتے دیکھا تھا، اسی لئے وہ شہزادے کو دیوتا کا

درجہ دیتی تھی۔ مگر شہزادہ اس کی سچی محبت سے بے خبر، اس کے خوبصورت جسم سے دل بہلاتا رہا۔ اور جب ایک کنیز کی عشوہ طرازیوں سے ولی عہدِ سلطنت کا دل بھر گیا تو اس نے نئی پجارنیں طلب کر لیں جو گلنار سے بھی زیادہ نوخیز اور خوبصورت تھیں۔

''گائتری! زہر دے دے شہزادے کو۔'' اسے اپنی ماں لاجونتی کی آواز بہت دور سے سنائی دے رہی تھی۔ ''ہلاک کر دے اس شخص کو جو تیری آبرو کا بھی قاتل ہے اور تیری قوم کا بھی۔''

گلنار کا پورا جسم لرزنے لگا۔ 'میں مسلمان ہوں۔ اب میرا ہندوؤں سے کوئی تعلق نہیں۔' روح کی گہرائیوں تک زخمی کنیز چیخنے لگی۔ 'وہ میرا محبوب ہے۔ میں اُس پر اپنی آبرو کا خون معاف کرتی ہوں۔' گلنار اپنی ہی چیخ سے ڈر گئی اور گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ راہ داری میں دُور دُور تک سناٹا چھایا ہوا تھا اور قصرِ شاہی کے مکین خوابوں کے جزیرے میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ گلنار تھکے تھکے قدموں سے آگے بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ خود بھی تاریکی کا ایک حصہ بن گئی۔

❁==❁==❁

سلطان شمس الدین التمش، لکھنوتی کی بغاوت فرو کر کے دارالحکومت واپس آ چکا تھا۔ نائب سپہ سالار بہرام غوری نے اسے رضیہ کی کارکردگی کے بارے میں مطلع کرتے ہوئے کہا۔

''شہزادی معظمہ حیرت انگیز صلاحیتوں کی مالک ہیں۔ عنقریب آپ دیکھیں گے کہ وہ شہسواری اور شمشیر زنی کے فن میں بھی مردانِ شجاع کے دوش بدوش نظر آئیں گی۔''

یہ سن کر سلطان کے چہرے پر فخر و مسرت کے کئی چراغ جل اُٹھے۔ ''میں شہزادی کو مرد ہی دیکھنا چاہتا ہوں بہرام! یہ میری مجبوری ہے۔ اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔''

اس کے بعد سلطان التمش ان جاسوسوں کی طرف متوجہ ہوا، جو شہزادہ رکن الدین کی جاسوسی پر متعین کئے گئے تھے۔ ان جاسوسوں کی اطلاعات یہ تھیں کہ شہزادے نے کیف و نشاط کی محفلوں سے ہر رشتہ توڑ لیا تھا اور اب وہ اپنی جاگیر کے انتظامات میں اس طرح مصروف تھا کہ بدایوں کی رعایا اس سے خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھی۔

''کاش! ایسا ہی ہو۔'' سلطان نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''خدا، خاندانِ التمش کی آبرو برقرار رکھے۔''

شہزادہ رکن الدین کی چالوں سے سلطانی جاسوس بھی مات کھا گئے تھے۔ نہ وہ بدلا تھا اور نہ اُس کے شب و روز۔ شہزادہ رکن الدین کے بدایوں پہنچتے ہی ٹھاکر بلرام سنگھ اور سوامی دینا ناتھ کے کارندے بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ اور پھر شراب و شباب کی ہنگامہ خیزیاں شروع ہو گئی تھیں۔ بدایوں کی خوبصورت ہندو رقاصائیں رات کے اندھیرے میں داخل ہوتیں اور شہزادے کی خلوت کو روشن کر کے خفیہ راستوں سے واپس چلی جاتیں۔ اور سلطان کے جاسوس یہی سمجھتے کہ شہزادہ تمام گناہوں سے تائب ہو گیا ہے۔

❁==❁==❁

اور پھر وہ خونی دن آ پہنچا، جب سلطان التمش درباری علماء کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا کرنے جامع مسجد پہنچا۔ ملک

الماس اور سوامی دینا ناتھ کے آدمی چھوٹی چھوٹی قطاروں میں مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ وہ سب کے سب لمبی لمبی عباؤں میں ملبوس تھے اور ان کے کپڑوں کے نیچے تیز دھار خنجر چھپے ہوئے تھے۔

جیسے ہی سلطان جامع مسجد کے قریب پہنچا، اس کی نظر نذیر شاہ مجذوب پر پڑی۔ وہ ہاتھ میں تلوار لئے چیخ رہے تھے۔

''کسی کافر کو خدا کے گھر میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ ایک ایک کو ہلاک کر ڈالوں گا۔''

''یہ پاگل یہاں بھی آ گیا۔'' ولانا عماد الدین نے انتہائی نفرت آمیز لہجے میں کہا۔ ''دیکھا سلطانِ معظم! یہ پاگل آپ کو اور ہم سب کو کافر کہہ رہا ہے۔''

''ایک پاگل سے کیا شکایت مولانا؟'' سلطان التمش نے نذیر شاہ مجذوب کی مجنونانہ حرکتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا اور مسجد میں داخل ہو گیا۔

سلطان التمش نماز کے لئے جامع مسجد جاتے وقت کوئی بڑا حفاظتی دستہ اپنے ساتھ نہیں رکھتا تھا۔ بس پچاس ساٹھ مسلح سپاہی ہوتے، جن میں سے بیس پچیس دروازے پر پہرہ دیتے اور تیس چالیس سلطان کے پیچھے مختلف صفوں میں شامل ہو جاتے۔ آج بھی التمش حسبِ دستور نمازیوں کی پہلی صف میں پہنچا اور عین پیش امام کے پیچھے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ خطبہ ختم ہوا اور جیسے ہی امام نے نماز کی نیت باندھی، ملک الماس کے آدمی پچھلی صفوں سے نکل کر سلطان کی طرف بڑھے۔ شاہی دستے کے سپاہیوں نے یہ رنگ دیکھ کر نیت توڑ دی اور ان لوگوں کو پکڑنے کی کوشش کی جو والئ ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ مفسدین نے اپنی لمبی عباؤں کے نیچے پوشیدہ خنجر نکال لئے اور سلطان کے کئی محافظ سپاہیوں کو زخمی کر دیا۔

''سلطانِ معظم! ہوشیار ہو جائیے۔ مفسدوں کا ایک گروہ مسجد میں گھس آیا ہے اور آپ کو شہید کرنا چاہتا ہے۔'' التمش کے محافظِ خاص نے چیخ کر کہا۔ اس کی آواز سے پوری مسجد گونج اُٹھی تھی۔

سلطان کے محافظ سپاہیوں نے اپنے سامنے مسجد کے فرش پر رکھی ہوئی تلواریں اُٹھا لیں اور حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے۔ مگر اُنہیں مفسدین کو تلاش کرنے میں بڑی دشواری پیش آ رہی تھی۔ کیونکہ ملک الماس اور سوامی دینا ناتھ کے سارے آدمی شکل و صورت سے مسلمان نظر آ رہے تھے۔ اس لئے حملہ آوروں اور عام نمازیوں میں تفریق بڑی مشکل تھی۔

سلطان حیران و پریشان کھڑا تھا اور بار بار مسجد میں موجود لوگوں کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

''اے بے خبرو! اے نادانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ خدا کے قہر سے ڈرو۔ تم نے مسجد کو بھی مقتل بنا ڈالا ہے۔''

اس ہنگامہ خیز صورتِ حال میں سلطان کی آواز کون سنتا؟ ہر شخص اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا۔ بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں، زخمیوں کی چیخیں، نعرے، شور۔ غرض اللہ کا گھر میدانِ کارزار بن گیا تھا۔

بیک وقت کئی مفسد صفوں کو چیرتے ہوئے سلطان التمش کے قریب پہنچ گئے۔ بہت ممکن تھا کہ وہ والئ ہندوستان کو قتل کر ڈالتے مگر سلطان کے محافظِ خاص نے ان کے ارادوں کو ناکام بنا دیا۔ وہ کسی سنگین دیوار کی طرح التمش کے سامنے کھڑا تھا اور ملحدوں کا ہر ایک وار اپنے جسم پر روک رہا تھا۔ محافظِ خاص سر سے پاؤں تک زخمی تھا مگر اس کی موجودگی میں ابھی تک التمش کے جسم پر ہلکی سی خراش تک نہیں آئی تھی۔

جو نمازی جامع مسجد کے عقبی دروازے سے باہر نکل آئے تھے، انہوں نے گرد و پیش کے مسلمانوں کو اس ہنگامے سے باخبر کر دیا تھا۔ نتیجتاً عام مسلمان بھی اپنی تلواریں لے کر مسجد میں داخل ہو گئے تھے اور مفسدوں سے جنگ کر رہے تھے۔ جن کے پاس تلواریں نہیں تھیں، وہ لکڑیوں اور لوہے کی سلاخوں سے ہتھیاروں کا کام لے رہے تھے۔ کچھ لوگ جامع مسجد کی چھت پر چڑھ گئے تھے اور حملہ آوروں پر پتھر برسا رہے تھے۔ کچھ سمجھ دار لوگ بے تحاشا بھاگ رہے تھے کہ کسی طرح قلعہ تک یہ خبر پہنچ گئے۔

قلعہ جامع مسجد سے دُور تھا۔ اس لئے فوری طور پر یہ ممکن نہ تھا کہ کسی قسم کی فوجی کمک سلطان کی مدد کو پہنچ سکے۔ مگر اس دوڑ دھوپ کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ دور دور کے محلوں میں رہنے والے مسلمان بھی مسلح ہو کر جامع مسجد کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید سلطان التمش، مفسدوں کے خنجروں کی خوراک بن جاتا۔

خنجر بکف مفسدوں کو اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی۔ شاید اس لئے کہ خنجر کی کاٹ محدود ہوتی ہے۔ سلطان کے تیس چالیس مسلح سپاہیوں نے اُنہیں تلواروں پر رکھ لیا تھا اور وہ بدحواس ہو کر دوسرے نمازیوں پر حملے کر رہے تھے۔ انہیں اپنے ان ساتھیوں کا انتظار تھا جو تلواروں سے لیس ہو کر مسجد میں داخل ہونے والے تھے۔ مگر یہ سلطان کی خوش نصیبی تھی کہ ملک الماس کے مسلح دستے کو جامع مسجد کے دروازے تک پہنچنے میں دیر ہو گئی اور اس دوران دہلی کے ہزاروں مسلح مسلمانوں نے ان فتنہ گروں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ پھر بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ ملک الماس کے تمام آدمی ایک ایک کر کے مارے گئے مگر اس کے ساتھ ہی سینکڑوں مسلمان بھی شہید ہوئے۔

سلطان التمش مفسدوں کے حملوں سے محفوظ رہا مگر اس کا محافظِ خاص جمال الدین بری طرح زخمی ہو گیا۔

اس عرصے میں قلعے تک خبر پہنچ چکی تھی۔ ہزاروں شہسوار جامع مسجد کی طرف اس طرح دوڑ رہے تھے کہ اُنہیں اپنی جانوں کا بھی ہوش نہیں تھا۔ ان ہی شہسواروں میں ایک نقاب پوش سپاہی بھی تھا، جسے دیکھ کر تمام فوجی حیرت زدہ تھے۔

پھر وہی نقاب پوش سپاہی سب سے پہلے جامع مسجد کے دروازے پر پہنچا۔ اس وقت سلطان التمش سیڑھیاں اُتر کر نیچے آ رہا تھا۔ نقاب پوش تیزی سے آگے بڑھا اور سلطان سے لپٹ گیا۔

''بابا محترم! آپ ٹھیک تو ہیں؟'' شدتِ جذبات سے نقاب پوش کی آواز لرز رہی تھی۔

''بیٹی! تم؟'' سلطان نے گھبرا کر نقاب پوش کو سینے سے لگا لیا۔ ''تمہیں یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ خدا کے فضل سے ہنگامہ فرو ہو گیا اور تمام فتنہ گر اپنے انجام کو پہنچ گئے۔''

''اگر میں نہ آتی بابا! تو پھر کون آتا؟'' یہ شہزادی رضیہ سلطانہ تھی جو باپ پر قاتلانہ حملے کی خبر سن کر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی اور پھر وہ پردے کے تمام آداب کو بالائے طاق رکھ کر شاہراہوں پر نکل آئی تھی۔

''بیٹی! اگر تجھے کچھ ہو جاتا؟'' سلطان نے بے قرار ہو کر رضیہ کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

''کیا ہو جاتا بابا محترم؟'' رضیہ کی آنکھوں میں بڑی وارفتگی تھی۔ ''زیادہ سے زیادہ میں اپنی جان سے گزر جاتی اور میرے نزدیک ایک حقیر قربانی ہوتی۔ آپ جیسے باپ پر مجھ جیسی ہزاروں بیٹیاں اور ہزاروں بیٹے قربان!''

رضیہ کا یہ اندازِ محبت دیکھ کر التمش کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ والیٔ ہندوستان بیٹی کے کاندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے سیڑھیاں اُتر کر نیچے آیا۔ جامع مسجد کے دروازے پر بڑا دردناک منظر تھا۔ سینکڑوں لاشیں اِدھر اُدھر بکھری

ہوئی تھیں۔ ان ہی لاشوں کے درمیان نذیر شاہ مجذوب بھی کھڑے ہوئے تھے۔ سلطان کو دیکھ کر نذیر شاہ آگے بڑھے۔ ان کا پورا جسم خون میں نہایا ہوا تھا۔

نذیر شاہ پر نظر پڑتے ہی التمش سناٹے میں آ گیا۔ ''میں کسی کافر کو مسجد میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ ایک ایک کو ہلاک کر ڈالوں گا۔'' سلطان کی سماعت میں نذیر شاہ کے الفاظ گونجنے لگے۔ یہ الفاظ مجذوب نے اس وقت کہے تھے جب والیٔ ہند نماز پڑھنے جامع مسجد میں داخل ہو رہا تھا۔

نذیر شاہ، سلطان کے قریب آ گئے۔ ان کی تلوار سے بھی انسانی خون ٹپک رہا تھا۔ ''شہنشاہ! تو نے کہا تھا کہ ہم تیری رعایا ہیں اور تیری زمین پر بستے ہیں۔'' نذیر شاہ مجذوب بڑے پُر جلال لہجے میں ہندوستان کے حکمراں سے مخاطب تھے۔ ''اگرچہ اس زمین کا مالک تُو نہیں ہے لیکن پھر بھی ہم نے تیری رعایا ہونے کا قرض اپنے کاندھوں سے اُتار دیا۔''

''معاف کرنا نذیر شاہ! میں آپ کو پہچان نہیں سکا تھا۔'' سلطان کے لہجے سے ندامت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری خاطر اپنا خون بہایا۔''

''کیا شکریہ اور کس کا شکریہ؟'' نذیر شاہ کے لہجے میں بڑی بے نیازی تھی۔ ''خون بہنا تھا، سو بہہ گیا۔ اب کس سے اس کا حساب کریں؟''

''آپ بہت زخمی ہیں نذیر شاہ!'' سلطان نے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا اور مجذوب کے زخمی جسم پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''آپ کچھ دنوں کے لئے قصرِ شاہ تشریف لے چلیں۔ پھر جب زخم بھر جائیں تو.....''

ابھی سلطان التمش کی بات مکمل نہیں ہونے پائی تھی کہ نذیر شاہ درمیان میں ہی بول اُٹھے۔ ''جس نے زخم دیا ہے، وہی مرہم بھی رکھے گا۔ میں تو سر سے پاؤں تک زخمی ہی زخمی ہوں۔ تیرے یہ طبیب میرے کن کن زخموں کا علاج کریں گے؟'' یہ کہہ کر نذیر شاہ مجذوب نے اپنی تلوار زمین پر پھینک دی اور نعرہ زنی کرتے ہوئے چلے گئے۔

''تُو سچا، تیرا وعدہ سچا.....''

التمش نے مڑ کر مولانا عماد الدین کی طرف دیکھا جو سلطان کے قریب ہی کھڑے تھے اور جن کے چہرے سے ابھی تک خوف و دہشت کے آثار نمایاں تھے۔ ''مولانا! دیکھا آپ نے نذیر شاہ کو۔ پاگل ایسے ہوتے ہیں؟''

نذیر شاہ کا نام سنتے ہی مولانا عماد الدین ایک بار پھر برہم نظر آنے لگے۔ ''دہلی کے گرد و نواح میں بہت سے جوگی پھرتے ہیں اور جن کی شعبدہ بازیوں کو کم فہم لوگ روحانی کمالات سے تعبیر کرتے ہیں۔ نذیر شاہ بھی ایک ایسا ہی شخص ہے جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔''

''مولانا!'' تمام تر احترام کے باوجود سلطان کے چہرے پر ناگواری کا رنگ اُبھر آیا۔ ''اپنی آنکھ اور دل میں وسعت پیدا کیجئے۔ نذیر شاہ سچے مسلمان ہیں اور ان کے جسم سے بہتا ہوا خون گواہی دے رہا ہے کہ وہ اپنے سینے میں ہم سے زیادہ جذبۂ جہاد رکھتے ہیں۔''

رضیہ سلطانہ بہت غور سے باپ کی باتیں سن رہی تھی۔

مولانا عماد الدین کے چہرے پر ندامت کا ہلکا سا عکس تک نظر نہیں آیا۔ وہ بدستور اپنی ضد پر قائم تھے اور دل ہی دل میں نذیر شاہ مجذوب کو ایک گمراہ اور شعبدہ باز انسان سمجھ رہے تھے۔

رضیہ نے اپنا گھوڑا وہیں چھوڑ دیا اور باپ کے ساتھ محل کی طرف روانہ ہوگئی۔

❁==❁==❁

''یہ فتنہ گر کون تھے بابا؟'' راستے میں شہزادی نے سلطان التمش سے سوال کیا۔ ''لاشیں دیکھ کر تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس ہنگامے میں بہت سے مسلمان بھی شہید ہوئے ہیں۔''

سلطان نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی۔ اس کی آنکھوں کی نمی صاف محسوس ہو رہی تھی۔ ''تیرا باپ بہت اذیت میں مبتلا ہے بیٹی! قرامطہ التمش کی لاش چاہتے تھے مگر التمش بچ گیا اور اس کے بدلے میں سینکڑوں بے گناہ مسلمان مارے گئے۔'' فرطِ الم سے سلطان کی آواز لرز رہی تھی۔ ''میں اپنے خدا سے ڈرتا ہوں کہ بروزِ حشر اسے کیا جواب دوں گا؟''

''بے گناہ تو آپ بھی ہیں۔'' شہزادی رضیہ نے پُر جوش لہجے میں کہا۔ ''آپ نے ان لوگوں کا کیا بگاڑا ہے؟''

''میں ان لوگوں کے نزدیک مجرم ہوں کہ اسلامی نظام رائج کرنا چاہتا ہوں۔'' التمش نے قرامطہ اور دہلی کے دوسرے ملحدین کی دشمنی کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''انہیں یہ بات کتنی ہی گراں گزرے مگر میں خدا کے بندوں کو شیطانی قانون کے حوالے نہیں کر سکتا۔'' یہ کہتے کہتے سلطان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری تھے اور نفرت و غضب کے شعلے بھی بھڑک رہے تھے۔

رضیہ سلطانہ بہت غور سے باپ کی طرف دیکھ رہی تھی جو بیک وقت غم زدہ بھی تھا اور غضب ناک بھی۔

''بیٹی! میں اسی لئے روتا ہوں کہ اس عظیم الشان اسلامی سلطنت کا کیا ہوگا، جس کی بنیادوں میں میرے آقا سلطان شہاب الدین غوری اور ہزاروں مسلمانوں کا خون شامل ہے۔'' سلطان کے سینے کا زخم ایک بار پھر تازہ ہو گیا تھا۔ ''اگر تیرے بھائی اس قابل ہوتے تو میں سکون کے ساتھ دنیا سے گزر جاتا۔ لیکن میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ وہ بزرگوں کے ورثے کو برباد کر ڈالیں گے۔''

''کچھ نہیں ہوگا بابا محترم!'' رضیہ سلطانہ نے بے قرار باپ کے سینے پر سر رکھ دیا۔ ''خدا خاندانِ التمش کی آبرو برقرار رکھے۔ اگر میرے بھائی ساغر و صراحی میں ڈوب گئے تو پھر آپ کی یہ کمزور بیٹی تلوار اُٹھا لے گی اور اس وقت تک دشمن سے جنگ کرے گی جب تک اہل ہند اپنی آنکھوں سے آپ کے خوابوں کی تعبیر نہیں دیکھ لیں گے۔''

''تُو کمزور کہاں ہے بیٹی؟ آہن و فولاد سے بھی زیادہ سخت ہے اور کوہساروں سے بھی زیادہ مضبوط۔'' سلطان نے شہزادی کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ ''مگر پھر بھی ایک عورت ہے، جس کی صلاحیتوں کو یہ کم نظر مرد تسلیم نہیں کرتے۔ خدا خاندانِ التمش پر وہ وقت نہ لائے، جب اس کے بیٹے کسی رقاصہ کے پیروں پر سر رکھ کر سو جائیں اور بیٹیاں، باپ کی عزت بچانے کے لئے میدان میں نکل آئیں۔''

❁==❁==❁

سوامی دینا ناتھ اور ٹھاکر بلرام سنگھ بہت اُداس تھے کہ ان کا منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔ پھر جب اُنہیں یہ خبر ملی کہ قرمطی سردار ملک الماس زخمی حالت میں گرفتار ہو گیا ہے تو ان کی راتوں کی نیندیں اُڑ گئیں۔ سوامی اور ٹھاکر کو یقین

تھا کہ ملک الماس تشدد کے آگے زبان کھولنے پر مجبور ہو جائے گا اور پھر سلطان ان کی زیرِ زمین فتنہ گاہوں کی بنیادیں تک کھود ڈالے گا۔ مگر ان دونوں کے یہ اندیشے غلط ثابت ہوئے۔ التمش کے سپاہیوں نے قید خانے میں ملک الماس کو اس قدر زد و کوب کیا کہ وہ کئی بار بے ہوش ہوا لیکن اس کے ہونٹ نہیں کانپے۔ سلطان معلوم کرنا چاہتا تھا کہ باقی قرامطہ کہاں روپوش ہیں اور ان کی پشت پر کس کا ہاتھ ہے؟

پھر جب سپاہی تشدد کرتے کرتے تھک گئے تو ملک الماس کو زنجیروں میں جکڑ کر سلطان کے سامنے سرِ دربار پیش کر دیا گیا۔

''اگر تُو اپنے عقائد سے تائب ہو جائے اور ان گمراہوں کی نشاندہی کر دے جو تیرے ہم نوا ہیں تو تجھ پر آبرومندانہ زندگی کے دروازے کھولے جا سکتے ہیں۔'' سلطان التمش نے ملک الماس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''بدعقیدہ تُو ہے سلطان!'' ملک الماس بڑے گستاخانہ لہجے میں بول رہا تھا۔ ''میں ہرگز گمراہ نہیں ہوں۔ تُو جس آبرومندانہ زندگی کی بات کرتا ہے، میں اسے دنیا کی سب سے بڑی لعنت سمجھتا ہوں۔'' شیطان ملک الماس کے جسم میں حلول کر چکا تھا، اس لئے وہ اپنی گمراہی کو حقانیت کی دلیل قرار دے رہا تھا۔

سلطان سمجھ چکا تھا کہ ملک الماس ناقابلِ اصلاح ہے، اس لئے والیٔ ہند نے اس کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔

جیسے ہی سلطان کے سپاہی ملک الماس کو مقتل لے جانے کے لئے آگے بڑھے، اس نے اپنی انگوٹھی اُتار کر نگل لی۔ انگوٹھی میں ایک قیمتی ہیرا جڑا ہوا تھا۔ ہیرے نے شکم میں اُترتے ہی ملک الماس کے دل و جگر کے ٹکڑے کر ڈالے۔

''میں نہیں چاہتا سلطان! کہ تیرے سپاہیوں کی ناپاک شمشیریں میرے پاک جسم کی بے حرمتی کریں۔'' ملک الماس دیوانوں کی طرح قہقہے لگا رہا تھا۔ ''میرا جسم بھی آزاد ہے اور میری روح بھی۔ مجھے اپنے خدا کے سوا کسی کی غلامی منظور نہیں۔'' ملک الماس کے منہ سے خون بہنے لگا تھا۔ یکایک اس کے قدم لڑکھڑائے اور وہ فرش پر گر پڑا۔

''میں جا رہا ہوں۔'' ملک الماس نے پوری طاقت سے چیخنے کی کوشش کی۔ ''میں اپنے خدا ابو طاہر کے پاس جا رہا ہوں، جس نے میرے واسطے جنت آراستہ کی ہے اور جو صدیوں سے میرا انتظار کر رہا ہے۔''

سلطان التمش شدید حالتِ غضب میں تخت سے نیچے اُتر آیا اور تیز قدموں کے ساتھ ملک الماس کے پاس جا پہنچا۔ قرمطی سردار آخری ہچکیاں لے رہا تھا۔

''بدنصیب! تُو حرام موت مر رہا ہے۔'' سلطان قہر آلود لہجے میں بول رہا تھا۔ ''شیطان کا پیروکار وہ تیرا پیشوا ابو طاہر، جنت میں نہیں، دوزخ میں تیرا انتظار کر رہا ہے۔ جا! اور اس آگ کا ایندھن بن جا جو ابد تک ایک ہی انداز سے بھڑکتی رہے گی۔''

ملک الماس کا جسم کانپا اور پھر ساکت ہو گیا۔ اس کی آنکھیں اس طرح پھٹی ہوئی تھیں کہ جیسے وہ کوئی بھیانک منظر دیکھ رہا ہو اور فرشتۂ اجل نے اسی حالت میں اس کی سانسیں سلب کر لی ہوں۔

''اے خدا! میں ابلیس رجیم سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔'' سلطان التمش نے با آواز بلند کہا اور پھر انتہائی غصے کے عالم میں سپاہیوں سے مخاطب ہوا۔ ''اس مردود کی لاش کو شہر کے چوراہے پر لٹکا دو اور کوچہ بہ کوچہ اعلان کر دو کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو مسلمانوں کا لباس پہن کر اسلام کے خلاف سازشیں کرتا تھا۔''

اس کے بعد سلطان التمش نے ایک اور اہم اعلان کیا۔

''مذہب میں کوئی جبر نہیں۔ ہندوستان کے سب لوگ عقیدتاً آزاد ہیں۔ ہم نے کسی کی شہ رگ پر تلوار رکھ کر یہ نہیں کہا کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ جو بھی اس راستے پر آیا، اپنی خوشی سے آیا..... مگر وہ لوگ جو ایک بار حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے، ان کے لئے واپسی کا کوئی راستہ نہیں۔ اگر آئندہ کسی نے ملک الماس کا طریقہ اختیار کیا تو اس کا حشر اس سے بھی زیادہ عبرت ناک ہو گا۔ میں سارے منافقوں کو چند دن کی مہلت دیتا ہوں، وہ اپنے جسموں سے اسلام کی قبائیں اُتار پھینکیں اور اپنی اپنی عبادت گاہوں کی طرف لوٹ جائیں۔ ان سے کوئی باز پرس نہیں ہو گی۔ لیکن پھر بھی اگر کوئی شخص منافقت کی عبا پہنے ہوئے پکڑا گیا تو اس کے لئے میرے قانون کی گرفت بہت سخت ہو گی اور مجرم کے پورے خاندان کو اس کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا ہو گا۔''

❁==❁==❁

دہلی کے عام باشندوں کی طرح سوامی دینا ناتھ اور ٹھاکر بلرام سنگھ نے بھی ملک الماس کی بے گور و کفن لاش دیکھی جس کے چاروں طرف گِدھ، چیل اور کوّے منڈلا رہے تھے۔

''ٹھاکر!'' سوامی نے بلرام سنگھ سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ ''بس اس بار تو دیوتاؤں کی کرپا سے بچ گئے۔ اگر ملک الماس زبان کھول دیتا تو.....'' سوامی کی بات ادھوری رہ گئی اور شدتِ خوف سے اس کا جسم کانپنے لگا۔

''تو ملک الماس کے قریب ہماری لاشیں بھی لٹک رہی ہوتیں؟'' ٹھاکر بلرام سنگھ اس دہشت ناک فضا میں بھی مسکرا رہا تھا۔

''یقیناً۔'' سوامی کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور وہ ملک الماس کی سڑتی ہوئی لاش کو دیکھ رہا تھا۔

''دیکھ! کیسا بہادر شخص تھا یہ۔'' ٹھاکر نے ملک الماس کے دریدہ جسم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میں سلام کرتا ہوں اسے۔ اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے پھانسی چڑھ گیا مگر سلطان کی غلامی قبول نہیں کی۔ پھر تُو کیسا برہمن ہے کہ محفوظ پناہ گاہ میں رہ کر بھی موت کے خوف سے کانپ رہا ہے۔''

''بس ٹھاکر! مجھے بخش دے۔'' دینا ناتھ نے بلرام سنگھ کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''میرے آٹھ سو جوان دیکھتے ہی دیکھتے موت کی خوراک بن گئے۔'' سوامی کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔ ''ہائے میرے شیر۔ برسوں اُنہیں اپنا خون پلایا۔ پھر جب وہ جوان ہوئے تو قتل کر دیئے گئے۔''

''تجھے کچھ اور شیر پالنا ہوں گے سوامی!'' ٹھاکر کے لہجے میں غصہ بھی تھا اور تحکم بھی۔ ''اور ان شیروں کو بھی تجھے اپنا ہی خون پلانا ہو گا۔''

''نہ ٹھاکر! نہ۔ اب مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے۔'' سلطان التمش کا اعلان سن کر سوامی دینا ناتھ کو یوں محسوس ہوا تھا، جیسے موت دبے پاؤں اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔

''اگر تُو انکار کرے گا سوامی! تو میں تیرے سارے کرتوتوں کے بارے میں سلطان کو بتا دوں گا اور خود بھی سُولی چڑھ جاؤں گا۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ کھلے لفظوں میں سوامی کو دھمکی دے رہا تھا۔ ''تجھے دھرم کی خاطر ہر طرح کا بلیدان دینا ہو گا۔ اگر تُو نے دیوتاؤں سے بغاوت کی تو پھر میں اپنی تلوار سے تیرے جسم کے ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلا دوں گا۔''

''تم خود یہ سب کچھ کیوں نہیں کرتے ٹھاکر؟ تمہیں دہلی میں ہزاروں راجپوت مل جائیں گے۔ ان سب کو جمع کر

لے ایک دن قلعہ پر حملہ کر دو۔ سارا کھیل ختم ہو جائے گا۔'' دینا ناتھ بڑی عیاری سے اپنا دامن بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ہندوستان کے اندھے لوگ تجھے دیوتا سمجھتے ہیں۔ اگرچہ تُو بہروپیا ہے، لیکن پھر بھی وہ تیری روحانی قوتوں پر اعتبار کرتے ہیں۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ نے انتہائی تند و تیز لہجے میں کہا۔ ''تیری کٹیا ہمارے لئے ایک آڑ ہے۔ ہندوؤں کی طرح مسلمان بھی اسے ایک مندر سمجھتے ہیں۔ ہم کھلے میدان میں باغیوں کی پرورش نہیں کر سکتے۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ کی ذہانت نے سوامی دینا ناتھ کو لاجواب کر دیا تھا۔

''مگر میں کیا کروں ٹھاکر؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔'' سوامی دینا ناتھ شدید ذہنی کشمکش کا شکار تھا اور وہ بار بار اپنے ہاتھ مل رہا تھا۔ ''چند سو یا چند ہزار تربیت یافتہ باغی، سلطان کے لاکھوں سپاہیوں پر کس طرح قابو پا سکتے ہیں؟''

''مسلمانوں کی فوج کو شکست دینا ہمارا مقصد نہیں ہے۔'' ٹھاکر نرم پڑ گیا تھا اس لئے وہ بہت دھیمے لہجے میں بول رہا تھا۔ ''ہمیں تو مسلمانوں کے سپہ سالار کو قتل کرنا ہے۔ پھر فوج خود بخود منتشر ہو کر بھاگ کھڑی ہو گی۔ اب کے میں نے سلطان کے قتل کا ایسا منصوبہ بنایا ہے جو کسی بھی صورت میں ناکام نہیں ہو گا۔''

''آہستہ بول ٹھاکر!'' سوامی دینا ناتھ نے گھبرا کر بلرام سنگھ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''یہ باتیں چوراہوں پر نہیں کی جاتیں۔''

بلرام سنگھ سنبھل گیا اور پھر وہ سوامی کا ہاتھ پکڑ کر اس کی کٹیا کی طرف چل دیا۔ دینا ناتھ نے جاتے جاتے کئی بار ملک الماس کی گلتی ہوئی لاش کو دیکھا اور ہر بار اس کے پورے جسم میں خوف کی ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

❁==❁==❁

آج سلطان التمش نے دربارِ عام منعقد کیا تھا مگر دراصل یہ ایک تقریبِ خاص تھی۔ نذیر شاہ مجذوب کو بھی اس تقریب میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا۔

''میں ایک پاگل اور بھکاری، ہوش مندوں اور امیروں کی تقریبات میں شریک ہونے کے لائق نہیں ہوں۔''

نذیر شاہ کا جواب سن کر سلطان کو شدید اذیت پہنچی تھی۔ پھر اس نے دربار کے سب سے بڑے عالم مولانا عماد الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ کے ایک لفظ نے نذیر شاہ کو ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا۔ وہ تو بڑے باہوش انسان ہیں۔''

''حضورِ والا!'' مولانا عماد الدین بلاشبہ ایک فاضل انسان تھے، مگر دنیا داری کا ہنر بھی خوب جانتے تھے۔ ''یہ آپ کی صفائی قلب ہے کہ ایک پاگل کو ہوش مند کا درجہ دے رہے ہیں۔ میری حقیر رائے میں نذیر شاہ کا آپ سے دُور رہنا ہی بہتر ہے۔ وہ کتنا ہی ذی ہوش ہو مگر شہزادی محترمہ کو موت کی بد دعا دینے والا اس قابل نہیں کہ اسے معاف کیا جا سکے۔'' مولانا عماد الدین نے بڑی ہوشیاری سے سلطان کے جذبات پر ایک کاری ضرب لگائی تھی۔

''کیا کہا تھا نذیر شاہ نے رضیہ سلطانہ کے بارے میں؟'' التمش کے ذہن میں ایک بھولا ہوا واقعہ پھر تازہ ہو گیا تھا۔

''میں فاصلہ زیادہ ہونے کے سبب نذیر شاہ کے الفاظ پوری طرح سن نہیں سکا تھا۔''

''سلطانِ ذیشان! مجلس میں شریک تمام علماء نے نذیر شاہ کی یہ بات سنی تھی کہ شہزادی محترمہ عنقریب ہلاک و

برباد ہو جائیں گی۔"

سلطان گہری سوچ میں ڈوب گیا اور پھر کسی قدر ناگوار لہجے میں مولانا عمادالدین سے مخاطب ہوا۔ "اس واقعہ کو دس سال گزر چکے ہیں۔ پھر نذیر شاہ کی بددعا پوری کیوں نہیں ہوئی؟"

"یہ خادم کیا عرض کر سکتا ہے سرکارِ معظم!" مولانا عمادالدین بڑے منطقی لہجے میں گفتگو کر رہے تھے۔ "نذیر شاہ کوئی پیغمبر تو نہیں ہے کہ ادھر زبان سے لفظ ادا ہوا اور ادھر اس کا نتیجہ ظاہر ہو جائے۔"

رضیہ سلطانہ کے حوالے سے التمش کا ذہن اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ پھر وہ خود جامع مسجد پہنچا اور نذیر شاہ سے تقریبِ خاص میں شریک ہونے کی درخواست کی۔

"میں نے تیرے بھیجے ہوئے قاصد سے سب کچھ کہہ دیا تھا۔" نذیر شاہ کے چہرے سے بیزاری کا رنگ جھلک رہا تھا۔ "کیا اس نے تجھے کچھ نہیں بتایا؟"

"میں نے آپ ہی کی وجہ سے اس تقریب کا اہتمام کیا ہے۔" ایک درویش کے سامنے سلطان کا لہجہ عاجزانہ تھا۔

"کیوں؟" نذیر شاہ نے اس طرح چونک کر کہا جیسے کوئی دھار دار چیز ان کے جسم میں چبھ گئی ہو۔

"میں اپنے ہاتھوں سے آپ کو خلعتِ خاص پہنانا چاہتا ہوں۔" سلطان نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"کس خوشی میں؟" نذیر شاہ کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ اُبھر آئی تھی۔

"آپ نے دشمنانِ اسلام سے جہاد کیا تھا.....اس لئے....."

"جہاد تیرے لئے کیا تھا؟" نذیر شاہ نے سلطان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ اللہ کے لئے۔" سلطان کچھ شرمسار سا نظر آنے لگا تھا۔

"تو پھر میرے معاملے کو اللہ پر چھوڑ دے۔" نذیر شاہ یک بہ یک بہت زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگے تھے۔ "شہنشاہ! اپنی ذمے داریوں کی طرف دیکھ! دوسروں کے کاموں میں کیوں مداخلت کرتا ہے؟"

"بہرحال! کچھ بھی ہو، آپ کو اس تقریب میں تو شریک ہونا ہی پڑے گا۔" سلطان کے لہجے میں تحکم کے بجائے عقیدت و نیازمندی کی جھلک تھی۔

نذیر شاہ کچھ دیر تک سوچتے رہے، پھر مسکراتے ہوئے بولے۔ "پہلے اپنے دربار کو علماء سے خالی کر دے۔ پھر میں چلا آؤں گا اور تیری خوشی کے لئے خلعت بھی پہن لوں گا۔"

سلطان التمش ایک مجذوب کی شرط سن کر حیرت زدہ رہ گیا۔ "یہ کیسے ممکن ہے نذیر شاہ؟" سلطان کی زبان میں ہلکی سی لکنت تھی۔ "وہ تو میرے.....دربار کی.....زینت ہیں.....میں کس طرح انہیں اپنے دربار سے الگ کر سکتا ہوں؟"

"میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں شہنشاہ! کہ تُو اپنے دربار کی رونق کو برقرار رکھ اور ایک جاہل کو اس کے حال پر چھوڑ دے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں نذیر شاہ! کہ ان علماء کے ساتھ آپ بھی میرے دربار کی رونق بڑھا دیں؟" دعوتِ شاہی سے التجا کا رنگ جھلکنے لگا تھا۔

"ہرگز نہیں۔" اب کی بار نذیر شاہ تیز آواز میں بولے۔ "شہنشاہ! کہیں تُو نے آگ اور پانی کو ملتے دیکھا ہے؟

اور اگر زبردستی مل بھی گئے تو دونوں میں سے کسی ایک کو فنا کے گھاٹ اُترنا ہوگا۔"

سلطان سمجھ چکا تھا کہ نذیر شاہ دربار میں جانا نہیں چاہتے، اس لئے مختلف بہانے تراش رہے ہیں۔ آخر اس نے موقع غنیمت جانا اور اپنی بیٹی کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

"نذیر شاہ! شہزادی رضیہ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

نذیر شاہ نے چونک کر سلطان کی طرف دیکھا۔ پھر مسکراتے ہوئے بولے۔ "مردوں پر بازی لے جانے والی خاتون، بڑی باہمت، بہت خوبصورت، بہت نیک سیرت۔"

"آپ بھی تو ختمِ قرآن کی تقریب میں شریک ہوئے تھے۔" سلطان بہت احتیاط سے گفتگو کر رہا تھا۔ "اور آپ نے شہزادی کی قرأت کی بہت تعریف کی تھی۔"

"اس کی آواز ہی اتنی پُرسوز ہے کہ دلوں میں شگاف ڈال دیتی ہے۔" یہ کہتے کہتے نذیر شاہ کے چہرے پر عجیب سا رنگ اُبھر آیا تھا۔

"تو پھر آپ اس کی قرأت سننے ہی کے لئے قصرِ شاہی چلے آیئے۔" سلطان نے نذیر شاہ کو آمادہ کرنے کے لئے ایک اور طریقہ اختیار کیا۔

"نہیں شہنشاہ! پہلے وہ بچی تھی، اب بڑی ہو گئی ہو گی۔" نذیر شاہ کو بے خودی میں بھی پورا ہوش تھا۔ "خدا اُس کی آواز کو دنیا کی آلودگیوں سے محفوظ رکھے۔" یہ کہہ کر نذیر شاہ نے نعرۂ مستانہ بلند کیا اور ایک طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ "تُو سچا.....تیرا وعدہ سچا۔"

سلطان التمش کچھ دیر تک نذیر شاہ کے نعروں کی گونج سنتا رہا اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ اُبھر آئی۔ سلطان کا دل اس شخص کی طرف سے صاف ہو چکا تھا، جسے درباری علماء اپنے انتقام کا ہدف بنانا چاہتے تھے۔

❄==❄==❄

دربارِ عام منعقد ہوا۔ سلطان نے ان مسلمانوں کے اہلِ خانہ کے لئے وظائف کا اعلان کیا جو قرامطہ کے ہنگامے میں شہید ہو چکے تھے۔ پھر سلطان کے حکم پر جمال الدین یاقوت کو دربار میں لایا گیا جو زخمی ہونے کے سبب آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اہلِ دربار نے بڑی حیرت سے سلطان کے محافظِ خاص کو دیکھا۔ سانولی رنگت کے باوجود وہ ایک سحر انگیز شخصیت کا مالک تھا۔ چوڑا سینہ، طاقتور بازو، دراز قامت، کشادہ پیشانی اور سب سے بڑھ کر اس کی روشن آنکھیں، مقناطیس کی طرح کہ جس کو دیکھ لے وہ اس کی طرف کھنچ کر رہ جائے۔ تمام درباریوں کی نظریں حبشی زادے پر مرکوز تھیں۔ وہ بڑے باوقار انداز میں چلتا ہوا تختِ شاہی کے قریب پہنچا اور پھر اس نے خم ہو کر سلطان کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

سلطان نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا جیسے دستِ سلطانی، جمال الدین یاقوت کے سر پر سایہ فگن ہو۔

اپنے حکمران کا یہ اندازِ کریمانہ دیکھ کر جمال الدین کچھ اور جھک گیا۔

"یہاں آؤ جمال الدین!" سلطان التمش کی بارعب آواز پورے دربار میں گونجنے لگی۔ "آج تمہاری جگہ ہمارے قریب ہے۔" سلطان نے اپنے بائیں جانب بچھی ہوئی ایک خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں عزت مآب!'' جمال الدین نے جھکا ہوا سر اُٹھایا۔ اُس کی آنکھوں کی طرح اُس کی آواز بھی دلوں میں اُتر جانے والی تھی۔ ''غلام کے لئے بس یہی شرف کافی ہے کہ وہ اپنے آقا کے حضور گردن خم کئے کھڑا رہے۔''

سلطان التمش نے محبت آمیز نظروں سے اپنے محافظِ خاص کی طرف دیکھا اور پھر حاضرین سے مخاطب ہوا۔

''معززینِ دربار! یہ ہے جمال الدین یاقوت۔ ہمارا جاں نثار۔ انتہائی مشکل وقت میں اپنے آقا کا غم گسار۔ اگر قرامطہ کے حملے کے دن یہ نہ ہوتا تو شاید آج تم اپنے سلطان کے مقبرے پر کھڑے ہوئے فاتحہ خوانی کر رہے ہوتے۔''

''خدا نہ کرے..... خدا نہ کرے.....'' پورا دربار حاضرین کی آوازوں کے شور سے گونجنے لگا۔ ''ربِ ذوالجلال، سلطان کو عمرِ خضر عطا کرے۔''

جب دعاؤں کا شور ختم ہو گیا تو التمش دوبارہ اہلِ دربار سے مخاطب ہوا۔ ''جو زخم تمہارے سلطان کے جسم پر اُبھرنا تھے، وہ سب کے سب جمال الدین یاقوت کی پشت اور سینے پر نمایاں ہوئے۔ یہ ایفائے عہد اور جاں نثاری کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔''

ترک سرداروں کو سلطان التمش کی زبان سے ایک حبشی زادے کی اس قدر تعریف پسند نہیں آئی تھی۔

''میرے قریب آؤ جمال الدین!'' سلطان نے حبشی زادے کو پکارا۔

جمال الدین یاقوت سر جھکائے والیٔ ہندوستان کے قریب پہنچا۔ سلطان نے کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ سے حبشی زادے کو خلعتِ خاص پہنائی اور پھر ایک جڑاؤ شمشیر دیتے ہوئے کہا۔

''یہ لباسِ فاخرہ اور یہ عہدۂ منصب تو ایک رسمِ دنیا ہے یاقوت! اہلِ وفا اس سے بڑے انعام کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور تیرا انعام یہ ہے جمال الدین! کہ تُو میرے دل کے قریب ہے۔'' یہ کہتے کہتے سلطان التمش بہت جذباتی ہو گیا تھا۔ والیٔ ہند نے یاقوت حبشی کے دونوں بازوؤں کو دباتے ہوئے کہا۔ ''تُو ہمیشہ میرے دل کے قریب رہے گا۔ احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں۔''

جمال الدین یاقوت، سلطان کے روبرو گھٹنوں کے بل جھک گیا۔

حبشی زادے کو شاہی انعام و اکرام سے نوازا جا رہا تھا اور پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی شہزادی رضیہ سلطانہ اس شخص کو بغور دیکھ رہی تھی جو اپنی سانولی رنگت کے باوجود تمام ترک سرداروں سے زیادہ پُرکشش نظر آ رہا تھا۔

''کیا وجیہہ انسان ہے؟'' رضیہ کی رازدار کنیز فردوس بے اختیار بول اُٹھی۔

''کون؟'' رضیہ سلطانہ نے چونک کر کہا۔

''وہی جسے آپ مسلسل دیکھے جا رہی ہیں۔'' فردوس کے لہجے میں شرارت شامل تھی۔

''میں کسی کو نہیں دیکھ رہی ہوں۔'' رضیہ کے چہرے اور آواز سے جلالِ شاہی نمایاں تھا۔ ''میں صرف بابا محترم کے جاں نثار کو دیکھ رہی ہوں جس نے خاندانِ التمش پر احسانِ عظیم کیا ہے۔''

''میرے کہنے کا یہ مقصد نہیں تھا آقا زادی!'' فردوس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

پھر اسی تقریب میں جمال الدین یاقوت کو داروغۂ اصطبل بنا دیا گیا۔ اب ایک حبشی زادہ بھی امراء کی صف میں شامل ہو گیا تھا۔ ترک سرداروں کو سلطان التمش کا یہ فیصلہ گراں گزرا تھا اور اس کی صاف و شفاف پیشانیاں لکیروں سے بھر گئی تھیں۔

❁==❁==❁

رضیہ سلطانہ کی جنگی تربیت جاری تھی۔ ایک دن نائب سپہ سالار بہرام غوری، شہزادی کو شمشیر زنی کے داؤ پیچ سکھا رہا تھا کہ اچانک رضیہ نے وار کیا اور تلوار پھسل کر بہرام کے رخسار کو کاٹتی ہوئی گزر گئی۔

''یہ کیا ہوا؟'' شہزادی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور اس نے تلوار زمین پر پھینک دی۔

''کچھ نہیں۔ غلطی میری ہی تھی۔'' بہرام غوری نے کمر سے بندھا ہوا رومال کھول کر چہرے پر رکھ لیا۔

رضیہ سلطانہ نے ایک خدمت گار کے ذریعہ شاہی طبیب کو پیغام بھیجا کہ وہ فوری طور پر فوجی تربیت گاہ میں حاضر ہو جائیں۔

''رہنے دیجئے شہزادی معظمہ!'' بہرام غوری کا ہاتھ اپنے رخسار پر تھا اور آنکھیں رضیہ سلطانہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ''معمولی زخم ہے، خود بخود بھر جائے گا۔''

''زخم معمولی نہیں، بہت گہرا ہے۔'' رضیہ نے پریشان لہجے میں کہا۔ ''دیکھئے! پورا رومال خون سے تر ہو گیا ہے۔''

''میرے خون کی فکر نہ کریں۔'' بہرام غوری پر نشہ سا طاری تھا اور وہ اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھا تھا کہ اس کے سامنے محبوبۂ دلنواز نہیں، آقا زادی ہے۔ ''خدا آپ کو ہر محاذ پر سرخرو کرے۔''

''مجھے بڑی ندامت ہے۔'' رضیہ اظہارِ معذرت کر رہی تھی۔

''یہ زخم نہیں، میری زندگی کا سب سے بڑا اعزاز، سب سے بڑا تمغہ ہے جسے میں آخری سانس تک اپنے چہرے پر سجائے رہوں گا۔'' بہرام غوری نے بڑے شائستہ الفاظ میں اپنے دل کی بات کہہ ڈالی تھی۔

رضیہ سلطانہ نے چونک کر اپنے اتالیق کی طرف دیکھا، وہ بہرام غوری کی گفتگو کو ایک ملازم کے انکسار سے تعبیر کر رہی تھی۔ ''ہم آپ کی خدمت گزاری کی قدر کرتے ہیں۔''

بہرام کا دل بجھ کر رہ گیا۔ آج اسے پہلی بار احساس ہوا کہ وہ غوری شہزادہ نہیں، شہزادی رضیہ سلطانہ کا ایک ادنیٰ ملازم ہے۔

کچھ دیر بعد شاہی طبیب بھی وہاں پہنچ گیا اور رضیہ سلطانہ اسے بہرام غوری کے سلسلے میں ہدایات دے کر قصرِ شاہی واپس چلی گئی۔

❁==❁==❁

نصف شب کا وقت تھا۔ محل کے سارے مکین گہری نیند میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اچانک ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور اس سے ایک سایہ برآمد ہوا۔ پھر یہ سایہ طویل راہداریوں سے گزر کر رضیہ سلطانہ کی خواب گاہ کے سامنے ٹھہر گیا۔ شہزادی کے دونوں مسلح محافظ اس سائے کو روکنے کے لئے آگے بڑھے۔ سائے نے پلک جھپکتے میں دونوں کو قتل کر دیا۔ پھر وہ خواب گاہ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ شہزادی رضیہ بے خبر سوئی ہوئی تھی۔ سایہ آہستہ آہستہ جھکتا چلا گیا۔

یہاں تک کہ اس کے اور شہزادی رضیہ سلطانہ کے درمیان برائے نام فاصلہ باقی رہ گیا۔

''بے ادب!'' یکایک خوابگاہ میں رضیہ کی تیز آواز گونجی۔ ''نمک حرام!.....احسان فراموش!''

شہزادی کی رازدار کنیز فردوس برابر کے کمرے میں سوئی ہوئی تھی۔ رضیہ کی تیز چیخیں سن کر وہ بدحواسی کے عالم میں خواب گاہ کی طرف بھاگی۔ فردوس نے دیکھا کہ اس کی آقا زادی بستر سے اُتر کر فرش پر کھڑی ہے، پسینے سے شرابور ہے اور اس کی آنکھیں مستقل دروازے پر جمی ہوئی ہیں۔

فردوس، رضیہ کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئی۔ ''کیا ہوا شہزادی معظمہ؟''

''وہ گستاخ میری خواب گاہ میں داخل ہو کر مجھے چھونے کی کوشش کر رہا تھا۔'' رضیہ سلطانہ کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔ ''اس نے دونوں محافظوں کو بھی قتل کر دیا۔''

''کون تھا وہ؟'' فردوس شدتِ خوف سے کانپنے لگی تھی۔ ''کس نے آپ کے نگہبانوں کو قتل کر دیا؟''

''اُسی جمال الدین یاقوت نے جو بابا محترم کا محافظِ خاص ہے۔'' رضیہ کے لہجے سے شدید نفرت و غضب کا اظہار ہو رہا تھا۔

''پھر وہ کہاں گیا؟'' فردوس پھٹی پھٹی آنکھوں سے شہزادی کی خواب گاہ میں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی مگر وہاں کسی اجنبی مرد کی آمد کے آثار تک نہیں تھے۔

''مجھے کچھ پتہ نہیں۔'' شہزادی نے اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''شاید وہ میرے بیدار ہونے اور چیخنے پر فرار ہو گیا۔''

کنیز فردوس تیزی سے خواب گاہ کے دروازے کی طرف بڑھی اور پھر پوری طرح اطمینان کر لینے کے بعد انتہائی حیرت زدہ لہجے میں آقا زادی سے مخاطب ہوئی۔

''مگر شہزادی عالیہ! دروازہ تو اندر سے بند ہے۔''

نیند کا خمار آہستہ آہستہ ٹوٹ رہا تھا۔ ''پھر وہ کدھر سے آیا تھا؟'' رضیہ جواب دینے کے بجائے خود اُلجھے ہوئے لہجے میں کنیز سے سوال کر رہی تھی۔

فردوس نے ایک بار پھر حیرت زدہ نظروں سے شہزادی کی طرف دیکھا۔

''میں نہیں جانتی کہ وہ کدھر سے آیا تھا۔'' رضیہ سلطانہ کچھ اور اُلجھ گئی تھی۔ ''مگر آیا ضرور تھا۔''

فردوس تیزی سے پلٹی اور خواب گاہ کا دروازہ کھول کر راہداری میں جھانکنے لگی۔

''کیا بات ہے؟'' ایک محافظ نے فردوس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی گھبرا کر پوچھا۔ ''شہزادی حضور کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

دوسرا محافظ جو تھوڑے فاصلے پر تھا، یہ گفتگو سن کر قریب آ گیا۔

''کوئی بات نہیں۔'' فردوس نے مطمئن لہجے میں کہا۔

''پھر؟'' دوسرے محافظ نے کسی قدر سخت آواز میں پوچھا۔

''میں یہ دیکھ رہی تھی کہ تم لوگ سو تو نہیں گئے۔'' فردوس نے بات بناتے ہوئے کہا۔

''ہم کیسے سو سکتے ہیں؟'' دونوں محافظوں نے بیک زبان کہا۔ ''ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا پورا احساس ہے۔''

شہزادی کے نگہبانوں کی آواز میں تلخی شامل تھی جیسے انہیں کنیز کی بات بری لگی ہو۔

فردوس نے محافظوں کے بگڑے ہوئے چہروں کو نظر انداز کرتے ہوئے خواب گاہ کا دروازہ بند کر دیا اور رضیہ سلطانہ کے قریب آ کر بڑے عجیب سے لہجے میں بولی۔

''شہزادی حضور کے جاہ و جلال کی قسم! آپ کی اجازت کے بغیر تو یہاں سے ہوا کا گزر بھی ممکن نہیں۔ میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ دونوں محافظ بھی زندہ سلامت ہی۔ پھر انہیں کس نے قتل کیا اور آنے والا اندر کس طرح آیا؟''

شہزادی بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی تھی۔ کبھی وہ بند دروازے کی طرف دیکھتی، کبھی کنیز فردوس کے چہرے پر اُبھرنے والے سوالیہ نشانات کو اور کبھی اپنے ریشمی بستر کو۔

فردوس نے رضیہ سلطانہ کی ذہنی کشمکش کا اندازہ کرتے ہوئے کہا۔ ''شہزادی عالیہ! کہیں وہ خواب کا منظر تو نہیں تھا؟''

''ہاں۔'' رضیہ چونکتے ہوئے بولی۔ ''وہ پھر خواب ہی ہو گا۔''

فردوس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اُبھر آئی۔ ''بندہ پرور! اگر وہ خواب تھا تو پھر خوابوں سے کیا لڑنا؟''

''مگر وہ ایک خواب پریشاں تھا فردوس!'' رضیہ کے دلکش چہرے پر جھنجلاہٹ کے آثار صاف نمایاں تھے۔ ''تجھے کیا خبر کہ اس وقت میرے دل کی کیا حالت ہے؟ شرم سے پانی پانی ہوئی جاتی ہوں۔ مجھے تو یہ احساس ہی مار ڈالے گا کہ ایک نامحرم میرے خوابوں میں چلا آیا تھا۔''

''خوابوں پر کسی کا اختیار نہیں۔'' فردوس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا جیسے وہ خود بھی خواب دیکھ رہی ہو۔

''مگر مجھے اپنی آنکھوں پر مکمل اختیار ہے۔'' یکایک شہزادی نے جاہ و جلال کا آتشیں لباس پہن لیا تھا اور فردوس محسوس کرنے لگی تھی کہ اس وقت جو بھی رضیہ سلطانہ کے روبرو آئے گا، جل کر خاکستر ہو جائے گا۔ ''میرے شبستانِ خواب پر بھی سخت پہرے لگے ہوئے ہیں فردوس! اگر کوئی گستاخ و بے ادب بھولے سے بھی ادھر آ نکلا تو پھر کون ہے جو اسے میرے قہر سے محفوظ رکھ سکے۔''

فردوس نے آج سے پہلے شہزادی کو اس قدر حالتِ غضب میں نہیں دیکھا تھا۔ شاہی کنیز سہم کر رہ گئی تھی۔

''میرا بس ایک ہی خواب ہے۔'' رضیہ سلطانہ نے بستر پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔ ''بابا محترم کے عظیم الشان ورثے کی حفاظت.....اس کے سوا کچھ نہیں۔''

فردوس اپنے کمرے میں واپس چلی گئی۔ رضیہ سلطانہ کچھ دیر تک منتشر خیالات سے اُلجھتی رہی، پھر گہری نیند سو گئی۔

❁==❁==❁

ٹھاکر بلرام سنگھ اور سوامی دینا ناتھ، سلطان التمش کے خلاف ایک نئی سازش میں مصروف تھے۔ بلرام سنگھ کا منصوبہ یہ تھا کہ ایک بار پھر ہندوستان کے گوشے گوشے سے ایسے ہندو نوجوان جمع کئے جائیں جو فطرتاً بہادر بھی ہوں اور شمشیر زنی کے فن میں بھی مہارت رکھتے ہوں۔ پھر یہ سارے نوجوان سرعام مذہب اسلام قبول کر لیں اور سلطانی افواج میں شامل ہو جائیں۔ اس کے بعد جب کبھی سلطان کسی جنگی مہم پر روانہ ہو تو مسلمانوں کا لبادہ اوڑھے ہوئے یہ ہندو قوم پرست عین حالتِ جنگ میں بغاوت کر کے والیٔ ہندوستان کی صفوں میں انتشار برپا کر دیں اور پھر موقع ملتے ہی التمش کو قتل کر ڈالیں۔ کئی ماہ کی مسلسل کوششوں کے بعد بلرام سنگھ اور سوامی دینا ناتھ مختلف ہندو ریاستوں سے

ایسے پانچ ہزار نوجوان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے جو نسلاً راجپوت تھے، فنونِ جنگ سے واقف تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے مذہب پر قربان ہونے کا حوصلہ بھی رکھتے تھے۔

پھر سوامی دینا ناتھ اور ٹھاکر بلرام سنگھ کی بساطِ سیاست کے یہ تمام مہرے اپنے چہروں پر منافقت کے نقاب ڈالے ہوئے مولانا عمادالدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جوشِ عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔

''ہم لوگ راجپوت قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ قول وقسم کے نبھانے والے..... لفظوں کی آن پر مر جانے والے۔ کل تک دیوی دیوتاؤں کے پجاری تھے، مگر آپ کی تقریروں نے ہمارے دلوں کی دنیا زیروزبر کر ڈالی۔''

مولانا عمادالدین اپنی تعریف سن کر بے خوف ہو گئے تھے۔ ''پھر تم لوگ کیا چاہتے ہو؟''

''آپ نے ہمیں نئی منزل کا پتہ دیا ہے۔ اسلئے ہم آپ ہی کی رہنمائی میں اس منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں۔''

راجپوت نوجوان سوامی دینا ناتھ اور ٹھاکر بلرام سنگھ کا پڑھایا ہوا سبق دہرا رہے تھے۔ ''آپ مہاتما ہیں..... ہمیں پتھر کے خداؤں سے نجات دیجئے کہ ان سے ٹکراتے ٹکراتے ہماری روحیں تک زخمی ہو گئی ہیں۔''

راجپوتوں کی زبان سے اپنے لئے ''مہاتما'' کا لفظ سن کر مولانا عمادالدین پر سرشاری کی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور وہ تصورات کی دنیا میں خود کو حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ہم رُتبہ سمجھنے لگے تھے۔ مولانا عمادالدین کو اپنے علم وفضل پر بڑا ناز تھا مگر ان کی محرومی یہ تھی کہ وہ حضرت قطب الدینؒ کی طرح ''محبوبیت'' کے درجے تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ اس وقت مولانا کو شدید اذیت پہنچتی تھی، جب دہلی کے عام باشندے سروں کو جھکائے حضرت قطبؒ کی خانقاہ کی طرف جاتے تھے اور چند طالب علموں کے سوا کوئی شخص ان کی درس گاہ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ ایسے مواقع پر مولانا شدید حالتِ غضب میں اپنے شاگردوں کو مخاطب کر کے کہتے۔

''میں ہندوستان کے مسلمانوں کا روحانی امام ہوں، مگر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایک بے خبر درویش سے روشنی مانگ رہے ہیں جو خود برسوں سے اندھیرے میں بھٹک رہا ہے۔''

مولانا عمادالدین کا بس چلتا تو وہ ہندوستان کے گلی کوچوں میں چیختے پھرتے مگر انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ التمش، حضرت قطبؒ کا مرید ہے اور سلطان کسی بھی حالت میں اپنے پیر ومرشد کی یہ تحقیر برداشت نہیں کرے گا۔ مجبوراً مولانا اپنے دل کا غبار شاگردوں کے سامنے نکال دیا کرتے تھے۔ آج جب پانچ ہزار ہندو راجپوت قبولِ اسلام کے لئے ان کی درس گاہ کے سامنے جمع ہوئے تو مولانا کی خوشی ناقابل بیان تھی۔ یہ بھی مولانا عمادالدین کا دیرینہ خواب تھا کہ دہلی کے اہل ہنود صرف ان کے سامنے مشرف بہ اسلام ہوں ورنہ اکثر بت پرست، حضرت قطبؒ کی خانقاہ کا رخ کرتے تھے۔ اور سلطان قطب الدین ایبک کے عہدِ حکومت سے لے کر آج تک، چند سالوں کے مختصر سے عرصے میں ہزاروں مشرکین حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے خلیفۂ اکبر حضرت قطبؒ کے دستِ حق پرست پر ایمان لا چکے ہیں۔ مولانا کو یہ بات شدید گراں گزری تھی۔ وہ تنہا اپنی ذات کو دین کا محافظ سمجھتے تھے اور اسی حوالے سے مولانا کی یہ خواہش تھی کہ اگر کوئی ہندو تبدیلیٔ مذہب کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ جذبۂ عقیدت کے ساتھ ان کی درس گاہ میں حاضر ہو۔

پانچ ہزار راجپوتوں کا ہجوم دیکھ کر مولانا عمادالدین کی ناآسودہ خواہش تسکین پا گئی تھی۔ اگر مولانا چاہتے تو بڑی خاموشی سے اس مذہبی فریضے کو تکمیل تک پہنچا سکتے تھے لیکن شوقِ نمائش اُنہیں دربارِ سلطانی تک لے گیا۔

''میری دلی آرزو ہے کہ سلطانِ ذیشان بہ نفس نفیس اس مذہبی تقریب میں شرکت فرمائیں۔'' مولانا عمادالدین، اہلِ دربار کے سامنے بڑے پُرجوش لہجے میں بول رہے تھے۔ ''یہ مجھ خادم کی دین کی تبلیغ ہی کا نتیجہ ہے کہ ہندوؤں کی اتنی بڑی جماعت نے بت کدوں کی طرف پیٹھ کر لی ہے اور پتھروں کے پجاری تیز قدموں کے ساتھ جانبِ حرم آ رہے ہیں۔''

''میں آپ کی دینی خدمات سے باخبر ہوں مولانا!'' التمش نے عقیدت مندانہ لہجے میں کہا۔ اگرچہ سلطان، مولانا عمادالدین کی دنیاداریوں سے بھی خوب واقف تھا لیکن علم دوست ہونے کی وجہ سے اہلِ علم کی بہت قدر کرتا تھا۔

''میں اس تقریب میں ضرور شرکت کروں گا مولانا!'' سلطان بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ ''آپ حضرات نے ہندوستان کی سنگلاخ زمین میں اسلام کے جو بیج بوئے تھے، قدرتِ حق سے وہ خوب صورت بیل بوٹے بن گئے ہیں۔ ایمان کی اس لہلہاتی فصل کو دیکھنا میرے لئے ایک بڑی سعادت ہو گی۔''

پھر دہلی کے ایک وسیع وعریض میدان میں پانچ ہزار راجپوتوں کے قبولِ اسلام کی تقریب منعقد ہوئی۔ ایک ایک بت پرست آگے بڑھتا اور مولانا عمادالدین کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کلمۂ شہادت پڑھتا۔

صبح سے دوپہر ہو گئی۔ پھر جب تمام ہندو دولتِ ایمان سے سرفراز ہو چکے تو ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور سلطان کی مسند کے قریب پہنچ کر کہنے لگا۔

''ہم نے مولانا عمادالدین کی تقریروں میں سنا ہے کہ جہاد افضل ترین عبادت ہے۔''

''تم نے سچ سنا ہے۔'' سلطان نے انتہائی نرم وشیریں لہجے میں جواب دیا۔ ''مالک کے حضور میں نذرانۂ جاں پیش کر دینا ہی ایک غلام کے لئے سب سے بڑا شرف ہے۔''

''تو پھر ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے۔'' نومسلم راجپوت، سوامی دینا ناتھ اور ٹھاکر بلرام سنگھ کے منصوبے کے مطابق سلطان سے گفتگو کر رہا تھا۔ ''ہم خاندانی طور پر سپاہی ہیں مگر سمراٹ پرتھوی راج چوہان کی شکست کے بعد ہم نے اپنی تلواریں توڑ دی تھیں اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ مگر آج جب ہم اسلام قبول کر چکے ہیں تو پھر ہمارے دل، ہماری جانیں، ہمارے سر اور ہماری تلواریں اسلام ہی کے لئے ہیں۔ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم میدانِ جنگ میں آپ کے دوش بہ دوش لڑتے ہوئے فتح ونصرت کا علم بلند کریں یا پھر آپ کے عزت ووقار پر قربان ہو جائیں۔''

نومسلم راجپوت کی سرفروشانہ گفتگو سن کر سلطان التمش حیران رہ گیا۔ اگر کچھ دن پہلے قرامطہ کا خونریز ہنگامہ برپا نہ ہوتا تو شاید سلطان ان نومسلم پانچ ہزار راجپوتوں کو فوج میں شامل کر لیتا۔ مگر ملک الماس کی فتنہ انگیزیوں نے اسے بہت زیادہ محتاط بنا دیا تھا۔ اب انتہائی تحقیق اور جستجو کے بعد کسی شخص کو لشکرِ سلطانی کے لئے منتخب کیا جاتا تھا۔ اس لئے التمش نے مصلحت آمیز روش اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کے جذبوں کی قدر کرتا ہوں مگر جہاد فی سبیل اللہ انسانی زندگی کا مشکل ترین مرحلہ ہوتا ہے۔ اس معرکہ آرائی میں کبھی کبھی اپنے قریبی عزیزوں کی گردنیں بھی کاٹنی پڑتی ہیں۔ کبھی حقیقی بیٹا مقابل ہوتا ہے اور کبھی باپ۔''

''ہم اپنے ہر رشتہ دار کی گردن پر خنجر آزمائی کے لئے تیار ہیں۔ آپ ہمیں ہر آزمائش میں ثابت قدم پائیں گے۔'' ابھی سلطان کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ سینکڑوں نومسلم راجپوت چیخنے لگے اور ان کی آوازوں کے شور سے

طویل وعریض میدان گونجنے لگا۔

سلطان کو ایک بار پھر حیرت ہوئی تھی۔ دراصل اتنی بڑی تعداد میں راجپوتوں کا مسلمان ہونا اور پھر ان کا جہاد کے لئے اصرار کرنا، التمش کو مختلف زاویوں سے سوچنے پر مجبور کر رہا تھا۔

''مجھے تمہاری زبانوں پر اعتبار ہے مگر ابھی ایسے کسی مظاہرے کا وقت نہیں آیا ہے۔'' سلطان نے حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''فی الحال تم سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دو جو ابھی تک کفر کی تاریکی میں گھرے ہوئے ہیں۔ بس یہی تمہارا جہاد ہے۔''

سلطان کا فیصلہ سن کر نومسلم راجپوتوں کے چہرے اُتر گئے تھے اور انہیں اپنا منصوبہ ناکام ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

❁==❁==❁

تمام امراء اور سپہ سالار اس حق میں تھے کہ نومسلم راجپوتوں کو فوجی اعزاز دے کر عسکری قوت میں اضافہ کیا جائے۔ مگر جب التمش نے اپنی بیٹی رضیہ سے مشورہ کیا تو وہ بہت دیر تک گہری سوچ میں ڈوبی رہی۔ پھر شہزادی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''بے شک! پانچ ہزار راجپوتوں کی شمولیت کے بعد ہماری فوجی طاقت میں اضافہ ہو جائے گا۔ مگر بابا محترم! یہ اچانک اتنے لوگ کہاں سے آ گئے ہیں؟''

''یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔'' التمش نے تعریفی نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ابھی ان نومسلموں کو دین کے دوسرے ارکان کا علم تک نہیں، پھر جہاد کے لئے اتنا اصرار کیوں؟'' رضیہ سلطانہ نے بڑے ادب سے عرض کیا۔ ''جب لوگ مسلمانوں کی قبا پہن کر اللہ کے گھر کو مقتل بنا سکتے ہیں تو پھر ہمیں کسی کا اعتبار نہیں رہا۔''

بیٹی کی ذہانت وفراست سے سلطان بہت متاثر ہوا۔ ''خدا تمہاری عمر دراز کرے کہ اتنی نوعمری میں بھی بہت دور کی سوچتی ہو۔'' التمش نے رضیہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''کاش! تمہارے بھائی بھی اسی انداز میں سوچتے۔'' یہ کہتے کہتے سلطان اُداس نظر آنے لگا تھا۔

❁==❁==❁

نومسلم راجپوتوں کا سرغنہ ٹھاکر امر سنگھ رات کے اندھیرے میں دریائے جمنا کے سنسان کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پھر وہ سوامی دینا ناتھ کی کٹیا کے دروازے پر رک گیا۔

''سوامی جی سے کہو کہ ٹھاکر امر سنگھ آیا ہے۔''

مسلح محافظ تیزی سے اندر چلا گیا۔ پھر کچھ دیر بعد واپس آ کر ٹھاکر امر سنگھ سے کہنے لگا۔ ''سوامی جی اس وقت پوجا پاٹھ میں مصروف ہیں۔ تم کل صبح کسی وقت آنا۔''

''سوامی جی سے کہو کہ وہ کچھ دیر کے لئے پوجا پاٹھ روک دیں۔'' ٹھاکر امر سنگھ کا لہجہ تلخ تھا۔ ''میں ایک ضروری کام سے آیا ہوں، جو ان کے گیان دھیان سے بھی زیادہ اہم ہے۔''

سوامی دینا ناتھ اس وقت ٹھاکر بلرام سنگھ کے ساتھ بیٹھا ایک نوخیز لڑکی کا رقص دیکھ رہا تھا جو کچھ دن پہلے راجستھان سے آئی تھی۔ جب محافظ نے ٹھاکر امر سنگھ کا پیغام پہنچایا تو سوامی کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ ابھی وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ٹھاکر بلرام سنگھ کا ہاتھ بلند ہوا۔

''دھیرج سے کام لے سوامی!'' شراب کے اثر سے بلرام سنگھ کی آواز لہرا رہی تھی۔ ''امر سنگھ کو آنے دے۔ وہ بھی اپنا آدمی ہے۔ یقیناً کوئی خاص خبر لایا ہوگا۔''

سوامی نے شدید ناگواری کے انداز میں بلرام سنگھ کی طرف دیکھا۔ ''ٹھاکر! ذرا دیکھ تو کہ میں اپنے سوَرگ میں کتنا خوش ہوں۔ مگر تو مجھے بار بار نرک کی طرف کھینچتا ہے۔''

''اودکی گلیوں کے بھکاری!'' بلرام سنگھ بھی غصے سے بھڑک اُٹھا۔ ''جسے تُو سوَرگ کہتا ہے، وہ بھی تو میں نے سجائی ہے۔ ورنہ کل تک تیرے ہاتھ میں بھیک کا پیالہ تھا اور بدن پر صرف ایک لنگوٹی۔''

''ہاں ہاں! میں تیرا احسان مانتا ہوں۔'' بلرام سنگھ کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر دینا ناتھ سہم گیا۔ ''مگر ٹھاکر! تُو کیوں اپنے سوَرگ کو اپنے ہاتھ سے آگ لگا رہا ہے؟ جانے دے۔ جو بیت گئی، سو بیت گئی۔ اب کچھ نہیں ہوگا۔''

''کیسے نہیں ہوگا؟'' بلرام سنگھ کسی زخمی شیر کی طرح دھاڑا۔ ''سمراٹ پرتھوی راج چوہان کی موت کا بدلہ مجھ پر قرض ہے..... اور تُو خوب جانتا ہے سوامی! کہ بلرام سنگھ اپنی ذات پر کسی کا قرض نہیں رکھتا۔''

''تو پھر اکیلا دربار میں چلا جا اور سب کے سامنے سلطان کو قتل کر دے۔'' سوامی بھی حجت پر اُتر آیا تھا۔ ''ہمیں کیوں موت کی خوراک بنا رہا ہے؟''

''تُو کتنا بھولا ہے سوامی؟'' بلرام سنگھ درندوں کی طرح غرّایا۔ ''میں سُولی چڑھ جاؤں اور تُو شراب پی کر دیوداسیوں کا ناچ دیکھتا رہے۔ نہیں دینا ناتھ! ایسا نہیں ہوگا۔ جب بھی پرلوک جاؤں گا، تجھے ساتھ لے کر جاؤں گا۔'' یہ کہتے ہوئے ٹھاکر نے محافظ کو اشارہ کیا۔ ''بھیج دے امر سنگھ کو۔'' پھر پلٹ کر رقاصہ سے مخاطب ہوا۔ ''تُو بھی اندر جا۔''

راجستھانی لڑکی سہمے ہوئے انداز میں اُٹھی اور برابر کے کمرے میں چلی گئی۔

''پائے لاگوں ٹھاکر!'' امر سنگھ اندر داخل ہوا اور اس نے بلرام سنگھ کے پاؤں چھوتے ہوئے کہا۔

''آ میرے شیر!'' بلرام سنگھ نے قوی ہیکل امر سنگھ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے گلے لگایا۔ ''کیا سماچار ہے؟''

امر سنگھ نے پلٹ کر سوامی دینا ناتھ کے پاؤں چھوئے اور بجھے بجھے لہجے میں کہنے لگا۔

''سلطان التمش اتنا احمق نہیں ہے ٹھاکر! جتنا ہم اسے سمجھ رہے تھے۔'' یہ کہہ کر امر سنگھ نے ساری تفصیلات سنا دیں۔ ''وہ ہمارے ہاتھوں میں تلوار دینے کے لئے تیار نہیں۔ کہتا ہے کہ ہم ہندوؤں کی بستی میں جائیں اور دیوی دیوتاؤں کے ماننے والوں کو ایک خدا کا پیغام پہنچائیں۔''

سوامی دینا ناتھ اور ٹھاکر امر سنگھ کے چہرے اُتر گئے۔

''اب ہمارا کیا ہوگا؟'' ٹھاکر امر سنگھ پریشان نظر آ رہا تھا۔ ''دہلی کے راجپوت تو آرام سے اپنے گھروں میں رہیں گے۔ لیکن ہم کہاں جائیں گے؟''

ٹھاکر کے منصوبے میں کچھ مقامی راجپوت شامل تھے اور باقی ہندوستان کے مختلف شہروں سے آ کر دہلی میں جمع ہوئے تھے۔ بلرام سنگھ نے ان سب کو آسودہ حال راجپوتوں کے گھرانوں میں ٹھہرایا تھا اور انہیں ہدایت کر دی تھی کہ جب تک کام ختم نہ ہو، اس وقت تک یہ لوگ یہیں قیام کریں گے۔ اگر کبھی سرکاری طور پر پوچھ گچھ ہو تو کہہ دیا جائے گا، یہ لوگ ان کے قریبی رشتے دار ہیں۔"

"آخر تُو کیوں پریشان ہے امر سنگھ؟" ٹھاکر نے شراب کا گھونٹ لینے کے بعد پوچھا۔

"میں کسی پر بوجھ بننا نہیں چاہتا۔" امر سنگھ نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میرا خیال تھا کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو فوراً ہی فوجی ملازمت مل جائے گی۔ مگر اب دور دور تک اس کے آثار نظر نہیں آتے۔"

"تُو اور تیرے ساتھی کسی پر بوجھ نہیں ہیں امر سنگھ!" ٹھاکر نے مونچھوں کو بل دیتے ہوئے کہا۔ "تم دیوی دیوتاؤں کے لئے اپنے جیون کی بھینٹ دینے جا رہے ہو، اس لئے تمہارے اخراجات کی ذمہ داری بھی اسی دھرتی کے باسیوں پر ہے۔ میں نے تمام ہندو ریاستوں میں اپنے کارندے بھیج دیئے ہیں۔ وہاں سے مالی امداد برابر آ رہی ہے۔ اتنا دھن جمع ہو گیا ہے کہ پانچ ہزار تو کیا، پچاس ہزار سپاہی بھی سو سال تک بوجھ نہیں بنیں گے۔"

"مگر اس سے حاصل کیا ہو گا ٹھاکر؟" امر سنگھ اب بھی مطمئن نہیں تھا۔ "ہم گھروں میں بیٹھ کر کیا کریں گے؟ اس سے تو بہتر ہے کہ کسی ہندو ریاست میں چلے جائیں۔"

وہاں جانے سے بھی کچھ نہیں ہو گا۔" ٹھاکر بلرام نے تیز لہجے میں کہا۔ "تم سلطان کے لشکر میں شامل ہو کر پیچھے سے اس پر وار کرو گے۔ بس کامیابی کی یہی ایک صورت باقی ہے۔ چالیس سال سے اس مسئلے پر سوچ رہا ہوں۔ جب سمراٹ پرتھوی راج چوہان کو شہاب الدین نے شکست دی تھی، اس وقت میں بیس سال کا کڑیل نوجوان تھا۔ اب ساٹھ سال کا بوڑھا ہوں۔ سوچتے سوچتے دماغ شل ہو گیا ہے۔ جس طرح گکھڑوں نے شہاب الدین غوری کے خیمے پر شب خون مار کے اُسے قتل کیا تھا، تم بھی سلطان التمش کو اسی طرح ہلاک کرو گے۔"

"قتل تو بعد میں ہو گا، پہلے ہم اس کے قریب تو جائیں۔" ٹھاکر امر سنگھ کا ذہن اب بھی بری طرح اُلجھا ہوا تھا۔

"قریب بھی پہنچ جاؤ گے۔" ٹھاکر کچھ سوچتے ہوئے مسکرایا۔ "کل تم سب کے سب محل کے نیچے جمع ہو کر فریاد کرو کہ اسلام لاتے ہی تمہاری زندگی عذاب بن کر رہ گئی ہے۔" پھر ٹھاکر سرگوشیوں میں اپنے منصوبے کی وضاحت کرنے لگا۔ سوامی دینا ناتھ، ٹھاکر بلرام سنگھ اور ٹھاکر امر سنگھ کے سر جڑے ہوئے تھے اور وہ بڑی رازدارانہ گفتگو کر رہے تھے۔

❁==❁==❁

نائب سپہ سالار بہرام غوری کے چہرے کا زخم بھر گیا تھا مگر پھر بھی ایک واضح نشان باقی رہ گیا تھا۔ بہرام غوری جب اس نشان کو آئینے میں دیکھتا تو اس پر سرشاری کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔

"محبوب کا دستِ حنائی نہ سہی، اس کی شمشیر نے تو میرے رخسار کو چھو لیا۔" بہرام غوری اکثر تنہائی میں خود کو مخاطب کر کے کہتا۔ "کیا میرے لئے یہ اعزاز کافی نہیں ہے؟" وہ اپنے آپ سے سوال کرتا۔

"یہ اعزاز نہیں، ایک حادثہ تھا۔" پھر خود ہی جواب دیتا۔ "اسے تیری کوئی پروا نہیں۔ وہ ملکۂ حُسن ہے اور تیری

حیثیت ایک ادنیٰ غلام سے زیادہ نہیں۔"

بہرام غوری عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اگرچہ وہ خود ایک عالی نسب شہزادہ تھا لیکن اس کے دل نے رضیہ سلطانہ کی غلامی قبول کر لی تھی۔ وہ تربیت کے دوران رضیہ سلطانہ کے دلکش خدوخال میں کھو کر رہ جاتا۔ اب شہزادی بھی شدت کے ساتھ اس بات کو محسوس کرنے لگی تھی۔ آخر ایک دن اس نے اپنے اتالیق کو ٹوک دیا۔

"آپ مجھے کچھ بیمار سے نظر آتے ہیں۔" رضیہ کا لہجہ پُرجلال تھا مگر اس میں اپنے استاد کے لئے احترام کی جھلک بھی موجود تھی۔

"میں بیمار نہیں ہوں شہزادی عالیہ!" بہرام غوری کی نظریں رضیہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ "زندگی کے دشوار گزار سفر میں تھک گیا ہوں۔"

"تو پھر کچھ دن آرام کر لیجئے۔" رضیہ نے اپنے اتالیق کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"آرام میری قسمت میں کہاں؟" بہرام غوری گفتگو کو طول دینا چاہتا تھا تاکہ وہ محبوب کے دیدار سے جی بھر کے سیراب ہو سکے۔

"یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔ مگر ایک تھکا ہوا شخص میری تربیت کی ذمے داریوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔" رضیہ کے لہجے میں شاہانہ تحکم کی آمیزش تھی۔

بہرام غوری تڑپ اُٹھا۔ "شہزادی معظمہ! آپ مجھ پر غیر ذمہ داری کا الزام عائد کر رہی ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔" رضیہ نے بلند آواز میں کہا۔ "دورانِ مشق آپ کی غائب دماغی میرے لئے تشویش کا باعث ہے۔ کئی بار ایسا ہو چکا ہے کہ اگر میں ہاتھ نہ روکتی تو شاید میری تلوار آپ کی شہ رگ میں اُتر جاتی۔"

"کاش! ایسا ہو جائے۔" بہرام غوری کو اپنی زبان پر اختیار نہیں رہا تھا۔ "پھر میری زندگی کا سفر بہ عافیت تمام ہو جائے گا۔"

رضیہ سلطانہ نے چونک کر اپنے اتالیق کی طرف دیکھا۔ "مجھے خوشامد کا یہ انداز پسند نہیں۔"

"یہ خوشامد نہیں شہزادی عالیہ!" بہرام غوری دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ "میری بات کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کیجئے۔"

"کون سی بات اور کیسا مفہوم؟" رضیہ سلطانہ ایک بار پھر چونک اٹھی تھی۔ "آخر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

وہ ایک مردِ شجاع تھا مگر اظہارِ محبت کرتے وقت اس کی قوتِ گویائی جواب دے جاتی تھی۔ "یہی کہ میں نے اپنا عہد پورا کر دیا ہے۔" بہرام غوری نے بات بدل دی۔

"کیسا عہد؟" یک بیک رضیہ کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

"میں نے سلطانِ معظم سے عہد کیا تھا کہ اپنا سارا ہنر آپ کی ذات میں منتقل کر دوں گا۔" بہرام غوری نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"اب آپ بے ہنر ہو چکے ہیں اتالیق محترم!" رضیہ نے تیز آواز میں کہا۔ "آپ کے پاس شاعرانہ الفاظ، کھوئے ہوئے دماغ اور بند آنکھوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔" یہ کہہ کر شہزادی گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ "میدان جنگ میں کھلی آنکھوں، جاگتے دماغ اور طاقتور بازوؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔"

رضیہ سلطانہ قصرِ شاہی کی طرف چلی گئی۔ آج اس نے حسبِ روایت اپنے اتالیق سے رخصت کی اجازت بھی

نہیں لی۔ بہرام غوری کے کانوں میں گھوڑے کی ٹاپوں کی آوازیں گونجتی رہیں اور پھر راستے کا غبار اس کی آنکھوں کے سامنے پھیلتا چلا گیا۔

❁==❁==❁

رضیہ سلطانہ اپنی خواب گاہ میں ٹہل رہی تھی اور بار بار زمین پر پاؤں مار رہی تھی۔ کنیز فردوس کچھ دیر تو آقا زادی کی یہ بے قراری دیکھتی رہی، پھر اس سے خاموش نہیں رہا گیا۔

''شہزادی حضور! کس بدنصیب پر غصہ اُتارا جا رہا ہے؟'' فردوس کے لہجے میں ہلکی سی شرارت شامل تھی۔

''ان احسان فراموش مردوں پر جن کی آنکھوں میں ہوس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔'' رضیہ سلطانہ کے یاقوتی ہونٹوں سے آگ برس رہی تھی۔ ''بہرام غوری جیسے ایک معمولی سپاہی کی سطح بلند کر کے نائب سپہ سالار بنایا گیا اور پھر میرا اتالیق مقرر کر کے منصبِ عظیم بخشا گیا، آج وہی ناشکر گزار انسان اپنی آقا زادی کے خواب دیکھ رہا ہے۔''

کنیز فردوس اس راز سے باخبر تھی۔ بہرام غوری نے کئی بار درخواست کی تھی کہ وہ اس کے جذبات شہزادی تک منتقل کر دے۔ مگر فردوس نے ہر مرتبہ یہ کہہ کر دامن بچا لیا تھا۔

''میں اس کا حوصلہ نہیں رکھتی۔ جو کچھ کہنا ہے، آپ خود کہیں۔ مجھے اس پیغام رسانی میں اپنی جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔''

جواب میں بہرام غوری نے اپنی مجبوری بیان کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''دشمن کا سر قلم کرتے وقت میرے ہاتھ نہیں کانپتے تھے مگر شہزادی کے حضور دل کی بات کہتے ہوئے ہونٹ لرز جاتے ہیں۔''

فردوس نے اس سلسلے میں گہری خاموشی اختیار کر لی تھی مگر آج جب شہزادی پر بہرام غوری کے دل کا راز ظاہر ہو گیا تھا تو اس نے دبے لفظوں میں کہا۔ ''گستاخی معاف! میری نظر میں بہرام غوری زیادہ قصوروار نہیں ہے۔''

رضیہ سلطانہ نے غضب ناک نظروں سے اپنی رازدار کنیز کی طرف دیکھا۔

''آپ کا سحر کار حُسن تو کسی پارسا شخص کو بھی گمراہ کر سکتا ہے۔'' فردوس کا لہجہ گستاخی کی حد تک شوخ تھا۔ ''پھر وہ تو ایک شہزادہ ہے، عیش و نشاط کی فضاؤں میں پرورش پانے والا۔''

''شہزادہ؟'' اگرچہ رضیہ سلطانہ حالتِ قہر میں تھی لیکن اس انکشاف پر چونکے بغیر نہ رہ سکی۔

''ہاں آقا زادی!'' فردوس نے ٹھنڈی سانس بھری مگر اس کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔ ''یہ تو گزرے زمانے کی بات ہے۔ تھا بے چارہ کبھی شاہ زادہ..... لیکن اب تو فقیر زادہ ہے۔ تلوار کے بجائے کشکول لئے آپ کے دروازے پر کھڑا ہے۔ ڈال دیجئے اپنے حُسن کی خیرات کے کچھ سکّے۔''

''چپ ہو جا، بے حیا!'' شہزادی نے اپنی کنیز کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''مگر شہزادی حضور! آخر اس میں خرابی کیا ہے؟'' فردوس، رضیہ سلطانہ کے مزاج کو سمجھنا چاہتی تھی اور کسی حد تک بہرام غوری کی وکالت بھی کر رہی تھی۔ ''شہسوار ایسا کہ بجلیاں اس کا تعاقب کرتے ہوئے گھبرائیں۔ شمشیر زن ایسا کہ اکیلا ہی صفیں کی صفیں اُلٹ دے..... اور وجیہہ ایسا کہ جس محفل میں چلا جائے، اسے روشن کر دے۔'' فردوس، بہرام غوری کے بارے میں اس طرح بول رہی تھی جیسے کوئی درباری کسی شہنشاہ کی تعریف میں قصیدہ پڑھتا ہے۔

''بس..... بس.....'' شہزادی نے شدید جھنجلاہٹ کے عالم میں اپنی کنیز کی بات کاٹ دی۔ ''وہ تیرے لئے ایک رشتہ ہی سہی، مگر ہماری بارگاہ میں اس کا گزر ممکن نہیں۔''

❁==❁==❁

دوسرے دن سلطان التمش نے بہرام غوری کو خلوت میں طلب کرتے ہوئے کہا۔ ''شہزادی رضیہ سلطانہ کہہ رہی تھیں کہ تم کچھ دنوں سے بیمار رہنے لگے ہو۔''

بہرام غوری نے چونک کر سلطان کی طرف دیکھا، پھر خاموشی سے سر جھکا لیا۔

''پھر تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا؟'' سلطان نے محبت آمیز لہجے میں شکایت کی۔

''سرکارِ والا! فرائض کا احساس کچھ سوچنے ہی نہیں دیتا۔'' بہرام غوری نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ اُس کی گردن بدستور خم تھی۔

''فی الحال تم فوجی چھاؤنی چلے جاؤ اور کچھ عرصے تک مکمل آرام کرو۔'' سلطان کے لہجے سے شفقت نمایاں تھی۔ ''تم سلطنت کا مضبوط ترین ستون ہو۔ اگر اسے دیمک لگ گئی تو میرا بہت نقصان ہو گا۔''

''جو حکم!'' بہرام غوری جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

''ویسے بھی شہزادی کی فوجی تربیت مکمل ہو چکی ہے۔ میں اس سلسلے میں ذاتی طور پر تمہارا شکر گزار ہوں۔'' سلطان نے اپنے نائب سپہ سالار کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

''میں بھی اس عزت افزائی کے لئے سلطان عالی مقام کا ممنون ہوں۔'' بہرام غوری نے رخصتی سلام پیش کیا اور خلوتِ شاہی سے نکل کر محل کے اس حصے کی طرف چلا گیا، جہاں امیروں، وزیروں اور سالاروں کے لئے رہائش گاہیں تعمیر کی گئی تھیں۔

❁==❁==❁

قصرِ شاہی کے نیچے پانچ ہزار نومسلم راجپوت جمع تھے اور سلطان سے انصاف مانگ رہے تھے۔ التمش نے کسی تاخیر کے بغیر ان میں سے چند لوگوں کو سرِ دربار طلب کر لیا۔

''تم کس کے مظالم کا شکار ہوئے ہو؟'' سلطان نے فریادیوں سے پوچھا۔

''ہم وہ بدنصیب ہیں جنہیں مذہب کی تبدیلی راس نہیں آئی۔'' امر سنگھ، ٹھاکر بلرام سنگھ کی ہدایت کے مطابق بول رہا تھا۔ ''اسلام قبول کرنے کے بعد ہم پر دہلی کی زمین تنگ ہو گئی ہے۔ کوئی عزیز ہم سے بات کرنے تک کا روادار نہیں۔ گویا ہم ان کے لئے اچھوت بن کر رہ گئے ہیں۔''

''تم تو اپنے رشتے داروں کی گردنیں کاٹنے کی بات کرتے تھے۔'' سلطان کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔ ''کہاں وہ جوشِ جہاد اور کہاں یہ عزیزوں کی بے رُخی کا پُرشور ماتم؟''

''سمراٹ! یہ ماتم نہیں، اپنی مجبوریوں کا بیان ہے۔'' ٹھاکر امر سنگھ کے لہجے میں بڑی استقامت تھی۔ ''مسلمان ہونے کے لئے ہمارے لئے روزگار کے سنگین مسائل کھڑے ہو گئے ہیں۔ چاروں طرف بھوک ہی بھوک نظر آ

رہی ہے۔"

"تم کوئی بھی پیشہ اختیار کر سکتے ہو۔" سلطان التمش نے امر سنگھ کی دلیل رد کرتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگ صدیوں سے راجپوت ہیں، اس لئے شمشیر زنی ہی ہمارا پیشہ ہے۔" امر سنگھ کو یہ ساری منطق ٹھاکر بلرام سنگھ نے سکھائی تھی۔ "ہم اپنے ہاتھوں سے تلواریں پھینک کر تیشہ یا کدال تو نہیں اُٹھا سکتے۔"

نومسلم راجپوت کی دلیل اتنی طاقتور تھی کہ سلطان حیرت زدہ رہ گیا اور پورے دربار پر سناٹا چھا گیا۔

والیٔ ہندوستان کچھ دیر تک گہری سوچ میں غرق رہا، پھر اپنے درویشانہ انکسار کے ساتھ امر سنگھ اور اس کے ساتھیوں سے مخاطب ہوا۔

"اے شخص! تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو کہ تُو نے مجھے میرا بھولا ہوا فرض یاد دلا دیا۔ میرے دورِ حکومت میں تو کافر بھی بھوکے نہیں مرتے۔ پھر تم تو التمش کے دینی بھائی ہو۔ گھبراؤ نہیں، کل تک تمہارے روزگار کا کوئی نہ کوئی انتظام ہو جائے گا۔"

امر سنگھ اور اس کے ساتھی واپس چلے گئے۔

وزیر نظام الملک اور دوسرے امراء کی اب بھی یہی رائے تھی کہ تمام نومسلم راجپوتوں کو افواجِ سلطانی میں شامل کر لیا جائے۔ مگر التمش غور و فکر کے لئے کچھ مہلت چاہتا تھا۔

پھر جب اس نے رات کے وقت اپنے مخصوص کمرے میں بیٹی کو بلا کر اس کے سامنے یہ مسئلہ رکھا تو رضیہ بری طرح اُلجھ گئی۔

"پہلے مجھے شک تھا مگر اب یقین ہو چلا ہے کہ نومسلم راجپوتوں کا فوجی ملازمت کے لئے اصرار کوئی عام بات نہیں ہے۔" سلطان کی نظریں سامنے کی دیوار پر جمی تھیں اور وہ بہت آہستہ لہجے میں بول رہا تھا۔ "اور یہ بھی سچ ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد وہ معاشی مسائل کا شکار ہو گئے ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میں انہیں اس کشمکش کی حالت میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر وہ بھوک اور افلاس کی لپیٹ میں آ گئے تو اسلامی نظامِ حکومت بدنام ہو کر رہ جائے گا۔"

اب سلطان کی نظریں دیوار سے ہٹ کر رضیہ سلطانہ کے چہرے پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ "میں کیا کروں بیٹی؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ان کے ہاتھوں میں تلواریں بھی نہیں دی جا سکتیں اور انہیں فراموش بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

بڑا اُلجھا ہوا مسئلہ تھا۔ آخر طویل غور و فکر کے بعد شہزادی نے اس کا حل پیش کر دیا۔ "اگر وہ محنت مزدوری کو راجپوتی شان کے خلاف سمجھتے ہیں تو پھر اُنہیں دہلی سے دُور نئی فوجی تربیت گاہ کی تعمیر میں لگا دیا جائے۔ اس طرح انہیں روزگار بھی حاصل ہو جائے گا اور آپ بھی اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں گے۔"

رضیہ سلطانہ کی تجویز سن کر التمش کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک آ گئی۔ شہزدی نے ایک بار پھر انتہائی ذہانت و فراست کا ثبوت فراہم کیا تھا اور والیٔ ہندوستان بہت زیادہ خوش نظر آ رہا تھا۔

❁==❁==❁

"سلطان ایک بار پھر ہمارے ساتھ چال چل گیا۔" امر سنگھ بجھے بجھے لہجے میں سوامی دینا ناتھ اور ٹھاکر بلرام سنگھ کو التمش کے فیصلے کی تفصیلات سنا رہا تھا۔ "فوجی چھاؤنی کی تعمیر میں تو کئی سال بھی لگ سکتے ہیں۔"

"صبر کرو میرے شیرو! ٹھاکر نے خمار آلود آنکھوں سے امر سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لومڑی کا شکار بہت مشکل ہوتا ہے اور سلطان بھی اس وقت ہمارے ساتھ لومڑی کی سی چالیں چل رہا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ شیر، شیر ہوتا ہے اور لومڑی، لومڑی۔ میں مانتا ہوں کہ اس طرح ہمارے منصوبے کی تکمیل میں کچھ تاخیر ہو جائے گی لیکن یہ کامیابی کیا کم ہے کہ تم شاہی ملازموں کے حلقے میں داخل ہو گئے۔ جی لگا کر کام کرو۔ بہت جلد تم سلطان کے حلقۂ اعتبار میں شامل ہو جاؤ گے۔ بس وہی دن ہو گا شب خون مارنے کا اور التمش کی پیٹھ میں خنجر اُتارنے کا۔"

امر سنگھ جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

"اور سنو جب بھی تجھے کوئی مشکل درپیش ہو تو اسی طرح رات کے اندھیرے میں ادھر کا رخ کرنا۔" ٹھاکر بلرام سنگھ نے آخری ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ "دن کا اُجالا ان کاموں کے لئے مناسب نہیں ہو گا۔"

امر سنگھ نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی اور سوامی کے زیرِ زمین کمرے سے نکل کر چلا گیا۔

امر سنگھ کے جاتے ہی دینا ناتھ نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور بڑبڑانے لگا۔ "اے بھگوان! مجھ پاپی پر دیا کر۔"

دینا ناتھ کی یہ حالت دیکھ کر ٹھاکر بلرام سنگھ نے قہقہہ لگایا۔ "سوامی! تُو اطمینان سے شراب پی اور دیوداسیوں کا ناچ دیکھ۔ سیاست تیرے بس کی بات نہیں۔"

❁==❁==❁

بہرام غوری نے کئی راتیں جاگ کر گزاری تھیں۔ قصرِ شاہی سے رخصت ہو جانے کا یہ مطلب تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اپنے محبوب کے دیدار سے محروم ہو جائے گا۔ بہرام کو یہ گوارہ نہیں تھا مگر حکمِ سلطان بھی ٹالا نہیں جا سکتا تھا۔ آخر اس نے شہزادی کی کنیز کے آگے اپنا دامن پھیلا دیا۔

"فردوس! مجھ پر ایک اور احسان کر دے۔" بہرام غوری کے لہجے میں بڑی خلش تھی۔

"درخواست نہیں شہزادے! آپ حکم دیں۔" شدتِ جذبات سے فردوس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ "آپ کے ایک اشارے پر یہ کنیز اپنی جان بھی دے سکتی ہے۔" فردوس اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکی۔ وہ خود بھی بہرام کی محبت میں چپ چاپ جل رہی تھی۔

غوری شہزادے نے چونک کر فردوس کی طرف دیکھا۔ "خدا نہ کرے! تنہائی کے اس اذیت ناک موسم میں بس تُو ہی تو اپنی ایک غم گسار ہے۔"

"حکم دیجئے شہزادے!" فردوس کی خوبصورت آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

"میں تیری آقا زادی سے آخری بار ملنا چاہتا ہوں۔" بہرام غوری نے ایسے لہجے میں کہا جیسے وہ شاہی کنیز سے بھیک مانگ رہا ہو۔

"یہ ممکن تو نہیں مگر میں آپ کی خاطر کوشش کروں گی۔" فردوس تھکے تھکے قدموں سے شہزادی کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

❁==❁==❁

رضیہ سلطانہ کسی صورت میں بہرام غوری سے ملنے کے لئے تیار نہیں تھی مگر جب فردوس نے اپنی خدمات کا واسطہ دیا تو شہزادی کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی۔

''پھر وہ آپ کے اتالیق بھی تو ہیں۔'' فردوس نے بڑی ذہانت سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''یہ بات شہزادی حضور کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اپنے استاد کی درخواست مسترد کر دیں۔''

شہزادی کچھ دیر تک شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا رہی، پھر اُس نے بہرام غوری سے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

فردوس، بہرام غوری کو لے کر اس کمرے میں پہنچی جہاں رضیہ سلطانہ قلعۂ معلّٰی کی خواتین سے ملاقاتیں کرتی تھی۔

''اب آپ کس لئے آئے ہیں؟'' شہزادی کا لہجہ مؤدبانہ تھا مگر اس سے شدید ناگواری جھلک رہی تھی۔

بہرام غوری کچھ دیر تک سکتے کی سی حالت میں کھڑا رہا۔ رضیہ سلطانہ پردے کے پیچھے سے گفتگو کر رہی تھی۔

''بس یہی کہنے کے لئے حاضر ہوا تھا شہزادی عالیہ! کہ میں ایک ضرورت مند انسان ہوں مگر گناہ گار نہیں۔''

بہرام غوری بمشکل تمام اپنا مفہوم ادا کر سکا۔

''ہم نے بھی سلطانِ معظم سے آپ کے گناہ کا ذکر نہیں کیا۔'' شہزادی کے لہجے میں بڑا جلال تھا۔ ''اگر آپ ہمارے اتالیق نہ ہوتے تو مجرم آنکھیں بجھا دی جاتیں اور گناہگار زبان کاٹ کر پیروں سے مسل دی جاتی۔'' یہ کہتے کہتے رضیہ سلطانہ کے ہونٹوں سے شعلے برسنے لگے تھے۔

''میں تمام عمر اس کرم نوازی کے لئے ممنون رہوں گا۔ آپ نے مجھے سرِ عام رسوا ہونے سے بچا لیا۔'' یہ کہہ کر بہرام غوری تیز قدموں کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔

❁==❁==❁

قدیم زمانے میں ''امیر آخور'' (داروغۂ اصطبل) ایک بڑا عہدہ تھا۔ سلطان قطب الدین ایبک سے لے کر سلطان التمش تک کوئی غیر ترک اس عہدے پر فائز نہیں ہوا تھا۔ مگر جب سے ایک حبشی زادے کو ''امیر آخور'' بنایا گیا تھا، تمام ترک امیر اور سردار، سلطان سے خفا نظر آ رہے تھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ جمال الدین یاقوت کو اس عہدے سے برطرف کر دیا جائے۔ سلطان کو اپنے جاں نثار کی یہ تحقیر گوارا نہیں تھی۔ اور وہ معزز اراکینِ سلطنت کی ناراضگی بھی خریدنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر ایک دن التمش نے اس کشمکش سے نجات حاصل کرنے کے لئے اہلِ دربار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میری نظر میں جمال الدین یاقوت اپنے سلطان کا سب سے زیادہ وفادار ہے۔ مگر تم کہتے ہو کہ تمہارے سوا دنیا میں کوئی وفادار ہی نہیں۔ بہر حال! کل سب کی وفا کا امتحان ہو جائے گا۔''

ترک سردار گھبرا کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

ابھی امرائے سلطنت حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے کہ سلطان کی پُر جلال آواز دوبارہ گونجنے لگی۔

''کل تمام شہزادے اور شہزادیاں..... امیر زادے اور امیر زادیاں، دریائے جمنا کے کنارے جمع ہو جائیں۔''

عجیب اعلان تھا، جسے سن کر قصرِ شاہی کے مکین حیرت زدہ بھی تھے اور پریشان بھی۔ حیرت زدہ اس لئے کہ وہ سلطان التمش کی بات کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ اور پریشان اس لئے کہ اگر وہ لوگ امتحان میں ناکام ہو گئے تو والیٔ ہندوستان کی نظروں سے گر جائیں گے۔ غرض اس آزمائش سے گزرنے والا ہر شخص شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔

رضیہ سلطانہ بھی اپنی خواب گاہ میں جاگ رہی تھی۔ آج گھڑ سواری کی مشق نے شہزادی کو بہت زیادہ تھکا دیا تھا۔

کنیز آہستہ آہستہ اُس کا جسم دبا رہی تھی۔

''فردوس! یہ تیرے ہاتھوں کو کیا ہو گیا ہے؟'' رضیہ سلطانہ جھنجلا کر اپنی کنیز سے مخاطب ہوئی۔ ''ان نرم و نازک پھولوں جیسے ہاتھوں سے بدن کا درد نہیں جائے گا۔''

''شہزادی حضور!'' فردوس نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ ''آخر آپ کی کنیزِ خاص ہوں۔ محنت و مزدوری کرنے والی کوئی دہقانی عورت نہیں۔''

''اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو اپنے جسم میں چٹانوں جیسی سختی پیدا کر۔'' رضیہ سلطانہ تند و تیز لہجے میں اپنی کنیز سے مخاطب ہوئی اور فردوس کو یوں محسوس ہوا جیسے شہزادی کی آواز سے نسوانیت غائب ہوتی جا رہی ہے۔

''آخر آپ کو ان سب چیزوں کی ضرورت کیا ہے آقا زادی؟'' فردوس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ ''یہ دن رات کی جنگی مشقیں؟ اگر خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آیا تو کیا اس کنیز کی ساری زندگی نوحہ خوانی اور سینہ کوبی میں نہیں گزر جائے گی؟''

شہزادی کروٹ لے کر سیدھی ہو گئی۔

''میں روایتی عورت نہیں ہوں فردوس!'' پھر وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی مہتاب جیسی پیشانی پر کئی بل پڑ گئے تھے۔

''مجھے کتاب و قلم کے ساتھ تلوار کی بھی ضرورت ہے۔''

''آخر کیوں؟'' کنیز فردوس، شہزادی کی محبت میں کچھ ایسے سوالات بھی کر بیٹھتی تھی جو اس کی حیثیت اور منصب کے مطابق نہیں ہوتے تھے۔

''تُو ابھی ان باتوں کو نہیں سمجھے گی۔'' رضیہ سلطانہ کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھا گئی تھی۔ ''تُو نہیں جانتی کہ حکمراں طبقہ ہمیشہ شکست و فتح کے طلسم میں اُلجھا رہتا ہے۔ کبھی سرخروئی کے بجائے روسیاہی بھی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ فاتح اکثر مالِ غنیمت لوٹتے ہیں..... مگر کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ان کی حرم سرا کی خواتین بھی مالِ غنیمت کی طرح لٹ جاتی ہیں۔ ایسے سنگین اور جانگداز لمحات میں کتاب و قلم نہیں، صرف تلواریں کام آتی ہیں۔''

''خدا وہ وقت نہ لائے۔'' فردوس کی غزالی آنکھوں میں خوف و دہشت کے سائے لرزنے لگے تھے۔ ''آدھی رات گزر چکی ہے۔ بس اب سو جائیے۔ صبح جلدی اُٹھنا ہے تاکہ آپ بروقت اپنے خیمے میں پہنچ سکیں۔''

❁==❁==❁

دریائے جمنا کے کنارے دور تک حرم سرا کی خواتین کے خیمے نصب تھے۔ ان میں ترک امراء کی بیگمات اور بیٹیاں بھی شامل تھیں۔ بظاہر یوں لگتا تھا کہ جیسے سلطان التمش اپنے وزراء کے ساتھ دریا کی سیر کرنے آیا ہو۔ ویسے وہ جب بھی دہلی میں موجود ہوتا تو برسات کے آخری دنوں میں دریائے جمنا کی طغیانی سے لطف اندوز ہونے کے لئے ضرور آتا۔ اسی طرح مردانہ اور زنانہ خیمے نصب ہوتے اور ایک ہفتے تک دریا کے کنارے میلہ سا لگا رہتا۔ مقامی باشندے تو یہی سمجھے تھے کہ پھر شاہی تقریب منعقد ہونے والی ہے مگر آج معاملہ تفریح کا نہیں، کسی کڑی آزمائش کا تھا۔

تمام امرائے سلطنت، شہزادے اور امیرزادے صبح سویرے دریا کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ وہاں جمال الدین یاقوت حبشی بھی موجود تھا مگر سب سے الگ تھلگ کھڑا تھا۔ ترک سرداروں کی آنکھوں میں اس کے لئے شدید حقارت تھی لیکن یاقوت حبشی ان تمام باتوں سے بے نیاز پانی کی سبک خرام موجوں کو دیکھ رہا تھا۔ برسات کا موسم گزر چکا تھا اس لئے دریائے جمنا کی طغیانی بھی ختم ہو چکی تھی..... مگر ترک امراء کو ایک نئے طوفان کا سامنا تھا۔ نفرت کا یہ طوفان خود ان کے سینوں میں اُٹھ رہا تھا اور جس کا رخ صرف ایک شخص کی طرف تھا۔

''ہم رات بھر سو نہیں سکے ہیں اور یہ حبشی زادہ کس قدر مطمئن انداز میں کھڑا ہے۔'' وزیر نظام الملک نے التمش کے ایک نامور امیر تاج الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''جس کی پشت پر سلطان معظم کا ہاتھ ہو، وہ مطمئن کیوں نہیں ہوگا؟'' تاج الدین نے اپنی نفرت کا مظاہرہ کرنے کے لئے زمین پر تھوکتے ہوئے کہا۔

''اس کالے سانپ کو پہلے ہی وار میں ختم کر دیا جائے یا پھر دانت توڑ کر سارا زہر نکال دیا جائے۔'' التمش کے ایک دوسرے امیر خواجہ شہید نے نظام الملک اور تاج الدین کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ ''اگر یہ کسی طرح بچ گیا تو بہت خطرناک ثابت ہوگا۔ میرا مشاہدہ یہی کہتا ہے۔''

''ایک تنہا آدمی کا راستے سے ہٹانا ہی کیا؟'' امیر فخرالدین نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر اختلافات سامنے آجانے کے بعد یہ کام ممکن نہیں رہا۔ اب اگر وہ حبشی زادہ بیمار بھی ہوا تو یہی سمجھا جائے گا کہ ہم نے اسے زہر دے دیا ہے۔''

''پھر اس بدبخت سے کس طرح نجات حاصل کی جائے؟'' امیر ملک محمد، وزیر اعظم نظام الملک سے مخاطب ہوا۔ ''آپ تو بڑے سے بڑے سنگین مسئلے کا حل بھی تلاش کر لیتے ہیں۔''

''یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔'' نظام الملک بڑا ذہین سیاست دان تھا مگر اس وقت وہ بھی بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ ''مجھے تو بس ایک ہی فکر ستا رہی ہے کہ آخر سلطان کے ذہن میں کیا منصوبہ ہے؟ اور وہ ہماری وفاداریوں کو

کس طرح آزمائیں گے؟''

ابھی امراء کی گفتگو جاری تھی کہ نقیبوں کی آوازیں گونجنے لگیں اور سلطان کی سواری نظر آئی۔ التمش اس وقت ہاتھی پر سوار تھا۔ امیر، وزیر، شہزادے، وزیرزادے سب کے سب صف بستہ کھڑے ہو گئے۔

سلطان عماری سے نیچے اُتر آیا اور اپنے امراء سے مخاطب ہوا۔

''تمہیں اس بات کی خبر بھی نہیں کہ تم ایک امتحان میں ناکام ہو چکے ہو۔''

تمام ترک سردار حیرت زدہ رہ گئے۔ آخر وزیر اعظم نظام الملک چند قدم آگے بڑھا اور سر جھکاتے ہوئے بولا۔

''یہ نمک خوار اپنے آقائے نعمت کے اشارے کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ وہ امتحان کیا تھا کب ہوا اور جانثارانِ سلطنت کس طرح ناکام قرار پائے؟''

''نہ میں تمہارا آقا ہوں اور نہ تم میرے غلام۔'' التمش کے لہجے سے جلالِ سلطان نمایاں تھا۔ ''پھر بھی اگر تم خود کو میرا غلام سمجھتے ہو تو ایک غلام کا فرض ہے کہ وہ آقا کے ہر فیصلے کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے اور ہر حال میں راضی بہ رضا ہو جائے۔'' سلطان کی آواز تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ''جانثاری کی ادا یہ تھی کہ اگر میں جمال الدین یاقوت کی جگہ کسی جانور کو بھی ''امیر آخور'' بنا دیتا تو تم یہ کہہ کر اسے اپنے سر پر بٹھا لیتے کہ وہ تمہارے آقا کا انتخاب تھا۔'' یہ کہہ کر التمش کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا۔ اس نے امراء کی صف پر نظر ڈالی اور پھر شہزادوں اور وزیرزادوں کی قطار پر نگاہ کی۔ سب کے سب حیرت زدہ اور فکرمند نظر آ رہے تھے۔

''مگر تم نے ایسا نہیں کیا۔ اپنے سلطان کے حکم کو پامال کر ڈالا۔ بہرحال اب تم لوگوں کو ایک اور امتحان درپیش ہے۔'' سلطان التمش دوبارہ اپنے امراء سے مخاطب ہوا۔ ''تمہاری طرح جمال الدین یاقوت بھی اس آزمائش سے گزرے گا۔ پھر تم خود اندازہ کر لو گے کہ جانثاروں کے اس ہجوم میں میرا جانثار کون ہے؟''

ہر طرف گہرا سناٹا چھا گیا۔ حرم سرا کی خواتین بھی چلمنوں کے پیچھے سے اس عجیب و غریب منظر کو دیکھ رہی تھیں۔ رضیہ سلطانہ اپنی کنیز فردوس کے ساتھ خیمے کے دروازے پر نقاب ڈالے کھڑی تھی۔ وہ کبھی کبھی اچٹتی نظر سے حبشی زادے کی طرف دیکھ لیتی جو امراء کی صف سے الگ سر جھکائے کھڑا تھا۔

''شہزادہ رکن الدین!'' فضا میں سلطان التمش کی بارعب صدا اُبھری۔

شہزادہ رکن الدین کسی ضروری کام کے تحت بدایوں سے دہلی آیا ہوا تھا، حکمِ سلطانی سن کر شہزادوں کی قطار سے نکلا اور والیٔ ہند کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

''میرے عزیز فرزند!'' سلطان انتہائی مشفقانہ لہجے میں ولی عہدِ سلطنت سے مخاطب ہوا۔ ''امتحان یہ ہے کہ تم دریائے جمنا میں غوطہ لگاؤ گے۔ مگر اس طرح کہ تمہارا لباس نہیں بھیگے گا۔ اگر کپڑے نم ہو گئے تو تم اس آزمائش میں ناکام قرار دے دیئے جاؤ گے۔''

سلطان کی گفتگو سن کر وہاں موجود ہر شخص سکتے میں آ گیا۔

رضیہ سلطانہ نے گھبرا کر اپنی کنیز فردوس کی طرف دیکھا۔ ''بابا محترم نے یہ کیا فرمایا؟'' حیرت کی زیادتی سے شہزادی کی زبان میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ ''یہ کیسے..... ممکن..... ہے کہ ایک شخص..... دریا میں غوطہ لگائے اور اس کا لباس بھیگنے سے محفوظ رہے۔''

''سلطانِ معظم کا حکم ہے۔'' کنیز فردوس بھی حیرت زدہ نظر آ رہی تھی۔ ''اس میں کون دم مار سکتا ہے؟ کوئی بھی نہیں۔''

شہزادہ رکن الدین چند لمحوں تک بڑی عجیب نظروں سے باپ کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر کسی قدر بلند آواز میں بولا۔ ''گستاخی معاف! سلطانِ ذیشان کی یہ گفتگو اس خادم کے لئے ناقابل فہم ہے۔''

''تم صرف حکمِ سلطانی پر عمل کرو۔'' التمش کے چہرے سے جلالِ شاہی نمایاں تھا۔

''سلطانِ عالی قدر! آپ کے حکم پر دریائے جمنا میں کود کر خود کو ہلاک تو کیا جا سکتا ہے، مگر یہ ممکن نہیں۔''

شہزادہ رکن الدین کی پوری بات سنے بغیر سلطان چند قدم آگے بڑھا اور اپنے دوسرے بیٹے شہزادہ غیاث الدین سے مخاطب ہوا۔ ''فرزند! کیا تم بھی اپنے باپ کے اس حکم کو ناقابل عمل سمجھتے ہو؟''

شہزادہ غیاث الدین، ترکان شاہ کا چھوٹا بیٹا اور رکن الدین کا حقیقی بھائی تھا۔ ''سلطانِ ذی حشم! بردارِ گرامی نے جو کچھ کہا، میں بھی اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ آپ کا فرمان سر آنکھوں پر۔ مگر یہ کسی طرح بھی قابل عمل نہیں ہے۔''

سلطان کے چہرے پر کرب کی ایک تیز لہر اُبھری اور وہ شہزادہ غیاث الدین کے قریب سے گزر کر معزالدین کے سامنے ٹھہر گیا۔ یہ شہزادہ، رضیہ سلطانہ کا چھوٹا حقیقی بھائی تھا۔ ''اور تم کیا کہتے ہو میرے محبوب بیٹے؟''

شہزادہ معزالدین نے جواب دینے کے بجائے سر جھکا لیا۔ وہ بھی خاموشی کے ساتھ اپنے دونوں بھائیوں کے بیانات کی تائید کر رہا تھا۔

سلطان نے ایک نظر سر سے پاؤں تک شہزادہ معزالدین کو دیکھا اور پھر اپنے چھوٹے بیٹے قطب الدین سے مخاطب ہوا۔ ''کیا تم بھی اپنے سلطان کے حکم کو ناقابلِ عمل سمجھتے ہو؟''

''بابا محترم!'' شہزادہ قطب الدین نے ڈرتے ڈرتے زبان کھولی۔ ''آپ خود ہی غور فرمائیے کہ پانی میں اُترنے کے بعد کوئی انسان اپنے جسم اور لباس کو بھیگنے سے کس طرح بچا سکتا ہے؟''

سلطان اپنے چھوٹے بیٹے کی بات سن کر مسکرایا مگر اس تبسم میں شدید تلخی کا رنگ شامل تھا۔

رضیہ سلطانہ اپنے خیمے کے دروازے پر کھڑی پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ اس کا شفیق و مہربان باپ وزیروں اور شہزادوں کی نظر میں ایک تماشا بن کر رہ گیا تھا۔ اگر رضیہ کو کچھ دیر پہلے پتہ چل جاتا تو وہ سلطان کی خدمت میں عرض کرتی کہ امرائے سلطنت کو اس آزمائش میں نہ ڈالا جائے جو بے بنیاد بھی ہے اور مضحکہ خیز بھی۔ لیکن وقت گزر چکا تھا اور شہزادی ناقابل بیان اذیت میں مبتلا تھی۔ رضیہ سلطانہ کو اس بات کا احساس تھا کہ تمام وزیر اور شہزادے جبر کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اگر وہ آزاد ہوتے تو کسی رعایت اور تکلف کے بغیر کہہ دیتے کہ والیٔ ہند اپنا ذہنی توازن کھو چکا ہے۔

بات تو بگڑ ہی چکی تھی۔ مگر اب رضیہ سلطانہ کو اس حبشی زادے کے جواب کا انتظار تھا جس کی وجہ سے یہ ساری ہنگامہ آرائی تھی اور امرائے سلطنت کو ایک عجیب و غریب امتحان سے گزرنا پڑ رہا تھا۔ کچھ دیر کے لئے رضیہ کے دل میں جمال الدین یاقوت کی طرف سے ایک کدورت سی پیدا ہو گئی۔

''آخر بابا محترم کیا چاہتے ہیں؟'' رضیہ سلطانہ تلخ لہجے میں فردوس سے مخاطب ہوئی۔ ''سلطانِ ذی جاہ کو اس حبشی زادے پر اتنا اعتبار کیوں ہے؟ کیا یہ شخص امتحان میں کامیاب ہو جائے گا؟''

''ہو سکتا ہے۔'' فردوس نے اپنی آقا زادی کے سوال کا جاب تو دے دیا مگر اس کے لہجے سے بھی بے یقینی جھلک

رہی تھی۔ ''آخر سلطانِ معظم اتنی بڑی سلطنت کے فرمانروا ہیں۔ یقیناً ان کے ذہن میں ایسی کوئی بات ضرور ہو گی، جو ہمارے دماغوں کی رسائی سے باہر ہے۔''

ابھی رضیہ سلطانہ اور اس کنیز کے درمیان یہ گفتگو جاری تھی کہ سلطان التمش اپنے بیٹوں سے مایوس ہو کر امراء کی طرف مُڑا۔ شہزادوں کا امتحان ختم ہو چکا تھا۔ کوئی ایک سلطان زادہ بھی باپ کے حکم پر عمل کرنے کے لئے دریا میں نہیں اُترا۔

التمش اپنے وزیر اعظم کے قریب جا کر ٹھہر گیا۔ ''نظام الملک! ہمیں تمہاری ذہانت و فراست پر بھی ناز ہے اور وفاداریوں پر بھی۔ آج تم اپنے سلطان کے اس غرور کا بھرم رکھ لو۔''

وزیر اعظم نظام الملک نے جھکی ہوئی نظریں اٹھائیں۔ اس کی آنکھوں میں بھی وہی خاموش سوال لرز رہا تھا کہ عالی مرتبت! یہ کیسے ممکن ہے؟ مگر وہ شدید مجبوری کے عالم میں آگے بڑھا اور دریا میں اُتر گیا۔ تمام حاضرین پتھر کے مجسموں کی طرح ساکت کھڑے تھے۔ نظام الملک دریا سے باہر آیا تو سر سے پاؤں تک پانی میں شرابور تھا۔

سلطان التمش نے اپنے وزیر اعظم کے بھیگے ہوئے جسم کی طرف دیکھا۔ ''نظام الملک! تم امتحان میں ناکام ہو گئے۔''

''عزت مآب کا فیصلہ وضاحت طلب ہے۔'' نظام الملک نے سر جھکائے ہوئے کہا۔

''امتحان کی پہلی اور آخری شرط یہی تھی کہ تمہارا لباس پانی سے تر نہیں ہو گا۔'' التمش کا لہجہ سخت تھا۔

''وہ صرف جلالت مآب کے حکم کی تعمیل تھی۔'' نظام الملک ہندوستان کا سب سے بڑا دماغ تھا۔ اس نے منطق کا سہارا لے کر اپنے کردار کو بے داغ رکھنے کی کوشش کی۔ ''کوئی شخص آگ کے شعلوں سے گزر جائے اور اس کی تپش تک محسوس نہ کر سکے، یہ بات انتہائی خلافِ عقل ہے۔''

''گویا تمہارے سلطان کی عقل میں فتور آ گیا ہے؟'' یکایک سلطان مسکرانے لگا۔

''میں نے یہ ہرگز نہیں کہا۔'' نظام الملک کے پورے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ ''میں تو صرف ایک آفاقی اصول کی بات کر رہا ہوں۔'' وزیر اعظم کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔

سلطان نے نظام الملک کو یکسر نظر انداز کر دیا اور دوسرے امراء کی طرف متوجہ ہوا۔

تمام ترک سردار ایک ایک کر کے دریائے جمنا میں اُترے اور اپنے بھیگے ہوئے جسم لے کر باہر نکل آئے۔ سلطان نے ان سب کو امتحان میں ناکام قرار دے دیا اور جواب میں ہر سردار نے وہی منطق پیش کر دی، جس کا سہارا وزیر اعظم نظام الملک نے لیا تھا۔

اب اُس شخص کی باری تھی جس کی وجہ سے یہ سارا ہنگامہ برپا ہوا تھا۔ سارے وزیر اور شہزادے نفرت آمیز نظروں سے حبشی زادے کو دیکھ رہے تھے۔

''جمال الدین یاقوت!'' سلطان التمش کی پُرجلال آواز اُبھری۔ ''تم اس طرح دریا میں اُتر جاؤ کہ پانی کا ایک قطرہ بھی تمہارے جسم اور لباس کو نہ چھو سکے۔''

''جو حکم آقائے نعمت!'' حبشی زادہ، سلطان کے احترام میں نصف قد تک جھکا اور اُلٹے قدموں دریا کی طرف جانے لگا۔

سلطان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھر آئی۔ جمال الدین یاقوت احتراماً اپنی پشت بادشاہ کی طرف کرنا نہیں چاہتا

تھا۔ والیٔ ہند کو یہ ادا بہت پسند آئی۔ ابھی تک کسی امیر نے ادب کا یہ مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

حبشی زادہ دریا کے قریب پہنچ کر مڑا اور کسی جھجک کے بغیر پانی میں اُتر گیا۔ جمال الدین یاقوت کا اطمینان قابلِ دید تھا۔ شہزادی رضیہ سلطانہ اور دیگر امراء بھی یہ بات محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے۔

پھر جب اس عجیب وغریب امتحان کا آخری امیدوار دریا سے باہر آیا تو وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح پانی میں نہایا ہوا تھا۔

''جمال الدین یاقوت! ہمیں تمہاری ذات سے بڑی اُمیدیں تھیں، مگر افسوس تم بھی ناکام ہو گئے۔'' التمش نے ناگوار لہجے میں کہا۔

شہزادی رضیہ کی بے چین نظریں حبشی زادے کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہ جمال الدین یاقوت کا جواب سننے کے لئے مضطرب تھی۔

''مجھے یہ سوچ کر شرم آتی ہے آقائے نعمت! کہ میں آپ کی توقعات پر پورا نہیں اُترا۔'' جمال الدین یاقوت کے لہجے میں دل کی خلش شامل تھی۔ ''سلطانِ ذی وقار! میں نے تو صرف آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ مجھے کامیابی و ناکامی سے کوئی غرض نہیں۔''

''اسے حکم کی تعمیل کہتے ہیں؟'' سلطان التمش نے حبشی زادے کے بھیگے ہوئے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اپنی اسی کوتاہی پر میں نادم ہوں آقائے نعمت!'' جمال الدین یاقوت نے سر جھکا لیا۔ ''غلام کو ایک موقع اور فراہم کیا جائے۔ آئندہ یہ غلطی سرزد نہیں ہوگی۔''

حبشی زادے کا جواب سن کر رضیہ سلطانہ چونک اٹھی۔ تمام امراء اور شہزادے بھی حیرت زدہ نظر آ رہے تھے۔ انہیں جمال الدین یاقوت سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

سلطان کے حکم پر حبشی زادے کو نیا لباس فراہم کر دیا گیا۔ جمال الدین یاقوت دوبارہ پانی میں اُترا اور بھیگ کر چلا آیا۔ حبشی زادے نے یہ عمل تین بار دہرایا اور جب بھی سلطان نے بھیگ جانے کا سبب پوچھا تو اس نے یہی عرض کیا۔

''حضورِ والا! پھر غلطی ہوگئی۔ غلام کو ایک موقع اور فراہم کیا جائے۔''

حبشی زادے کا جواب سن کر سلطان شمس الدین التمش کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بے اختیار آگے بڑھا اور اس نے ''امیر آخور'' کے دونوں کاندھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ''شاباش جمال الدین! شاباش۔'' سلطان کی آواز جذبۂ حسرت سے معمور تھی۔ ''مبارک ہو تجھے یہ سرفرازی۔ تُو اس آزمائش پر پورا اُترا۔''

فضا کسی مُردہ انسان کی طرح ساکت تھی اور تمام حاضرین کے چہروں پر ایک ہی سوالیہ نشان نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ ''یہ کیسی کامیابی ہے؟''

سلطان نے اپنے امراء کی یہ حالت دیکھی تو اس کے ہونٹوں پر تلخ تبسم اُبھر آیا۔ ''تم اب بھی نہیں سمجھے کہ تمہارا امتحان کیا تھا اور تم کیوں ناکام قرار پائے؟''

امراء کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ تمام ترک سردار اور شہزادے، التمش کی زبان سے اپنی ناکامی کی وجہ

سننے کے لئے بے چین تھے۔

''یہ معمولی سی بات تو جمال الدین یاقوت بھی جانتا تھا کہ میرا حکم ناقابلِ عمل ہے۔ مگر اس نے میری ذہنی حالت پر شک نہیں کیا۔'' سلطان کے لہجے میں شکایت بھی تھی اور تنبیہہ بھی ''تم سب کے سب نسلی برتری کے غرور میں مبتلا رہے اور وہ حبشی زادہ فرمانبرداری کی آخری منزل تک پہنچ گیا۔ اس نے میرے احمقانہ حکم کو ہر بار اپنی غلطی سے تعبیر کیا۔ یہی اس کی جاں نثاری کا ثبوت ہے۔ اگر تمہاری طرح جمال الدین یاقوت بھی مجھے میری حماقت کا احساس دلا دیتا تو وہ اپنے اس فعل میں حق بجانب ہوتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ میری کھلی ہوئی لغزش کی پردہ پوشی کرتا رہا تاکہ اس کا سلطان سرِعام شرمندہ ہونے سے بچ جائے۔'' یہ کہہ کر التمش مڑا اور انتہائی حسرت زدہ لہجے میں شہزادوں سے مخاطب ہوا۔ ''کاش! تم کچھ دیر کے لئے میری بے عقلی کی باتوں پر اپنی عقل کا پردہ ڈال دیتے۔ صرف ایک بار کہہ دیتے کہ تمہارا بابا محترم پاگل نہیں ہے۔''

تمام شہزادوں کے چہرے فق ہو گئے تھے اور شرم سے ان کی گردنیں جھک گئی تھیں۔

التمش نے ایک بار پھر اپنا زاویہ تبدیل کیا۔ اب وہ اپنے امراء سے مخاطب تھا۔ ''جاں نثاری کے لئے رنگ و نسل کی نہیں، دل کی ضرورت ہوتی ہے۔ دیکھو اس حبشی زادے کے دل کا رنگ! کیسا صاف و شفاف ہے، آئینے کی طرح۔ سنو! اس کے دل کی آواز، ہر دھڑکن میں وفا کا آہنگ۔'' یہ کہہ کر سلطان التمش ہاتھی پر سوار ہوا اور قصرِ شاہی کی طرف روانہ ہو گیا۔

سلطان کے جاتے ہی امیروں اور شہزادوں کے جھکے ہوئے سر سیدھے ہو گئے۔ سب کی نظریں جمال الدین یاقوت پر جمی ہوئی تھیں جو آہستہ آہستہ اپنے گھوڑوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''خوشامد کا یہ بھی ایک انداز ہے۔'' شہزادہ رکن الدین نے اتنی زور سے کہا کہ جمال الدین یاقوت کے کانوں تک اس کی آواز پہنچ جائے۔ ''بے ضمیر غلام، جس نے ہمیں بابا محترم کے سامنے ذلیل کرا دیا۔''

جمال الدین یاقوت نے شہزادے کی ذلت آمیز گفتگو سن لی تھی مگر اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

ترک سردار بھی حبشی زادے کو دل ہی دل میں ناشائستہ الفاظ کے ساتھ یاد کر رہے تھے۔ مگر وہ ہر شے سے بے نیاز سر جھکائے آگے بڑھ رہا تھا۔

شہزادی رضیہ سلطانہ، جمال الدین یاقوت کو اس وقت تک دیکھتی رہی، جب تک وہ گھوڑے پر سوار نہیں ہو گیا۔ آج اس کی شخصیت کا نیا رخ سامنے آیا تھا۔ وہ مردِ شجاع بھی تھا اور صاحبِ دل بھی۔

❁==❁==❁

کچھ دنوں سے التمش کی بوڑھی کنیز شمسہ، ملکۂ ہند ترکان شاہ کو مسلسل خبریں دے رہی تھی کہ اکثر رات کے وقت باپ اور بیٹی میں رازدارانہ گفتگو ہوتی ہے۔

''تجھے اس گفتگو کا کچھ اندازہ ہے؟'' ترکان شاہ اپنی جاسوسہ سے پوچھتی۔

''سلطان اپنے بیٹے شہزادہ معزالدین کو ولی عہدِ سلطنت بنانا چاہتے ہیں۔'' شمسہ جان بوجھ کر جھوٹ بول دیتی۔ دراصل وہ نمک حرام اور خود غرض عورت اپنے بیٹے کی موت کا انتقام لینے کے لئے شاہی خاندان کے کسی فرد کو بھی

زندہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ التمش اور تمام شہزادوں کو زہر دے کر ہلاک کر چکی ہوتی۔ لیکن اس کام میں رکاوٹ یہ تھی کہ سلطان کے ہر کھانے کو پہلے اس کے خدمت گار چکھتے تھے، پھر وہ غذا والیٔ ہند کے حلق سے اُترتی تھی۔ آخر تمام راہیں بند پا کر شمسہ انتقام کے نئے راستے پر چل پڑی تھی۔ اب وہ دن رات ترکان شاہ کے کان بھرتی رہتی۔ ترکان شاہ خود ایک کینہ پرور عورت تھی۔ نتیجتاً دو احسان فراموش عورتیں مل کر اپنے آقا کے خلاف سازشیں کرتی رہتیں۔

اگرچہ یہ سازشیں والیٔ ہند پر اثر انداز نہیں ہو سکی تھیں لیکن پھر بھی خاندانِ التمش سے محبت اور وفا کی رسمیں اُٹھ گئی تھیں اور تمام شہزادے ایک دوسرے کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔ ترکان شاہ کی غلط تربیت کی وجہ سے خاص طور پر شہزادہ رکن الدین اپنے دوسرے بھائیوں کا وجود تک برداشت نہیں کرتا تھا۔ اس کی ماں کی تعلیم ہی یہی تھی کہ جس دماغ میں بُوئے اقتدار محسوس ہو، اُس میں آہنی میخیں ٹھونک دی جائیں۔ جس زبان پر حرفِ طلب ہو، اسے کاٹ کر پھینک دیا جائے۔ اور جو آنکھیں تاج و تخت کے خواب دیکھیں، ان میں جلتی ہوئی سلاخیں پھیر دی جائیں۔

جاسوسہ شمسہ نے شہزادہ معزالدین کو شہزادہ رکن الدین کے مقابل کھڑا کر کے ایک نیا ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ ترکان شاہ خلوت میں بیٹے کے سامنے گرج برس رہی تھی۔

''میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ سلطان اور شہزادی کی یہ خفیہ ملاقاتیں بے سبب نہیں ہیں۔ رضیہ کی کم ذات ماں نے مجھے ملکۂ عالیہ نہیں بننے دیا اور اب اس کی بیٹی میرے بیٹے کے راستے میں کانٹے بچھا رہی ہے۔ مگر خدا کی قسم! میرے جیتے جی ایسا نہیں ہوگا۔'' اگرچہ ترکان شاہ خود ایک کم ذات عورت تھی، لیکن اپنا عیب چھپانے کے لئے وہ رضیہ کی اعلیٰ نسب ماں کے خاندان میں کیڑے نکال رہی تھی۔

''مگر بابا محترم تو مجھ سے خوش ہیں۔'' شہزادہ رکن الدین پریشان سا نظر آ رہا تھا۔

''بادشاہوں کی خوشی ناخوشی، کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔'' ترکان شاہ کے لہجے سے وہی تلخیوں کا زہر ٹپک رہا تھا۔ ''غلام سے خوش ہوئے تو اسے امیر آخور بنا دیا..... اور اگر کسی امیر سے خفا ہوئے تو پل بھر میں اسے بھکاری کی قبا پہنا دی۔ میں بات کروں گی سلطان سے۔ انہیں اب تمہاری ولی عہدی کا اعلان کر دینا چاہئے۔''

شہزادہ رکن الدین، ماں کو روکتا رہا مگر وہ جلد باز اور خود غرض عورت خلوتِ سلطانی میں داخل ہو گئی۔

''ترکان شاہ! اپنے ذہن کو اندیشوں سے پاک رکھ۔ تیرا بیٹا ہی ولی عہدِ سلطنت بنے گا۔'' سلطان نے بڑے تحمل سے اس فتنے کو ٹالنے کی کوشش کی۔

دراصل ہندو ریاست گوالیار میں مسلمانوں کی شکستہ حالت کی خبریں سن کر التمش کی نیندیں اُڑ گئی تھیں۔ سلطان قطب الدین ایبک کے دورِ حکومت میں گوالیار پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ مگر سلطان کے مرتے ہی اس کے بیٹے آرام شاہ کے ایک سالہ عہدِ سلطنت میں یہ علاقہ دوبارہ ہندو راجہ دیوبل کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ دیوبل ایک متعصب اور عیاش طبع حکمراں تھا۔ اس نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ اہلِ ایمان کی جائیدادیں غصب کر لی گئی تھیں اور اب اُنہیں زندہ رہنے کے لئے وہ پیشے اختیار کرنے پڑتے تھے جو اچھوتوں اور شودروں کے لئے مخصوص تھے۔ راجہ دیوبل کے مظالم کی داستان یہیں ختم نہیں ہوئی تھی۔ اس جفا کار نے خوبصورت مسلمان دوشیزاؤں کو اپنی داسیاں بنا لیا تھا اور جب کسی لڑکی سے اس کا جی بھر جاتا تھا تو وہ اپنے وزیروں اور سرداروں کے حوالے کر دیتا تھا۔

معلوم مسلمان وہاں سے فرار ہو کر کسی اسلامی ریاست میں پناہ لینا چاہتے تھے۔ مگر راجہ دیوبل نے گوالیار کی تمام سرحدوں پر سخت پہرے بٹھا دیئے تھے۔ آخر ایک نوجوان اپنی جان پر کھیل کر رات کے اندھیرے میں گوالیار سے نکلا اور مہینوں کی مسافت طے کر کے دہلی پہنچا۔ مگر قلعے کے محافظوں نے اسے سلطان تک نہیں پہنچنے دیا۔ آخر ایک وہاں کے مقامی باشندے نے اسے سمجھایا کہ وہ حضرت قطب کی خانقاہ میں حاضر ہو کر فریاد کرے۔ پھر سلطان اس کی فریاد ضرور سنے گا۔

جب اس غم زدہ نوجوان نے حضرت قطب کے پیروں پر سر رکھ کر گوالیار کے مسلمانوں کی داستانِ الم سنائی تو حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے خلیفۂ اکبر کی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب جاری ہو گیا۔

''بس میرے بچے! بس۔ اس فقیر کو تابِ سماعت نہیں ہے۔'' حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے نوجوان کو اُٹھا کر سینے سے لگا لیا اور دیر تک روتے رہے۔

پھر اسی دن حضرت قطبؒ نے اپنے ایک مرید کے ذریعے والیٔ ہند کو یہ پیغام بھیجا۔ ''اگر سلطان امورِ سلطنت سے فارغ ہو چکے ہوں تو رات میں کسی وقت اس فقیر کی طرف توجہ فرمائیں۔''

اگرچہ سلطان التمش کا معمول تھا کہ وہ دربار برخاست کرنے کے بعد بلاناغہ حضرت قطبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ لیکن کچھ دنوں سے مصروفیات کا اس قدر ہجوم تھا کہ التمش اپنے مرشد کے دیدار کی سعادت حاصل نہ کر سکا تھا۔ پھر جب اُسے حضرت قطبؒ کا پیغام ملا تو وہ لرز کر رہ گیا۔ اس نے سارے کام پس پشت ڈالے اور خانقاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

کچھ دیر بعد والیٔ ہندوستان ایک درویش کے روبرو دوزانو بیٹھا غلاموں کے سے لہجے میں عرض کر رہا تھا۔

''سیّدی! میں اپنی اس غفلت اور کوتاہی پر بہت شرمندہ ہوں۔''

''نہیں سلطان! تمہاری ریاضت ہم درویشوں کی ریاضت سے کہیں زیادہ سخت ہے۔'' حضرت قطبؒ اس طرح لب کشا ہوئے کہ حاضرینِ مجلس کو چاند کی روشنی اور پھولوں کی خوشبو کا احساس ہونے لگا۔ ''تم مملکتِ اسلامیہ کی سرحدوں کے محافظ ہو اور یہ ایک بڑا مجاہدہ ہے۔''

''یہ سب پیر و مرشد کی دعاؤں کا صدقہ ہے۔'' التمش کی گردن جھکی ہوئی تھی۔

''اس ضرورت مند شخص کی طرف دیکھو، جو تمہاری سخاوت کے قصے سن کر گوالیار سے دہلی آیا ہے۔'' حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اس مظلوم نوجوان کی طرف اشارہ کیا جو آپ کے قریب ہی بیٹھا تھا۔

سلطان نے گھبرا کر سر اٹھایا اور اس نوجوان کی طرف دیکھا، جس کا چہرہ دھوپ کی تمازت سے سیاہ ہو گیا تھا اور فاقوں کی کثرت سے رخساروں کی ہڈیاں اُبھر آئی تھیں۔

سلطان نے نوجوان کی ضرورت معلوم کئے بغیر اپنے ایک محافظ سپاہی کو خانقاہ کے اندر طلب کرتے ہوئے حکم دیا۔ ''اس نوجوان کو قصرِ شاہی لے جاؤ۔ یہ آج سے ہمارا مہمانِ خاص ہے۔''

''سلطان! پہلے اس کا احوال تو سنو!'' حضرت قطبؒ نے فرمایا۔ ''یہ تم سے کسی عیش و آرام کا طالب نہیں ہے۔''

پھر جب نوجوان نے اپنی رُودادِ غم بیان کی تو سلطان التمش کی آنکھیں بھی اشکوں سے لبریز ہو گئیں۔ والیٔ ہند، نوجوان کو اپنے ہمراہ لے جانا چاہتا تھا تاکہ ایک ستم رسیدہ شخص کی تالیفِ قلب کر سکے مگر اس غیرت مند نے یہ کہہ

کر انکار کر دیا۔ ''شہنشاہ! میں نے اپنی قوم کی بیٹیوں کو بے لباس دیکھا ہے۔ پھر میں کیسے آپ کی بخشی ہوئی قبا پہن لوں؟ مجھے شرم آتی ہے۔ جب تک میرے ہم مذہب، راجہ دیوبل کی قید سے آزاد نہیں ہو جاتے، میں اسی در پر پڑا رہوں گا۔''

کچھ دیر بعد سلطان التمش، حضرت قطب کی خانقاہ سے یہ کہتا ہوا اُٹھ گیا۔ ''نوجوان! آج سے میں بھی تیری طرح غم زدہ اور پریشان ہوں۔ اب یا تو نواحِ گوالیار میں میری قبر بنے گی یا پھر راجہ دیوبل کو اپنے ایک ایک ظلم کا حساب دینا ہوگا۔''

سلطان بڑی رازداری کے ساتھ گوالیار پر لشکر کشی کے منصوبے بنا رہا تھا اور اُس کی جاہل بیوی ترکان شاہ اپنے بیٹے رکن الدین کے لئے ولی عہدی کا اعزاز مانگ رہی تھی۔ التمش نے اس موقع پر انتہائی مصلحت سے کام لیا اور ترکان شاہ کو پُر جوش لہجے میں یقین دلا دیا کہ اس کے بیٹے کے سوا کوئی دوسرا شہزادہ ولی عہدِ سلطنت بننے کے لائق نہیں ہے۔

جاہل ترکان شاہ اپنی آنکھوں میں نئے خواب سجا کر واپس چلی گئی۔

❁==❁==❁

رکن الدین نے ماں کی زبانی یہ اطلاع سنی تو وہ بے خود سا ہو گیا۔ پھر اس نے اس خوشی میں محفلِ کیف و نشاط سجائی اور اپنی رازدار کنیز گلنار کو طلب کیا۔ گلنار کی وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ اس کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ طویل جدائی کے بعد دیدارِ محبوب کا تصور اس قدر جانفزا تھا کہ اس کے دل و دماغ پر سرشاری کی کیفیت طاری تھی۔

گلنار، شہزادے کی خواب گاہ میں داخل ہوئی اور دیوانوں کی طرح اس نے آگے بڑھ کر اپنے محبوب کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ ''شہزادۂ عالم! آپ کو کچھ اندازہ ہے کہ یہ کنیز آتشِ فراق میں کس کس طرح جلی ہے؟'' گلنار کی آنکھوں سے آنسوؤں کا آبشار جاری تھا۔

''یہ اشک ریزی کا وقت نہیں ہے گلنار!'' شہزادہ رکن الدین نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا اور اپنے پاؤں کھینچ لئے۔

محبوب کی اس بے رخی نے گلنار کے دل کو دو نیم کر دیا اور وہ شاخ سے ٹوٹے ہوئے پھول کی طرح بکھر کر رہ گئی۔

''میں کل صبح بدایوں جا رہا ہوں۔'' شہزادہ رکن الدین نے اپنے مہکے ہوئے ریشمی بستر پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔ ''اب تیری نئی ذمہ داری یہ ہے کہ تُو جمال الدین یاقوت کے قریب تر ہو جا اور حبشی زادے کے چہرے پر اتنی سیاہی مل دے کہ اس کے خدوخال تک نہ پہچانے جا سکیں۔''

گلنار کو کچھ دیر کے لئے سکتہ سا ہو گیا۔ پھر اُس کے احمریں ہونٹ لرزنے لگے۔ ''یہ کیسے ممکن ہے صاحبِ عالم؟''

''حبشی زادے پر تہمت لگا دے کہ اس نے.....'' شہزادے کا حکم بڑا سفاکانہ تھا۔

شدتِ کرب سے گلنار کا آتشیں چہرہ دھواں ہو گیا۔ ''اس حبشی زادے نے تو مجھے چھوا تک نہیں۔ پھر میں اس پر تہمت کیسے تراشوں؟ یہ کیسا شرم ناک گناہ ہوگا کہ میں ایک شریف انسان کو سرِ دربار رسوا کر دوں؟''

''جس نے تیرے صاحبِ عالم کو سلطانِ معظم کے سامنے ذلیل کیا ہو، وہ شریف کس طرح ہو سکتا ہے؟''

شہزادے رکن الدین نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ ''اور یاد رکھ کہ میری فرمانبرداری میں ثواب ہے اور نافرمانی بدترین گناہ۔ بس میری مرضی ہی ضابطۂ اخلاق ہے۔ اور اس کے علاوہ سب خرافات۔'' رکن الدین نے غرور و کبر کی آخری حدوں کو چھو لیا تھا۔

''مگر شہزادۂ عالم! یہ کنیز تو آپ کی آبرو ہے۔ پھر وہ کیسے کسی غیر مرد کے شبستان کو سجا سکتی ہے؟'' ایک بار پھر گلنار کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات شروع ہو گئی تھی۔

''کنیز کسی امیر کی آبرو نہیں، اس کے بستر کی شکن ہوتی ہے۔'' شہزادہ رکن الدین غرورِ اقتدار میں انسانی سطح سے بہت نیچے گر گیا تھا۔ ''اور وہ شکن صبح ہوتے ہی صاف کر دی جاتی ہے۔''

محبوب کی سنگ زنی سے گلنار کا شیشۂ دل ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ وہ اپنی بے آبروئی پر احتجاج کرنا چاہتی تھی مگر شہزادے کی قہرناک حالت دیکھ کر اپنے ہونٹوں کو جنبش تک نہ دے سکی۔

''بس اب جا!'' رکن الدین کا لہجہ انتہائی ذلت آمیز تھا۔ ''اگر تُو یہ کام نہ کر سکے تو پھر اپنے ہاتھ سے اپنی قبر کھود لینا۔ اب یہ ہماری بخشش و عطا پر منحصر ہے کہ ہم تجھے قبر دیں یا پھر تیری لاش کو مردہ خور جانوروں کی خوراک بننے کے لئے بے گور و کفن چھوڑ دیں۔''

کنیز گلنار لرزتے قدموں کے ساتھ واپس چلی گئی۔ اب اسے اپنی حیثیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ شہزادے کی قبا کا ایک غلیظ داغ تھی۔ رات کی تاریکی میں ولی عہدِ سلطنت نے اس قبا کو اُتار پھینکا تھا۔

❁==❁==❁

جمال الدین یاقوت حبشی، خلوت گاہِ سلطانی میں دست بستہ سر جھکائے کھڑا تھا۔ ''آقائے نعمت! مجھے امیر آخور کے عہدے سے ہٹا کر پرانے منصب پر بحال کر دیا جائے۔''

''کیوں؟'' سلطان التمش حبشی زادے کی درخواست سن کر حیران رہ گیا تھا۔

''میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ کا نظامِ سلطنت انتشار کا شکار ہو جائے۔'' جمال الدین یاقوت بڑے دانش مندانہ انداز میں معذرت پیش کر رہا تھا۔ ''ترک سرداروں کے بگڑے ہوئے چہرے، طنز و دشنام کا زہر تھوکتی ہوئی زبانیں اور نفرتوں کا اظہار کرتی ہوئی آنکھیں..... یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ میں حضورِ والا کی نوازشات کا مرکز بن گیا ہوں۔''

''جمال الدین! کیا تُو دو دن میں ان مسائل سے گھبرا گیا؟'' التمش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ کا یہ خدمت گار سیاست کے مسائل سے تو کیا، موت سے بھی نہیں گھبراتا۔'' حبشی زادے کے لہجے میں بڑی استقامت تھی۔ ''مگر آپ کے امراء اور شہزادے میرے جذبۂ وفا کو خوشامد سمجھتے ہیں۔ اور مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں طعنہ زنوں کے ہجوم میں چپ چاپ کھڑا رہوں..... کسی پتھر کے مجسمے کی طرح..... میں ایک جاں فروش ہوں اور احشم! ننگ ہے مجھے وہ عہدہ جو میرے لہو کی قیمت نہ ہو۔'' یہ کہتے ہوئے جمال الدین یاقوت نے اپنے سر سے دستار اُتار کر سلطان کے قدموں پر رکھ دی۔

''کیا میں نے تیری جاں فروشی پر گواہی نہیں دی؟'' التمش جوشِ جذبات میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''بس وہی ایک گواہی میرا سرمایۂ حیات ہے۔'' یاقوت حبشی نے بڑے وارفتہ لہجے میں کہا۔ ''اور اسی ایک گواہی کی خاطر ساری زندگی آپ کے آستانۂ جلال کا دربان بن کر کھڑا رہنا چاہتا ہوں۔''

''یہ تمام تر ہنگامہ آرائی صرف تیرے جذبۂ وفا کی تشہیر کے لئے تھی۔'' التمش نے اپنے جاں نثار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''میرے فیصلے شہزادوں اور امیروں کی مرضی کے تابع نہیں۔ خداوند ذوالجلال نے مجھے با اختیار حکمراں بنایا ہے اور اسی کے کرم سے میں نے ایک حق دار کو اس کا حق دے دیا۔ اب تجھ پر لازم ہے یاقوت! کہ زمانہ سازوں کے شور سے اپنی سماعت کو متاثر نہ کر۔ بازارِ محبت میں آیا ہے تو زمانے کی ناقدری کا گلہ نہ کر۔''

سلطان کی محبت کے اس مظاہرے نے حبشی زادے کو لاجواب کر دیا تھا۔ ''اگر بازارِ محبت میں آپ جیسا خریدار موجود ہو تو میں دوبارہ بِک جانے کے لئے تیار ہوں۔'' جمال الدین یاقوت، ابی سینیا کا باشندہ تھا اور کسی زمانے میں غلام رہ چکا تھا۔ پھر جب وہ آزاد ہوا تو اس نے ہندوستان کا رخ کیا اور بڑے سخت مراحل سے گزرنے کے بعد التمش کے دربار میں رسائی حاصل کی۔

''تو پھر اس دستار کو دوبارہ اپنے سر پر سجا لے۔'' التمش بستر سے نیچے اُتر آیا اور اُس نے دستار اٹھا کر جمال الدین یاقوت کے سر پر باندھ دی۔ ''اب کبھی اسے اپنے سر سے نہ اُتارنا چاہے کاندھوں سے تیرا سر ہی کیوں نہ اُتر جائے۔''

حبشی زادہ نصف قد تک جھکا، سلطان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اُلٹے قدموں واپس چلا گیا۔

❁==❁==❁

بہرام غوری اگرچہ اپنے فرائض انجام دے رہا تھا مگر اس طرح کہ جیسے زندگی ایک بارِ گراں بن کر رہ گئی ہو۔ اس نے کئی بار سوچا کہ وہ بارگاہِ سلطانی میں استعفیٰ پیش کر کے اپنے وطن غزنی واپس چلا جائے مگر ہر بار رضیہ سلطانہ کی یادیں اس کے پیروں کی زنجیر بن جاتی تھیں۔ بظاہر وہ ہمیشہ کے لئے اپنے محبوب سے بچھڑ چکا تھا لیکن پھر بھی دیدارِ یار کی ایک موہوم سی اُمید تھی۔ باقی اگر وہ غزنی چلا جاتا تو یہ اُمید بھی دم توڑ دیتی۔ مجبوراً دہلی میں ٹھہر گیا۔ ہر وقت اس کے تصورات کی دنیا آباد رہتی اور وہ کوچۂ جاناں کا طواف کرتا رہتا۔ پھر جب بے قراریٔ دل حد سے بڑھی تو بہرام غوری، حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے قدموں سے لپٹ کر عرض کرنے لگا۔

''سیدی! آپ کے جود و سخا کا بڑا چرچا ہے۔ اس گناہ گار کو بھی اپنے دامنِ کرم میں چھپا لیجئے۔ ورنہ یہ بے سکونی ایک دن مجھے ہلاک کر ڈالے گی۔''

''صاحبانِ دل کبھی نہیں مرتے میرے بچے!'' حضرت قطبؒ نے بہرام غوری کے سر پر دستِ شفقت رکھتے ہوئے فرمایا۔ ''خانقاہ کا یہ گوشہ تیرے لئے نہیں بنایا گیا ہے۔ تُو مجاہد ہے۔ اپنے خون سے وضو کر۔ شمشیروں کے سائے میں نماز پڑھ۔ فقیر کی دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔''

اب اس کا یہ معمول بن گیا تھا کہ وہ دن بھر نئے سپاہیوں کی تربیت میں مصروف رہتا اور شام ہوتے ہی حضرت قطبؒ کی خانقاہ میں چلا جاتا۔ پھر عشاء کی نماز پڑھ کر اپنی فوجی قیام گاہ واپس لوٹ آتا۔

اچانک ایک دن سلطان التمش نے اُسے قصرِ شاہی طلب کر لیا۔ اس وقت تمام امرائے سلطنت بھی موجود تھے۔ حاضرینِ دربار کسی اہم اعلان کی توقع کر رہے تھے۔ آخر التمش کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

''راجہ گوالیار کی فتنہ پردازیاں دہلی کی حکومت پر خندہ زن ہیں۔ اگر بہت جلد اُس کی سرکوبی نہ کی گئی اور اہلِ ایمان کو محفوظ سائبان نہ بخشا گیا تو اسلامی سلطنت پر سے لوگوں کا اعتبار اُٹھ جائے گا۔'' التمش نے راجہ دیوبل کے مظالم کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے کہا۔ ''میں عنقریب ایک طویل جنگی مہم پر روانہ ہونے والا ہوں۔ اس دوران شہزادی رضیہ سلطانہ میری جانشین ہوگی۔ اس کا ہر حکم میرا ہی حکم تصور کیا جائے گا اور اس کی نافرمانی میری ہی نافرمانی قرار دی جائے گی۔''

اعلان اس قدر غیر متوقع تھا کہ امرائے سلطنت دم بخود رہ گئے۔

ترکان شاہ نے یہ خبر سنی تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پھر جب کچھ دیر بعد ملکۂ ہند کے ہوش و حواس بحال ہوئے تو اس نے بڑے خفیہ انداز میں ایک برق رفتار قاصد بدایوں روانہ کر دیا۔ ترکان شاہ نے اپنے بیٹے شہزادہ رکن الدین کو فوری طور پر دہلی طلب کیا تھا۔

❁==❁==❁

گوالیار کی جنگی مہم کے دوران شہزادی رضیہ سلطانہ کی جانشینی کا اعلان کسی زلزلے سے کم نہیں تھا۔ جس مملکت میں سینکڑوں ''گرگ باراں دیدہ'' موجود ہوں، وہاں کسی کم سن نگراں کی تقرری ایک ایسا دھماکا تھا کہ جس کے اثر سے ایوانِ سیاست کے بام و در لرزنے لگے تھے۔ اور وہ بھی ایک نوعمر دوشیزہ؟ سلطان التمش کے اس فیصلے نے سیاست کی پوری تاریخ بدل ڈالی تھی۔

حرم سرا کی دوسری خواتین بھی والیٔ ہند کا فیصلہ سن کر حیرت زدہ رہ گئی تھیں۔ مگر ترکان شاہ پر تو قیامت ہی ٹوٹ پڑی تھی۔ جب اس سے التمش کا یہ فیصلہ برداشت نہ ہو سکا تو وہ پاؤں پٹختی ہوئی خلوتِ سلطانی میں داخل ہوگئی۔ حالانکہ اُسے کنیز فردوس نے بتا دیا تھا کہ اس وقت شہزادی حضور اپنے بابا محترم کی خدمت میں موجود ہیں اور کوئی خاص انتظامی مسئلہ زیر بحث ہے۔ مگر ترکان شاہ نے اُس کی ایک نہیں سنی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔

سلطان التمش نے ناگوار حیرت کے ساتھ بیوی کی طرف دیکھا۔ رضیہ سلطانہ سوتیلی ماں کے احترام میں کھڑی ہو گئی اور پھر نہایت تیزی کے ساتھ خلوتِ سلطانی سے نکل کر ملحقہ کمرے میں چلی گئی۔

''آدابِ شاہی سے قطع نظر ازدواجی رشتے بھی کچھ اصولوں کے پابند ہوتے ہیں۔'' سلطان التمش نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا۔

''خود آپ ہی نے سارے قواعد و ضوابط توڑ دیئے تو پھر مجھ سے کیا شکایت ہے؟'' ترکان شاہ کے چہرے سے غصے کے آثار نمایاں تھے۔

التمش کا جی چاہا کہ اس عورت کو خلوت سے نکال دے جس کی حرص و طمع اور نفس پرستی نے ہمیشہ نئے مسائل پیدا کئے تھے۔ ''ترکان شاہ! میں آپ کی گفتگو کا مفہوم نہیں سمجھا۔'' سلطان نے ایک بار پھر اپنے روایتی صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''آپ نے سارے وعدے فراموش کر دیئے۔'' ترکان شاہ پر سلطان کی نرم گفتاری کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا اور وہ پہلے سے زیادہ برہم نظر آنے لگی تھی۔ ''بیٹے سے وعدہ کیا اور عنانِ سلطنت بیٹی کے ہاتھوں میں دے دی۔''

''میں نے آپ سے اور شہزادہ رکن الدین سے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔'' التمش کے لہجے کی تلخی لوٹ آئی تھی۔

''جب ولی عہدِ سلطنت میرا بیٹا ہے تو پھر شہزادی رضیہ کی جانشینی کا اعلان کیوں؟'' ترکان شاہ مسلسل اس شخص کے حضور میں گستاخیوں کا مظاہرہ کر رہی تھی جو اس کا شوہر بھی تھا اور ایک با اختیار حکمراں بھی۔

''شہزادی کی یہ جانشینی ایک عارضی عہدہ ہے۔'' سلطان نے عاقبت نااندیش بیوی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ عارضی عہدہ مستقل صورت اختیار نہ کر جائے۔'' ترکان شاہ نے اپنے شوہر کی نیت پر شک کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''لوگ عجیب عجیب قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔''

''میں کسی کی سوچ کا ذمہ دار نہیں ہوں۔'' التمش کچھ دیر پہلے رضیہ سلطانہ کو بعض اہم انتظامی امور کے بارے میں سمجھا رہا تھا کہ ترکان شاہ بلا اجازت خلوت گاہ میں داخل ہو گئی۔ نتیجتاً گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ التمش چاہتا تھا کہ ترکان شاہ جلد از جلد واپس چلی جائے۔

مگر ترکان شاہ کہاں ٹلنے والی تھی۔ ''آپ ہی ان قیاس آرائیوں کے ذمہ دار ہیں۔ اگر ولی عہدِ سلطنت کو جانشین بنا دیا جاتا تو ہرگز یہ صورتِ حال پیدا نہ ہوتی۔''

''کیسی صورتِ حال؟'' اچانک سلطان برہم نظر آنے لگا۔ ''اب کیا یہ نوبت آ گئی ہے کہ التمش اپنی سلطنت کو تمہاری آنکھوں سے دیکھے گا اور تمہارے دماغ سے انتظامی فیصلے کرے گا؟ امیرِ لشکر ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کا کون سا سپاہی کس صلاحیت کا حامل ہے اور کس محاذ پر جنگ کر سکتا ہے۔''

''تو کیا اب ایک عورت محاذِ جنگ پر لڑے گی اور تمام مرد اس کی قیادت میں سر جھکائے کھڑے رہیں گے؟'' ترکان شاہ اپنی جہالت پر اصرار کر رہی تھی۔

''اپنے دائرۂ اختیار میں رہو ترکان شاہ!'' سلطان کی برہمی شدید غصے میں تبدیل ہو گئی۔ ''میں آخری بار تنبیہہ کرتا ہوں کہ اگر تم اس دائرے سے باہر نکلیں تو بڑے خسارے میں پڑ جاؤ گی۔''

ترکان شاہ لرزتے جسم کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ اُس نے مزاجِ سلطانی کو آج تک اتنا برہم نہیں دیکھا تھا۔ پھر جب وہ خلعت گاہِ شاہی سے واپس جانے لگی تو التمش نے انتہائی تند و تیز لہجے میں اسے دوبارہ مخاطب کیا۔

''کل یقیناً میرا جسم دہلی میں موجود نہیں ہو گا مگر طویل فاصلوں کے باوجود میری آنکھیں نگراں ہوں گی۔ قصرِ سلطانی کی ایک ایک دیوار میری مخبر ہے۔ اور ایک ایک در میرا جاسوس..... مجھے ہر لمحے کی خبر ملتی رہے گی۔ خبردار! ایسی کوئی حرکت نہ کر بیٹھنا کہ تُو ملکۂ ہند کے منصب سے گر کر محض ایک معتوب لونڈی بن جائے۔''

ترکان شاہ کے پورے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ اُس نے آج تک شوہر کی اتنی قہرناک گفتگو نہیں سنی تھی۔ ترکان شاہ کانپتے قدموں سے دروازے تک پہنچ گئی۔

''اور یہ بھی یاد رکھنا کہ اگر میرے پیچھے شہزادی رضیہ کو کوئی نقصان پہنچا تو وہ صرف تیرے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔'' التمش کو ترکان شاہ کی انتقامی فطرت کا اندازہ ہو گیا تھا، اس لئے والیٔ ہند نے ہر امکانی خطرے کی پیش بندی کر دی تھی۔

❁==❁==❁

وزیرِ اعظم نظام الملک جنیدی اور بعض دوسرے امراء کا خیال تھا کہ اس کارِ دشوار کے لئے صرف ان ہی کا انتخاب کیا جائے گا۔ مگر جب سر دربار رضیہ سلطانہ کی جانشینی کا اعلان ہوا تو سب کے چہرے اُتر گئے۔ نظام الملک خود کو سب سے زیادہ مستحق سمجھتا تھا، اس لئے سلطان کے حضور میں خاموش نہ رہ سکا۔

''میری مجال نہیں کہ میں جلالت مآب کے کسی فیصلے سے انحراف کا تصور بھی کر سکوں۔ مگر اتنے اہم اور نازک عہدے پر شہزادی عالیہ کا تقرر....'' وزیرِ اعظم نے قصداً اپنی بات نامکمل چھوڑ دی لیکن درحقیقت وہ بات مکمل کر چکا تھا۔

''پھر تمہارے نزدیک جانشینی کے مسئلے کا کیا حل ہے؟'' سلطان کا لہجہ مدھم تھا۔ ''میری غیر موجودگی میں کوئی تو با اختیار شخص ہونا چاہئے۔ ورنہ یہ تاج و تخت لاوارث نظر آئیں گے۔''

نظام الملک براہِ راست اپنا نام پیش کرنا چاہتا تھا مگر اس نے ایک خاص مصلحت کے تحت گریز اختیار کیا۔ ''خدا سلطان کے وارثوں کو زندہ و سلامت رکھے۔ میری حقیر رائے میں شہزادہ رکن الدین اس منصب کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔''

''بدایوں کا علاقہ اس کے زیرِ انتظام ہے۔'' سلطان نے بات کو ٹالنے کی کوشش کی۔

''ان کی جگہ کوئی دوسرا عامل بھی مقرر کیا جا سکتا ہے۔'' نظام الملک جنیدی، شہزادہ رکن الدین کی پُرزور وکالت کر رہا تھا۔ اور اس وکالت کے پیچھے بس ایک یہی خواہش کارفرما تھی کہ تختِ دہلی پر رکن الدین جیسا کوئی عیش پرست حکمراں جلوہ افروز ہو۔ اور پھر نظام الملک جیسا ذہین سیاست دان اسے اپنے اشاروں پر نچاتا رہے۔ بظاہر تمام امراء التمش کے اطاعت گزار نظر آتے تھے مگر حقیقتاً وہ سلطان سے خوش نہیں تھے۔ اور ناخوشی کی بس ایک ہی وجہ تھی کہ سلطان ان کی عیاشیوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ التمش خود بھی سادہ زندگی بسر کرتا تھا اس لئے اپنے امراء کو بھی سادگی کی تلقین کرتا تھا۔ سلطان کو عورت و شراب سے نفرت تھی، اس لئے اس کے دورِ حکومت میں کسی مجلسِ کیف و نشاط کا آراستہ ہونا ممکن نہیں تھا۔ نتیجتاً وہ چھپ کر شراب پیتے اور زمین دوز تہہ خانوں میں رقص و سرود کی محفلیں سجاتے۔ التمش کو سماع سننے کا شوق تھا۔ سلطان کی خوشنودی کی خاطر امراء بھی سماع کی محفلوں میں شریک ہوتے مگر اس طرح کہ ساری رات اپنے آپ پر جبر کئے بیٹھے رہتے۔ پھر جب سماع ختم ہوتا تو سکون کی سانس لیتے جیسے انہیں طویل قید سے رہائی مل گئی ہو۔ التمش عدل و انصاف چاہتا تھا۔ اور امرائے سلطنت صرف اپنی مرضی کو قانون سمجھتے تھے۔ مختصراً یہی وہ تضادات تھے کہ جن کے باعث ترک سرداروں کی اکثریت، سلطان سے خفا رہتی تھی۔ وزیرِ اعظم نظام الملک جنیدی بھی ایک دنیا پرست انسان تھا۔ اسی لئے وہ التمش کے روبرو شہزادہ رکن الدین کی وکالت کر رہا تھا۔

''نظام الملک! کیا تُو سمجھتا ہے کہ تیرا سلطان تیرے عصا کے سہارے خارزارِ سیاست کو عبور کرے گا؟''

التمش کی آواز سے جلالِ شاہی اس قدر نمایاں تھا کہ نظام الملک جنیدی چند لمحوں کے لئے گھبرا سا گیا۔ مگر وہ ایک زمانہ ساز سیاست دان تھا، فوراً ہی لہجہ بدل کر بولا۔

''نمک خوارانِ سلطنت تو اور بھی ہیں عالی جاہ! مگر یہ خادم آپ کا بہی خواہ بھی ہے۔ شہزادی عالیہ کے انتخاب سے شہزادگان بندہ پرور میں بے دلی پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔ شہزادہ رکن الدین نہیں تو شہزادہ معز الدین سہی۔ اگر ان کی کم سنی اس کام میں مانع ہو تو پھر کسی تجربہ کار اور معتمد امیر کو شہزادے کا مدار المہام بنا دیا جائے۔''

''ابھی تیرا سلطان مرا تو نہیں ہے۔'' سلطان اپنے وزیراعظم کی محبت سے سخت بیزار نظر آ رہا تھا۔

''خدا میرے سلطان کو عمرِ خضر عطا فرمائے۔'' نظام الملک جنیدی نے بگڑی ہوئی صورتِ حال کو سنوارنے کے لئے خوبصورت الفاظ کا سہارا لیا۔ ''میں تو چاہتا ہوں کہ شہزادگانِ عالی کا اعتماد بحال ہو اور ان کے ذہن ہر قسم کے انتشار سے محفوظ رہیں۔'' وزیراعظم ہند کو بھی ایک عورت کی غلامی منظور نہیں تھی، اس لئے وہ مختلف دلائل دے کر سلطان کے فیصلے پر اثر انداز ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اگر وہ میرے بیٹے ہیں تو اپنے دلوں میں کوئی گرانی محسوس نہیں کریں گے۔'' نظام الملک کی منطق سے سلطان کا فیصلہ ذرا بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔ ''شہزادی رضیہ سلطانہ میری نمائندہ ہے۔ اہلِ وفا اس کی حاکمیت کو دل سے قبول کریں گے۔ اور جو منکر ہوں گے، ان سے میرا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔'' التمش نے در پردہ نظام الملک جنیدی کو بھی تنبیہہ کر دی تھی۔

وزیراعظم ہند، سلطان کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر کھڑا ہو گیا۔ ''خادم اپنے الفاظ واپس لیتا ہے اور تہہ دل سے شہزادی عالیہ کی مکمل وفاداری کا اقرار کرتا ہے۔'' یہ ایک منافقانہ عہد تھا۔ بظاہر اس کی گردن جھکی ہوئی تھی مگر دل و دماغ میں غبار بھرا ہوا تھا۔

❁==❁==❁

گوالیار پر لشکر کشی کا اعلان سنتے ہی سوامی دینا ناتھ اور ٹھاکر بلرام سنگھ کے ہوش اُڑ گئے تھے۔

''تُو نے دیکھا ٹھاکر! ایک اور ہندو ریاست شمشان بننے والی ہے۔'' سوامی دینا ناتھ کے لہجے سے شدید طنز جھلک رہا تھا۔ ''اب بھی وقت ہے، ان سازشوں سے باز آ جا۔ خود بھی زندگی کے باقی دن ہنسی خوشی گزار دے اور مجھے بھی سکون سے جینے دے۔'' سوامی دینا ناتھ، دہلی کا ایک ماہر جوتشی تھا۔ اس کے باپ مہندر ناتھ نے پرتھوی راج چوہان کی شکست کی پیش گوئی کی تھی، جسے سن کر راجپوت سمراٹ برہم ہو گیا اور اس نے مہندر ناتھ کو سر دربار قتل کرا دیا۔ اس وقت دینا ناتھ پندرہ سولہ سال کا ایک خوبصورت لڑکا تھا۔ باپ کے قتل ہوتے ہی وہ بنارس بھاگ گیا اور اس نے ہندوستان کے مشہور سیاسی پنڈت گیان چند کی شاگردی اختیار کر لی۔ دینا ناتھ اپنے باپ سے نجوم کی ابتدائی تعلیم حاصل کر چکا تھا، پھر پنڈت گیان چند نے کئی سالوں کی شدید محنت اور توجہ کے بعد دینا ناتھ کو ستاروں کے علم میں مکمل کر دیا۔ گیان چند نے اسے ہست ریکھا (دست شناسی) کی شکتی بھی دی اور کچھ سفلی علوم بھی سکھا دیئے جن کے ذریعے وہ شعبدہ بازی کے چھوٹے موٹے مظاہرے کرتا اور توہم پرست لوگ اسے ''مہاتما'' سمجھنے لگتے۔ پھر وہ اپنے گرو سے اجازت لے کر سلطان قطب الدین ایبک کے دورِ حکومت میں دہلی آیا۔ توہم پرست ہندوؤں نے بہت جلد اسے اپنے سروں پر بٹھا لیا۔

پھر جب اس کی شہرت میں اضافہ ہوا تو ٹھاکر بلرام سنگھ اور دوسرے شکست خوردہ راجپوت سردار بھی دینا ناتھ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ دینا ناتھ ایک عیار شخص تھا۔ اس نے راجپوتوں سے اپنے باپ کی موت کا انتقام لینے کے لئے ایک ڈھونگ رچایا کہ صرف اس کے منتر ہی مسلمانوں کی حکومت کو تباہ کر سکتے ہیں۔ راجپوت سردار اس کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر ان سب نے مل کر دینا ناتھ کی محل نما کٹیا تعمیر کی۔ بلرام سنگھ، سوامی کی آڑ لے کر ایک خوف ناک کھیل کھیلنا

چاہتا تھا۔ راجپوت سرداروں نے دینا ناتھ کے روحانی کمالات کی اس قدر تشہیر کی کہ ملکۂ ہند ترکان شاہ بھی اُس کی لپیٹ تک جا پہنچی۔ سلطان التمش کے کانوں تک بھی یہ خبریں پہنچ چکی تھیں کہ اس کی حدودِ سلطنت میں ایک باکمال ہندو جوگی رہتا ہے جس کے علم و ہنر سے دہلی کے لوگ بہت زیادہ متاثر ہو رہے ہیں۔

آخر ایک دن والیٔ ہند نے اسے اپنے دربار میں طلب کرتے ہوئے کہا۔

''سوامی دینا ناتھ! آج کل تیرے علم و فن کا بڑا چرچا ہے۔ میرے اہلِ دربار کو بھی کوئی شعبدہ دکھا تاکہ یہ لوگ بھی کچھ محظوظ ہوں۔''

ترکان شاہ بھی پردے کے پیچھے موجود تھی اور یہ سوچ کر خوف زدہ ہو رہی تھی کہ کہیں سوامی دینا ناتھ، سلطان کے سامنے اس کا راز فاش نہ کر دے۔

سوامی نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''سمراٹ! یہ شعبدہ نہیں، ایک زندہ علم ہے جس کی حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔''

''کچھ بھی سہی! بہر حال اپنے کمالات کا مظاہرہ کر۔'' سلطان التمش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سوامی دینا ناتھ نے امرائے سلطنت سے پوچھا کہ اس وقت وہ کون سا پھل کھانا پسند کریں گے؟ ترک سرداروں نے دینا ناتھ کو مختلف پھلوں کے نام بتائے اور مضحکہ خیز نظروں سے لمبی جٹاؤں والے اس شخص کو دیکھنے لگے جو صرف ایک دھوتی میں ملبوس تھا، جس کے گلے میں کئی مالائیں لٹک رہی تھیں اور ہاتھوں کی تمام اُنگلیاں انگوٹھیوں سے بھری ہوئی تھیں۔

سوامی ہر بار ہوا میں ہاتھ لہراتا اور دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں کسی ترک سردار کا مطلوبہ پھل موجود ہوتا۔ دینا ناتھ کے اس مظاہرے نے اہلِ دربار کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔ آخر میں سوامی، والیٔ ہندوستان سے مخاطب ہوا۔

''سمراٹ! اب آپ بھی اپنے لئے کوئی مٹھائی، پھل یا کوئی اور چیز پسند فرما لیجئے۔''

سلطان التمش چند لمحوں تک سوچتا رہا، پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ''اللہ نے ہمیں دنیا کی ہر نعمت سے نوازا ہے سوامی! لیکن اگر تیری خواہش ہے تو پھر کوئی سوکھی ہوئی روٹی پیش کر کہ اس غذا کو چکھے ہوئے زمانے گزر گئے۔''

دینا ناتھ کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک اُبھر آئی۔ سلطان نے اس سے بہت معمولی چیز طلب کی تھی۔

''ابھی حاضر کرتا ہوں سمراٹ!''

یہ کہہ کر سوامی نے حسبِ معمول اپنے ہاتھ کو ہوا میں نچایا۔ مگر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ خالی تھا۔ دینا ناتھ اپنی ناکامی پر حیران رہ گیا۔ پھر اس نے جھنجلا کر بار بار اپنے ہاتھ کو حرکت دی، کئی زاویے بدلے مگر اس کا ہاتھ خالی ہی رہا۔ آخر سوامی عاجز آ گیا اور اس نے آگے بڑھ کر سلطان کے پیروں پر سر رکھ دیا۔

''سمراٹ! آپ تو مجھ سے بھی بڑے مہاتما ہیں۔'' دینا ناتھ، سلطان کے قدموں سے لپٹا گریہ و زاری کر رہا تھا۔ ''مجھے میرا گیان لوٹا دیجئے پربھو (مالک)! نہیں تو دینا ناتھ اپنی قوم کے سامنے سوامی سے ایک بھکاری بن کر رہ جائے گا۔''

''کھڑا ہو جا!'' التمش نے پُر جلال لہجے میں کہا۔ ''تجھے پوری آزادی ہے، جیسے چاہے ریاضت کر اور جیسے چاہے منتر پڑھ۔ مگر تیرے جس ہنر سے کم فہم اور کم نظر لوگ گمراہی کا شکار ہوں، اسے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا ہے۔ آج کے بعد تو کوئی شعبدہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔''

سوامی دینا ناتھ بہت دیر تک سلطان سے التجا کرتا رہا کہ اس کا ہنر اسے لوٹا دیا جائے مگر التمش نے ایک شعبدہ باز کی فریاد پر کوئی دھیان نہیں دیا۔

''اسے انعام و اکرام دے کر رخصت کر دو۔'' سلطان اپنے خدمت گاروں سے مخاطب ہوا۔ ''یہ شعبدہ باز سہی مگر پھر بھی ہماری خواہش پر ہمارے دربار میں حاضر ہوا تھا۔ اور ہمارا یہ مزاج نہیں کہ ہم کسی کو خالی ہاتھ لوٹا دیں۔''

سوامی دینا ناتھ شرم سے سر جھکائے لرزتے قدموں کے ساتھ واپس چلا گیا اور امرائے سلطنت کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ ان کا سلطان بھی باکمال انسان ہے، جس کی ایک ہی نظر نے سوامی کا سارا گیان سلب کر لیا تھا۔

سوامی دینا ناتھ ایک عجیب سا احساسِ شکست لئے دہلی سے بنارس پہنچا اور پھر اپنے گرو کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ ''مہاراج! میرا گیان جو مسلمانوں کے بادشاہ نے مجھ سے چھین لیا ہے، اسے آپ ہی لوٹا سکتے ہیں۔''

پنڈت گیان چند کچھ دیر آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا، پھر انتہائی شکستہ لہجے میں سوامی سے مخاطب ہوا۔ ''دینا ناتھ! اب تیرے بھاگ میں کچھ نہیں ہے۔ اس مسلمان فقیر نے تیرا سب کچھ بھسم کر دیا۔''

''مہاراج! وہ فقیر کہاں ہے؟'' سوامی دینا ناتھ نے حیرت سے کہا۔ ''وہ تو دہلی کا سمراٹ ہے۔''

''مورکھ! تجھے کیا نظر آئے گا؟'' پنڈت گیان چند نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا۔ ''وہ سمراٹ کے پردے میں چھپا ہوا فقیر ہے۔ اسے بس آنکھ والے ہی دیکھ سکتے ہیں۔''

''بھگوان کے لئے کچھ تو کیجئے مہاراج!'' سوامی نے پنڈت گیان چند کے پاؤں پکڑ لئے۔

''میرا گیان مجھے بتاتا ہے کہ وہ بادشاہ فقیر ایک اور بڑے فقیر کے سائے میں ہے۔'' پنڈت گیان چند نے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی طرف اشارہ کیا تھا مگر وہ آپؒ کے نام سے واقف نہیں تھا۔ ''تُو کیا اور تیرا گرو کیا۔ سارے بھارت کے سادھو، مہنت اور جوگی مل کر بھی مسلمانوں کے سمراٹ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تیری بھلائی اسی میں ہے کہ دہلی چھوڑ دے یا پھر چپ چاپ ایک کونے میں پڑا رہ۔ اگر تُو نے ایسا نہیں کیا تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔''

سوامی خاموشی سے واپس چلا آیا۔ پھر اس دن کے بعد سے دینا ناتھ نے التمش کے خلاف سازشیں ترک کر دی تھیں اور ٹھاکر بلرام سنگھ کو بھی موقع بہ موقع باز رہنے کی تلقین کرتا رہتا تھا۔ راجہ گوالیار کے خلاف لشکر کشی کا اعلان سن کر ایک بار پھر دینا ناتھ نے ٹھاکر بلرام سنگھ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''بزدلی کی باتیں مت کر سوامی!'' بلرام سنگھ نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ ''جب تک تن میں سانس ہے، تب تک من میں آس ہے۔ شاید یہ اس کی زندگی کی آخری جنگ ثابت ہو۔ گوالیار کا قلعہ کسی مزدور کی جھونپڑی نہیں، وہ لوہے پتھر کا ایک ایسا محفوظ گھر ہے جس سے ٹکرا کر آدمی مر تو سکتا ہے، اسے تسخیر نہیں کر سکتا۔ مجھے اسی دن کا انتظار تھا سوامی!'' بلرام سنگھ بہت زیادہ خوش نظر آ رہا تھا۔

''ٹھاکر! تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔'' سوامی دینا ناتھ بیزار نظر آ رہا تھا۔

''میں نے اسی دن کے لئے ان پانچ ہزار راجپوت سورماؤں کو جمع کیا تھا۔'' بلرام سنگھ نے ایک ایک نقطہ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''تیرے یہ سورما کیا کریں گے ٹھاکر؟'' سوامی کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ نمایاں تھی۔ ''سلطان ان سے نئی فوجی چھاؤنی تعمیر کرا رہا ہے اور تیرے راجپوت جیالے مزدوروں کی طرح اینٹیں اور پتھر ڈھو رہے ہیں۔''

''اب وہی مزدور میدانِ جنگ کا رخ کریں گے۔'' بلرام سنگھ نے شراب کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ ''گوالیار پر فوج کشی اتنی آسان نہیں ہے۔ اب التمش کو نئے سپاہیوں کی ضرورت پیش آئے گی اور اس ضرورت کی تکمیل میرے آدمی کریں گے۔''

''پھر؟'' سوامی کے چہرے پر ایک بڑا سوالیہ نشان اُبھر آیا تھا۔

''پھر یہ ہندو دھرم کے رکھشک اور دھرتی ماں کے رکھوالے، سلطان کی فوج میں شامل ہو جائیں گے اور اس وقت ہنگامہ برپا کریں گے، جب گھمسان کا رن پڑا ہوگا اور کسی کو کسی کی خبر نہیں ہوگی۔'' بلرام سنگھ شراب کے نشے میں جھومتے ہوئے اپنے منصوبے کی تفصیلات بتا رہا تھا۔ ''درگا کے یہ پجاری راجہ پورس کے ہاتھی بن جائیں گے اور سلطان کے لشکر کو روند کر رکھ دیں گے۔''

سوامی کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ہلکے سے قہقہے میں تبدیل ہوگئی۔ ''تیرا خواب بہت دلکش ہے ٹھاکر! مگر خواب آخر خواب ہوتا ہے۔ بازی کو اس انداز سے بھی کھیل کر دیکھ لے۔''

❄==❄==❄

پھر اسی دن ٹھاکر بلرام سنگھ خفیہ طور پر امر سنگھ سے ملا۔ اور امر سنگھ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

''سمراٹ! آپ کا نمک کھاتے ہوئے بہت دن گزر گئے۔ اب تو ہمیں سیوا کا موقع دیجئے۔''

سلطان نے ایک بار پھر نو مسلح راجپوتوں کے سرغنہ کی طرف حیرت سے دیکھا۔ بات کرتے وقت وہ بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہا تھا۔ ''ابھی تمہاری آزمائش کا وقت نہیں آیا ہے۔''

''حضورِ والا! ان لوگوں کی آزمائش کے لئے یہی بہترین موسم ہے۔'' وزیرِ اعظم نظام الملک جنیدی نے سرگوشی میں کہا۔ ''انہیں فوج کے اگلے دستے میں رکھ کر آزما لیجئے۔ اگر یہ وفادار ہوں گے تو دشمنوں کی خوراک بن کر مورچے توڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے..... اور اگر ان کے سینوں میں کھوٹ ہوگا تو پلٹ کر بھاگیں گے۔ نتیجتاً ہماری شمشیروں کی پیاس بجھ جائے گی۔''

''نظام الملک! تجھے خبر نہیں کہ گوالیار کا محاذ کس قدر مشکل محاذ ہے۔'' سلطان کا لہجہ بھی سرگوشیانہ تھا۔ ''میں ایسے موقع پر کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے ان لوگوں پر اعتبار ہی نہیں ہے۔''

امر سنگھ شریکِ جنگ ہونے کے لئے بہت اصرار کرتا رہا مگر التمش نے اسے یہ کہہ کر ٹال دیا۔

''تم دہلی میں رہ کر بھی اپنے سلطان کے دوش بہ دوش لڑتے رہو گے۔''

امر سنگھ اس طرح سر جھکائے واپس چلا گیا، جیسے جنگ کئے بغیر ہی اسے شکست ہوگئی ہو۔

پھر جب امر سنگھ نے ٹھاکر بلرام سنگھ کو اپنی ناکامی کی خبر دی تو سوامی دینا ناتھ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ ''میں نہ کہتا تھا، ٹھاکر! تُو یہ بازی بھی ہار جائے گا۔''

''برہمن اور راجپوت میں یہی تو فرق ہوتا ہے سوامی!'' ٹھاکر بلرام سنگھ انتہائی غضب ناک نظر آ رہا تھا۔ ''برہمن صرف ٹھنڈی چھاؤں کا شریک ہے..... اور راجپوت تپتی دھوپ کا ساتھی۔ کچھ بھی ہو دینا ناتھ! میں ہار ماننے والا نہیں۔ جب تک تن میں سانس ہے، تب تک من میں آس ہے۔''

❁==❁==❁

رضیہ سلطانہ کی کنیز فردوس بڑی اذیت میں مبتلا تھی۔ جب سے بہرام غوری قصرِ شاہی چھوڑ کر فوجی چھاؤنی چلا گیا تھا، اسی دن سے فردوس کے کرب میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اذیت تو اُس کا مقدر تھی کہ ایک کنیز نے ایسے مرد کی تمنا کی تھی جو نسلاً شہزادہ تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ کسی دوسری عورت کو چاہتا تھا۔ مگر جب تک بہرام غوری قلعۂ معلیٰ میں مقیم رہا، اس وقت تک فردوس کو یہ طمانیت حاصل تھی کہ اس کا محبوب نظروں کے سامنے ہے۔ کچھ دیر کے لئے سہی، مگر اس کی پیاسی آنکھیں کسی نہ کسی طرح دیدارِ یار سے سیراب ہو جاتی تھیں۔ مگر جب موسمِ فراق آیا تو یہ رعایت بھی چھن گئی۔ اب اُس کی خلوت میں خلشِ دل تھی۔ سلگتے جذبوں کا دھواں بھرا ہوا تھا۔ پھر جب فردوس نے یہ خبر سنی کہ گوالیار کی جنگی مہم میں بہرام غوری بھی سلطان کے ہمراہ جا رہا ہے تو وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی۔ اور نتائج کی پروا کئے بغیر فوجی چھاؤنی پہنچ گئی۔

فردوس کو دیکھ کر بہرام غوری حیرت زدہ رہ گیا۔ پھر یہ سوچ کر اس کے دل میں خوشی کا ایک طوفان سا اُٹھنے لگا کہ شاہی کنیز، شہزادی رضیہ سلطانہ کا کوئی پیغام لے کر آئی ہے۔

''فردوس! خیریت تو ہے؟'' بہرام غوری بمشکل چند الفاظ ادا کر سکا۔

''ہاں شہزادے! سب لوگ بعافیت ہیں۔'' فردوس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور شدید رقت کے سبب اسے بات کرنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔

''مگر تمہارے یہ آنسو؟'' بہرام غوری سمجھ گیا کہ رضیہ سلطانہ کا کوئی پیغام نہیں، خود شاہی کنیز پر کوئی افتاد آ پڑی ہے۔

''یہ آنسو تو میرے اپنے غم کے ترجمان ہیں شہزادے!'' فردس کی اشکبار آنکھیں بہرام غوری کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ''میں ایک کنیز ہوں، میرے لئے نیک نامی اور رسوائی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ بس یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ کہیں میرے اس اقدام سے آپ کی باوقار شخصیت متاثر نہ ہو جائے۔''

بہرام غوری کسی حد تک فردوس کی اشاراتی گفتگو سمجھ گیا تھا۔ مگر پھر بھی وضاحت طلب نظروں سے شاہی کنیز کی طرف دیکھنے لگا۔

''شہزادے! آپ کو نذر کرنے کے لئے اس کنیز کے پاس چند لفظوں کے سوا کچھ نہیں۔'' شدتِ جذبات سے فردوس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

''تمہارے مجھ پر بہت احسانات ہیں فردوس!'' بہرام غوری نے کنیز کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔ ''تم اپنی کم مائیگی کا ذکر کیوں کرتی ہو؟ خود میں تمہارے احسانات کا بدلہ دینے کے لائق نہیں ہوں۔''

''اور وہ الفاظ بھی آپ کے شایانِ شان نہیں۔'' فردوس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''مگر میں کیا کروں؟ میری متاعِ حیات بھی یہی چند الفاظ ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ کاتبِ تقدیر نے کس کے لئے کیا لکھا ہے؟ پھر

[illegible] خدا کے حضور دامن پھیلا کر آپ کی سلامتی مانگتی ہوں۔ ساری آفتیں اور بلائیں میرے سر سے گزر جائیں اور [illegible] آپ کے جسم پر کسی حادثے کی خراش تک نہ آئے۔''

بہرام غوری سناٹے میں آ گیا۔ اسے کئی بار شک تو ہوا تھا کہ فردوس کی آنکھوں میں بھی کوئی پیغام پوشیدہ ہے مگر [illegible] سلطانہ کے جنوں خیز عشق نے بہرام غوری کو اتنی مہلت ہی نہیں دی تھی کہ وہ اپنے گرد و پیش کی فضاؤں پر ایک [illegible] ہوئی نظر بھی ڈال سکے۔ آج جب شاہی کنیز خوفِ رسوائی سے بے نیاز، شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر فوجی [illegible] پہنچ گئی تو بہرام غوری کو اندازہ ہوا کہ اس کی طرح ایک معصوم دوشیزہ بھی عشق بلا خیز کا شکار ہو گئی ہے۔

''تیری دعائیں میری زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں فردوس!'' بہرام غوری کے لہجے میں دل کا سارا درد سمٹ [illegible] تھا۔ ''مگر تجھے تو خبر تھی کہ میں کسی اور منزل کا مسافر ہوں۔''

''شہزادے! دل پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔'' فردوس اپنے محبوب کو مسلسل دیکھے جا رہی تھی۔ ''انسان فطرتاً بڑا [illegible] واقع ہوا ہے۔ ایک اندھا بھی اس منزل کے خواب دیکھتا ہے جس تک اس کی رسائی ممکن نہیں ہوتی۔ مگر پھر [illegible] طلب میں قدم قدم ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن راستے میں اسے موت آ جاتی ہے۔ میں [illegible] ایک نابینا ہوں شہزادے! اس لئے اپنا انجام بھی جانتی ہوں۔''

''تو نے اپنی جانِ حزیں پر یہ کیسا ستم کیا ہے فردوس؟'' بہرام غوری کی آنکھوں میں دُھند سی نظر آ رہی تھی جیسے وہ [illegible] آنسوؤں کو پینے کی کوشش کر رہا ہو۔

''میں آپ کے تغافل کی شکایت بھی نہیں کرتی اور اس کے سوا کچھ مانگتی بھی نہیں کہ بس شہنشاہ کو ایک کنیز کے [illegible] عشق کی خبر ہو جائے۔ پھر وہ دار پر کھینچ دی جائے یا اس کی لاش سے وفا کے مقتل کو سجا دیا جائے۔''

''میں شہنشاہ نہیں فردوس!'' بہرام غوری کی آنکھوں کی نمی اس کے حلق میں اُتر آئی تھی۔ ''ایک شہزادہ ہوں، جس [illegible] پہچان بھی ہندوستان میں گم ہو کر رہ گئی ہے۔''

''میرا جسم کسی شہنشاہ، کسی سلطان کا تابع ہو سکتا ہے مگر دل کو آپ کے سوا کسی فرمانروا کی غلامی منظور نہیں۔'' [illegible] کے سینے میں دبی ہوئی آگ اس کے چہرے پر روشن ہو گئی تھی۔ ''میرے شہنشاہ تو صرف آپ ہیں..... مملکتِ [illegible] کے شہنشاہ..... سلطنتِ جذبات کے سلطان.....'' کنیز نے اپنے شہنشاہ کے حضور نذرانۂ عقیدت پوری سچائی کے [illegible] پیش کر دیا تھا۔

بہرام غوری بہت دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر بہت آہستہ سے بولا۔ ''تیری نذر قبول کی گئی فردوس! مگر تیرا [illegible] ایک معزول اور جلا وطن شہنشاہ ہے۔ اس کے پاس تجھے دینے کے لئے کچھ نہیں..... کچھ بھی نہیں۔'' یہ کہہ کر [illegible] غوری نے منہ پھیر لیا۔ اب اسے اپنے آنسوؤں پر قابو پانا دشوار نظر آ رہا تھا۔

فردوس واپس چلی گئی۔ اور تنہا کمرے میں بہرام غوری کی آواز گونجتی رہی۔

''اے خدا! ہمیں معاف کر دے کہ ہم تیرے بہت کمزور بندے ہیں۔''

❁==❁==❁

[illegible] قصرِ شاہی روشن تھا اور تمام مکین جاگ رہے تھے۔

ترکان شاہ بار بار کروٹیں بدل رہی تھیں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کا بستر زہریلے کانٹوں سے بھر گیا ہو۔

اور سلطان شمس الدین التمش اپنے مخصوص کمرے میں شہزادی رضیہ سلطانہ سے ہم کلام تھا۔

''میری غیر موجودگی میں اپنی ماں ترکان شاہ پر گہری نظر رکھنا۔ وہ بیٹے کی محبت میں پاگل ہو گئی ہے، اس کا بس نہیں چلتا ورنہ رکن الدین کی تاجپوشی کے لئے میری موت پر بھی راضی ہو جاتی۔''

''بابا محترم!'' رضیہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ آج پہلی بار شہزادی نے باپ کی گفتگو کے آئینے میں سوتیلی ماں کے حقیقی خدوخال دیکھے تھے۔

''خاموشی سے سنتی رہو۔'' التمش نے بیٹی کو تنبیہہ کی۔ ''یہ دنیا ہے اور یہاں دولت کے اکثر ذخیروں میں انسانی خون شامل ہوتا ہے اور اکثر حکومتوں کی بنیاد بنی نوع آدم کی لاشوں پر رکھی جاتی ہے۔''

شہزادی بہت غور سے سلطان کی گفتگو سن رہی تھی۔

''یاد رکھنا کہ کوئی شہزادہ اور کوئی ترک سردار تمہاری جانشینی سے خوش نہیں ہے۔'' التمش نے سیاست کے ایک اہم راز کو رضیہ سلطانہ پر ظاہر کر دیا تھا۔

''گستاخی معاف بابا محترم!'' شہزادی نے بصد احترام عرض کیا۔ ''پھر آپ میری خاطر اراکین سلطنت کی ناراضگیاں خرید رہے ہیں۔''

''اگر تم دنیاوی نقطۂ نظر سے بات کرتی ہو تو خداوند ذوالجلال نے مجھے اس ملک میں با اختیار بنایا ہے میں ہندوستان کے بازارِ سیاست کا سب سے بڑا خریدار ہوں۔ جس چیز کو چاہوں خریدوں اور جس شے کو چاہوں مسترد کر دوں۔'' التمش نے ٹھہر ٹھہر کر کہا جیسے وہ کوئی خاص نکتہ شہزادی کو ذہن نشین کرانا چاہتا ہو۔ ''مگر میں اپنے نفس کو مخلوقِ خدا کے حقوق پر ترجیح نہیں دیتا۔ جب میری زنجیرِ غلامی کاٹ کر مجھے فرمانروا بنا دیا گیا تو پھر میں اپنے مالک کا شکر کیوں نہ ادا کروں۔'' یکایک سلطان بہت زیادہ جذباتی نظر آنے لگا تھا۔ ''یہ بدترین ناشکری ہے کہ میں قوم کی امانت ناکارہ ہاتھوں میں دے دوں اور وہ ہاتھ مسلمانوں کی وراثت کو شراب کی صراحی میں ڈبو دیں۔ مشیت الٰہی میں کیا طے ہو چکا ہے، مجھے خبر نہیں۔ مگر میں جیتے جی تو ایسا نہیں کروں گا۔''

رضیہ سلطانہ نے سر جھکا دیا۔ آج شہزادی پر اپنی جانشینی کا سبب واضح ہو گیا تھا۔

''اور آج سے جمال الدین یاقوت تمہارا محافظِ خاص ہو گا۔'' سلطان نے اپنے ایک اور فیصلے سے شہزادی کو آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس شخص پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔''

حبشی زادے کا نام سن کر رضیہ سلطانہ کو عجیب سا احساس ہوا مگر وہ اپنے اس احساس کو کوئی نام نہیں دے سکتی تھی۔

پھر جب سلطان کا اشارہ پا کر شہزادی رخصت ہو گئی تو وزیر اعظم کو خلوتِ شاہی میں طلب کر لیا گیا۔

''نظام الملک! ان نومسلم راجپوتوں پر کڑی نگاہ رکھنا۔'' سلطان نے وزیر اعظم کو حکم دیا۔ ''اس کے ساتھ ہی قلعے کے محافظ سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ کر دینا۔''

''اور کوئی حکم؟'' نظام الملک جنیدی نصف قد تک جھک گیا۔

''بس تم اہلِ وفا میں شامل رہنا۔'' سلطان نے اس طرح حسرت زدہ لہجے میں کہا جیسے بازارِ دنیا میں جنسِ وفا ناپید ہو گئی ہو۔

''حرام ہے نظام الملک جنیدی پر وہ زندگی جو سلطانِ ذیشان کی اطاعت و فرمانبرداری سے خالی ہو۔'' وزیر اعظم کے لہجے پر گمان ہوتا تھا کہ جیسے کوئی خوشامدی شاعر کسی فرمانروا کی شان میں قصیدہ پڑھ رہا ہو۔

التمش نے دایاں ہاتھ فضا میں بلند کیا۔ یہ تخلیے کا اشارہ تھا۔ وزیر اعظم نظام الملک اُلٹے پاؤں خلوت گاہِ سلطانی سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

❁==❁==❁

نماز فجر ادا کرتے ہی سلطان شمس الدین التمش اپنی فوج کے ہمراہ ''مہرولی'' پہنچا جہاں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خانقاہ تھی۔ سلطان کی آمد کی خبر سن کر حضرت قطبؒ خود خانقاہ کے دروازے پر تشریف لائے۔ ہر طرف انسانی سر اور گھوڑے نظر آ رہے تھے۔ سلطان التمش، حضرت شیخ کے آنے سے پہلے ہی گھوڑے کی پشت سے اُتر کر دروازے پر کھڑا ہو گیا تھا۔ حضرت قطبؒ کو دیکھ کر والیٔ ہند گھٹنوں کے بل فرشِ خاک پر جھک گیا۔

''کدھر کا ارادہ ہے سلطان؟'' حضرت قطبؒ نے سلطان کے دونوں بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے فرمایا۔

''سیدی! یہ بندۂ عاجز راجہ گوالیار سے اس کے مظالم کا حساب لینے جا رہا ہے۔'' التمش نے سر جھکاتے ہوئے عرض کیا۔

''خدا تمہاری مدد فرمائے گا۔'' حضرت قطبؒ نے التمش کے سر پر اپنا دستِ مبارک رکھ دیا۔

التمش پیچھے ہٹا اور ایک سپاہی کے ہاتھ سے اپنا پرچم لے کر حضرت قطبؒ کی طرف بڑھا دیا۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اسلامی پرچم ہاتھ میں لے لیا اور بلند آواز میں فرمایا۔ ''یا حی و قیوم! اپنے نام لیواؤں کو منکروں کے لشکر پر غالب فرما۔''

پھر التمش نے فوجی انداز میں پیر و مرشد کے حضور سلامی پیش کی اور پھر اس نوجوان کو اپنے ہمراہ لے کر گوالیار کی طرف روانہ ہو گیا جس نے راجہ دیوپل کے مظالم کی خبر دہلی پہنچائی تھی۔

❁==❁==❁

سلطان کے رخصت ہوتے ہی رضیہ سلطانہ نے پہلا دربار منعقد کیا اور چہرے پر نقاب ڈال کر دربارِ شاہی میں داخل ہوئی۔ شہزادی کے احترام میں وہ امراء سب کھڑے ہو گئے جو عمر میں سلطان التمش سے بھی بڑے تھے۔ مجبوراً بزرگانِ شاہی کو بھی اپنی نشستوں پر ایستادہ ہونا پڑا۔ ان میں ترکان شاہ بھی شامل تھی، جس کا چہرہ نفرت و حسد کے مارے سیاہ ہو گیا تھا۔ تخت پر بیٹھنے سے پہلے رضیہ سلطانہ نے اپنے باپ کی طرح با آواز بلند کہا۔

''تمام بڑائیاں اور تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔''

وہ ساعت بڑی کیف آور تھی جب ایک نوعمر دوشیزہ اقتدار کی لذت سے ہم کنار ہوئی۔ تختِ شاہی پر بیٹھ کر رضیہ سلطانہ بڑے بڑے قد آور سردار بھی پست قامت نظر آ رہے تھے۔ اس رات ایک لمحے کے لئے بھی شہزادی کی آنکھ نہ لگی۔ مگر یہ بے خوابی اذیت ناک بے خوابی نہیں تھی..... انتہائی مسرت انگیز ''رت جگا'' تھا..... اور اس مسرت کا تسلسل اس وقت ٹوٹ جاتا تھا، جب شہزادی کی نظر خواب گاہ کے دروازے پر جاتی تھی جہاں سلطنتِ دہلی کا امیر ''اہل دربان کی حیثیت سے پہرہ دے رہا تھا۔

❁==❁==❁

سلطان کی روانگی کے پندرہ دن بعد ہی شہزادہ رکن الدین بدایوں سے دہلی پہنچ گیا۔ شہزادی رضیہ سلطانہ نے اس خبر کو حیرت سے سنا مگر بھائی سے کوئی باز پرس نہیں کی۔ وہ خاموشی اور رازداری کے ساتھ رکن الدین کی آمد کا سبب جاننا چاہتی تھی۔ نتیجتاً رضیہ سلطانہ نے اپنے چند خدمت گاروں اور کنیزوں کو شہزادے کی جاسوسی پر متعین کر دیا۔

پھر اسی رات ملکۂ ہند ترکان شاہ کی نگرانی میں تمام ترک سرداروں کا ایک خفیہ اجلاس ہوا۔

''نظام الملک! تجھے ایک عورت کی غلامی منظور ہے؟'' ترکان شاہ کسی تکلف کے بغیر وزیراعظم ہند سے مخاطب ہوئی۔

''ملکۂ عالیہ! نظام الملک نے وقت کی رفتار کا اندازہ کر لیا تھا، مصلحتاً اس نے ترکان شاہ کو اس لقب سے یاد کیا جسے سننے کے لئے وہ برسوں سے تڑپ ہی تھی۔ ''سلطانِ عالی مقام کے حکم سے مجبور ہوں۔''

''اور تو کیا کہتا ہے تاج الدین؟'' ترکان شاہ نے التمش کے ایک اور معزز سردار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''ملکۂ ہند خوب جانتی ہیں کہ ہم نے اپنی خوشی سے غلامی کا یہ طوق نہیں پہنا ہے۔'' تاج الدین نے ترکان شاہ کو ملکۂ عالیہ کہہ کر نہیں پکارا تھا۔

انا کی قیدی عورت اس چوٹ سے زخمی ہو گئی۔ ترکان شاہ چیخنا چاہتی تھی مگر ضبط کر گئی۔ ''پھر تم لوگ کب تک یہ طوق پہنے رہو گے؟'' ملکۂ ہند کے لہجے میں بڑی نفرت تھی۔

''جب تک شہزادۂ عالم تختِ ہند پر جلوہ افروز نہیں ہو جاتے۔'' تاج الدین کے بجائے وزیراعظم نظام الملک جنیدی نے جواب دیا۔ ''میں نے شہزادی معظمہ کی جانشینی پر اعتراض کیا تھا مگر سلطانِ ذی حشم نے میرے مشورے کو اس طرح مسترد کر دیا، جیسے کسی بھکاری کے سوال سے ناخوش ہو کر اس کا کاسۂ گدائی اس کے منہ پر مار دیا جائے۔''

نظام الملک نے شہزادہ رکن الدین کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے اس واقعے کو بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کیا۔

''ہمیں تجھ پر اعتبار ہے نظام الملک!'' تنگ نظر اور خوشامد پرست ترکان شاہ، وزیراعظم کی پُرفریب باتوں سے بہل گئی اور اس کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ ''مگر کیا تیری طرح دوسرے ترک سردار بھی شہزادۂ عالم کی اطاعت پر رضامند ہیں؟'' ترکان شاہ نے ترک امیروں کی قطار پر نظر ڈالی۔

''یقیناً..... یقیناً.....'' امرائے سلطنت کی آوازوں سے پورا کمرہ گونجنے لگا۔

''تو پھر میرے سامنے حلف اٹھاؤ اور شہزادۂ عالم کے ہاتھ پر بیعت کرو۔'' ترکان شاہ پُرجوش لہجے میں بولی۔

''مگر اس بیعت سے پہلے ہماری ایک شرط ہے۔'' کئی ترک سرداروں نے بیک زبان کہا۔

ہوسِ اقتدار نے ماں اور بیٹے دونوں کو مخبوط الحواس بنا دیا تھا۔ شہزادہ رکن الدین نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔ ''مجھے آپ حضرات کی ہر شرط منظور ہے۔''

''شرائط نہیں شہزادۂ عالم! صرف ایک شرط۔'' وزیراعظم نظام الملک نے مسکراتے ہوئے اس مریضِ اقتدار کی طرف دیکھا جو کسی مزاحمت کے بغیر سیاست کا زہر اپنے جسم میں اتار لینا چاہتا تھا۔ ''دراصل ہمیں سلطانِ معظم کا درویشانہ نظامِ حکومت پسند نہیں۔''

''مجھے تیری رائے سے اتفاق ہے نظام الملک!'' ترکان شاہ، وزیراعظم کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول

اٹھی۔ ''مگر سلطان بھی کیا کریں؟ انہیں اس فقیر کی صحبتوں نے تباہ کر ڈالا ہے۔'' ترکان شاہ کا اشارہ حضرت قطبؒ کی طرف تھا۔ ملکۂ ہند صرف اس بات پر اس مردِ کامل سے خفا رہتی تھی کہ حضرت قطبؒ نے ولی عہدی کے سلسلے میں سلطان سے شہزادہ رکن الدین کی سفارش کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

''درویش کا یہ کام نہیں کہ وہ امورِ سلطنت میں مداخلت کرے۔'' ترکان شاہ کی درخواست سن کر حضرت قطبؒ نے فرمایا تھا۔ ''سلطان بہتر سمجھتے ہیں کہ ان کا کون سا بیٹا ولی عہدی کے لائق ہے۔''

بس اسی دن سے ترکان شاہ کے دل میں حضرت قطبؒ کے خلاف گرہ پڑ گئی تھی۔

''نہ جاہ و جلال، نہ مال و منال، نہ کیف و نشاط۔'' وزیراعظم نظام الملک نے سلطان التمش کے طرزِ حکومت پر سخت تنقید کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا فائدہ ہے اس بے رنگ زندگی کا؟ کیا اس دن کے لئے ہم نے اپنا خون بہایا تھا اور گھر سے بے گھر ہوئے تھے؟ ہمیں آخرت نہیں، دنیا چاہئے۔''

سلطان التمش، راجہ گوالیار کو شکست دینے کے لئے موسم کی سختیاں برداشت کر رہا تھا اور اس کے امراء شہاب الدین غوری کے ورثے کو خاک میں ملانے کے لئے سازشیں کر رہے تھے۔

''میں اپنے ہر وفادار کو ویسی ہی دنیا دوں گا، جیسی وہ چاہتا ہے۔'' شہزادہ رکن الدین امراء کے مطالبے کے سامنے کسی کچی دیوار کی طرح گر پڑا۔

''تو پھر ہم آپ کو اپنا آئندہ امیر منتخب کرتے ہیں۔'' نظام الملک نے شہزادہ رکن الدین کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

جواباً شہزادے نے امراء کے سامنے اپنا ہاتھ دراز کر دیا۔ رسمِ بیعت ادا کی گئی اور بلند آوازوں کے ساتھ وفاداری کی قسمیں کھائی گئیں۔

پھر جب کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا تو نظام الملک نے اپنے منصوبے کی پہلی شق بیان کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کے ولی عہد بننے کے لئے ضروری ہے کہ شہزادی رضیہ سلطانہ، والیٔ ہند کی نظروں سے گر جائیں۔''

امراء نے چونک کر وزیراعظم کی طرف دیکھا۔

''اس کی بس ایک ہی ترکیب ہے کہ شہزادی کو نااہل ثابت کر دیا جائے۔ پھر سلطان خود ہی اپنے فیصلے پر شرمندہ ہو کر شہزادہ رکن الدین کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔'' نظام الملک نے اپنی بات کی وضاحت کی۔ ''اور شہزادی کو ناکارہ ثابت کرنے کے لئے ان کے وفادار امیروں کو راستے سے ہٹانا ہوگا۔ سب سے پہلے جمال الدین یاقوت حبشی جو ایک فتنہ بن کر بساطِ سیاست پر نمودار ہوا ہے۔''

سلطان کے معتمدِ خاص کا قتل؟..... نظام الملک کی تجویز سن کر حاضرینِ مجلس سناٹے میں آ گئے۔

''جمال الدین یاقوت کا قتل؟'' ترکان شاہ پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔

''ملکۂ عالیہ! اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔'' وزیراعظم نظام الملک جنیدی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''مگر یہ کیسے ممکن ہے؟'' ترکان شاہ پر اب بھی حیرت و استعجاب کا غلبہ تھا۔ ''اگر یاقوت حبشی کو قتل کر دیا گیا تو سلطانِ معظم کیا سوچیں گے؟''

''حبشی زادے کی موت کوئی عام موت تو نہیں ہوگی۔'' ایک دوسرے با اثر امیر علاء الدین شیر خانی نے اپنے اندیشے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''جمال الدین یاقوت قصرِ شاہی کا کوئی معمولی خدمت گار تو نہیں کہ آج مرا، کل

دوسرا دن۔ اس کی لاش کو اٹھا کر کسی گڑھے میں ڈال دیا جائے اور ہم سب لوگ اپنے اپنے عافیت کدوں میں یہ سوچ کر مطمئن ہو جائیں گے، حساب پاک ہو گیا۔ نہیں محترم وزیراعظم! حبشی زادے کی موت پر بڑا ہنگامہ برپا ہو گا۔''

''جمال الدین یاقوت، سلطانِ ذی حشم کا سر چڑھا ہے۔'' دہلی کے ایک اور معزز سردار، ملک سیف الدین کوچی نے وزیراعظم کی اس تجویز پر جرح کرتے ہوئے کہا۔ ''سلطان اپنے معتمدِ خاص کی موت اتنی آسانی سے قبول نہیں فرمائیں گے۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ والیٔ ہند نے عام شہریوں کو بھی انصاف فراہم کرنے کے لئے کیسی کیسی عدالتیں آراستہ کی ہیں۔ بالفرض اگر جمال الدین یاقوت قتل کر دیا گیا تو واضح رہے کہ صرف قصرِ سیاست ہی میں نہیں، عدالتِ عالیہ میں بھی زلزلہ آ جائے گا۔ سلطانِ معظم کے جاسوس بڑی تحقیق کریں گے۔ ان سراغوں کو بھی کھود نکالیں گے جنہیں بظاہر زمین کی انتہائی گہرائیوں میں دفن کیا جا چکا ہو گا۔ اور دامنِ قاتل پر خون کے ان داغوں کو بھی دوبارہ اُبھار دیں گے جو نہایت صفائی سے دھوئے جا چکے ہوں گے۔ میں عزت مآب وزیراعظم کو ہرگز ایسا کوئی مشورہ نہیں دوں گا کہ ایک شخص کی غیر طبعی موت سلطانِ عالی مقام کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دے اور پھر تمام وفادارانِ سلطنت نگاہِ شاہ میں مجرم بن کر رہ جائیں۔''

تمام حاضرینِ مجلس ملک سیف الدین کوچی کے خیالات سے متفق تھے۔ خاص طور پر ملکہ ترکان شاہ زور زور سے سر ہلا کر امیرِ سلطنت کے دلائل کی تائید کر رہی تھی۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سلطان التمش نے دہلی سے رخصت ہوتے ہوئے ترکان شاہ کو انتہائی قہرناک لہجے میں تنبیہہ کی تھی کہ شہزادی رضیہ سلطانہ کو پہنچنے والا ہر نقصان اس کے اعمال نامے میں لکھا جائے گا۔ اور ایک اعتبار سے جمال الدین یاقوت کا قتل بھی رضیہ سلطانہ ہی کا ذاتی نقصان ثابت ہوتا۔ کیونکہ اس وقت حبشی زادہ، شہزادی کا محافظِ خاص تھا۔

وزیراعظم نظام الملک جنیدی ایک ایک امیر کے چہرے کو بغور دیکھتا رہا۔ جہاں حیرت و وحشت کے سوا کوئی اور تاثر نمایاں نہیں تھا۔ ''آپ حضرات نے مجھے پاگل قرار دے دیا ہے یا پھر میں آپ لوگوں کے نزدیک کوئی احمق انسان ہوں۔'' نظام الملک نے حاضرینِ مجلس سے سوال کیا۔ وزیراعظم کے لہجے میں گہری تلخی پوشیدہ تھی۔

''ہرگز نہیں۔'' علاء الدین شیر خانی نے چونکتے ہوئے جواب دیا۔ ''جو کوئی آپ کی فہم و فراست پر شک کرے، وہ خود پاگل ہے۔ آپ تو ہندوستان کا دماغ ہیں۔''

''تو پھر اسی دماغ میں یہ بات آئی ہے کہ جمال الدین یاقوت کے ساتھ شہزادی عالیہ کے تمام وفادار مشیرانِ سیاست کو آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے ختم کر دیا جائے۔ پہلے حبشی زادہ، پھر میرا نائب خواجہ مہدی غزنوی۔'' یہ کہتے کہتے وزیراعظم نظام الملک کے چہرے پر نفرت و حقارت کا گہرا رنگ اُبھر آیا تھا۔ ''جمال الدین یاقوت کی وجہ سے ہم سب سرِ عام رسوا ہوئے اور وہ حبشی زادہ بارگاہِ سلطانی میں سب سے زیادہ وفادار و جاں نثار قرار پایا۔ میں اس تحقیر اور ذلت کو کس طرح بھول سکتا ہوں؟ اور پھر وہ میرا نائب خواجہ مہدی غزنوی..... جسے میں نے ایک بچے کی طرح انگلی پکڑ کر سیاست کی تعلیم دی..... اور آج وہی اپنے استاد کو نظر انداز کر کے شہزادی معظمہ کے جوتے چاٹ رہا ہے۔'' بظاہر نظام الملک بہت زیادہ جذباتی نظر آ رہا تھا تاکہ حاضرین کے دماغوں کو مکمل طور پر اسیر کر سکے۔ ورنہ اندر سے وہ ایک ٹھہرا ہوا سمندر تھا..... اور یہی اس کی سیاست کا کمال تھا۔ چہرے کا رنگ کچھ اور..... دل کے جذبات کچھ اور..... نظام الملک نے اپنی شخصیت پر اتنے نقاب ڈال رکھے تھے کہ آج تک سلطان شمس الدین التمش بھی اس

کے صحیح خدوخال نہیں دیکھ سکا تھا۔

''کہیں وزیراعظم ہند ان لوگوں سے ذاتی انتقام تو نہیں لے رہے ہیں؟'' دربارِ التمش کے ایک اور نامور امیر تاج الدین نے بڑا عجیب سا سوال کیا جسے سن کر خفیہ اجلاس کے تمام شرکاء چونک اُٹھے۔

''ذاتی انتقام؟'' تاج الدین کے سوال پر نظام الملک جنیدی برہم نظر آنے لگا تھا۔ ''اگر آپ حضرات میری اس تجویز کو ذاتی انتقام سمجھتے ہیں تو پھر جمال الدین یاقوت حبشی، خواجہ مہدی غزنوی، ملک عزالدین شیر خانی اور نائب سپہ سالار سیف الدین ایبک کو کھلا چھوڑ دو۔ پھر تم سب کے سب عنقریب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ سلطانِ ذی قدر کا منصوبہ کیا ہے۔ اور نئے نظامِ حکومت میں امرائے دربار کس مقام پر کھڑے ہوں گے۔''

''نیا نظامِ حکومت؟'' وزیراعظم کی بات سن کر ترکان شاہ بری طرح چونک اُٹھی۔ ''کیا منصوبہ ہے سلطانِ معظم کا؟'' ابھی کمرے میں ملکۂ ہند کی آواز کی گونج باقی تھی کہ شہزادہ رکن الدین بے اختیار ہو کر بول اُٹھا۔ ''وزیراعظم کو لازم ہے کہ وہ اپنی بات کی وضاحت کریں۔''

''کیا ملکۂ عالیہ کو ابھی تک والیٔ ہند کا منصوبہ نظر نہیں آیا؟'' نظام الملک اونچی آواز میں بول رہا تھا۔ ''شہزادی رضیہ سلطانہ کی جانشینی کوئی مذاق نہیں ہے۔ ولی عہدِ سلطنت کا انتخاب ہو چکا..... اب اگر کوئی آنکھ نوشتۂ دیوار نہیں پڑھ سکتی تو اس میں نظام الملک کا کیا قصور ہے؟ افسوس! اس مملکت میں میری عقل کو بھی جھٹلایا گیا اور میری بینائی کو بھی۔'' یہ کہہ کر نظام الملک کھڑا ہو گیا۔

''کہاں جا رہے ہیں آپ؟'' شہزادہ رکن الدین بھی گھبرا کر اپنی نشست سے اٹھا اور اس نے وزیراعظم ہند کا بازو پکڑ لیا۔ ''ہم بابا محترم سے بھی زیادہ آپ کے قدرداں ہیں۔''

نظام الملک دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ''اور آپ حضرات شاید یہ بھی سمجھ لیں کہ وراثت کا جھگڑا بھی ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا ہے۔'' وزیراعظم کا روئے سخن ترکان شاہ اور رکن الدین کی طرف تھا۔ ''آئندہ شہزادی رضیہ ہی سلطان کے تخت و تاج کی وارث ہوں گی۔''

''یہ ممکن نہیں نظام الملک!'' ترکان شاہ چیخ اُٹھی۔ ''اگر ایسا ہوا تو اس دن قیامت آ جائے گی۔''

''میں اسی قیامت کو ٹالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اور آپ لوگ میرے حکیمانہ نکتوں کو کسی دیوانے کا ہذیان سمجھ رہے ہیں۔'' نظام الملک کے لہجے سے طنز جھلک رہا تھا۔ ''ابھی شہزادی عالیہ کو نظامِ حکومت چلانے کی تربیت دی جا رہی ہے۔ اگر وہ کامیاب ہو گئیں تو ان کی عارضی جانشینی مستقل حیثیت اختیار کر جائے گی۔''

تمام حاضرینِ مجلس پتھر کے مجسموں کی طرح وزیراعظم ہند کی گفتگو سن رہے تھے۔

''شہزادی کے گرد سیاسی مشیروں اور فوجی جاں نثاروں کو جمع کیا جا رہا ہے۔'' نظام الملک، سلطان کے منصوبے کی کتاب کو ورق ورق کر کے اُلٹ رہا تھا۔ ''پھر امراء کا یہ نیا گروہ تمہاری جگہ لے لے گا اور تم سب کے سب معزول کر دیئے جاؤ گے۔ خود میں بھی کسی ویران و تاریک گوشے میں پڑا اپنے سنہرے ماضی کا ماتم کر رہا ہوں گا۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ جلد از جلد شہزادی کے وفاداروں کو موت کی نیند سلا دو ورنہ اپنے لئے قبر کی جگہ کا انتخاب کر لو۔ اگر آپ حضرات نے فیصلہ کرنے میں پس و پیش سے کام لیا تو پھر یاد رکھو کہ ہم میں سے کسی کو قبر کی جگہ بھی نہیں ملے گی۔''

نظام الملک جنیدی بڑا عالم و فاضل اور ذہین شخص تھا۔ اسے تحریر کے ساتھ تقریر میں بھی مہارت حاصل تھی۔

وزیراعظم ہند نے سلطان التمش کے منصوبے کی تصویر کشی کچھ اس طرح کی کہ حاضرینِ مجلس دہل کر رہ گئے۔ امرائے سلطنت کو اپنے نیچے سے صرف زرنگار کرسیاں ہی نہیں بلکہ زمین بھی سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''نظام الملک! ہمیں تیری رائے سے صد فیصد اتفاق ہے۔ مگر ہمارے ذہن یاقوت حبشی اور دیگر امراء کے قتل پر آمادہ نہیں ہیں۔'' ترکان شاہ کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ''سلطانِ معظم اپنے وفاداروں کے قتل پر بڑے خوفناک ردِعمل کا اظہار کریں گے۔''

''بے شک! ایسا ہی ہوگا۔ مگر اس وقت، جب امراء کا قتل ثابت ہو جائے۔'' نظام الملک کے ہونٹوں پر بڑی عیار مسکراہٹ رقصاں تھی۔

وزیراعظم کی پراسرار گفتگو نے ایک بار پھر اہلِ مجلس کو چونک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ ملکہ ترکان شاہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے نظام الملک کی طرف دیکھ ہی تھی۔

''سلطانِ معظم کی عدالت عالیہ کسی امیر کے قتل کو قتل ثابت نہیں کر سکے گی۔'' نظام الملک ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ وزیراعظم کے چہرے پر احساسِ فخر اسی طرح نمایاں تھا کہ جیسے وہ نادانوں کے ہجوم سے مخاطب ہو۔ اور یہ حقیقت بھی تھی کہ حاضرین کے ذہن نظام الملک کے سیاسی طلسم خانے کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ ''امیر آخور یاقوت حبشی سے لے کر نائب سپہ سالار سیف الدین ایبک تک، ہر شخص اپنی طبعی موت مرے گا۔'' وزیراعظم ہند کے ہونٹوں پر اُبھرنے والی سفاکانہ مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی تھی۔ ''ہر چند کہ وہ قتل ہی ہوگا۔ مگر دیکھنے والوں کو نظر نہیں آئے گا۔''

''پھر کس بات کا جھگڑا ہے؟'' امیر تاج الدین نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''صرف اس بات کا کہ ہمیں ایک دوسرے کی نیت کا حال معلوم نہیں۔'' نظام الملک نے امراء کی صف پر نگاہ کی اور پھر اس کی نظر ملکہ ہند ترکان شاہ کے چہرے پر جم گئی۔

''کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟'' وزیراعظم کی بات سن کر شہزادہ رکن الدین برہم نظر آنے لگا تھا۔ ''کیا ہم ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کرتے؟''

''اعتبار کرتے ہیں مگر معمولی سی جاگیر کے لئے سارے قول وقسم بھلا دیتے ہیں۔'' نظام الملک کا لہجہ تلخ تھا۔ ''شہزادہ عالم! ان آنکھوں نے بے شمار سیاسی تماشے دیکھے ہیں۔ اقتدار کی دنیا میں روز بڑے بڑے بازار لگتے ہیں اور ان بازاروں میں ہم اپنی وفاداریاں فروخت کرتے ہیں۔ کبھی کسی کے جوتوں پر ہمارا سر ہوتا ہے اور کبھی کسی کے پیروں پر ہماری دستار۔ اگر ہمارے درمیان بھی خرید وفروخت کی یہی رسم جاری رہی تو پھر کوئی حکمتِ عملی کام نہیں آئے گی۔'' نظام الملک بڑے شاطرانہ انداز میں اپنی بازی کھیل رہا تھا۔

''ہم سب اس وقت یک جان ہیں۔'' علاء الدین شیر خانی نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''اگر کسی ایک کے جسم پر خراش آئی تو اس تکلیف کو ہم سب محسوس کریں گے۔''

''تو پھر شہزادی عالیہ کے تمام خواب تشنۂ تعبیر رہ جائیں گے۔ اور شہزادۂ عالم ہندوستان کے سب سے طاقتور حکمراں ہوں گے۔'' نظام الملک نے اس طرح کہا جیسے وہ خود اپنے ہاتھ سے اقتدار تقسیم کر رہا ہو۔

''اور یہ ہمارے امراء؟'' ترکان شاہ بدستور نظام الملک کی پراسرار گفتگو میں اُلجھی ہوئی تھی۔

''عنقریب موت کی گہری نیند سو جائیں گے۔'' وزیراعظم ہند نے مسکراتے ہوئے کہا جیسے وہ اپنے حریفوں کی

سانسیں غصب کرنے پر پورا اختیار رکھتا ہو۔

''مگر کس طرح؟'' ترکان شاہ کی حیرت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔

''جب ملکۂ عالیہ کو کسی امیر کے انتقال کی خبر ملے تو سمجھ لیجئے گا کہ آپ کے اس غلام نظام الملک کا دعویٰ سچا تھا۔'' وزیراعظم نے اپنے طریق کار کی وضاحت سے گریز اختیار کیا۔

پھر یہ خفیہ اجلاس برخاست ہوگیا۔ تمام امراء اپنے دماغوں میں پریشان خیالات کا ہجوم لے کر شہزادہ رکن الدین کے کمرے سے رخصت ہوگئے۔

❁==❁==❁

شہزادی رضیہ سلطانہ بڑی بے چینی کے ساتھ اپنی خواب گاہ میں ٹہل رہی تھی۔ جاسوس کنیزیں اسے ایک ایک لمحے کی خبریں دے رہی تھیں۔ پھر جب آدھی رات کے قریب تمام امرائے سلطنت اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے تو کنیز فردوس، رضیہ کی خواب گاہ میں داخل ہوئی۔

''کیا کوئی اہم خبر ہے فردوس؟'' رضیہ سلطانہ کے لہجے میں استقامت تھی۔ مگر اس کے چہرے پر فکروں کا ایک جال سا پھیلا ہوا تھا۔

''یقیناً۔'' فردوس اپنی آقا زادی کے بہت زیادہ قریب آ گئی۔ ''شہزادۂ عالم کا کمرہ امرائے سلطنت سے بھر گیا تھا اور وہاں ملکۂ ہند بھی موجود تھیں۔'' فردوس کا اندازِ گفتگو سرگوشیانہ تھا۔

''کیا تُو اُس کمرے میں داخل ہوگئی تھی؟'' شہزادی نے گھبرا کر پوچھا۔

''یہ کیسے ممکن ہے شہزادی حضور؟'' فردوس نے چونک کر کہا۔

رضیہ سلطانہ اپنی بات پر شرمسار سی نظر آنے لگی۔

''بند کمرے میں ہونے والی گفتگو سنی تو نہیں جا سکتی تھی مگر اس کے بارے میں اندازہ ضرور کیا جا سکتا ہے۔'' فردوس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

شہزادی نے استفہامیہ نظروں سے اپنی رازدار کنیز کی طرف دیکھا۔

''شہزادہ رکن الدین کی بے وقت آمد اور پھر اس کے مخصوص کمرے میں ترک سرداروں کا اجتماع بڑی حیران کن بات ہے۔'' فردوس ایک تعلیم یافتہ اور ذہین کنیز تھی۔ وہ اس غیر معمولی صورتِ حال کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی۔ ''اس واقعے کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

''میری آنکھیں کھلی ہوئی ہیں فردوس!'' رضیہ سلطانہ نے دیوار پر آویزاں اُس شمشیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جو رنتھنبور کی فتح کے بعد سلطان التمش نے اپنی محبوب بیٹی کو تحفے کے طور پر دی تھی۔ ''اور میرا دماغ بھی جاگ رہا ہے۔''

''کنیز کی دعائیں شہزادی عالیہ کی فتح ونصرت اور سربلندی کے لئے وقف ہیں۔'' فردوس نے سر جھکا دیا۔

رضیہ سلطانہ کچھ دیر تک خواب گاہ میں ٹہلتی رہی۔ فردوس نے دیکھا کہ سلطان التمش کی جانشین اپنے خیالات میں اس طرح غرق تھی کہ اسے گردوپیش کا بھی ہوش نہیں تھا۔

یکایک شہزادی کے قدم رکے اور آنکھیں فردوس کے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ کچھ دیر تک رضیہ سلطانہ اسی حالت میں کھڑی رہی، پھر آہستہ سے بولی۔ ''جمال الدین یاقوت کہاں ہے؟''

''پہرے پر موجود ہے۔'' فردوس نے کسی تاثر کے بغیر عرض کیا۔

''اس سے کہو کہ وہ میرے دربارِ خاص میں حاضر ہو۔'' شہزادی نے اپنی کنیز کو حکم دیا اور خواب گاہ سے نکل کر اس طویل و عریض کمرے کی طرف چلی گئی، جہاں وہ دہلی کی ضرورت مند اور شکستہ حال خواتین سے ملاقاتیں کرتی تھی۔ یہی رضیہ سلطانہ کا دربارِ خاص تھا۔

کچھ دیر بعد فردوس، جمال الدین یاقوت کو لے کر دربارِ خاص میں داخل ہوئی اور خود اس پردے کے پیچھے چلی گئی جہاں شہزادی رضیہ سلطانہ ایک زرنگار کرسی پر جلالِ شاہی کے ساتھ جلوہ افروز تھی۔

حبشی زادہ اس طرح دربارِ خاص میں داخل ہوا تھا کہ اس کی آنکھیں فرش پر جمی تھیں مگر جسم ایک تنی ہوئی کمان کی طرح تھا۔ ریشمی پردے سے چند گز کے فاصلے پر جمال الدین یاقوت ٹھہر گیا۔

''سلطانِ معظم کا اقبال بلند ہو۔'' حبشی زادہ نصف قد تک جھک گیا۔

''جمال الدین! تم خوب جانتے ہو کہ میں سلطان نہیں۔'' رضیہ سلطانہ نے انتہائی پُرجلال لہجے میں کہا۔ ''پھر تمہاری زبان کو لغزش کیوں ہوئی؟''

''سلطان کا جانشین بھی سلطان ہی ہوتا ہے۔'' جمال الدین نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا اور سیدھا ہو گیا۔ ''میری زبان مجھے کبھی دھوکا نہیں دیتی۔''

رضیہ سلطانہ، حبشی زادے کو دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس کا جواب بھی عجیب تھا اور طرزِ گفتار بھی۔ لہجے میں مردانگی بھی تھی اور غنائیت بھی۔ اس کے الفاظ سننے والے کو دل میں اُترتے محسوس ہوتے تھے۔ شمشیر کی طرح اس کی زبان میں بھی کاٹ تھی۔

''کیا تم میرے حکم پر کسی بے گناہ کو قتل کر سکتے ہو؟'' شہزادی نے اپنے محافظِ خاص سے سوال کیا۔

''ہرگز نہیں۔'' جمال الدین یاقوت حبشی نے ایک لمحہ سوچے بغیر جواب دیا۔ نہ اس کی زبان میں لڑکھڑاہٹ تھی اور نہ چہرے پر شرم و ندامت کی ہلکی سی جھلک۔

''یہ تو کھلی نافرمانی ہے۔'' یکایک شہزادی غضب ناک ہوگئی تھی۔ ''پتہ نہیں، بابا محترم نے تمہارا انتخاب کیوں کیا؟''

''میں سلطانِ معظم کے فیصلے پر لب کشائی کی جرأت نہیں رکھتا۔'' شہزادی کے غصے نے حبشی زادے کو ذرا بھی متاثر نہیں کیا تھا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ جس شخص کے قتل کا حکم دیا جا رہا ہے، وہ سلطان کا بدترین دشمن ہے؟'' رضیہ سلطانہ نے اسی قہر آلود لہجے میں جمال الدین یاقوت سے ایک اور سوال کیا۔

''پھر حکم کا انداز بدل جاتا ہے۔'' حبشی زادے نے بھی اسی سکون اور اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ ''اگر خدا مجھے اختیار دے کہ میں سلطانِ معظم کے اس دشمن تک پہنچ سکوں تو پھر اس زمین پر ایک ہی شخص کا وجود باقی رہے گا..... یا میرا..... یا اس دشمن کا۔'' جمال الدین یاقوت کے لہجے میں سچائی کی ایک ایسی آگ روشن تھی کہ رضیہ سلطانہ بھی اس کی تپش محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی۔ ''میری زندگی میں یہ ممکن نہیں کہ آقائے نعمت کا دشمن اپنے عافیت کدے

میں ملون کی گہری نیند سوتا رہے۔ اگر میرے دست و بازو سلامت رہے تو میں اس کے شبستانِ نشاط کی بنیادیں تک کھود ڈالوں گا۔''

''اور اگر تم ایسا نہ کر سکے؟'' شہزادی کا غصہ آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا تھا۔

''تو پھر سلطان ذیشان کو اپنے اس نمک خوار کی لاش پر ماتم کرنا ہوگا۔'' حبشی زادے کی منطق بہت سادہ تھی۔ اس کی گفتگو میں کوئی الجھاؤ نہیں تھا۔ ''سلطانِ عالی قدر بہتر جانتی ہیں کہ فتح سے ہم کنار ہونے والے بھی آدم زاد ہوتے ہیں اور شکست کھانے والے بھی بنی نوع انسان سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں بھی ایک انسان ہوں، اس لئے میری ناکامی پر بھی کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ ہاں! میرے جذبے اور نیت کو ضرور دیکھنا چاہئے۔ میں نے کس طرح اپنے دشمن کا تعاقب کیا، کس انداز میں اس پر جھپٹا، کتنی دیر لڑا اور پھر کس طرح مار ڈالا گیا؟ مرتے وقت خوف و دہشت سے میری آنکھوں کی پتلیاں کانپ رہی تھیں یا میرے چہرے پر شجاعت و مردانگی کی آگ روشن تھی۔''

رضیہ سلطانہ لاجواب ہو کر رہ گئی۔ اس نے اپنی کنیز کی طرف دیکھا۔ فردوس بھی حیرت و سکوت کے عالم میں جمال الدین یاقوت کی گفتگو سن رہی تھی۔

شہزادی کا زاویۂ نظر بدل گیا۔ اس کی غزالی آنکھیں حریری پردے کی دیوار سے گزر کر ایک بار پھر حبشی زادے کے چہرے پر جم گئیں۔

''تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت محل میں کیا ہو رہا ہے؟'' رضیہ سلطانہ نے ایک اور سوال کیا۔

''شہزادہ ذی وقار کی خلوت گاہِ خاص میں ترک سرداروں کا اجتماع۔'' حبشی زادے نے ایک ایک نقطہ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

رضیہ سلطانہ چونک اُٹھی۔ ''مگر تم تو یہاں موجود ہو۔''

''دربانی کے فرائض وہی شخص انجام دے سکتا ہے، جس کی آنکھیں کھلی ہوں اور دماغ جاگ رہا ہو۔'' جمال الدین یاقوت نے جواب دیا۔ ''وہ دربان کہلانے کا مستحق نہیں جس کی موجودگی میں چور نقب لگا کر مکان کے اندر داخل ہو جائیں۔''

''کیا یہ نقب زنی نہیں؟'' رضیہ سلطانہ نے کسی قدر تیز آواز میں کہا۔ ''اور کیا چور مکان کے اندر داخل نہیں ہو چکے؟''

بڑا مشکل مرحلہ تھا مگر جمال الدین یاقوت سبک روی کے ساتھ اس مرحلے سے بھی گزر گیا۔ ''وہ تمام لوگ مالک مکان کی اجازت سے اندر داخل ہوئے ہیں، اس لئے انہیں چور نہیں کہا جا سکتا۔''

حبشی زادے کا جواب سن کر رضیہ سلطانہ عاجز ہوگئی تھی پھر بھی شہزادی نے حجت کا راستہ اختیار کیا۔ ''مگر مالک مکان تو میں ہوں۔ پھر وہ لوگ میری اجازت کے بغیر اندر کیسے داخل ہوئے؟'' رضیہ نے التمش کے جانشین کی حیثیت سے اپنی ملکیت کی طرف اشارہ کیا۔

''شہزادۂ عالی قدر کی وراثت پر بھی ساری دنیا کی گواہیاں موجود ہیں۔'' حبشی زادے نے بڑا منطقی جواب دیا تھا۔

''پھر کیا، کیا جائے؟'' رضیہ نے زِچ ہو کر کہا۔

جواب میں ایک بار پھر جمال الدین یاقوت نے سر جھکا دیا۔ ''یہ نمک خوار اپنے آقائے نعمت کے حکم کا منتظر ہے۔''

رضیہ سلطانہ کچھ دیر تک سوچتی رہی، پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ اُبھر آئی۔ ''بس اب تم جاؤ اور اپنی

آنکھیں کھلی رکھو۔''

رسمِ شاہی کے مطابق حبشی زادے نے رخصتی سلام پیش کیا اور اُلٹے قدموں واپس چلا گیا۔

جمال الدین یاقوت کے جاتے ہی رضیہ سلطانہ نے ایک گہری سانس لی۔ ''فردوس! یہ کیا عجیب شخص ہے؟ تُو نے اسے سمجھنے کی کوشش کی؟''

''وہ ایک کھلی ہوئی کتاب ہے شہزادی عالیہ!'' فردوس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

رضیہ سلطانہ نے اپنی رازدار کنیز کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔ ''کیا مطلب؟''

''وہ صرف ایک جاں نثار ہے۔ مگر ہوش مند۔'' فردوس نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

''میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' رضیہ سلطانہ اُلجھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ''بعض لوگ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے اطاعت و فرمانبرداری اور جاں نثاری کی قبا پہن لیتے ہیں۔ اور پھر دمِ آخر یہ راز کھلتا ہے کہ ان کا ہر جذبہ نمود و نمائش کے سوا کچھ نہیں تھا۔''

''مگر اس نے تو آپ کے حکم سے اختلاف بھی کیا ہے۔'' فردوس نے کچھ دیر پہلے ہونے والی گفتگو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس کی وفاداری میں خوشامد کا رنگ شامل نہیں ہے۔''

''تُو نے درست کہا فردوس! مگر پھر بھی اسے ایک اور امتحان سے گزرنا ہوگا۔'' رضیہ سلطانہ نے دربارِ خاص سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ''وہ امتحان بہت سخت ہوگا۔''

''کیسا امتحان شہزادی عالیہ؟'' فردوس نے چونک کر پوچھا۔

''ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔'' شہزادی نے کہا اور تیز قدموں سے اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی۔

فردوس تنہا رہ گئی تھی۔ جمال الدین یاقوت کو دیکھ کر اسے بہرام غوری یاد آ گیا تھا۔ وہ بہرام غوری جو عالی نسب تھا، وجیہہ ترین مرد تھا اور حبشی زادے سے بڑھ کر رضیہ سلطانہ کا جاں نثار تھا..... مگر بدنصیبی یہ تھی کہ اسے حُسن کے حضور میں شرفِ باریابی حاصل نہیں تھا۔ فردوس کے دل و دماغ جلنے لگے۔ جذبوں کا اتنا غبار اٹھا کہ نہاں خانۂ جاں، ناقابلِ برداشت حبس کی لپیٹ میں آ گیا۔ پھر یہ حبس اس وقت ختم ہوا، جب فردوس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگی۔

''اے خدا! پھر جو گزرنا ہے، اس کنیز پر گزر جائے۔ مگر میرے شہنشاہ کے جسم پر کوئی خراش نہ آئے۔ اسے اس معرکے میں اتنا سربلند رکھنا کہ ساری عظمتیں اس کے آگے سرنگوں ہو جائیں۔''

❄==❄==❄

دوسرے دن دربارِ عام برخاست کرنے کے بعد رضیہ سلطانہ نے شہزادہ رکن الدین کو خلوت میں طلب کر لیا۔ خود ساختہ ولی عہدِ سلطنت گزشتہ رات کے خفیہ اجلاس میں امرائے سلطنت کے قول و قرار کو اپنی فیصلہ کُن فتح سمجھنے لگا تھا۔ اور اسی نشے کے باعث وہ شہزادی کے کمرے میں بہت تاخیر سے پہنچا۔

رضیہ سلطانہ پر شدید اضطراب طاری تھا اور وہ بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر جب شہزادہ رکن الدین کمرے میں داخل ہوا تو رضیہ کے چہرے کا رنگ بگڑ گیا۔

''برادرِ من! آپ سات بار بلانے کے بعد حاضر ہوئے ہیں۔'' شہزادی کا لہجہ مؤدبانہ تھا مگر اس سے تلخی جھلک رہی تھی۔

''حاضر نہیں ہوئے، تشریف لائے ہیں۔'' شہزادہ رکن الدین نے بڑی رعونت کے ساتھ کہا اور ایک کرسی پر بے تکلفانہ انداز میں بیٹھ گیا۔

''بارگاہِ سلطانی میں لوگ حاضر ہوتے ہیں، تشریف نہیں لاتے۔'' رضیہ سلطانہ نے شہزادہ رکن الدین کے الفاظ کی تصحیح کرتے ہوئے کہا۔

''بارگاہِ سلطانی؟'' رکن الدین زور سے ہنسا۔ ''بارگاہِ سلطانی میں تو تم خود حاضر ہو۔ غور سے دیکھو میری نادان بہن! مستقبل کا سلطان تم سے ہم کلام ہے۔''

''تم نے یہ طرزِ کلام کس سے سیکھا ہے رکن الدین؟'' یکایک رضیہ سلطانہ کا لہجہ بھی بدل گیا۔

''شہنشاہ اپنے لہجے خود تراشتے ہیں۔'' رکن الدین فرش پر تھا لیکن اس کے دماغ کی پرواز عرش پر تھی۔ ''فرمانروائے وقت کسی سے کچھ سیکھتے نہیں، زمانے کو سکھاتے ہیں۔''

''بس رکن الدین! گستاخیوں کی حد ہو گئی۔'' رضیہ سلطانہ کی قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ ''تم نے سلطانِ معظم کے حکم کی بھی توہین کی اور خونی رشتوں کا بھی مذاق اُڑایا۔''

''یہ الزام ہے مجھ پر۔'' رکن الدین چیخنے لگا۔ ''خاندانِ التمش میں مجھ سے زیادہ فرمانبردار کون ہے؟ بابا محترم کے حکم کی تعمیل میرے سر کے ساتھ۔''

رضیہ سلطانہ چھوٹے بھائی کی عیاری پر حیران رہ گئی۔

''تم اپنی جاگیر چھوڑ کر یہاں کس لئے قیام پذیر ہو؟'' شہزادی نے بمشکل اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ''بدایوں کو کس پر چھوڑ آئے ہو؟''

''میں اپنے انتظامی امور میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا۔'' شہزادہ رکن الدین بڑی بہن کی شان میں مسلسل گستاخیاں کر رہا تھا۔

''تم میرے سامنے جواب دہ ہو رکن الدین!'' رضیہ سلطانہ اگرچہ ایک نوعمر دوشیزہ تھی لیکن اس کے لہجے میں آمرانہ جاہ و جلال تھا۔ ''میرا حکم، سلطان ہی کا حکم ہے۔''

''تو پھر لکھ دیجئے بابا محترم کو میری نافرمانی کے بارے میں۔'' شہزادہ رکن الدین اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں جب تک چاہوں گا، دہلی میں قیام کروں گا۔ آئندہ مجھے اس طرح طلب نہ کرنا کہ قلعے کے مکین ولی عہدِ سلطنت کو ایک ادنیٰ خدمت گار سمجھنے لگیں۔ تمہارے شوقِ حکمرانی کی تسکین کے لئے امرائے دربار کافی ہیں۔'' یہ کہہ کر شہزادہ رکن الدین تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔

''رک جاؤ رکن الدین! میرا آخری حکم بھی سنتے جاؤ۔'' شہزادی رضیہ سلطانہ نے کسی مطلق العنان حکمران کے لہجے میں چھوٹے بھائی کو پکارا۔ ''تم آج ہی بدایوں کے لئے روانہ ہو جاؤ گے۔ اگر تم نے میرے حکم سے سرتابی کی تو یاد رکھو کہ سارا دہلی تماشا دیکھے گا۔''

شہزادہ رکن الدین نے مڑ کر غضب ناک نظروں سے بڑی بہن کی طرف دیکھا۔

''اور میں سمجھتی ہوں کہ تم خاندانی روایات کو تماشا نہیں بناؤ گے۔'' رضیہ سلطانہ نے آخری تنبیہہ کی۔

شہزادہ رکن الدین کے چہرے کا رنگ گہرا ہو گیا اور وہ اس طرح کمرے سے نکل کر چلا گیا جیسے اس نے رضیہ کے حکم کو پیروں سے روند ڈالا ہو۔

❁==❁==❁

دہلی کا مشہور طبیب مسعود رازی، نظام الملک کے سامنے بیٹھا عرض کر رہا تھا۔ ''حضور نے کس لئے یاد فرمایا ہے؟''

''کیا تجھے اپنا ماضی یاد ہے؟'' وزیر اعظم ہند کا لہجہ بڑا تحقیر آمیز تھا۔

رازی نے گھبرا کر نظام الملک کے پاؤں پکڑ لئے۔ ''سرکار والا! کیا خادم سے کوئی خطا ہو گئی ہے؟''

''صرف اپنا ماضی بیان کر۔'' اب وزیر اعظم کے لہجے میں رنگِ قہر بھی شامل ہو گیا تھا۔

''مجھے خوب یاد ہے کہ جب میں ایران سے دہلی آیا تھا تو خشک روٹی میرا مقدر تھی اور بے در و دیوار کا مکان میرا دواخانہ۔'' حکیم مسعود رازی بڑے عاجزانہ لہجے میں اپنا ماضی بیان کر رہا تھا۔ ''یہ تو حضور کی بندہ نوازی تھی کہ دیارِ غیر میں آبرو سلامت رہ گئی۔ سرکار ہی کے کرم سے پہچانا گیا اور سرکار ہی کی بخشش و عطا سے تمام دنیا کی نعمتیں میسر آئیں۔ اگر دنیا نے جالینوس اور بوعلی سینا کہہ کر پکارا تو یہ بھی حضور ہی کا صدقہ ہے۔''

حکیم مسعود رازی کے آباؤ اجداد آتش پرست تھے اور علمِ طب میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ شکستِ ایران کے بعد یہ گھرانہ مسلمان ہو گیا۔ مسعود رازی اسی خاندان کا وارث تھا۔ رازی نے دنیا کے خوفناک ترین زہروں پر تحقیق کی تھی اور پھر ان ہی زہروں سے اس نے ایسی دوائیں تیار کی تھیں جنہیں وہ اپنی زبان میں ''آبِ حیات'' کہتا تھا۔ رازی کا قول تھا کہ وہ موت پر تو قابو نہیں پا سکتا مگر سو سالہ بوڑھے کو چند ماہ میں پچیس سالہ جوان کی طاقت سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ یہ ایک منفی طریقۂ علاج تھا، جس کی اسلامی دنیا میں قدر و منزلت نہ ہو سکی۔

مسعود رازی فطرتاً ایک حریص انسان تھا۔ عرب، عراق اور مصر کی زمین کو اپنے لئے ناسازگار پا کر وہ سیم و زر کی تلاش میں دہلی آ پہنچا اور کئی سال تک فاقہ کشی کی زندگی گزارتا رہا۔ آخر ایک دن نظام الملک تک اس کی رسائی ہو گئی۔ وزیر اعظم ہند نے رازی کے دعوے کو بغور سنا اور پھر ان رنگین طبع امیروں پر اس کے نسخے آزمائے گئے جو تاحشر جوان رہنے کے آرزومند تھے۔ رازی کے زہریلے مرکبات نے تھکے ماندے سرمایہ داروں میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی۔ نتیجتاً خود اس کا گھر بھی دولت سے بھر گیا۔ اب رازی والیٔ ہند کی بارگاہ میں شرفِ باریابی چاہتا تھا۔ مگر سلطان التمش جیسے نیک سیرت حکمراں کو ایسے علم سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، جو عوام الناس کو فائدہ نہ پہنچا سکے۔ اس ناکامی کے باوجود حکیم مسعود رازی وزیروں، امیروں اور رئیسوں کے طبقے کا سب سے بڑا طبیب تھا۔

نظام الملک بڑا شاطر انسان تھا۔ جب رازی اس کے احسانات کا اعتراف کر چکا تو دوبارہ وزیر اعظم ہند کے لبوں کو جنبش ہوئی۔

''آج میں تجھ سے اپنے ایک ایک احسان کا بدلہ چاہتا ہوں رازی!''

''حکم دیجئے بندہ نواز!'' دنیا پرست رازی اس قدر جھک گیا کہ اس کا سر فرش سے ٹکرانے لگا۔

''تو نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ پچیس سالہ جوان کو اس طرح قبر میں پہنچا سکتا ہوں کہ اس کی موت پر قتل کا گمان

نہ ہو۔'' نظام الملک نے حکیم رازی کو اس کے الفاظ یاد دلائے۔

''آزمائش شرط ہے۔ حضور، غلام کے اس دعوے کو بھی حرف بہ حرف درست پائیں گے۔'' رازی نے انتہائی بے ہوش لہجے میں کہا۔

''تو پھر میرے کچھ دشمنوں کو قتل کر دے رازی!'' نظام الملک نے کسی جھجک کے بغیر اپنا مدعا بیان کر دیا۔ ''مگر اس طرح کہ وزیر اعظم ہند کے دامن پر ان کے خون کی کوئی چھینٹ نہ آئے۔''

''تین مہینے میں آپ کے تمام دشمن ہلاک ہو جائیں گے۔ اور دنیا کا کوئی طبیب یہ ثابت نہ کر سکے گا کہ ان کی موت زہر کھانے سے واقع ہوئی ہے۔'' حکیم مسعود رازی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ زر پرست طبیب ہنسی خوشی ان لوگوں کے قتل پر آمادہ ہو گیا، جن کے نام تک اسے معلوم نہیں تھے۔

''تو پھر تجھے شاہی طبیب کا منصب مبارک ہو۔'' نظام الملک نے رازی کی نفسیاتی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''بس حضور! یہی ایک خواب، راتوں کو سونے نہیں دیتا۔'' رازی کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ وہ دربارِ شاہی سے وابستہ ہو کر طبیبِ خاص کے درجے تک پہنچ جائے۔

''تو پھر اپنی آنکھیں بند کر لے۔ تیرے خواب کی تعبیر تجھے مل جائے گی۔'' نظام الملک نے بااختیار حکمراں کے لہجے میں کہا۔

''کل کسی وقت وہ نسخۂ کیمیا خدمتِ عالی میں پیش کر دوں گا۔'' زمانہ ساز حکیم نے وزیر اعظم ہند کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور جانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

اسی دوران نظام الملک کے ایک خدمت گار نے حاضر ہو کر کہا۔ ''شہزادۂ عالم آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔''

❁==❁==❁

نظام الملک، شہزادہ رکن الدین کے کمرے میں پہنچا تو وہ ایک نوخیز اور خوبصورت مطربہ سے فارسی کی غزل سن رہا تھا۔ وزیر اعظم کو دیکھتے ہی اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور مطربہ خاموش ہو گئی۔

نظام الملک نے سلام پیش کیا اور دوزانو ہو کر شہزادے کے سامنے بیٹھ گیا۔ رکن الدین ایک گاؤ تکیے کے سہارے نیم دراز تھا۔

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آج ہی بدایوں روانہ ہو جاؤں۔'' شہزادے کے لہجے میں بڑا تمسخر تھا۔

نظام الملک خاموش رہا۔

''شہزادی کی ناکامیوں کی ابتدا ہو چکی ہے۔ میں نے اس حکم کو مسترد کر دیا ہے جو مجھ سے میری آزادی چھین رہا تھا۔'' رکن الدین ایک ملازم کے سامنے اپنی حقیقی بہن کا مذاق اُڑا رہا تھا۔

نظام الملک کی خوشی ناقابلِ بیان تھی۔ خاندانِ التمش میں جنگ کا آغاز ہو چکا تھا اور وزیر اعظم یہی چاہتا تھا۔

''آپ کو جذبات سے نہیں، ہوش سے کام لینا چاہئے شہزادۂ عالم!'' نظام الملک نے منافقانہ روش اختیار کی۔

شہزادہ رکن الدین مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک کنیز کمرے میں داخل ہوئی۔ ''سلطانِ معظم کا حکم ہے کہ سفر کی

تیاری شروع کر دیجئے۔"

رکن الدین مشتعل ہو گیا۔ "اپنے سلطان سے کہہ دو کہ ابھی میرا دہلی سے جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" شہزادے کا اندازِ گفتگو باغیانہ تھا جیسے اس نے فرمانِ شاہی کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اُڑا دیا ہو۔

کنیز واپس چلی گئی اور نظام الملک کے پورے جسم میں خوشی کی تیز لہر دوڑ گئی۔ "واقعی یہ حکم آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔" نظام الملک بڑی ذہانت سے بہن اور بھائی کے اختلافات کو ہوا دے رہا تھا۔ "جب یہ خبر قلعے کی حدود سے نکل کر ملک کی وسیع و عریض فضاؤں میں گشت کرے گی تو اس شخص کے جاہ و جلال پر کیا اثر پڑے گا جو عنقریب تاجدارِ ہند بننے والا ہے۔"

نوعمر جذباتی شہزادہ بڑی آسانی سے ایک تجربہ کار شکاری کے پھینکے ہوئے جال میں پھنس گیا تھا۔ "کچھ بھی ہو جائے مگر میں اپنے تابناک مستقبل کو برباد نہیں ہونے دوں گا۔" رکن الدین کا چہرہ شدت سے سرخ ہو گیا تھا۔

نظام الملک کبھی شہزادے کے زخم پر لفظوں کا مرہم رکھتا اور کبھی نیا تازیانہ لگا دیتا۔

کچھ دیر بعد نائب سپہ سالار سیف الدین ایبک اجازت لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ "شہزادۂ عالم! تشریف لے چلئے۔ قلعے کے دروازے پر آپ کی سواری تیار ہے۔"

رکن الدین غصے میں کھڑا ہو گیا۔ "تجھے یہاں آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"حکمِ سلطانی کو تماشا نہ بنائیے شہزادے!" سیف الدین ایبک کا لہجہ سپاہیانہ تھا جیسے اس کی زبان سے پتھر کے الفاظ ادا ہو رہے ہوں۔ "وقت کی نزاکتوں اور میری مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔"

"اور اگر میں جانے سے انکار کر دوں؟" رکن الدین کا انداز بڑا تحقیر آمیز تھا۔

"تو پھر آپ کو لشکرِ سلطانی کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔" سیف الدین ایبک نے شہزادے کی دھمکی کو یکسر نظرانداز کر دیا تھا۔ "میں خود آپ کو بدایوں کی حدود میں چھوڑ کر آؤں گا۔ اگرچہ یہ انتہائی ناگوار امر ہو گا، لیکن آپ کی طفلانہ ضدوں پر وقارِ سلطانی کو قربان نہیں کیا جا سکتا۔"

نظام الملک موجودہ صورتِ حال سے بہت زیادہ لطف اندوز ہو رہا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اسے کچھ وسوسے بھی پریشان کر رہے تھے۔

پورے محل میں ہنگامہ برپا تھا۔ ترکان شاہ، رضیہ سلطانہ اور اس کی ماں کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کر رہی تھی۔ مگر شہزادی کا ضبط و تحمل قابلِ دید تھا۔ حرم سرا کی بعض خواتین نے اس تنازع کا یہ حل پیش کیا کہ رضیہ سلطانہ اپنا حکم واپس لے لے اور شہزادہ رکن الدین دوسرے دن بدایوں چلا جائے۔

"میں نے یہ بات رکن الدین سے تنہائی میں کہی تھی مگر اس نے حکمِ سلطانی کو تماشا بنا دیا۔" شہزادی اس مضبوط چٹان کی طرح نظر آ رہی تھی جس پر گرد و پیش کے موسم کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ "اسے آج ہی بدایوں جانا ہو گا۔"

اور پھر چار و ناچار رکن الدین کو اسی روز دہلی کی حدود سے نکل جانا پڑا۔

❁==❁==❁

حکیم مسعود رازی نے ایک بڑا مرتبان پانی سے بھر دیا پھر اپنے پیرہن کی جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور

زہر کا ایک قطرہ پانی میں ٹپکا دیا۔ نظام الملک بہت غور سے یہ عمل دیکھ رہا تھا۔

"بندہ نواز! نسخۂ کیمیا تیار ہو گیا۔" حکیم رازی نے مرتبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس میں آپ کے دشمنوں کی موت بند ہے۔"

نظام الملک نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"اس پانی کے چند قطرے دونوں وقت غذا میں شامل کر دیجئے۔" حکیم رازی، وزیراعظم ہند کو قتل کا طریقہ سمجھا رہا تھا۔ "تین ماہ بعد اس کا اثر ظاہر ہونے لگے گا۔"

"اس کا تریاق؟" نظام الملک نے پوچھا۔

"تریاق ہے مگر اس وقت جب زہر کی تشخیص ہو جائے۔" حکیم رازی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مگر کون تشخیص کرے گا؟ بڑے سے بڑے طبیب کو تو اس زہر کا نام بھی معلوم نہیں، تریاق کہاں سے لائے گا؟"

پھر اس ترک باورچی کی قومی عصبیت کو اُبھارا گیا جو یاقوت حبشی کا کھانا پکاتا تھا۔

آخر ایک دن زہر کی پہلی خوراک اس شخص کے شکم میں اُتاری گئی جو شہزادی رضیہ سلطانہ کا محافظِ خاص تھا۔

حکیم مسعود رازی نے جمال الدین یاقوت کو وہی زہر دیا تھا جس سے یونان کے مشہور فلسفی سقراط کی موت واقع ہوئی تھی۔ اس زہر کو "شوگران" کہتے ہیں۔ جب سقراط زہر کا پیالہ پی چکا تو اسے کچھ دور چلنے کا حکم دیا گیا۔ یونانی فلسفی مضبوط قدموں سے آگے بڑھا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد سقراط کو محسوس ہوا کہ اس کی ٹانگیں بھاری ہو گئی ہیں۔ وہ مزید آگے بڑھنا چاہتا تھا مگر لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا۔ زہر دینے والے شخص کریٹو نے سقراط کے جسم پر کپڑا ڈال دیا۔ اب یونانی مفکر چت لیٹا ہوا تھا اور آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کریٹو نے سقراط کے پیروں پر ہاتھ رکھا۔ وہ ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ تھوڑی دیر بعد کریٹو نے سقراط کی پنڈلیوں کو زور سے دبا کر پوچھا۔

"کیا آپ کچھ محسوس کرتے ہیں؟"

سقراط نے جواب دیا۔ "نہیں۔"

پھر کریٹو نے یونانی فلسفی کی رانوں کو پوری طاقت سے دباتے ہوئے کہا۔ "اب آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟"

سقراط نے نفی میں اپنے سر کو جنبش دی۔ اس کا آدھا جسم بالکل مفلوج ہو چکا تھا۔ سقراط نے خود بھی اپنے جسم کو دبا کر دیکھا۔ پھر زہر دینے والے سے مخاطب ہوا۔

"میری زندگی کا سفر ختم ہونے ہی والا ہے۔ جب یہ زہر دل تک پہنچے گا تو میں تمہاری دنیا سے چلا جاؤں گا۔ میری بات غور سے سنو کریٹو!" زہر دینے والا، سقراط کے چہرے پر جھک گیا۔ "مجھ پر اسکاپیس کا ایک مرغ قرض ہے۔ تم یہ قرض اُتار دینا۔" سقراط نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ایسا ہی ہو گا۔" کریٹو نے مغموم لہجے میں کہا۔ وہ بھی سقراط کا عقیدت مند تھا مگر آمرانِ وقت کے حکم سے مجبور تھا۔ "آپ کچھ اور فرمانا چاہتے ہیں؟"

سقراط نے کچھ کہنا چاہا مگر صرف ہونٹ لرز کر رہ گئے۔ پھر دوسرے ہی لمحے شدید تشنج کا دورہ پڑا اور انسانی سانسوں کا کھیل ختم ہو گیا۔

حکیم رازی چاہتا تو سقراط کی طرح جمال الدین یاقوت بھی مختصر ترین وقت میں دنیا سے رخصت ہو جاتا۔ مگر اس

نے وزیراعظم نظام الملک کی خواہش کے مطابق حبشی زادے کو ''شوگران'' زہر کی اتنی معمولی مقدار دی تھی کہ کئی ماہ بعد اس کا اثر شروع ہوتا اور پھر سلطنتِ دہلی کا ''امیر آخور'' آہستہ آہستہ موت کی طرف بڑھتا رہتا۔ یہاں تک کہ جب اس کی ہلاکت کا عمل مکمل ہو جاتا تو ماہر طبیب بھی یہی کہتا کہ جمال الدین یاقوت اپنی طبعی موت مرا ہے۔

حبشی زادے کو زہر کی پہلی خوراک کا بس اتنا اثر محسوس ہوا کہ اس رات وہ بہت گہری نیند سویا۔ جمال الدین یاقوت کا معمول تھا کہ دربار برخاست ہونے کے بعد رضیہ سلطانہ کے حفاظتی دستے کی نگرانی کرتا۔ پھر جب شہزادی نمازِ عشاء سے فارغ ہو جاتی تو وہ اجازت لے کر اپنی خواب گاہ کی طرف چلا جاتا جو محل کے اسی حصے میں واقع تھی۔

❁==❁==❁

سلطان شمس الدین التمش کے حملے کی خبر سن کر گوالیار کے حاکم، راجہ دیوبل نے اپنے منتریوں کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا۔

''تیری کیا رائے ہے سمیر سنگھ؟'' راجہ دیوبل اپنے پردھان منتری سے مخاطب ہوا۔ ''التمش سے مقابلے کے لئے ہماری کیا حکمت عملی ہونی چاہئے؟''

''فی الحال اس جنگ کو ٹال دینا چاہئے۔'' پردھان منتری سمیر سنگھ نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''وہ کس طرح؟'' راجہ دیوبل نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہمیں سلطان سے صلح کر لینی چاہئے۔'' سمیر سنگھ نے اس طوفان کی شدت کا اندازہ کر لیا تھا جس کی خون آشام موجیں گوالیار کا جغرافیہ اور تاریخ بدل دینے کے لئے بے قرار تھیں۔

''تُو صلح کا مطلب سمجھتا ہے سمیر سنگھ؟'' یکایک راجہ دیوبل کا لہجہ غضب ناک ہو گیا تھا۔ ''صلح کی خواہش رکھنے والے حکمراں کا ہاتھ ایک سوالی کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اب یہ دینے والے پر منحصر ہے کہ وہ اس ہاتھ کو جھٹک دے یا اس میں تھوڑی بہت بھیک ڈال دے۔''

''راج نیتی میں تو یہی ہوتا ہے سمراٹ!'' سمیر سنگھ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''ہر طاقتور، کمزور کو کھا جاتا ہے۔ اور اگر کسی طرح معاف بھی کر دے تو شکست خوردہ انسان کی زندگی بھکاری سے کم نہیں ہوتی۔''

''تو کیا تُو ہمیں بھکاری بنانا چاہتا ہے؟'' راجہ دیوبل ہذیانی انداز میں چیخا۔

''میں چاہتا ہوں کہ میری دھرتی گوالیار آگ اور خون کے سیلاب سے محفوظ رہے۔'' سمیر سنگھ کے جسم میں بھی دوسرے راجپوتوں کی طرح گرم لہو گردش کرتا تھا۔ مگر قدرت نے اسے ایک دور اندیش دماغ بھی دیا تھا اور اپنی اسی خوبی کی وجہ سے وہ وزارتِ عظمیٰ کے عہدے تک پہنچا تھا۔ ''سمراٹ! یہ تلواروں کے نہیں، دماغوں کے استعمال کا وقت ہے۔ میرے جاسوسوں نے مجھے خبر دی ہے کہ سلطان ایک لشکرِ جرار لے کر گوالیار پر حملہ آور ہوا ہے۔ ہماری فوج کھلے میدان میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ شاید اس پہلو پر آپ کی نظر نہیں گئی کہ سلطان التمش اسی فوجی مہم کی قیادت کرتا ہے جو اس کے نزدیک بہت زیادہ اہم ہوتی ہے۔''

ان حقائق کے انکشاف نے راجہ دیوبل کا غصہ ٹھنڈا کر دیا۔

''پہلے ریاست گوالیار کی طرف سے ہوش مند لوگوں پر مشتمل ایک وفد سلطان کے پاس بھیجا جائے۔'' پردھان منتری سمیر سنگھ نے تجویز پیش کی۔ ''یہ وفد نہایت دانش مندی کے ساتھ صلح کے لئے مذاکرات کرے۔ بالفرض یہ

سیاسی گفتگو ناکام ہو جاتی ہے تو پھر کسی دوسرے اقدام کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔ ابھی تمام راستے بند تو نہیں ہوئے۔ مصالحتی وفد کے بھیجنے سے ہمیں ہمارے مقاصد حاصل ہوں یا نہ ہوں مگر اتنا فائدہ ضرور ہو گا کہ ہمارے نمائندے سلطان کے تیوروں کو بھی سمجھ لیں گے اور اپنی کھلی آنکھوں سے اس کی عسکری قوت کا اندازہ بھی کر لیں گے۔''

آخر راجہ دیوبل، سلطان التمش کی خدمت میں ایک مصالحتی وفد بھیجنے پر آمادہ ہو گیا جس میں پردھان منتری سمیر سنگھ بھی شامل تھا۔

❁==❁==❁

''صلح؟'' سمیر سنگھ کی بات سن کر سلطان التمش برہم ہو گیا۔ ''یہ وہ جنگ نہیں، جس کا انجام صلح و آشتی پر ہو۔ یہ معرکہ میرے اور راجہ دیوبل کے مستقبل کے بارے میں طے کرے گا کہ کون زندہ رہتا ہے اور کسے موت آتی ہے؟''

سمیر سنگھ حیرت زدہ رہ گیا۔ ''سلطان کے اس قہرناک روّیے کا سبب؟''

''درندوں کا وفد مجھ سے میرے قہر و غضب کی وجہ پوچھنے آیا ہے؟'' سلطان کا چہرہ شدتِ جذبات سے سرخ ہو گیا تھا۔ ''جب تک راجہ دیوبل اپنے ایک ایک ظلم کا حساب نہیں دے دے گا، اس وقت تک اس سے کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی۔''

''کیسا ظلم؟'' پردھان منتری، سمیر سنگھ کا اشارہ سمجھ گیا تھا مگر اس نے قصداً گریز اختیار کیا۔ ''یہ ہماری ریاست کا اندرونی معاملہ ہے۔ جس طرح آپ دہلی کا نظمِ حکومت چلانے کے لئے کسی کو جواب دہ نہیں ہیں، اسی طرح ہم بھی یہ پسند نہیں کرتے کہ باہر کا کوئی شخص ہمارے سیاسی نظام میں مداخلت کرے۔'' سمیر سنگھ نے بلند آواز میں کہا۔ وہ اپنے آمرانہ لہجے سے سلطان کے جاہ و جلال کی نفی کرنا چاہتا تھا۔

''تم ہندوؤں کا قتل عام کر ڈالو۔ یہ تو تمہاری ریاست کا اندرونی معاملہ ہو سکتا ہے۔ مگر مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلنا؟'' التمش کے ہونٹوں سے نفرت و غضب کی آگ برسنے لگی تھی۔

''یہ سراسر الزام تراشی ہے۔'' سمیر سنگھ نے بڑی بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو ریاست کے کسی دشمن نے غلط اطلاعات فراہم کی ہیں۔ مجھے سلطان کی ذہانت و ہوش مندی سے یہ توقع ہرگز نہیں کہ وہ صرف افواہوں کی بنیاد پر خوشگوار تعلقات کو نفرتوں کی آگ میں جلا ڈالیں گے۔'' سمیر سنگھ بڑی عیاری سے سلطان پر اپنے سیاسی داؤ پیچ آزما رہا تھا۔

''التمش کسی ظالم سے کوئی رشتہ نہیں رکھتا۔'' سلطان کے چہرے پر قہر کی وہی آگ روشن تھی۔ ''یہ ہے راجہ دیوبل کے مظالم کا عینی گواہ!'' التمش نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے نوجوان غیاث احمد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ وہی نوجوان تھا جو راجہ دیوبل کے مظالم کی خبر لے کر حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

''میرے بچے! بیان کر کہ گوالیار میں اہلِ ایمان پر کیا گزری؟''

سلطان کا اشارہ پاتے ہی نوجوان غیاث احمد نے گوالیار کے ایک ایک گاؤں، ایک ایک قصبے اور ایک ایک گلی کی نشاندہی کر دی، جہاں مسلمانوں کا خون بہایا گیا تھا اور ان پر دوسرے وحشیانہ مظالم کئے گئے تھے۔

کچھ دیر کے لئے پردھان منتری سمیر سنگھ کو سکتہ سا ہو گیا۔ پھر وہ سنبھل گیا اور اس نے روایتی مکر و فریب سے کام

لیتے ہوئے کہا۔ ''میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ ریاست میں ایسا کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما نہیں ہوا ہوگا۔ کم نظر لوگ مذہبی تعصب کی بنیاد پر کبھی نہ کبھی ہنگامہ کھڑا کر ہی دیتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں.....''

''تُو ہنگامے کی بات کرتا ہے سمیر سنگھ!'' سلطان نے گوالیار کے پردھان منتری کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''تیری ریاست میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا ہے۔ یہ ہندو بلوائیوں کا نہیں، تیرا اور راجہ دیوبل کا کارنامہ ہے۔ تیری فوج نے بے یار و مددگار مسلمانوں کے مقتل تعمیر کئے ہیں۔ تجھے اور تیرے حکمراں کو طاقت کا بہت نشہ تھا۔ ظالم سمجھ بیٹھے تھے کہ ان کے سوا کوئی دوسری طاقت ہی نہیں ہے۔ اب تمہارا نشہ اُترا اور دوسری طاقت مقابل آئی تو مصالحت کے لہجے میں بات کرتے ہو۔ تمہاری وہ تلواریں کہاں گئیں جنہیں بے دست و پا مسلمانوں کی شہ رگوں پر کھینچا گیا تھا؟ میں بھی ان ہی کا ہم قوم ہوں۔ اپنے شمشیر و سناں کو مجھ پر کیوں نہیں آزماتے؟ اور اپنی کمانوں کا رخ میرے سینے کی طرف کیوں نہیں کرتے؟'' التمش کے سپاہیوں نے اپنے سلطان کو اتنا مشتعل کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ''راجہ دیوبل سے جا کر کہہ دے کہ والیٔ ہند کی طرف سے گوالیار کے درندوں کو دعوتِ عام ہے۔ وہ اپنے مذہبی جنون کی پیاس بجھا لیں۔ میں دہلی سے انسانی خون کے دریا لے کر آیا ہوں۔''

''سلطان! آپ جذباتی ہو رہے ہیں۔'' التمش کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر سمیر سنگھ سہم سا گیا تھا۔

''جذباتی ہوتا تو اس وقت صورتِ حال کچھ اور ہوتی۔'' سلطان کی آتشِ جلال ایک ہی انداز سے بھڑک رہی تھی۔ ''اگر اسلامی آدابِ سفارت کا خیال نہ ہوتا تو تمہارے کٹے ہوئے سر نیزوں پر بلند کر کے قلعے کے سامنے پھنکوا دیتا۔ پھر راجہ دیوبل کو اندازہ ہوتا کہ طاقت کسے کہتے ہیں اور ناطاقتی کا مفہوم کیا ہے؟''

جب پردھان منتری سمیر سنگھ کو اندازہ ہو گیا کہ سلطان التمش صلح پر آمادہ نہیں ہوگا تو اس نے خوشامدانہ لہجہ اختیار کر لیا۔ ''ہم نے سلطان کی محبت اور انسان دوستی کے بہت چرچے سنے ہیں۔''

''حیوانوں کو کیا خبر کہ انسان دوستی کیا ہوتی ہے؟'' سلطان کے لہجے کی غضب ناکی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

''میرا وقت برباد نہ کر۔ اب یہ معاملہ کسی مجلس میں نہیں، میدانِ جنگ میں طے ہوگا۔''

پردھان منتری سمیر سنگھ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ناکام و نامراد واپس چلا گیا۔ راجہ دیوبل میں سلطان کے مقابلے کی ہمت نہیں تھی اس لئے وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ التمش کی فوجیں آگے بڑھیں اور پھر اس نے گوالیار کا محاصرہ کر لیا۔

❄==❄==❄

ترکان شاہ شدید اذیت میں مبتلا تھی۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ رضیہ سلطانہ کو قتل کرا کے اپنے راستے کی اس دیوار کو ہمیشہ کے لئے گرا دیتی۔ مگر التمش کے آخری الفاظ ملکۂ ہند کو اس کے مذموم ارادے سے باز رکھتے تھے۔

''اگر شہزادی کو کوئی نقصان پہنچا تو یہ سب کچھ تیرے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔''

ترکان شاہ دیوانوں کی طرح رات رات بھر اپنے کمرے میں ٹہلتی رہتی۔ پھر جب اس کا جنون حد سے گزر جاتا تو وہ نظام الملک کو اپنے خلوت کدے میں طلب کر لیتی۔

وزیرِ اعظم ہند بے قرار ملکہ کو پُرسکون رہنے کی تلقین کرتا۔

''میں اپنی اس توہین کو کیسے فراموش کر سکتی ہوں کہ میرے بیٹے کو جبراً شہر بدر کیا گیا۔'' ترکان شاہ کے انتقام کی آگ اتنی تیز تھی کہ جس کے اثرات سے ملکۂ ہند کا سرخ و سفید چہرہ مسخ ہو کر رہ گیا تھا۔

''سورج کی روشنی سے لطف اندوز ہونے کے لئے ہمیں رات کے اندھیروں کو تو برداشت کرنا ہی ہوگا ملکۂ عالیہ!'' وزیرِ اعظم نظام الملک مختلف دلائل دے کر ترکان شاہ کو سمجھانے کی کوشش کرتا۔

''مگر وہ تیرا عظیم الشان منصوبہ کیا ہوا؟'' ایک دن ترکان شاہ نے نظام الملک سے پوچھا۔ ''ابھی تک وہ حبشی زادہ بھی زندہ ہے اور رضیہ کے وفادار امراء بھی۔''

''اپنے اپنے وقت پر سب ہلاک ہو جائیں گے ملکۂ عالیہ!'' نظام الملک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''انہیں قتل تو ایک لمحے میں کیا جا سکتا ہے مگر اس طرح آپ کا اور شہزادے رکن الدین کا دامن آلودہ ہو جائے گا۔'' وزیرِ اعظم نے بڑی عیاری سے ترکان شاہ کو اپنے منصوبے کا محرک قرار دے دیا تھا اور اس جذباتی عورت پر یہ بات ثابت کر دی تھی کہ جو کچھ ہو رہا ہے، اسی کے اشارے پر ہو رہا ہے۔

''کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے۔'' ترکان شاہ کسی صورت مطمئن نہیں ہو رہی تھی۔

''ہمارے پاس بہت وقت ہے۔'' نظام الملک اس شاطر کے لہجے میں گفتگو کر رہا تھا، جسے اپنی کامیابی پر پورا یقین ہو۔ ''سلطانِ معظم گوالیار کے محاذ پر اس طرح اُلجھ گئے ہیں کہ ایک سال سے پہلے ان کی واپسی ممکن نہیں۔ اپنے دشمنوں کی قبریں تعمیر کرنے کے لئے اتنا وقت کافی ہے۔''

''اگر میرا بیٹا تاجدارِ ہند بن گیا تو میں تجھے ہیرے جواہرات میں تول دوں گی نظام الملک!'' ترکان شاہ بہت جذباتی نظر آ رہی تھی۔

''مجھے کچھ نہیں چاہئے ملکۂ عالیہ!'' نظام الملک نے اپنی عیاری کا ایک اور بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے صرف اپنے آقا سلطان التمش کے وقار کا لحاظ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ خاندان گردشِ روز و شب سے محفوظ رہے۔''

''اس خاندان میں تو رضیہ سلطانہ بھی شامل ہے۔'' ترکان شاہ نے گھبرا کر وزیرِ اعظم کی طرف دیکھا۔

''میں شہزادی عالیہ کا دشمن نہیں۔'' نظام الملک نے ٹھہر ٹھہر کر کہا جیسے وہ اپنی بات کی اہمیت ظاہر کرنا چاہتا ہو۔ ''مگر مجھے ایک عورت کی حکمرانی بھی گوارا نہیں۔'' وزیرِ اعظم نے دوسرا زاویہ اختیار کیا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ سلطان اس نئے تجربے سے باز آ جائیں۔ جب لائق بیٹا موجود ہے تو پھر اپنے ناموس کو تماشا بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ بھلا اس طرح حکومت ہوتی ہے کہ ایک نوعمر دوشیزہ چہرے پر نقاب ڈال کر سرِ دربار بیٹھ جائے اور مردوں کے لئے احکام جاری کرے۔ مجھے اس بات سے بہت دکھ ہوتا ہے ملکۂ عالیہ!''

ترکان شاہ کے وسوسے دور ہو گئے تھے اور وہ پہلے کی طرح مطمئن نظر آنے لگی تھی۔ ''میں بھی تو سلطانِ معظم کو یہی سمجھاتی رہی ہوں۔ مگر وہ میری کہاں سنتے ہیں؟''

''میرے اور آپ کے زاویۂ نظر میں بڑا فرق ہے ملکۂ عالیہ!'' نظام الملک نے ایک اور چال چلی۔

ترکان شاہ ایک بار پھر چونک اٹھی۔

''یہ مردوں کی دنیا ہے ملکۂ عالیہ!' نظام الملک کا لہجہ انتہائی تاسف آمیز تھا۔ ''آپ کو نہیں معلوم کہ دربارِ شاہی میں کیسے کیسے اوباش اور بدنظر امراء موجود ہوتے ہیں۔ ایسے مردوں کے ہجوم میں شہزادی معظمہ کا جلوہ افروز ہونا؟

نظام الملک تو شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کون میری آقا زادی کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے۔ کاش! سلطان ذی حشم اس تکلیف دہ حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔'' یہ کہتے کہتے وزیراعظم ہند نے سر جھکا لیا۔ اس کے چہرے پر اُداسی کا گہرا رنگ نمایاں تھا۔

ترکان شاہ بڑی حیرت سے اس شخص کو دیکھنے لگی جو شہزادی رضیہ سلطانہ کا مخالف بھی تھا اور ہمدرد بھی۔

''مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔'' یکا یک نظام الملک نے سر اٹھایا اور پُر جوش لہجے میں کہنے لگا۔ ''سلطانِ معظم اس سے زیادہ اور کیا کریں گے کہ اپنے اس نمک خوار کو پسِ دیوارِ زنداں ڈال دیں گے یا برسرِ عام قتل کرا دیں گے۔''

''اس کی نوبت نہیں آئے گی نظام الملک!'' ترکان شاہ نے اپنے وزیراعظم کی ہیجانی کیفیت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایسا ہی ہو گا ملکۂ عالیہ!'' نظام الملک افسردہ نظر آ رہا تھا۔ ''شہزادہ رکن الدین کی حمایت مجھے چین سے جینے نہیں دے گی۔''

ترکان شاہ کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا۔ اسے نظام الملک کے جینے یا مرنے کی فکر نہیں تھی۔ وہ صرف اپنے بیٹے کا اقتدار چاہتی تھی۔ ''بے شک! تُو خاندانِ التمش کا سب سے بڑا جاں نثار ہے نظام الملک! میں تیرے جذبوں کی قدر کرتی ہوں۔''

''کیسی قدر اور کیسی ناقدری؟ اب آپ کا یہ غلام انسانی ہوس کے طلسم سے یکسر آزاد ہو چکا ہے۔ بس حق گوئی اور حق نوازی..... اس کے سوا کچھ نہیں۔'' یہ کہتا ہوا نظام الملک کھڑا ہو گیا۔ ''اور حق یہ ہے کہ شہزادۂ عالم ہی خاندانِ التمش کے حقیقی وارث ہیں۔ اگر ان کا حق چھینا گیا تو خاکم بدہن، یہ عظیم الشان سلطنت برباد ہو جائے گی۔'' نظام الملک نے اپنی سیاست کی کمان سے بیک وقت کئی تیر چھوڑ دیئے تھے۔ کون سا تیر کس ہدف پر بیٹھے گا، یہ خود اسے بھی نہیں معلوم تھا۔

ترکان شاہ اقتدار کی شراب پیئے بغیر جھوم رہی تھی اور نظام الملک کے قدم رضیہ سلطانہ کے اس مخصوص کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے، جہاں بیٹھ کر شہزادی اپنے امراء سے گفتگو کیا کرتی تھی۔

❁==❁==❁

نظام الملک نے حبشی زادے کی طرف دیکھا جو ایک دربان کی طرح کمرے کے دروازے پر مستعد کھڑا تھا۔ وزیراعظم ہند پر نظر پڑتے ہی جمال الدین یاقوت نے احتراماً سر جھکا دیا۔ نظام الملک کو اس کا یہ انکسار دیکھ کر کسی قدر حیرت ہوئی۔

''کیسے ہو جمال الدین یاقوت؟'' وزیراعظم ہند کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ حبشی زادے سے یہ پوچھ رہا ہو کہ وہ ابھی تک زندہ کیوں ہے؟

وزیراعظم کی دعاؤں سے زندہ ہوں۔'' جمال الدین یاقوت نے ایک رسمی سا جواب دیا تھا مگر نظام الملک کو محسوس ہوا جیسے وہ اس پر طنز کر رہا ہو۔

''شہزادی معظمہ کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔'' نظام الملک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جمال الدین یاقوت نے غور سے نظام الملک کی طرف دیکھا۔ ''اگر کسی خدمت گار کو اس کا فرض یاد دلا دیا جائے

تو وہ اپنے منصب سے گر جاتا ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ میں ابھی تک اپنے قدموں پر کھڑا ہوں۔'' حبشی زادے کے لہجے میں بڑی استقامت تھی۔

نظام الملک فریب کارانہ انداز میں مسکرایا۔ ''بہت خوب۔'' وزیراعظم ہند نے حبشی زادے کی تعریف کی۔ مگر دل ہی دل میں یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ''عنقریب تُو اپنے قدموں پر کھڑا نہیں رہ سکے گا۔''

نظام الملک نے شہزادی رضیہ سلطانہ کی کنیز فردوس کی طرف دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ فردوس قلعۂ معلیٰ کی خوبصورت ترین کنیزوں میں سے ایک تھی۔ اسے دیکھ کر نظام الملک کے جذبات میں ہلچل سی مچ گئی۔ اگرچہ کئی کنیزیں اس کی خدمت پر مامور تھیں مگر فردوس کے سامنے ان کی حیثیت کچھ ایسی ہی تھی کہ جیسے سورج کے روبرو کوئی شمع روشن کر دی جائے۔ نظام الملک کے دل و دماغ میں جذبات و خیالات کا طوفان سا اُٹھنے لگا۔ وہ کچھ دیر تک فردوس کے سراپا کا جائزہ لیتا رہا۔ شہزادی کی کنیزِ خاص وزیراعظم ہند کے احترام میں خاموش کھڑی رہی۔ اس کی نظریں شرم سے جھکی ہوئی تھیں اور پورا جسم پسینے سے نہا گیا تھا۔

''شہزادی معظمہ کو خبر کرو کہ وزیراعظم ہند تشریف لائے ہیں۔'' فردوس کو دیکھ کر نظام الملک کے لہجے کی آمریت کچھ اور نمایاں ہو گئی تھی۔

فردوس آہستہ قدموں سے اندر چلی گئی۔ اور پھر کچھ دیر بعد نظام الملک کو اندر طلب کر لیا گیا۔

''تشریف رکھیے۔'' پردے کے پیچھے سے وزیراعظم کو حکم دیا گیا۔

نظام الملک کرسی پر بیٹھ گیا۔ پردے کے پیچھے خاموشی رہی۔ شہزادی رضیہ سلطانہ چاہتی تھی کہ وزیراعظم خود اپنی آمد کا مقصد بیان کرے۔

''میں ایک ضروری کام سے حاضر ہوا ہوں شہزادی عالیہ!'' نظام الملک نے بہت آہستہ لہجے میں کہا۔ اسے شہزادہ رکن الدین کے واقعے کے بعد اندازہ ہو گیا تھا کہ پردے کے پیچھے کوئی نرم و نازک اور نوعمر دوشیزہ نہیں بلکہ ایک ذہین اور آہنی اعصاب رکھنے والا فرمانروا موجود ہے۔

''شہزادی عالیہ نہیں، سلطانِ معظم کہو۔'' رضیہ کی پُر جلال آواز اُبھری۔ ''ہمیں وزیراعظم ہند سے یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ وہ منصبِ سلطانی کو پہچاننے میں کوتاہی سے کام لیں گے۔''

نظام الملک سیاست کے سمندر کا پرانا تیراک تھا۔ وہ ایک ہلکی سی موج کو خاطر میں نہیں لایا۔ ''اس خادم سے زیادہ کون ہو گا منصبِ سلطانی کو پہچاننے والا؟'' وزیراعظم الفاظ کا جادوگر تھا۔ اس نے رضیہ سلطانہ کے گرد بھی ایک طلسم کدے کی دیواریں اٹھانی شروع کر دیں۔ ''ایک عمر گزری ہے شہزادی عالیہ کا وِرد کرتے کرتے۔ بس یہی وجہ تھی کہ زبان لڑکھڑا گئی۔ ورنہ مقامِ سلطانی تو یہ ہے کہ غلام کا دل، دماغ اور روح سب اسی کے اسیر ہیں۔''

''کیسے زحمت کی آپ نے؟'' رضیہ کے لہجے میں نرمی آ گئی تھی۔ گویا شہزادی نے وزیراعظم کا عذر قبول کر لیا تھا۔

''کیا اس وقت سلطانِ معظم کے قریب کوئی اور بھی موجود ہے؟'' نظام الملک نے جواب دینے کے بجائے خود شہزادی سے ایک سوال کر ڈالا۔

''میری کنیزِ خاص کے سوا کوئی اور نہیں۔'' رضیہ نے فردوس کی طرف دیکھا جو پسینے میں شرابور اپنی آقا زادی کے بائیں طرف قریب ہی کھڑی تھی۔

"تخلیہ چاہتا ہوں سلطانِ معظم! کہ بعض امورِ سلطنت اپنے سائے کے بھی متحمل نہیں ہوتے۔" نظام الملک نے بڑے مؤدبانہ لہجے میں عرض کیا۔

"شہزادی نے فردوس کی طرف دیکھا۔ کنیزِ خاص ریشمی پردے سے باہر آئی اور نظام الملک کے سامنے طویل و عریض کمرے سے گزر کر ملحقہ کمرے میں داخل ہوگئی۔

فردوس کے جاتے ہی نظام الملک نے اپنے پیرہن کی جیب سے ایک کاغذ نکالا اور ریشمی پردے کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے؟" رضیہ سلطانہ نے پوچھا۔

"شہزادہ رکن الدین کا خط۔" نظام الملک نے وضاحت کی۔

"اس خط کو سرکاری ڈاک سے موصول ہونا چاہئے تھا۔" رضیہ سلطانہ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

"یہ میرا ذاتی خط ہے۔" نظام الملک نے اپنے سر کو مزید جھکا لیا۔ "شہزادہ رکن الدین نے مجھے بدایوں طلب فرمایا ہے۔ شاید وہ کسی اہم مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔" وزیراعظم ہند بڑی ذہانت کے ساتھ ایک نئے منصوبے پر عمل کر رہا تھا۔

"تو پھر چلے جایئے۔" شہزادی نے کسی تامل کے بغیر کہا۔ رضیہ سلطانہ کا جواب سن کر چند لمحوں کے لئے نظام الملک کو سکتہ سا ہو گیا مگر وہ "گرگِ باراں دیدہ" فوراً ہی سنبھل گیا۔ "میں دارالحکومت چھوڑ کر کس طرح جا سکتا ہوں؟ جبکہ سلطانِ معظم یہاں موجود نہیں ہیں۔"

"محترم وزیراعظم نے دہلی کے بام و در کو غور سے نہیں دیکھا۔" رضیہ سلطانہ کی پُر جلال آواز اُبھری۔ "سلطانِ معظم یہاں ہمہ وقت موجود ہیں۔"

نظام الملک کے تصورات کی پوری عمارت یکایک منہدم ہوگئی۔ نوعمر دوشیزہ نے اس کے پورے سیاسی وجود کی نفی کر دی تھی۔ وزیراعظم ہند کا خیال تھا کہ اس کی یہ بات سن کر شہزادی رضیہ سلطانہ پریشان ہو جائے گی اور عاجزانہ لہجے میں کہے گی کہ "آپ اس وقت دہلی چھوڑ کر بدایوں نہ جائیں ورنہ سارا نظمِ حکومت زیر و زبر ہو کر رہ جائے گا۔" مگر رضیہ سلطانہ نے نظام الملک کی اس اطلاع کو بس اتنی ہی اہمیت دی کہ جیسے کوئی عام خدمت گار اپنی بیماری کے سبب چند دنوں کی رخصت طلب کر رہا ہو۔ وزیراعظم نے بڑی مشکل سے اپنے چہرے کے بگڑتے ہوئے رنگ پر قابو پایا اور زخمی ہو جانے والے سانپ کی طرح پلٹ کر شہزادی رضیہ سلطانہ پر وار کیا۔

"سلطانِ معظم! اپنے اس غلام کی مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کیجئے جس کا کمزور جسم تین سمتوں سے آنے والی ہواؤں کی زد پر ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک تنہا چراغ اپنے آپ کو کس طرح بچائے؟" نظام الملک نے فوراً ہی اپنا لہجہ بدل دیا۔ اب عیار سیاست داں ایک مظلوم شخص نظر آ رہا تھا۔

"کیسی ہوائیں اور کیسا چراغ؟" رضیہ سلطانہ نے چونک کر پوچھا۔

"آپ کی مادرِ گرامی ترکان شاہ چاہتی ہیں کہ میں ہر وقت ان کی خدمت میں حاضر رہوں۔" نظام الملک کی آواز سے بے چارگی کا رنگ جھلک رہا تھا۔ "اور شہزادۂ عالم کی خواہش ہے کہ میں بدایوں چلا آؤں اور ان کی کامیابیوں کے لئے راستہ ہموار کروں۔" یہ کہہ کر نظام الملک چند ساعتوں کے لئے خاموش ہو گیا۔ پھر بڑے

دردمندانہ لہجے میں شہزادی سے مخاطب ہوا۔ "اور میرا فرضِ منصبی کہتا ہے کہ میں اپنے عمر بھر کے سیاسی تجربات آپ کی نذر کر دوں۔"

نظام الملک کی بات سن کر رضیہ سلطانہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اور وزیراعظم ہند یہی چاہتا تھا کہ خاندانِ التمش کے تمام افراد ایک دوسرے کو دشمن کی نظر سے دیکھنے لگیں۔ شہزادی رضیہ سلطانہ کا ذہن بھی بے شمار وسوسوں اور اندیشوں سے بھر گیا۔

"میں سلطانِ ذی حشم کا نمک خوار ہوں، اس لئے آپ کا بھی حرفِ اعتبار ہوں۔" نظام الملک یہ کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔ "امرائے سلطنت اس لئے ناخوش ہیں کہ آپ ایک خاتون ہیں۔ اور شہزادگانِ عالی مقام اس لئے خفا ہیں کہ انہیں حقِ وراثت سے محروم کیا جا رہا ہے۔" وزیراعظم ہند بڑی خطرناک چالیں چل رہا تھا۔ "بے اختیار ہوں، اس لئے سرِ عام لب کشائی نہیں کر سکتا۔ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ سینکڑوں مردانِ دانشمند پر آپ کی تنہا عقل بھاری ہے۔"

"امورِ سلطنت میں آپ کی گواہی درجۂ اعتبار رکھتی ہے۔" رضیہ سلطانہ ایک عیار سیاست داں کے فریب میں آ گئی۔ "میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں۔"

نظام الملک نصف قد تک جھکا اور اُلٹے قدموں واپس چلا گیا۔

وزیراعظم نے بڑی ذہانت سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تھا۔ کچھ دن پہلے شہزادہ رکن الدین نے ایک خفیہ خط کے ذریعے اسے بدایوں طلب کیا تھا مگر نظام الملک نے یہ کہہ کر معذرت کر لی تھی کہ دارالحکومت سے روانگی اسے رضیہ سلطانہ کی نظروں میں مشکوک بنا دے گی۔ مزید یہ کہ وہ دہلی میں رہ کر ہی شہزادے کے مفادات کی حفاظت کر سکتا ہے۔ دوسری طرف اس نے رکن الدین کے خط کو رضیہ سلطانہ پر ظاہر کر دیا کہ اگر کبھی مراسلت کا یہ راز فاش ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو بے قصور ثابت کر سکے۔ نظام الملک کو مجبوراً ترکان شاہ کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔ مگر وزیراعظم سے یہ حقیقت بھی پوشیدہ نہیں تھی کہ رضیہ سلطانہ کے جاسوس اس کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے نظام الملک نے شہزادی پر ترکان شاہ کے خوف ناک عزائم ظاہر کر دیئے تھے تاکہ خاندانِ التمش نفرتوں کی آگ میں جل کر راکھ ہو جائے۔ دراصل نظام الملک ان سیاست دانوں میں سے تھا جو بیک وقت ساری دنیا کو راضی رکھنا چاہتے ہیں مگر خود کسی سے راضی نہیں ہوتے۔ وزیراعظم ہند نے اپنا کوئی راستہ بند نہیں کیا تھا۔ نظام الملک کی آخری خطرناک چال یہ تھی کہ اس نے رضیہ سلطانہ کی تعریف کر کے اپنے مستقبل کو بچا لیا تھا۔ شہزادہ رکن الدین کی ناکامی کی صورت میں اس کے لئے کوئی جائے پناہ نہ ہوتی۔ مگر نظام الملک نے ایک عورت کی شان میں قصیدہ پڑھ کر ایسے تمام خطرات کو سیاست کے تیز نشتر سے ذبح کر دیا تھا۔

❁==❁==❁

نظام الملک کے جاتے ہی کنیز فردوس کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے چہرے کی رنگت اُڑی اُڑی تھی اور آنکھوں میں خوف کے سائے لرز رہے تھے۔

''کیا بات ہے فردوس؟'' اپنی کنیزِ خاص کی بگڑی ہوئی حالت دیکھ کر رضیہ سلطانہ نے تشویش ناک لہجے میں پوچھا۔

''عزت مآب وزیراعظم کس لئے تشریف لائے تھے؟'' فردوس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

رضیہ سلطانہ کی شفاف پیشانی پر کئی بل پڑ گئے اور غزالی آنکھوں میں شدید ناگواری کا رنگ اُبھر آیا۔

فردوس آگے بڑھ کر رضیہ سلطانہ کے قدموں سے لپٹ گئی۔ ''شہزادی حضور! کنیز اپنی حیثیت کو پہچانتی ہے۔''

''پھر؟'' رضیہ سلطانہ کی ناگواری کا وہی عالم تھا۔

''میں تو بس اتنا عرض کرنا چاہتی ہوں کہ وزیراعظم ہندوستان کچھ بھی سہی، آپ کے ہمدرد نہیں ہیں۔'' فردوس نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔

''تُو اپنی حدود سے بہت آگے بڑھ گئی فردوس!'' یکایک رضیہ سلطانہ غضب ناک نظر آنے لگی تھی۔

''میری حدود تو آقا زادی کے قدموں تک ہیں۔'' فردوس نے سر اٹھاتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ ''وہ شخص کسی کا ہمدرد نہیں ہوسکتا جو اپنی بیٹیوں کو بھی ہوس کار نظروں سے دیکھے۔ وزیراعظم بھی صرف اپنے نفس کے غلام ہیں۔''

رضیہ سلطانہ جوشِ غضب میں کھڑی ہوگئی۔ ''اپنے دعوے کا ثبوت فراہم کر۔ ورنہ ریاست کے معزز ترین فرد پر الزام تراشی کی سزا بڑی سنگین ہوگی۔''

''میں ان کی رعایا ہوں اور رعایا بھی بیٹی کے مانند ہوتی ہے۔'' فردوس ابھی تک گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی تھی۔

''مگر وزیراعظم ہند نے باپ ہونے کا ثبوت نہیں دیا۔ میں نے پہلی بار انہیں اتنے قریب سے دیکھا اور وہ مجھے قاتل نظر آئے۔'' یہ کہتے کہتے فردوس بھی کھڑی ہوگئی اور اس نے شہزادی کو پوری روداد سنا ڈالی۔

رضیہ سلطانہ کی حالت قہر اذیت میں بدل گئی۔ سلطان التمش کی سختیوں کے باعث بہت سے امراء کے گناہوں پر پردہ پڑا ہوا تھا تاہم رضیہ سلطانہ، حکمرانوں کی عیش پرستیوں کے قصوں سے ناواقف نہیں تھی۔

''یہ تیری نظروں کا دھوکا بھی ہوسکتا ہے فردوس!'' رضیہ نے اپنی کنیزِ خاص کا ذہن صاف کرنے کی کوشش کی۔ وہ خود ایک باحیا دوشیزہ تھی، اس لئے وزیراعظم سے بھی حُسنِ ظن رکھتی تھی۔

''شہزادی عالیہ! ایک عورت، مرد کے وعدوں کے فریب میں آسکتی ہے مگر گناہ آلود نظروں کو پہچاننے میں کبھی دھوکا نہیں کھا سکتی۔'' اذیت و کرب کی آگ میں فردوس کے دل و دماغ بھی جل رہے تھے اور زبان بھی۔

کچھ دیر کے لئے رضیہ سلطانہ کی نظروں کے سامنے بہرام غوری کا چہرہ اُبھر آیا۔ اگرچہ نائب سپہ سالار کی آنکھوں میں محبت کا ایک مبہم سا پیغام تھا لیکن شہزادی نے ایک لمحے میں اس زاویۂ نظر کو پہچان لیا تھا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو فردوس!'' رضیہ سلطانہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''طاقتور مردوں کی دنیا میں ایک کمزور عورت کیا کرے؟''

''میں وزیراعظم سے دیگر معاملات میں کوئی بدگمانی نہیں رکھتی۔ اور یہ میرا حلقۂ کار بھی نہیں۔ مگر.....'' فردوس دوبارہ رضیہ سلطانہ کے قدموں سے لپٹ گئی۔ ''اتنی التجا ضرور ہے کہ مجھے اپنے سایۂ کرم سے جدا نہ کیجئے گا۔ آج نہیں تو کل کسی نئی فتح کے جشن کا ہنگامہ برپا ہوگا۔ اور پھر اسی ہنگامۂ نشاط میں وزیراعظم ہند یا کوئی دوسرا ترک سردار اپنی خدمات کا سود وصول کرنے کے لئے سلطانِ معظم سے آپ کی اس کنیز کو مانگ لے گا۔ اگر کبھی ایسا وقت آجائے.....''

یکایک فردوس کی ہچکیاں تیز ہوگئیں اور وہ اپنی بات مکمل نہ کرسکی۔

رضیہ سلطانہ نے بے قرار ہوکر فردوس کو گلے سے لگا لیا۔ ''اگر تُو نیلام ہوگی تو اپنی خوشی کے ساتھ..... مگر یہ ممکن ہے کہ میری زندگی میں تجھے کوئی سیاسی تاجر خرید لے۔''

فردوس اپنی آقا زادی کے سینے پر سر رکھے سسک رہی تھی اور اس کے خیالوں میں بہرام غوری کا چہرہ اُبھر رہا تھا۔

❄==❄==❄

پانچ ہزار نومسلم راجپوتوں کا سرغنہ امر سنگھ رات کی تنہائی میں ٹھاکر بلرام سنگھ اور سوامی دینا ناتھ سے ملا۔

''ٹھاکر! یہ زندگی کس کام کی؟ نہ عورت ہے نہ شراب۔ گھر بار بھی چھوٹے اور جیون کے سارے سُکھ بھی رُوٹھے۔ تم نے ہمیں کس کام پر لگا دیا ہے۔'' امر سنگھ بڑے تلخ لہجے میں بول رہا تھا۔ ''دیکھو! پتھر توڑتے توڑتے ہمارے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ راجپوت شودروں اور اچھوتوں کی طرح مزدوری کر رہے ہیں۔ کیسا انرتھ (غضب) ہے ٹھاکر! شیر گھاس کھا رہے ہیں۔ ہمیں بتاؤ کہ ہمارے شکار کہاں ہیں؟ ورنہ ہم سب اپنے گھروں کو جا رہے ہیں۔ تم ہی دیوی دیوتاؤں کا آشیرباد حاصل کرو اور تم ہی کو دھرم کی یہ سیوا مبارک ہو۔''

''وہ دن آگیا میرے شیرو! بہت جلد تم سب کی بھوک مٹ جائے گی۔'' اس وقت بلرام سنگھ، سوامی کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ ٹھاکر نے ایک پیالہ لبریز کرکے امر سنگھ کی طرف بڑھا دیا۔ امر سنگھ ہفتے بھر کا پیاسا تھا، ایک ہی گھونٹ میں پورا پیالہ پی گیا۔

''سلطان کو گوالیار کا محاصرہ کئے ہوئے چھ ماہ گزر چکے ہیں۔'' بلرام سنگھ، امر سنگھ کو سمجھا رہا تھا۔ ''آٹھ دن بعد جب چاند ڈوب جائے تو تم سب فوجی چھاؤنی سے نکل کر گوالیار کی طرف روانہ ہو جاؤ گے۔ پھر تم سلطان کے سامنے پہنچ کر کہو گے کہ تمہیں تازہ دم کمک کے طور پر شہزادی رضیہ سلطانہ نے بھیجا ہے۔ میرے جاسوسوں کی اطلاعات یہی ہیں کہ سلطان اس محاصرے سے تنگ آچکا ہے۔ وہ تازہ دم فوج کی آمد کو اپنے لئے ایک نیک شگون سمجھے گا اور پھر تم آسانی سے شاہی لشکر میں شامل ہو جاؤ گے۔''

''سمجھ گیا ٹھاکر!'' امر سنگھ نے لہراتے ہوئے کہا۔ ''مکمل ترین منصوبہ ہے۔ کبھی ناکام نہیں ہوگا۔''

''خبردار! لشکر میں ایک جگہ نہ رہنا۔'' بلرام سنگھ نے تنبیہہ کرتے ہوئے کہا۔ ''پانچ پانچ سو کی ٹولیوں میں تقسیم ہو

جانا اور پھر ایک ہی وقت میں سلطان کے سوئے ہوئے سپاہیوں پر حملہ کر دینا۔"

"جے درگا ماتا کی..... جے بھوانی کی....." امر سنگھ نے جھومتے ہوئے کئی نعرے بلند کئے اور پھر سوامی دینا ناتھ کی کٹیا سے نکل کر فوجی چھاؤنی کی طرف چلا گیا۔

❁==❁==❁

دربار برخاست ہونے کے بعد آج پھر جمال الدین یاقوت نے شہزادی سے درخواست کی تھی کہ وہ بہت تھک گیا ہے، اس لئے آرام کرنا چاہتا ہے۔ کوئی ایک ماہ سے حبشی زادے کا یہی عمل تھا۔ اب اس نے شہزادی کے کمرے پر پہرہ دینا بھی چھوڑ دیا تھا۔ دربار میں بھی اس کی یہ حالت تھی کہ کھڑے کھڑے اونگھتا رہتا تھا۔ شہزادی کچھ دن تک تو اس کی یہ حرکتیں برداشت کرتی رہی، پھر ایک روز حبشی زادے کو خلوت میں طلب کر لیا گیا۔

"بابا محترم نے تمہیں میرا محافظِ خاص مقرر کیا تھا۔" شہزادی نے تند و تیز لہجے میں کہا۔

"میں اسے اپنے لئے سب سے بڑا اعزاز سمجھتا ہوں۔" یاقوت حبشی کے ادب و احترام کا وہی انداز تھا مگر اس کی آواز کھوکھلی تھی۔

"مگر اب تم محافظِ خاص نہیں رہے۔ ایک کاہل الوجود دربان بن گئے ہو جو کسی افیمی کی طرح دن رات سوتا رہتا ہے۔" رضیہ کا لہجہ کچھ اور تلخ ہو گیا تھا۔

"سلطانِ ذی قدر! خدا گواہ ہے کہ میں کوئی نشہ نہیں کرتا۔" یاقوت حبشی کے چہرے پر اذیت و کرب کا رنگ نمایاں ہو گیا تھا۔

"پھر تم دربار سے اُٹھ کر گھر کیوں چلے جاتے ہو؟" رضیہ سلطانہ نے اس طرح پوچھا جیسے کسی مجرم سے باز پرس کی جا رہی ہو۔

"میں بیمار ہوں آقائے نعمت!" حبشی زادے کی آواز میں عجیب سی خلش تھی۔ "اگر میری جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اپنی جگہ سے جنبش ہی نہیں کر سکتا تھا۔ آپ کو کیا خبر کہ میں کس طرح دربار تک پہنچا ہوں۔ چند قدم کا فاصلہ بھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی طویل پہاڑی راستے سے گزر کر آیا ہوں۔"

"کسی طبیب سے رجوع کیا؟" رضیہ سلطانہ کا لہجہ کچھ نرم ہو گیا تھا۔

"حکیم صاحب کہتے ہیں کہ یہ میرا وہم ہے، مجھے کوئی مرض لاحق نہیں۔" حبشی زادے نے کسی مصلحت سے کام لئے بغیر صاف صاف کہہ دیا۔

پھر جب رضیہ سلطانہ نے خواجہ مہدی غزنوی اور سیف الدین ایبک سے مشورہ کیا تو دونوں ترک سرداروں کی زبانیں جمال الدین یاقوت کے خلاف زہر اُگلنے لگیں۔ "سلطانِ معظم کی بے پناہ نوازشات نے اس کم نسب کو مغرور بنا دیا ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔" ترک امیروں کو مناسب موقع کی تلاش تھی۔ بالآخر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے۔

ایک دن رضیہ سلطانہ نے یاقوت حبشی کو محافظِ خاص کے عہدے سے معزول کرتے ہوئے کہا۔ "تم گھوڑوں کی نگرانی کرو۔ یہی کام تمہارے لئے مناسب ہے۔"

جمال الدین یاقوت سناٹے میں آ گیا۔ "میرے نزدیک عہدہ و منصب سے گر جانا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ مگر آقائے نعمت کی چشمِ اعتبار سے گر جانا غلام کی موت ہے اور میں اس طرح مرنا نہیں چاہتا۔ بس ایک موقع اور۔"

رضیہ سلطانہ کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر تحکم آمیز لہجے میں بولی۔ "کل سے تم نصف شب تک میری خواب گاہ کے دروازے پر پہرہ دو گے۔ اگر اس دوران ایک بار بھی تمہاری آنکھ جھپکی تو ناقابلِ معافی مجرم قرار دے دیئے جاؤ گے۔"

یاقوت حبشی واپس چلا گیا۔

"شہزادی عالیہ! واقعی یہ شخص بیمار نظر آتا ہے۔" جمال الدین کے جاتے ہی فردوس نے کہا۔ "نہ اس کی رفتار باقی رہی نہ گفتار۔ ذرا غور سے دیکھئے! کس طرح جا رہا ہے جیسے زندگی کے بارِ گراں کو گھسیٹ رہا ہو۔ آخر کوئی چیز تو ہے جس نے اس کے قدموں کی دھمک بھی چھین لی ہے اور لہجے کی تڑپ بھی۔ یہ تو زندہ لاش معلوم ہوتا ہے۔"

"مت کر فضول باتیں۔" شہزادی نے فردوس کو ڈانٹ دیا۔ "محاذِ جنگ پر بیماروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

فردوس نے غور سے دیکھا۔ اس کی رحم دل آقا زادی ایک سخت گیر حکمراں نظر آ رہی تھی۔

❁==❁==❁

آج اماوس کی رات تھی۔ فضا پر اس قدر گہرا اندھیرا مسلط تھا کہ انسان کو اپنا آپ تک نظر نہیں آتا تھا۔ امر سنگھ اور اس کے پانچ ہزار ساتھیوں نے وزیرِ اعظم نظام الملک کے متعین کردہ پچاس مسلح محافظوں کو قتل کر دیا اور زیرِ تعمیر فوجی چھاؤنی سے فرار ہو گئے۔

صبح جب یہ خبر دربارِ سلطانی میں پہنچی تو ہنگامہ برپا ہو گیا۔ حالانکہ نومسلم راجپوتوں کے فرار کی تمام تر ذمے داری نظام الملک پر عائد ہوتی تھی مگر اس نے بڑی عیاری کے ساتھ اپنی گردن بچاتے ہوئے ناکامی کا یہ طوق رضیہ سلطانہ کی گردن میں ڈال دیا۔

شہزادی بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی تھی۔ اس نے فوری طور پر اپنے سینکڑوں فوجی مفرور راجپوتوں کے تعاقب میں روانہ کر دیئے مگر شام تک ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔

سلطان التمش نے دہلی سے رخصت ہوتے وقت نومسلم راجپوتوں کی نگرانی کی ذمے داری نظام الملک کے سپرد کی تھی مگر چونکہ یہ بات تنہائی میں ہوئی تھی، اس لئے وزیرِ اعظم پر انگلی اٹھانے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ عیار سیاست داں اپنے ہم نوا امیروں کے ساتھ بیٹھا شہزادی رضیہ کی بدحواسیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

ترکان شاہ بھی بہت خوش تھی کہ التمش کے جانشین نے پہلی ناکامی کا مزہ چکھ لیا تھا۔

پھر اسی دن ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا۔ جمال الدین یاقوت حسبِ معمول شہزادی رضیہ کے بائیں ہاتھ پر کھڑا تھا کہ یکایک لہرایا اور کئی ہاتھ اونچے تخت سے پھسل کر فرش پر گر پڑا۔ یہ حادثہ اس قدر غیر متوقع تھا کہ شہزادی بھی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ دربارِ سلطانی میں موجود خدمت گار، حبشی زادے کی طرف دوڑ پڑے۔ جمال الدین یاقوت کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

محافظِ خاص کے قریب پہنچنے والوں میں وزیرِ اعظم نظام الملک بھی تھا۔ اسے حکیم مسعود رازی کے نسخے کی تاثیر پر یقین آ گیا تھا۔ نظام الملک نے بہت غور سے حبشی زادے کو دیکھا جو بہت تیزی سے اپنی طبعی موت کی طرف بڑھ

رہا تھا۔

❁==❁==❁

دربارِ سلطانی میں ہلچل سی مچ گئی۔ امیر آخور اور شہزادی کے محافظِ خاص جمال الدین یاقوت حبشی کا اس طرح یکایک بے ہوش ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ رضیہ سلطانہ اور اس کے حامی امراء بہت زیادہ فکرمند نظر آ رہے تھے۔ اس کے برعکس وزیراعظم نظام الملک اور اس کا گروہ بے حد خوش تھا کہ راستے کی دیوار گر چکی تھی اور اب اس کا ملبہ اٹھایا جانے والا تھا۔

رضیہ سلطانہ کے حکم پر اسی وقت پالکی منگوائی گئی۔ مضبوط جسم رکھنے والے آٹھ دس خدمت گاروں نے بے ہوش حبشی زادے کو اٹھا کر پالکی میں ڈالا اور اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ شہزادی کی طلبی پر شاہی طبیب ابنِ عمار حاضر ہوا اور جمال الدین یاقوت کے مرض کی تشخیص کرنے لگا۔

شہزادی دربارِ سلطانی میں موجود تھی اور امورِ سلطنت انجام دے رہی تھی مگر اس کے ذہن میں بار بار یاقوت حبشی کا مضمحل اور اُداس چہرہ اُبھر رہا تھا۔

''میں بیمار ہوں سلطانِ عالی قدر!'' کبھی کبھی رضیہ سلطانہ کو یوں محسوس ہوتا جیسے جمال الدین یاقوت سرگوشیاں کر رہا ہو۔

شہزادی کو احساس ہوا کہ اس نے ''امیر آخور'' کے ساتھ زیادتی کی اور اسے فرض کی عدم ادائیگی پر مجرم قرار دیا۔ غرض رضیہ سلطانہ دربار کے برخاست ہونے تک شدید ذہنی کشمکش کا شکار رہی۔ مگر اس نے اپنے اضطراب کو اہلِ دربار پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔

پھر جب وہ امورِ سلطنت سے فراغت پا کر اپنی خواب گاہ میں پہنچی تو کنیزِ خاص فردوس اُس کی منتظر تھی۔

''کیسا ہے جمال الدین یاقوت؟'' اگرچہ رضیہ کے لہجے سے آمریت کا رنگ نمایاں تھا لیکن چہرے سے تشویش جھلک رہی تھی۔

''ابھی تک بے ہوش ہے۔'' فردوس نے آہستہ سے کہا مگر شہزادی سے اس کی آواز کی خلش پوشیدہ نہ رہ سکی۔

''شاہی طبیب بدل بدل کر دوائیں دے رہے ہیں مگر کسی قسم کا افاقہ نظر نہیں آتا۔''

رضیہ سلطانہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

❁==❁==❁

حکیم مسعود رازی وزیراعظم ہند کی خلوت میں داخل ہوا اور اس نے تین بار نظام الملک کی خدمت میں فرشی سلام پیش کیا۔

''رازی! میں تیرے علم کی وسعتوں کا قائل ہو گیا۔'' نظام الملک کے لہجے میں بڑی سرشاری تھی۔ ''میں تیرے ہر دعوے پر ایمان لے آیا۔ تُو صرف مُردوں ہی میں جان نہیں ڈال سکتا، جیتے جاگتے اور تندرست و توانا انسانوں کو بھی قبر میں پہنچا سکتا ہے۔''

''حضور کا یہ اعتراف میرے لئے سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔'' حکیم رازی دوزانو ہو کر وزیراعظم کے سامنے بیٹھ گیا۔

''تیرے علم کے مطابق اب وہ حبشی زادہ اور کتنے دن کا مہمان ہے؟'' نظام الملک نے اس ضمیر فروش طبیب سے پوچھا جس نے دربارِ سلطانی میں نشست حاصل کرنے کے لئے ایک وفادارِ سلطنت کو قبر کے نزدیک پہنچا دیا تھا۔

''چراغ کا تیل خشک ہو چکا ہے اور ہوا کے جھونکے بہت تیز ہیں۔'' حکیم رازی کے ہونٹوں پر بڑی عیارانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ ''کسی بھی وقت بجھ سکتا ہے۔ مگر چونکہ جمال الدین یاقوت مضبوط اعصاب کا نوجوان ہے، اس لئے میں اسے زیادہ سے زیادہ پندرہ دن کا وقت دیتا ہوں۔ اب وہ ہوش میں نہیں آئے گا۔''

''یاد رہے کہ طبیبِ خاص ابنِ عمار اس کا علاج کر رہا ہے۔'' یکایک نظام الملک کچھ فکرمند سا نظر آنے لگا تھا۔

''تُو ابنِ عمار کے بارے میں نہیں جانتا۔ وہ ایک طبیبِ حاذق ہے۔ عربی النسل ہے۔ بے پناہ مشاہدہ رکھتا ہے اور انتہائی نیک سیرت انسان ہے۔ تُو نے جس علم میں مہارتِ خاص حاصل کی ہے، وہ اس کے قریب جانا بھی پسند نہیں کرتا۔ خدا نے اس کے ہاتھوں ایسے ایسے مریضوں کو شفا دی ہے جن کی قبریں تک کھودی جا چکی تھیں۔''

''ابنِ عمار؟'' حکیم مسعود رازی کے چہرے کا رنگ بگڑ گیا۔ ''یہ تو سلطانِ عالی مقام کا ادب ہے کہ نمک خوار اپنی زبان نہیں کھولتے۔ ورنہ میرا اور ابنِ عمار کا کیا مقابلہ؟ ہاں! لقمان سے اس موضوع پر گفتگو ہو سکتی تھی..... جالینوس اور بوعلی سینا میرے علم کو سمجھ سکتے تھے۔'' حکیم مسعود رازی بہت زیادہ جذباتی نظر آ رہا تھا۔ ''یہ بے علم شاہی طبیب اور میں؟ بخدا ہرگز نہیں..... خاک کو آسماں سے کیا نسبت؟''

حکیم رازی اپنی لاف زنی کے سہارے وزیراعظم ہند کے دل و دماغ پر مسلط ہونا چاہتا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ نظام الملک کون ہے۔

''بس رازی! بس۔ تُو بہت ہذیان بک چکا۔'' نظام الملک نے عرش کی فضاؤں میں پرواز کرنے والے حکیم کو یکایک زمین پر پٹخ دیا۔ ''میں تجھ سے پوچھ رہا ہوں کہ کیا جمال الدین یاقوت کا علاج ممکن ہے؟ کہیں ابنِ عمار تیرے دیئے ہوئے زہر کا تریاق تو تلاش نہیں کر لے گا؟''

حکیم رازی اپنی کھال میں واپس لوٹ آیا اور گداگروں کے لہجے میں بات کرنے لگا۔ ''میں نے حضور سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ تریاق کی جستجو اس وقت کی جا سکتی ہے جب طبیب اس زہر کی حقیقت کو سمجھ لے جو انسانی جسم میں داخل کیا گیا ہے۔''

''اور اگر ابنِ عمار کی نظر اس زہر تک پہنچ گئی؟'' نظام الملک کچھ پریشان سا نظر آ رہا تھا۔

''یہ تو وہی بات ہوئی حضور! کہ سورج مغرب سے نکل آیا۔'' حکیم رازی کا لہجہ ایک بار پھر بدل گیا تھا۔ ''اگر ابنِ عمار اس زہر کو پہچاننے میں کامیاب ہو گیا تو پھر آپ کے اس غلام کے علم پر تین حرف۔''

''پھر وہی دعویٰ!'' نظام الملک غصے میں آ گیا۔ ''تیرا علم تجھے دعوے کرنا سکھاتا ہے مگر سیاست کسی دعوے پر ایمان نہیں رکھتی۔ ہم لوگ آخری سانس تک کسی غیر متوقع حادثے کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جمال الدین یاقوت بھی دوبارہ صحت یاب ہو جائے۔''

''حضورِ والا! یہ ممکن نہیں۔'' حکیم رازی اپنے دعوے پر مصر تھا۔

''میں نے تیری باتیں سن لیں رازی!'' نظام الملک نے سخت لہجے میں کہا۔ ''بس اب تُو جا۔ میں دیکھتا ہوں کہ ابنِ عمار، حبشی زادے کے بارے میں کیا کہتا ہے؟''

حکیم رازی تھکے تھکے قدموں سے واپس چلا گیا۔

❁==❁==❁

حکیم رازی کے جاتے ہی نظام الملک نے اپنے خدمت گارِ خاص کو طلب کرتے ہوئے کہا۔ ''شاہی طبیب کو ہماری خدمت میں پیش کرو۔''

خدمت گار پلٹا ہی تھا کہ نظام الملک نے کچھ سوچتے ہوئے اپنا ارادہ بدل دیا۔ ''ٹھہرو! ہم خود ابنِ عمار سے ملاقات کریں گے۔''

خدمت گار دست بستہ کھڑا رہا اور نظام الملک اپنی خلوت گاہ سے نکل کر جمال الدین یاقوت کے کمرے کی طرف جانے لگا۔

پھر وزیرِاعظم ہند اس کمرے میں داخل ہوا جہاں یاقوت حبشی اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ نظام الملک کو دیکھ کر طبیبِ شاہی ابنِ عمار احتراماً کھڑا ہو گیا۔

نظام الملک آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور جمال الدین کے بستر کے قریب جا کر ٹھہر گیا۔ سانولی رنگت کا نوجوان جس کے چہرے پر کبھی زندگی کی آگ روشن تھی، اس وقت نیم مُردہ حالت میں لیٹا ہوا تھا۔

''اے طبیبِ حاذق! ہمیں بتا کہ اس جاں نثارِ سلطنت کا کیا حال ہے؟'' نظام الملک بڑے منافقانہ لہجے میں ابنِ عمار سے مخاطب ہوا۔

''اب کچھ بہتر ہے۔'' ابنِ عمار نے یاقوت حبشی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تھوڑی دیر پہلے تو اس کا دل بھی ڈوبا جا رہا تھا۔ اس وقت نبض کی رفتار مضبوط ہے اور ایک بڑا خطرہ ٹلتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔''

شاہی طبیب کے اس انکشاف سے نظام الملک کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ مگر اس نے چہرے سے اپنی دلی کیفیات کا اندازہ نہیں ہونے دیا۔ ''اسے کیا بیماری لاحق ہے؟'' نظام الملک کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے حبشی زادے کی یہ حالت دیکھ کر وہ بہت زیادہ پریشان ہو گیا ہے۔

''ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔'' ابنِ عمار نے رسمی تکلفات کے بغیر کہا۔

''ابنِ عمار! غور سے سن کہ یہ سلطانِ معظم کا محافظِ خاص ہے اور اس کی زندگی بہت قیمتی ہے۔'' نظام الملک نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

''میں اپنے بیماروں میں تخصیص روا نہیں رکھتا۔'' شاہی طبیب نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''وہ سلطانِ معظم کا محافظِ خاص ہو یا دہلی کا کوئی مفلس وفادار باشندہ۔ میں صرف مریض کو دیکھتا ہوں، اس کی شخصیت کو نہیں۔''

نظام الملک پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ وہ ابنِ عمار کی آزادانہ طبیعت سے واقف تھا کہ یہ شخص غلاموں کی طرح اس کے آگے سرخم نہیں کرے گا۔ مجبوراً وزیرِاعظم ہند، شاہی طبیب کو خشمگیں نظروں سے دیکھتا ہوا واپس چلا گیا۔

❁==❁==❁

رضیہ سلطانہ بہت زیادہ پریشان تھی۔ سلطنتِ دہلی کے شہسوار برق کی طرح لپک رہے تھے مگر پانچ ہزار نومسلم راجپوتوں کا دُور دُور تک کوئی پتہ نہیں تھا۔ قصرِ شاہی کے بام و در پر رات کے سائے اُتر آئے تھے۔ شہزادی اپنے مخصوص کمرے میں بے قراری کے ساتھ ٹہل رہی تھی کہ نائب سپہ سالار سیف الدین ایبک نے حاضر ہو کر انتہائی مایوسانہ لہجے میں کہا۔

''سلطانِ عالی قدر! آپ کے جاں نثاروں نے پچاس پچاس میل تک جا کر دیکھ لیا مگر فرار ہونے والوں کا دھندلا سا نشان تک نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ زمین نے اُنہیں نگل لیا۔''

''ان کا سراغ بہت ضروری ہے۔'' رضیہ سلطانہ کا لہجہ انتہائی تند و تیز تھا۔ ''میں نہیں جانتی کہ وہ کس لئے مسلمان ہوئے تھے اور اچانک رات کی تاریکی میں کیوں فرار ہو گئے؟''

''غلام بھی سخت عاجز و پریشان ہے۔'' سیف الدین ایبک گھبرایا ہوا تھا۔

''سلطانِ معظم روزِ اوّل ہی سے ان سب کو شک کی نظروں سے دیکھتے تھے۔'' رضیہ سلطانہ نے اپنے نائب سپہ سالار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''فوجی چھاؤنی کے نگہبان سپاہیوں کو قتل کر کے فرار ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی دشمن کے جاسوس تھے۔ پہلے اپنا مذہب تبدیل کیا اور پھر موقع ملتے ہی روپوش ہو گئے۔ کیا وہ قلعۂ معلیٰ پر شب خون مارنے والے ہیں؟''

''دہلی کی سرحدوں سے قصرِ شاہی تک میرا ایک ایک سپاہی سربکف کھڑا ہے۔'' سیف الدین ایبک نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''اگر وہ مفرور گروہ کسی دشمن کے اشارے پر رقص کر رہا ہے تو میں عنقریب اس مجرم کے پیروں میں زنجیریں ڈال دوں گا۔''

''اب تک تمہاری ساری کوششیں ناکام رہی ہیں۔'' رضیہ سلطانہ نے تنبیہہ آمیز لہجے میں شکایت کی۔

''سلطانِ ذی حشم!'' سیف الدین ایبک نے جھکتے ہوئے کہا۔ ''سارے مجرم ابتدائے شب میں فرار ہوئے ہیں اور دربارِ عالیہ تک اس واقعے کی خبر صبح دس بجے کے قریب پہنچی ہے۔ اسی وجہ سے فاصلے بڑھ گئے اور سلطنت کے شہسوار مجرموں تک نہیں پہنچ سکے۔''

''کچھ بھی ہو، اُنہیں تلاش کرو۔'' رضیہ کے حکم میں سختی شامل تھی۔ ''میں بابا محترم کو کیا جواب دوں گی؟ یہ میری ہی نہیں، پورے انتظامی شعبے کی ناکامی ہے۔''

''مجھے احساس ہے سلطانِ ذی وقار!'' نائب سپہ سالار سیف الدین ایبک بھی اس خیال سے پریشان تھا کہ اگر ان مفرور راجپوتوں نے کوئی ہنگامہ کھڑا کر دیا تو دہلی کا نظم و نسق زیر و زبر ہو کر رہ جائے گا۔ دارالحکومت کی حفاظت کے لئے دس ہزار سے زیادہ فوج نہیں تھی۔ اگر وہ راجپوت قلعے پر حملہ کر دیتے تو یقیناً بڑا کشت و خون ہوتا۔ اور وفادارانِ سلطنت ہمیشہ کے لئے اپنے حکمراں کی نظروں میں ذلیل ہو کر رہ جاتے۔

سیف الدین ایبک ان ہی پریشان خیالات میں اُلجھا ہوا تھا کہ شہزادی رضیہ سلطانہ اس سے مخاطب ہوئی۔

''ایبک! کیا تمہیں معلوم ہے کہ سلطانِ معظم نے زیرِ تعمیر فوجی چھاؤنی کی نگرانی کس کے سپرد کی تھی؟''

''یہ خادم اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ وہاں سے پچاس سپاہیوں کی لاشیں ملی ہیں جو یقیناً چھاؤنی کے محافظ ہی ہوں گے۔'' سیف الدین ایبک نے اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''میں نہیں سمجھتی کہ سلطانِ معظم مشتبہ انسانوں کے اتنے بڑے ہجوم کو آزاد چھوڑ کر گوالیار تشریف لے گئے ہوں گے۔'' رضیہ سلطانہ اپنی فطری ذہانت سے ہر امکان کی موجودگی پر غور کر رہی تھی۔ ''پھر وہ کون شخص ہے جو اس واقعے کا ذمہ دار ہے؟'' رضیہ کی آواز سے غصے کا اظہار ہونے لگا تھا۔

''اب اس میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہی کہ یہ واقعہ ایک نامعلوم سازش کے زیر اثر رونما ہوا ہے۔'' سیف الدین ایبک نے محتاط لہجے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''بڑی رازداری کے ساتھ مجرموں کو ڈھونڈو اور پھر اس ہاتھ کو تلاش کرو، جس کے اشارے پر یہ سب کچھ ہوا ہے۔''

''سلطانِ معظم کے جاں نثار رات کے اندھیرے میں بھی مجرموں کا تعاقب کر رہے ہیں۔'' سیف الدین ایبک نے اپنی کارکردگی کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ تعاقب اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک ایک ایک مفرور زنجیریں پہن کر آہنی سلاخوں کے پیچھے نہیں چلا جاتا۔'' یہ کہہ کر سیف الدین ایبک واپس چلا گیا۔

نائب سپہ سالار کے جاتے ہی وزیراعظم نظام الملک نے باریابی کی اجازت چاہی اور حسبِ عادت تخلیے کی درخواست پیش کی۔ رضیہ سلطانہ نے فردوس کو اشارہ کیا اور کنیزِ خاص خون کے گھونٹ پیتی ہوئی برابر کے کمرے میں چلی گئی۔ اس بار بھی نظام الملک نے فردس کو ہوس آلود نظروں سے دیکھا تھا۔

تخلیہ ہوتے ہی نظام الملک نے مؤدبانہ لہجے میں عرض کیا۔

''سلطانِ عالی قدر! کیا فرار ہو جانے والے راجپوتوں کا کچھ پتہ چلا؟'' وزیراعظم ہند کی آواز بڑی سرد تھی، جس سے انتہائی بے حسی کا اظہار ہو رہا تھا۔

رضیہ سلطانہ نے نظام الملک کی بات کا جواب دینے کے بجائے خود اس سے ایک نیا سوال کر ڈالا۔ ''سلطانِ معظم نے گوالیار روانہ ہوتے وقت ان لوگوں کی نگرانی کس کے سپرد کی تھی؟''

نظام الملک رضیہ سلطانہ سے اس سوال کی توقع رکھتا تھا، اس لئے وزیراعظم نے اپنے چہرے سے کسی تاثر کو ظاہر ہونے نہیں دیا۔ ''سلطنتِ دہلی کی نگراں آپ ہیں۔ پھر ایک غلام کی کیا مجال کہ وہ امورِ حکومت میں بے جا مداخلت کرے۔'' نظام الملک نے اپنی روایتی چرب زبانی اور فریب کاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''اگر ان معمولی کاموں کی نگرانی بھی میرے فرائض میں شامل ہے تو پھر آپ کی یا کسی دوسرے مشیرِ مملکت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔''

رضیہ سلطانہ کا جواب اس قدر جارحانہ تھا کہ ایک ساعت کے لئے نظام الملک سناٹے میں آ گیا۔ مگر پرانا سیاست داں تھا، لفظوں کی چوٹ کھا کر فوراً ہی سنبھل گیا۔

''اس سلسلے میں سلطانِ معظم نے مجھے کوئی حکم نہیں دیا تھا۔'' نظام الملک قصداً جھوٹ بول رہا تھا۔ ''اور آپ کی طرف سے بھی کوئی فرمان جاری نہیں ہوا۔''

''پھر اس واقعے کا ذمے دار کون ہے؟'' رضیہ سلطانہ نے انتہائی تند و تیز لہجے میں پوچھا۔ اگرچہ شہزادی، وزیراعظم کا بہت احترام کرتی تھی مگر فردوس کی شکایت کے بعد نظام الملک، رضیہ کی نظروں سے گر گیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ سلطنت کے ایک معزز اور معمر شخص کے ساتھ گفتگو کرتے وقت شہزادی کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''وہ سپاہی جن کی لاشیں فوجی چھاؤنی کے احاطے میں پائی گئی ہیں۔'' نظام الملک کے لہجے میں بڑی سفاکی

شامل تھی۔

''قتل ہونے والے تعداد میں پچاس تھے اور قتل کرنے والے پانچ ہزار۔'' رضیہ سلطانہ کے لہجے کی تلخی کچھ اور نمایاں ہو گئی تھی۔ ''مقتولین کی لاشیں ہی اس بات کا ثبوت ہیں کہ وہ فرض شناس بھی تھے اور اپنے عہد کے سچے بھی۔ باقی ذمے دار لوگ کہاں ہیں؟ میں ان سے باز پرس کرنا چاہتی ہوں کہ اتنا بڑا ہنگامہ برپا ہو گیا اور وہ اپنے عشرت کدوں میں گہری نیند سوتے رہے۔''

نظام الملک کو اندازہ ہو گیا تھا کہ نوعمر شہزادی کے ذہن کی رسائی کہاں تک ہے اور اس کے تیور کتنے خطرناک ہیں۔ یہی سوچ کر شاطر سیاستداں نے ایک نئی چال چلی۔ نظام الملک اپنی اس چال سے شہزادی کو مات دینا چاہتا تھا۔ ''اگر سلطانِ ذی قدر اس نمک خوار کا مشورہ قبول کریں تو سارے معاملات کو پسِ پشت ڈال کر صرف مفرور راجپوتوں کو تلاش کریں۔ اگر سلطانِ معظم کی واپسی سے پہلے وہ مجرم ہاتھ نہیں آئے تو آپ کی بڑی بدنامی ہوگی۔'' یہ کہہ کر نظام الملک نے رخصت کی اجازت طلب کی۔

''کیا آپ اس سلسلے میں حکومت کی کوئی مدد نہیں کریں گے؟'' اب رضیہ سلطانہ کے لہجے میں تلخی کے ساتھ طنز بھی شامل ہو گیا تھا۔

''یہ نمک خوار اپنے فرائض سے بخوبی آگاہ ہے۔'' نظام الملک نے پھر چرب زبانی سے کام لیا۔ ''آپ ابھی کمسن ہیں، اس لئے وفادارانِ سلطنت کے مزاج سے واقف نہیں۔ شاہ کے ہونٹوں کو جنبش بھی نہیں ہوتی اور غلام اپنی قربانی پیش کرنے کے لئے مقتل کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ آپ مطمئن رہیں، میں اپنے ذرائع سے ان مجرموں کو ڈھونڈ رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر نظام الملک آہستہ قدموں سے واپس چلا گیا۔

نظام الملک کے جاتے ہی فردوس، شہزادی کے کمرے میں آ گئی۔ کنیزِ خاص کے چہرے پر اذیت و کرب کے گہرے سائے لرز رہے تھے۔

''پھر وہی نادانی کی باتیں، وہی بے سبب کڑھنا اور اپنی جان کو جلانا۔'' رضیہ نے مصنوعی غصے کے ساتھ کہا۔

''شہزادی عالیہ کو کیا خبر کہ میں فرشتۂ اجل کی خونخوار آنکھوں سے بچ کر آئی ہوں۔'' فردوس نے در پردہ سب کچھ بیان کر دیا تھا۔

''ہر طرف ایسی ہی خونخوار آنکھیں ہیں۔ کس کس سے بچے گی؟'' رضیہ کے سرخ و سفید چہرے پر بھی اذیت و کرب کا دھواں نظر آنے لگا تھا۔ ''تیری آقا زادی بھی ان ہی بدخواہ آنکھوں کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ میں نہیں سمجھتی تھی کہ نظام الملک اس قدر عیار اور جھوٹا شخص ثابت ہوگا۔''

''خدا کا شکر ہے کہ آپ نے اسے جلد پہچان لیا۔'' فردوس نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔

''میں تیری شکر گزار ہوں فردوس! کہ تُو نے مجھ سے وزیراعظم کا تعارف کرا دیا۔'' رضیہ سلطانہ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ اس کی غزالی آنکھیں ایک خوبصورت فانوس پر جمی ہوئی تھیں جس کی موم بتیاں تقریباً پگھل چکی تھیں اور روشنی آہستہ آہستہ زائل ہوتی جا رہی تھی۔ بجھتے ہوئے فانوس کو دیکھ کر رضیہ سلطانہ کو یاقوت حبشی کا خیال آ گیا۔

''جمال الدین کیسا ہے؟'' شہزادی نے اپنی کنیزِ خاص سے سوال کیا۔

''میں کچھ دیر پہلے وہاں گئی تھی۔'' فردوس نے اُداس لہجے میں کہا۔ ''ابھی تک اسے ہوش نہیں آیا ہے۔''

''ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم بھی اس کی عیادت کو جائیں مگر حجاب مانع ہے۔'' رضیہ سلطانہ نے مسند سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''حجاب کیوں مانع ہے؟'' فردوس نے آقا زادی کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ آج رضیہ سلطانہ کسی قدر بدلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

''وہ ایک نامحرم شخص ہے۔'' شہزادی کے لہجے سے ایک خاص تاثر نمایاں تھا۔ ''ہر قدم پر دشمن گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ موقع ملتے ہی نہ جانے کیسے کیسے افسانے تراش لیں گے۔''

''آخر آپ وہاں کیوں جانا چاہتی ہیں شہزادی حضور؟'' فردوس بڑی ذہانت سے سوال کر رہی تھی۔ ''کیا ایک خدمت گار کے لئے یہ اعزاز کافی نہیں ہے کہ شاہی طبیب اس کا علاج کر رہا ہے۔''

''وہ ہمارا محافظِ خاص ہے۔'' رضیہ سلطانہ نے دوبارہ مسند پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''اس نے بابا محترم کی خاطر اپنے جسم پر بہت زخم کھائے ہیں۔ بندہ و آقا میں اتنا فرق نہیں ہونا چاہئے کہ کوئی مالک اپنے نوکر کی مزاج پرسی تک نہ کر سکے۔''

فردوس کے چہرے پر خوشی کا تیز رنگ اُبھر آیا۔ ''شہزادی عالیہ کا اقبال بلند ہو کہ آپ نے انسانی رشتوں کا بھرم تو رکھا۔ ورنہ رسمِ شاہانہ ہے کہ آقا کے ایک اشارے پر ہزاروں بندے قربان ہو جاتے ہیں۔ اور حکمراں یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس پر قربان ہونے ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ جیسے وہ انسان نہ ہوں، قربانی کے جانور ہوں۔''

''اپنا اپنا اندازِ فکر ہے۔'' شہزادی کا اندازِ گفتگو انتہائی سادہ تھا۔ ''شہنشاہ وہ ہے جو اپنی بیمار رعایا کی مسیحائی کرے کہ ایک دن خود اسے بھی بیمار ہونا ہے۔''

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ شاہی طبیب، رضیہ سلطانہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

شہزادی بچپن سے ابنِ عمار کا احترام کرتی تھی، اس لئے شاہی طبیب کو پردے کے پیچھے طلب کر لیا گیا۔

''میں ابھی آپ کو زحمت دینے ہی والی تھی۔'' رضیہ نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ ''فردوس کئی بار بتا چکی ہے کہ ابھی تک جمال الدین کو ہوش نہیں آیا ہے۔''

''بے ہوش ہونے کے باوجود اس کی زبان پر آپ ہی کا نام ہے۔'' شاہی حکیم نے یہ عجیب انکشاف کرتے ہوئے کہا۔

''میرا نام؟'' رضیہ سلطانہ چونک اُٹھی۔

''آقائے نعمت! میں غیر ذمے دار نہیں ہوں۔ بس ایک موقع اور عنایت کیجئے۔'' ابنِ عمار نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''یہی وہ مخصوص جملہ ہے جو اس کی زبان سے بار بار ادا ہو رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے سلسلے میں جمال الدین سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے اور یہی احساس اس کے لاشعور پر نقش ہو کر رہ گیا ہے۔''

رضیہ سلطانہ کچھ دیر کے لئے سناٹے میں آ گئی۔ اُسے حبشی زادے کے شدتِ احساس کا اندازہ نہیں تھا۔ آخر شہزادی نے حکیم ابنِ عمار کو سارا واقعہ سنا دیا اور سوالیہ نظروں سے شاہی طبیب کی طرف دیکھنے لگی۔

''وہ حقیقتاً بیمار تھا مگر بے پناہ طاقتور ہونے کے سبب کچھ دن تک اس جان لیوا بیماری کو برداشت کرتا رہا۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اب تک مر چکا ہوتا۔''

''حکیم صاحب!'' رضیہ بچپن میں بھی شاہی طبیب کو اسی نام سے پکارتی تھی۔ اور تخت نشین ہونے کے بعد بھی

اس کا اندازِ تخاطب وہی تھا۔ ''جمال الدین کو کیا بیماری لاحق ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ اسے کوئی سست رفتار زہر دیا گیا ہے۔'' ابنِ عمار نے ٹھہر ٹھہر کر کہا جیسے گفتگو کے ساتھ ساتھ وہ کچھ سوچ بھی رہا ہو۔

''زہر؟'' حیرت کی زیادتی سے رضیہ سلطانہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس کی خوبصورت آنکھوں سے وحشت سی نمایاں تھی۔ پھر یہ وحشت، قہر میں تبدیل ہو گئی۔ ''آخر کیا جرم تھا اس کا؟''

''شہزادی بیٹی! ذرا آہستہ بولو۔'' حکیم ابنِ عمار نے بچپن میں رضیہ سلطانہ کو فارسی زبان کی تعلیم دی تھی اور استاد کے اسی رشتے سے وہ رضیہ کو شہزادی بیٹی کہہ کر پکارتا تھا۔ ''سلطانِ معظم کے محافظِ خاص کو زہر دینا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اس کے پس پردہ نہ جانے کس کس کے ہاتھ ہوں گے؟ ہمیں ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے یہ بات بھول جانا چاہئے کہ کسی نامعلوم شخص نے جمال الدین یاقوت کو زہر دیا ہے۔''

''میں تو رعایا کو بھی فراموش نہیں کر سکتی۔'' رضیہ سلطانہ کی آواز مدھم تھی لیکن دلکش چہرہ آتشِ غضب سے جل رہا تھا۔ ''اور پھر وہ تو سلطانِ ذی وقار کا جاں نثارِ خاص ہے۔''

''بی بی! میرا یہ مفہوم نہیں۔'' ابنِ عمار نے بزرگانہ لہجے میں کہا۔ ''صرف دنیا کو دکھانے کے لئے اس واقعے کو فراموش کر دیجئے تاکہ آپ کے دشمن بھی مطمئن ہو جائیں..... اور پھر مکمل تحقیق کے بعد ان کی گرفت اس وقت کیجئے جب وہ بے خبری کی گہری نیند سو رہے ہوں۔''

''آپ نے سچ فرمایا حکیم صاحب!'' رضیہ کا اشتعال ختم ہو گیا تھا اور اب اس کے چہرے پر اذیت و کرب کی پرچھائیاں لرزنے لگی تھیں۔ ''یہ کیسا زہر تھا؟''

''انتہائی سست رفتار مگر بہت خطرناک۔'' حکیم ابنِ عمار نے سرگوشیانہ انداز میں کہا۔ ''اگر جمال الدین یاقوت مر جاتا تو ریاست کے سارے اطباء یہی سمجھتے کہ محافظِ خاص اپنی طبعی موت مرا ہے۔ پھر اس کے دشمن بڑی آسانی کے ساتھ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاتے۔ سلطنت کا ایک جاں نثار قتل بھی کر دیا جاتا اور قاتلوں کے دامن بھی انسانی خون کے داغوں سے محفوظ رہتے۔''

''اے میرے خدا!'' رضیہ سلطانہ کے لہجے میں کرب بھی تھا اور غصہ بھی۔ ''حکیم صاحب! اس طرح تو آپ قاتلوں کی معافی کی سفارش کر رہے ہیں۔''

''یہ قاتلوں کی سفارش نہیں شہزادی بی بی!'' ابنِ عمار نے افسردہ لہجے میں کہا۔ ''ہماری مجبوری ہے، ہم کسی طرح بھی قاتلوں کو قاتل ثابت نہیں کر سکتے۔ یہ تو بس خدا کا کرم ہے کہ میں حقیقتِ حال تک پہنچ گیا۔ مگر میرے دعوے کو ہندوستان کا کوئی طبیب تسلیم نہیں کرے گا۔''

''آخر ایسا کیوں؟'' رضیہ سلطانہ، حکیم ابنِ عمار کی گفتگو کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھی۔

''آپ ذرا میرے ساتھ جمال الدین یاقوت کے کمرے تک تشریف لے چلیں۔ پھر آپ کو اس ناچیز کی مجبوریوں کا علم ہو جائے گا۔'' حکیم ابنِ عمار نے شہزادی سے درخواست کی۔

رضیہ سلطانہ کچھ دیر تک سوچتی رہی، پھر اس نے فردوس کو اشارہ کیا۔ کنیزِ خاص تیزی سے دروازے تک گئی اور محافظ باندیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔ ''شہزادی عالیہ، امیر آخور کی عیادت کے لئے تشریف لے جانا چاہتی ہیں۔''

محافظوں نے سر جھکا دیا۔ اور پھر چند لمحوں میں سلطنتِ دہلی کے پچاس مسلح جانباز رضیہ سلطانہ کے کمرے کے گرد جمع ہو گئے۔

شہزادی نقاب پہن کر باہر نکلی۔ حکیم ابنِ عمار اور کنیز فردوس اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ پچیس مسلح محافظ شہزادی سے کچھ فاصلے پر آگے آگے چل رہے تھے۔ اور پچیس سپاہی عقب میں تھے۔

❁==❁==❁

رضیہ سلطانہ، یاقوت حبشی کے کمرے میں داخل ہوئی۔ جمال الدین کے کمرے کی حالت دیکھ کر شہزادی اُداس ہو گئی۔ اگرچہ امیر آخور کے دروازے پر کئی خدمت گزار دست بستہ کھڑے تھے لیکن کمرے کے اندر بڑی تنہائی تھی۔ سلطنتِ دہلی کا اتنا بڑا منصب دار اپنی ذاتی زندگی میں کس قدر اکیلا تھا۔ رنج یا خوشی کے موقع پر غریب سے غریب انسان کے عزیز و اقارب بھی اس کے گرد جمع ہوتے ہیں..... مگر جمال الدین یاقوت کے غم میں کون شریک ہوتا؟ اس کے ماں باپ بچپن ہی میں مر گئے تھے ..... اور دُور کے عزیزوں کو وہ ابی سینا (افریقہ) میں بہت دُور چھوڑ آیا تھا۔ اب اگر کسی سے کوئی رشتہ باقی تھا تو وہ اس کے نامعلوم دشمن تھے جو تاریک پردوں میں بیٹھ کر اس کی زندگی سے خوفناک کھیل کھیل رہے تھے۔

رضیہ سلطانہ نے پہلی بار اتنے قریب سے حبشی زادے کو دیکھا۔ وہ اس وقت بھی بے ہوش تھا۔ یکایک جمال الدین کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

''آقائے نعمت! میں غیر ذمے دار نہیں ہوں۔ بس ایک موقع اور عنایت کیجئے۔'' ہوش و ادراک کی تمام قوتیں سلب ہو چکی تھیں مگر پھر بھی وہ رضیہ سلطانہ سے مخاطب تھا اور اپنے جرم کا اعتراف کر رہا تھا۔

شہزادی حجاب میں تھی۔ اگر وہ بے نقاب ہوتی تو دیکھنے والے سمجھ لیتے کہ سلطان التمش کی جانشین، حبشی زادے کی بیماری سے بہت زیادہ متاثر ہے۔

''بی بی! سنا آپ نے؟'' حکیم ابنِ عمار نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

رضیہ سلطانہ نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی۔ شہزادی، جمال الدین یاقوت کے سرہانے کھڑی تھی۔

شاہی طبیب نے اس خدمت گار کو باہر جانے کا اشارہ کیا جو حبشی زادے کی دیکھ بھال اور دوائیں وغیرہ لانے کے لئے متعین تھا۔ خدمت گار کے جاتے ہی ابنِ عمار نے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

''آپ دیکھ رہی ہیں کہ اس وقت جمال الدین یاقوت بہت پُرسکون نظر آ رہا ہے۔'' شاہی طبیب نے حبشی زادے کے قریب آتے ہوئے کہا۔

شہزادی نے مڑ کر ابنِ عمار کی طرف دیکھا۔

''مگر اس انگوٹھی کے پہنتے ہی سخت اضطراب میں مبتلا ہو جائے گا۔'' شاہی طبیب نے اپنے پیرہن کی جیب سے ایک انگوٹھی نکالی جس میں گہرے سبز رنگ کا ایک دلکش نگینہ جگمگا رہا تھا۔

اور پھر واقعتاً ایسا ہی ہوا۔ ابنِ عمار نے وہ انگوٹھی حبشی زادے کی انگلی میں پہنا دی۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد جمال الدین یاقوت پر سخت اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی۔ پہلے اس کی کشادہ پیشانی پر چند قطرے اُبھرے اور پھر اس

کا پورا جسم پسینے میں نہا گیا۔

رضیہ سلطانہ بہت غور سے یاقوت حبشی کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ رہی تھی۔

شاہی طبیب نے جمال الدین کی انگوٹھی اُتار لی۔ حبشی زادہ آہستہ آہستہ پُرسکون ہوتا چلا گیا۔

شہزادی حیرت زدہ نظروں سے ابنِ عمار کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''یہ ایک نادر و نایاب زمرد ہے۔'' شاہی طبیب نے انگوٹھی کو شہزادی کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ ''قدرت نے اس پتھر میں یہ صفت رکھی ہے کہ اگر زہر کھانے والے شخص کو پہنا دیا جائے تو وہ دیکھتے ہی دیکھتے پسینے میں نہا جائے گا۔ میں نے اسی پتھر سے رہنمائی حاصل کر کے جمال الدین کے مرض کی تشخیص کی ہے..... ورنہ زہر دینے والے نے تو کمال ہی کر دیا تھا۔ خدا اُسے ہدایت دے۔''

''حکیم صاحب! اب تو جمال الدین کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے؟'' رضیہ سلطانہ نے فکرمند لہجے میں پوچھا۔

''انشاء اللہ! اب یہ ٹھیک ہو جائے گا۔'' شاہی طبیب نے حبشی زادے کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''قلب کی رفتار متوازن ہو چلی ہے۔ مجھے صرف جمال الدین کے ہوش میں آنے کا انتظار ہے۔ پھر اس کی جسمانی کیفیات کا اندازہ کر کے اس مخصوص زہر کا تریاق ڈھونڈا جائے گا۔''

''اور زہر دینے کا عمل؟'' رضیہ نے شاہی طبیب سے سوال کیا۔

''جمال الدین کو کھانے کے ذریعے زہر دیا گیا ہے اور میرے اندازے کے مطابق یہ عمل کئی ماہ سے جاری تھا۔'' ابنِ عمار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

رضیہ سلطانہ نے مبہم انداز میں اپنے سر کو جنبش دی اور اپنے محافظ دستے کے ساتھ واپس چلی آئی۔

❁==❁==❁

دوسرے دن نمازِ فجر کے بعد رضیہ سلطانہ کی سواری حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خانقاہ کی طرف جا رہی تھی۔ ملکہ ہندترکان شاہ، نظام الملک اور اس کے حامی امراء بہت زیادہ پریشان نظر آ رہے تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں حضرت قطبؒ کی عارفانہ قوت ان کے جرائم کو شہزادی کے سامنے بے نقاب نہ کر دے۔ حضرت قطبؒ نے رضیہ سلطانہ کو زنان خانے میں ٹھہرایا۔ درویشانہ انداز میں اپنے مہمان کی خاطر مدارات کی اور پھر شہزادی سے اس کی آمد کا سبب دریافت کیا۔

رضیہ سلطانہ نے پانچ ہزار نومسلم راجپوتوں کے فرار کا واقعہ بیان کرتے ہوئے عرض کیا۔ ''میں اس خیال سے پریشان ہوں کہ بابا محترم کو کیا جواب دوں گی؟''

''شہزادی کو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہونا پڑے گا۔'' حضرت قطبؒ نے انتہائی شفقت آمیز لہجے میں فرمایا۔ ''تمہارے دشمنوں کو شکست ہو گی اور سارے منافق ذلیل و رسوا ہو جائیں گے۔''

حضرت قطبؒ کی زبانِ مبارک سے ادا ہونے والے کلمات کا یہ اثر تھا کہ رضیہ سلطانہ کا بے قرار دل ٹھہر گیا۔ شہزادی خود تو حضرت قطبؒ کے مقامِ روحانی سے واقف نہیں تھی مگر اس نے بچپن سے لے کر آج تک بارہا اپنے باپ شمس الدین التمش کو اس درویشِ خدامست کی خانقاہ کا طواف کرتے دیکھا تھا۔

''بابا محترم! آپ شہنشاہ ہیں اور سارا ہندوستان آپ کے سامنے سر جھکائے کھڑا رہتا ہے.... مگر خود آپ ایک ایسے شخص کے روبرو خم ہو جاتے ہیں جس کے پاس نہ تاج وتخت ہے اور نہ لشکر وسپاہ..... آخر یہ کیا راز ہے؟'' شہزادی نے شکایت آمیز لہجے میں شہنشاہ سے سوال کیا تھا۔

جواب میں سلطان التمش نے بیٹی کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ ''منصبِ سلطان تک پہنچنے سے پہلے تمہارا باپ ایک غلام تھا۔ پھر خداوند ذوالجلال نے میری یہ زنجیرِ غلامی کاٹ دی۔ مگر جب میں حضرت قطبؒ کے دربارِ معرفت میں حاضر ہوا تو مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ میرے مال ومنال، تاج وتخت، طبل وعلم اور کلاہ وسپاہ کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ حقیقی شہنشاہ تو وہ ہے جو خانقاہ کے ایک گوشے میں بوریا نشین ہے اور جس کے لباس میں کئی پیوند لگے ہیں۔ میں بے اختیار آگے بڑھا اور میں نے اپنے ہاتھوں سے حضرت قطبؒ کی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیا۔ شاید ساری دنیا کو اس بات کی خبر نہ ہو سکے مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ میں دوبارہ غلام ہو چکا ہوں..... یہ غلامی میرا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ میں اس غلامی کے ساتھ زندہ رہوں گا۔ اور اسی غلامی پر حشر میں دوبارہ اُٹھایا جاؤں گا۔''

یہ کہتے کہتے سلطان شمس الدین التمش زار وقطار رونے لگا تھا۔

آج رضیہ سلطانہ کی سماعت میں باپ کے وہی الفاظ گونج رہے تھے۔ اور شہزادی کو محسوس ہو رہا تھا کہ حضرت قطبؒ کی بارگاہِ جلال میں خود اس کی اپنی حیثیت بھی ایک کنیز سے زیادہ نہیں ہے۔ آخر التمش کی جانشین، سلسلۂ چشتیہ کے عظیم بزرگ کے دربارِ روحانی سے بامراد اُٹھی اور اس طرح قصرِ شاہی کی طرف لوٹی کہ اس کا ذہن پُرسکون تھا اور دل مطمئن۔

❁==❁==❁

اسی رات شاہی طبیب ابنِ عمار، رضیہ سلطانہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ترکی نژاد باورچی ارسلان کو طلب کرتے ہوئے کہا۔

''ایسا لگتا ہے کہ امیر آخور کی غذا کا خاص خیال نہیں رکھا جا رہا ہے۔''

ارسلان تمام امرائے سلطنت کے لئے تیار کئے جانے والے کھانوں کی نگرانی کرتا تھا۔ ترک باورچی شاہی طبیب کی بات سن کر چونک اُٹھا، پھر سنبھل کر بولا۔ ''خود امیر نے غذا کے سلسلے میں کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔''

''امیر کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ تمہاری بے پروائی کا گلہ کریں۔'' ابنِ عمار کی نظریں ارسلان کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ''میں ایک طبیب کی حیثیت سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ ناقص غذا کھانے کے سبب امیر اس حال کو پہنچے ہیں۔''

ارسلان گھبرا گیا اور ترک باورچی کو یوں محسوس ہوا جیسے شاہی طبیب کا علم اس راز تک پہنچ گیا ہے جو اس کے اور وزیرِاعظم نظام الملک کے دل کی گہرائیوں میں دفن تھا۔

''ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں میرے ماتحت باورچیوں سے کسی قسم کی کوتاہی سرزد ہوئی ہو۔ آئندہ میں خود اپنے ہاتھوں سے امیر کا کھانا پکاؤں گا۔'' ارسلان نے بڑی عجلت میں جان چھڑانے کی کوشش کی تھی۔

شاہی طبیب نے مزید کوئی سوال نہیں کیا اور ارسلان کو جانے کی اجازت دے دی۔

ترک باورچی کے جاتے ہی ابنِ عمار نے رضیہ سلطانہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''آپ نے مجرم کے

چہرے پر لکھی ہوئی داستانِ گناہ پڑھ لی؟''

''پھر؟'' رضیہ سلطانہ کا خون کھول اُٹھا۔ ''مجھے فوری طور پر اس کا محاسبہ کرنا ہوگا تاکہ اصل مجرم فرار نہ ہونے پائے۔''

''سلطانِ معظم کو واپس آنے دیجئے۔'' ابنِ عمار نے رضیہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''جلد بازی سے ہرگز کام نہ لیجئے گا۔'' شاہی طبیب حقِ نمک ادا کر رہا تھا۔ ''آپ کے دشمن بہت ہوشیار ہیں۔ یہ تو محض تائیدِ غیبی تھی کہ میرا دھیان زہر کی طرف چلا گیا۔ ورنہ علمِ طب کے ذریعے ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ سلطنتِ دہلی کے امیر آخور کو آہستہ آہستہ قتل کیا جا رہا تھا۔''

''مگر اس طرح تو دشمنوں کی دست درازیاں اور بڑھ جائیں گی۔'' شہزادی کے جسم میں لہو کی گردش تیز ہو گئی تھی۔

''انسانی زندگی کی حفاظت تو مالکِ ارض وسما ہی کرتا ہے، تاہم بندوں پر فرض ہے کہ وہ اُس کی دی ہوئی عقل کے مطابق اپنے دفاع کی تدبیر کرتے رہیں۔'' ایک عمر رسیدہ اور جہاندیدہ شخص نوجوانی کو صبر وتحمل کا سبق دے رہا تھا۔

''آپ مطبخ خانے کے تمام ملازمین کو اسی وقت تبدیل کر دیں۔ اور کوئی غذا اس وقت تک نہ کھائیں جب تک قصرِ شاہی کی بلّیوں اور پرندوں پر اس کی آزمائش نہ ہو جائے۔ میں کسی کنیز یا خدمت گار کو اس امتحان سے گزارنے کے حق میں نہیں ہوں۔ آخر وہ بھی انسان ہوتے ہیں۔''

شہزادی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے جذبات پر عقل غالب آ گئی تھی۔

''اور آپ اپنے حامی امراء کو بھی رازداری کے ساتھ اس بات کی ہدایت کر دیں۔'' ابنِ عمار نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ ''خدا سلطان اور آلِ سلطان کو اپنی امان میں رکھے۔''

''ہم آپ کے بہت شکرگزار ہیں۔'' رضیہ سلطانہ کے چہرے اور لہجے دونوں سے گہری ممنونیت کا اظہار ہو رہا تھا۔

''اب مجھے اجازت دیجئے۔'' یہ کہہ کر ابنِ عمار اُٹھ کھڑا ہوا۔ ''دیکھوں کہ امیر آخور کس حال میں ہے؟ جب تک وہ صحت یاب نہیں ہو جاتا، میری فکر برقرار رہے گی۔ بہت وفا شعار اور فرض شناس نوجوان ہے۔''

شاہی طبیب واپس چلا گیا۔ اور شہزادی کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر دوبارہ اُبھر آیا۔ حبشی زادہ بے ہوشی کے عالم میں بھی اپنی آقائے نعمت کو پکار رہا تھا۔

❁==❁==❁

ترک باورچی ارسلان پر وحشت طاری تھی اور وہ نظام الملک کے پیروں کو پکڑے رو رہا تھا۔ ''شاہی طبیب کو مجھ پر شک ہو گیا ہے۔''

یہ انکشاف سن کر وزیرِاعظم ہند بھی اندر سے پریشان تھا مگر اس کے چہرے پر وہی طمانیت تھی۔

''میں نے تو آپ کے حکم پر امیر آخور کو زہر دیا تھا۔'' ارسلان کے بہتے ہوئے آنسوؤں میں تیزی آ گئی تھی۔

''اب آپ ہی مجھے بچا سکتے ہیں۔ ورنہ شمشیرِ سلطانی سے میری گردن محفوظ نہیں رہے گی۔''

''ہم تجھے بچا لیں گے ارسلان!'' نظام الملک نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''فی الحال تُو دہلی چھوڑ دے اور بدایوں چلا جا۔'' یہ کہہ کر وزیرِاعظم مڑا اور اس نے ایک سادہ کاغذ پر چند آڑی ترچھی لکیریں کھینچیں۔ پھر اس کاغذ کو چمڑے کے ایک لفافے میں بند کر کے ارسلان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''میرے سپاہی تجھے بحفاظت بدایوں پہنچا

دیں گے۔ یہ تیری زندگی کا ضمانت نامہ ہے۔ اسے شہزادۂ عالم کی خدمت میں پیش کر دینا اور جب تک سازش کی آگ ٹھنڈی نہ ہو جائے، اس وقت تک ولی عہدِ سلطنت کی پناہ میں رہنا۔ تیرا کچھ نہیں بگڑے گا۔''

ارسلان کے مردہ چہرے پر زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ بڑی وارفتگی کے عالم میں نظام الملک کے خط کو بوسے دے رہا تھا۔

❁==❁==❁

حکیم ابنِ عمار کے جاتے ہی رضیہ سلطانہ نے ایک ہی عبارت کو آٹھ کاغذوں پر علیحدہ علیحدہ تحریر کرایا اور پھر نائب سپہ سالار سیف الدین ایبک کو خلوت میں طلب کرتے ہوئے کہا۔

''کل علی الصباح آٹھ شہسواروں کو یہ خط دے کر گوالیار کی طرف روانہ کر دیا جائے۔''

سیف الدین ایبک نے حیرت سے اپنی آقا زادی کو دیکھا جو چہرے پر نقاب ڈالے اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

''ان خطوط میں نومسلم راجپوتوں کے فرار ہونے کی تفصیلات درج ہیں۔'' شہزادی نے سیف الدین ایبک کو دوبارہ مخاطب کیا۔

''میرے خیال میں یہ مناسب نہیں۔'' ایبک نے آہستہ سے کہا۔ ''اس وقت سلطانِ معظم ایک مشکل محاذ پر اُلجھے ہیں۔ ہمیں ان کی فکروں میں اضافہ نہیں کرنا چاہئے۔''

''اس واقعے سے بابا محترم کی بے خبری زیادہ نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔'' رضیہ سلطانہ نے نائب سپہ سالار کی تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔ ''اگر سلطانِ معظم کو بروقت اطلاع ہو جائے تو ان کی فراست اور دانش مندی ہماری کوتاہیوں کا ازالہ کر سکتی ہے۔''

سیف الدین ایبک، شہزادی کی دلیل کے سامنے لاجواب ہو گیا۔

''ان شہسواروں کو خاص ہدایت کی جائے کہ وہ مختلف راستوں پر دُور دُور سفر کریں۔'' رضیہ سلطانہ نے اپنے حکم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ احتیاطی روش اس لئے اختیار کی جا رہی ہے کہ اگر بیک وقت سات سپاہی کسی حادثے کا شکار ہو جائیں تو آٹھواں قاصد ضرور اپنی منزل پر پہنچ جائے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ ان شہسواروں کی رفتار طوفانی ہواؤں کی رفتار سے زیادہ تیز ہونی چاہئے۔''

سیف الدین ایبک واپس چلا گیا مگر وہ اس پہلو پر مسلسل غور کر رہا تھا کہ ایک نوعمر دوشیزہ کس قدر حیرت انگیز فیصلے کر رہی ہے۔

❁==❁==❁

دوسرے دن سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی سلطنتِ دہلی کے آٹھ جانباز شہزادی رضیہ سلطانہ کا ایک خفیہ پیغام لے کر گوالیار کی جانب روانہ ہوئے۔

دوسری طرف نظام الملک کے دس معتمد سپاہی ترک باورچی ارسلان کو اپنے ہمراہ لے کر بدایوں جا رہے تھے۔ وزیراعظم نے ارسلان کو ہدایت کی تھی کہ وہ اس سفر کے لئے سنسان جنگلوں کا راستہ اختیار کرے تاکہ اس پر حکومت

کے کسی کارندے کی نظر نہ پڑ سکے۔

آخر یہ لوگ دہلی سے پچیس میل دور اس گھنے جنگل میں پہنچے جہاں دن کے وقت بھی گہری تاریکی چھائی رہتی تھی۔ یکایک نظام الملک کے سپاہیوں نے اپنے گھوڑوں کی لگامیں کھینچ لیں۔ ارسلان ان سے ٹھہر جانے کا سبب پوچھنے لگا۔ جواب میں ایک سپاہی کی تلوار بے نیام ہوئی اور ترک باورچی کے سینے میں اُتر گئی۔ انسانی چیخ نے جنگل کے گہرے سکوت میں شگاف ڈال دیا مگر یہ چند لمحوں کی بات تھی۔ دوسرے سپاہی کے وار نے ارسلان کا سر تن سے جدا کر دیا۔

نظام الملک کی یہی ہدایت تھی کہ شاہی باورچی کو ایسی پناہ گاہ میں پہنچا دیا جائے جہاں وہ سلطان کے قہر و عتاب سے محفوظ رہ سکے۔

❁==❁==❁

تین دن بعد جمال الدین یاقوت کو ہوش آ گیا۔ حبشی زادے نے شاہی طبیب کو بتایا کہ اسے اپنی ٹانگیں مفلوج سی محسوس ہو رہی ہیں۔ اسی ایک علامت کی بنیاد پر حکیم ابنِ عمار کا ذہن اس مخصوص زہر تک پہنچ گیا جو یاقوت حبشی کے جسم میں داخل کیا گیا تھا۔ پھر جب شاہی طبیب نے جمال الدین کو تریاق کی پہلی خوراک دی تو اسے سکون کے ساتھ ساتھ توانائی کا بھی احساس ہوا۔

''خدا کا شکر ہے نوجوان! کہ تم بچ گئے۔'' حکیم ابنِ عمار نے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں ایک خوفناک زہر دیا گیا تھا۔''

''میں اپنا انجام جانتا ہوں حکیم صاحب!'' یاقوت حبشی مسکرانے لگا۔ ''اہلِ وفا کا یہی انجام ہوتا ہے۔''

شاہی طبیب، جمال الدین کی شجاعت و مردانگی پر حیران رہ گیا۔

''مگر مجھے اپنے قاتلوں سے ایک شکایت ہے۔'' یکایک جمال الدین کے چہرے پر غصے کے آثار اُبھر آئے تھے۔ ''سامنے سے میرے سینے پر وار کرتے، شہ رگ کٹتی، دل کے ٹکڑے ہوتے، خون کا فوارہ اُبلتا۔ پھر یہ ایک شاندار موت ہوتی۔ سرخ اور رنگین موت۔ میں نے خالق کائنات سے ہمیشہ یہی دعا کی ہے کہ اپنے بندے جمال الدین یاقوت کو ایک سپاہی کی موت دینا۔ یقیناً خدا نے میری دعا سن لی ہے۔ ورنہ وہ نامعلوم قاتل اپنے ارادوں میں ضرور کامیاب ہو جاتے۔''

جب شاہی طبیب نے رضیہ سلطانہ کو یہ واقعہ سنایا تو شہزادی کے چہرے پر ایک عجیب سا رنگ اُبھر آیا۔ وہ اپنے محافظِ خاص کی صحت یابی پر خوش بھی تھی اور ایک جاں نثارِ سلطنت کی جرأت و مردانگی پر حیرت زدہ بھی۔

اسی رات رضیہ سلطانہ نے دوبارہ وہی خواب دیکھا کہ حبشی زادہ اس کی خواب گاہ میں داخل ہوا اور پھر اس کے بہت قریب آ کر ٹھہر گیا۔ گھبرا کر شہزادی کی آنکھ کھل گئی مگر اس بار وہ چیخی نہیں تھی۔ پھر بھی اس کا پورا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا اور دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئی تھیں۔

اپنے اس خواب پر رضیہ سلطانہ بہت جھنجلائی ہوئی تھی۔ مذہبی ماحول میں تربیت پانے والی ایک حیا دار دوشیزہ ایسے خوابوں کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ شہزادی کچھ دیر تک وحشت زدہ نظروں سے پورے کمرے کا جائزہ لیتی رہی۔

بار بار بند دروازے کو دیکھتی رہی جس سے گزر کر جمال الدین یاقوت حبشی اندر داخل ہوا تھا۔ شہزادی اپنے خیالات سے اُلجھتی رہی اور جب یہ اُلجھن بہت زیادہ بڑھ گئی تو وہ بستر سے اُتری اور خواب گاہ سے ملحق کمرے میں داخل ہو گئی، جہاں کنیزِ خاص گہری نیند سوئی تھی۔

''اُٹھ فردوس!'' شہزادی نے اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

''کون ہے؟'' فردوس بہت زور سے چیخی اور گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔

''میں ہوں فردوس!'' شہزادی نے سرگوشیانہ انداز میں کہا۔

نیند کے خمار نے کنیزِ خاص کے ہوش و حواس معطل کر دیئے تھے۔ جب ذہن کا غبار صاف ہوا تو آنکھوں کے سامنے سے بھی دھندلا پردہ ہٹ گیا۔ ''شہزادی عالیہ! آپ؟'' فردوس اپنے گستاخانہ طرزِ عمل پر شرمندہ نظر آ رہی تھی۔ ''خیر تو ہے؟''

رضیہ سلطانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس اتنا کہتی ہوئی اپنی خواب گاہ کی طرف پلٹ گئی۔ ''میرے کمرے میں آ۔''

فردوس نے انتہائی مختصر سے وقت میں اپنی ظاہری حالت درست کی اور ذہن میں کئی اندیشے لئے آقا زادی کی خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔

شہزادی بستر کے بجائے اپنی مرصع مسند پر خاموش بیٹھی تھی اور دیکھنے والے کو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ خیالات کی دنیا میں کھوئی ہوئی ہے اور اسے اپنے گرد و پیش کا احساس تک نہیں ہے۔

فردوس آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور اپنی آقا زادی کے نزدیک پہنچ کر دست بستہ کھڑی ہو گئی۔ جب رضیہ سلطانہ کے حیرت و سکوت میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوا تو اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شہزادی حضور! کنیز حاضر ہے۔''

رضیہ سلطانہ چونک کر اپنے خیالات کے طلسم سے نکل آئی۔ ''فردوس! آج رات وہ پھر آیا تھا۔'' رضیہ سلطانہ کے لہجے میں کسی قدر غصے کی آمیزش تھی۔

''کون؟'' فردوس، شہزادی کی مبہم گفتگو کو سمجھنے سے قاصر رہی۔

''جمال الدین یاقوت۔'' رضیہ کے چہرے پر نسوانی جھجک، تکلف یا حیا کا ہلکا سا عکس بھی نمایاں نہیں تھا۔

فردوس نے چونک کر التمش کی جانشین کو دیکھا۔ حبشی زادہ بڑے غیر محسوس انداز میں شہزادی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں شہزادی حضور!'' کنیز فردوس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''ان کے بارے میں سوچنا ہی کیا؟''

''مگر میں اپنے خوابوں کے جزیرے میں کسی نامحرم کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتی۔'' رضیہ کے چہرے اور لہجے دونوں سے جلالِ شاہی نمایاں تھا۔ ''یہ جزیرہ میری تنہا ملکیت ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا گزر کیا معنی؟''

''گستاخی معاف شہزادی عالیہ!'' فردوس اگرچہ رضیہ سلطانہ کے حضور میں بہت بے تکلف تھی مگر پھر بھی اسے آقا زادی کے منصب کا لحاظ رکھنا پڑتا تھا۔ ''قدرت نے اس جزیرے کو تنہا کسی کی ملکیت نہیں بنایا ہے۔ یہ وہ دنیا ہے کہ جہاں ایک نہ ایک دن کسی نہ کسی محرم کو آنا ہی پڑتا ہے۔''

''قدرت کا نظام اپنی جگہ اور انسانی اختیار اپنی جگہ۔'' رضیہ سلطانہ اونچی آواز میں بول رہی تھی اور اس کے لہجے کی جھنجلاہٹ برقرار تھی۔ ''میں اس سلسلے میں بے قرار نہیں ہوں۔ مجھے خوابوں کے جزیرے میں کسی نامحرم کی آمد سخت

ناپسند ہے۔''

فردوس خاموشی کے ساتھ رضیہ سلطانہ کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ شہزادی اکثر مواقع پر مردوں کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کرتی رہتی تھی۔

''یہ نامحرم بہت بے وفا اور عیش پرست ہوتے ہیں۔'' رضیہ سلطانہ کا لہجہ انتہائی تلخ ہو گیا تھا۔ ''آج ایک جزیرے کو اپنی ملکیت قرار دیں گے تو کل کسی دوسرے جزیرے کو تسخیر کرنے کے لئے بے قرار نظر آئیں گے۔ یہ اپنی فتوحات کا دائرہ کسی ایک دنیا تک محدود نہیں رکھ سکتے۔ عورت ان کے نزدیک ایک جنسِ بازاری ہے کہ جب چاہا مال و زر دے کر خرید لیا۔ اور اگر کسی نے بکنے سے انکار کر دیا تو اس پر زندگی جیسی شے بھی حرام ہو گئی۔'' اگرچہ رضیہ سلطانہ نے اپنے پرہیزگار باپ کا دورِ حکومت دیکھا تھا لیکن وہ دوسرے امراء کے عیش پرستانہ ماحول سے بھی واقف تھی۔ اور اس ماحول میں عورت کی حیثیت ایک خوش رنگ کھلونے سے زیادہ نہیں تھی۔

''کچھ بھی ہو شہزادی عالیہ! مگر ہم اس نظام کو بدل نہیں سکتے۔'' فردوس نے عورت کی بے چارگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اگر مجھے اختیار ملا تو میں اس نظام کو بدل ڈالوں گی۔'' شہزادی ایک چٹان کی طرح نظر آ رہی تھی۔

''خدا آپ کو عظیم الشان کامیابی سے ہمکنار کرے۔'' کنیز اس سے زیادہ اور کیا کہتی؟ بس آقا زادی کے چہرے کو خاموشی سے دیکھتی رہی۔

''بس اب تُو جا فردوس!'' شہزادی نے اپنی کنیزِ خاص کو حکم دیا۔

فردوس نے رخصتی سلام پیش کیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کنیزِ خاص کو آقا زادی کی ذہنی کشمکش کا اندازہ ہو گیا تھا۔ ایک جواں سال دوشیزہ، انسانی فطرت کے تقاضوں کو جھٹلا رہی تھی۔ اور فطرت غیر شعوری طور پر اسے ایک ایسے مرد کی طرف کھینچے لئے جا رہی تھی جو نسلاً ترک نہیں تھا مگر جرأت و مردانگی اور ایثار و وفا میں اپنی مثال آپ تھا۔ ایک عورت کے خوابوں میں کسی نامحرم کا آنا اس بات کی دلیل تھی کہ آنے والا ایک سحر انگیز شخصیت کا مالک ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے سنگین سے سنگین پہرہ بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر وہ جسمانی طور پر مجبور کر دیئے جائیں تو پھر خوابوں میں چلے آتے ہیں۔ جمال الدین یاقوت بھی ان ہی مردوں میں سے تھا، جس کی نظریں فرش پر جمی رہتی تھی مگر جسم شہزادی کے خوابوں میں سفر کرتا تھا۔

''آپ اپنے خوابوں کے جزیرے میں ایک نامحرم کی آمد کو کس طرح روک سکتی ہیں شہزادی حضور؟'' فردوس نے ایک آہِ سرد کھینچتے ہوئے کہا۔ ''اس کنیز نے بھی تو یہی کیا تھا مگر بہرام غوری کو کوئی نہیں روک سکا۔ اب تو میرا کوئی خواب بھی ایسا نہیں ہوتا جس میں بہرام غوری موجود نہ ہو۔ ہم سب بے دست و پا ہیں شہزادی عالیہ! جب تک سینے میں دل موجود ہے، خوابوں کا جزیرہ بھی کسی نامحرم کے وجود سے آباد رہے گا۔'' یہ کہہ کر فردوس زار و قطار رونے لگی۔

''اے خدا! اس کی حفاظت کر..... اس کی سرخروئی میں میرے خونِ آرزو کو بھی شامل کر دے۔''

❁==❁==❁

شہزادی رضیہ سلطانہ اور نائب سپہ سالار سیف الدین ایبک کے آٹھوں شہسوار برق کی رفتار سے آگے بڑھ رہے

تھے۔ وہ چند گھنٹے آرام کرتے اور پھر اپنا سفر جاری رکھتے۔ آخر تمام شہسوار نومسلم راجپوتوں سے پہلے گوالیار پہنچ کر سلطان التمش کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

والیٔ ہند نے بڑی حیرت سے ان سارے پیغامات کو پڑھا جو نفسِ مضمون کے اعتبار سے یکساں تھے۔ التمش، رضیہ سلطانہ کی ذہانت و تدبر سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ پھر بہرام غوری کو طلب کر کے کہنے لگا۔

''میں تو پہلے ہی ان لوگوں کی طرف سے مشکوک تھا۔ کہیں وہ کسی خاص منصوبے کے تحت گوالیار کی طرف تو نہیں آ رہے ہیں؟''

''وہ اس طرف آ کر کیا کریں گے؟'' بہرام غوری نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''بالفرض اگر کسی سازش کے نتیجے میں ان کا رخ گوالیار کی جانب ہے تو پھر سلطانِ معظم کے جاں نثار ہر مورچے پر سربکف کھڑے ہیں۔ گوالیار کے قلعے سے دس دس میل تک چاروں طرف ہمارے مسلح دستے نگرانی کر رہے ہیں تاکہ راجہ دیوپل تک کسی قسم کی کمک نہ پہنچ سکے۔

سلطان التمش نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ظاہری اطمینان کے باوجود دیگر امکانات پر بھی غور کر رہا ہے۔

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ ایک سپاہی نے بارگاہِ سلطانی میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔

التمش نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور دوسرے ہی لمحے سپاہی خیمے کے اندر داخل ہو گیا۔ اس کی سانسیں چڑھی ہوئی تھیں اور پورا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ طویل مسافت طے کر کے یہاں تک پہنچا ہو۔

''کیا خبر لائے ہو؟'' بہرام غوری نے آنے والے سپاہی سے پوچھا۔

''سلطانِ معظم!'' سپاہی نصف قد تک جھکا۔ ''میں ریاست گوالیار کی جنوبی سرحد پر متعین نگراں دستے کا سپاہی ہوں۔ ابھی کوئی ایک گھنٹہ پہلے ہزاروں نامعلوم مسلح افراد سرحد کے قریب پہنچے ہیں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔''

سلطان التمش نے چونک کر اپنے سالار بہرام غوری کی طرف دیکھا۔

''تم نے ان سے ان کے نام اور آمد کا سبب دریافت کیا؟'' سلطان کے بجائے بہرام غوری، سپاہی سے مخاطب ہوا۔

''وہ کہتے ہیں کہ انہیں شہزادی رضیہ سلطانہ نے جہاد میں شریک ہونے کے لئے بھیجا ہے۔'' سپاہی نے جواب دیا۔

''تم انہیں اسی طرح روکے رکھو۔ جب تک ہمارا اجازت نامہ نہ پہنچ جائے، وہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کریں گے۔'' سلطان نے حکم دیا اور آنے والا سپاہی رخصتی سلام پیش کر کے واپس چلا گیا۔

''اب کیا سازش میں کوئی کلام باقی ہے؟'' سپاہی کے جاتے ہی التمش نے بہرام غوری سے سوال کیا۔

''یقیناً یہ کوئی سازش ہے۔'' بہرام غوری پریشان نظر آ رہا تھا۔

''ایسی سازش جس میں تمہاری شہزادی کو بھی ملوث کیا گیا ہے۔'' یہ کہتے کہتے التمش کے چہرے کا رنگ بگڑ گیا تھا۔ ''خدا میری جانشین کو اپنی امان میں رکھے۔ اگر شہزادی ہوش مندی سے کام نہ لیتی اور میرے یہ جاں نثار بروقت نہ پہنچتے تو سارے معاملات اُلجھ کر رہ جاتے۔''

''بے شک! شہزادی عالیہ کی ذہانت نے ہمیں بڑی مشکلات سے بچا لیا۔'' رضیہ سلطانہ کا ذکر کرتے وقت بہرام غوری کے دل پر ایک قیامت سی گزر گئی تھی۔ مگر وہ ایک آہنی اعصاب رکھنے والا نوجوان تھا۔ سینے میں دن رات دہکنے والے آتش فشاں کو اس طرح چھپا گیا کہ سلطان التمش اس کے جذبوں کی تپش کو محسوس نہ کر سکا۔ ''آپ فکرمند نہ ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ ان کے منہ میں کس کی زبان ہے اور وہ کس دشمن کے اشارے پر اتنا بڑا جھوٹ بول رہے ہیں۔'' یہ کہہ کر بہرام غوری خیمے سے باہر جانے لگا۔

''مگر وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔'' التمش نے اپنے سالار کو مخاطب کیا۔ ''کہیں بات بگڑ نہ جائے اور ہمیں ایک ہی وقت میں دو محاذ کھولنا پڑ جائیں۔''

''سلطانِ عالی قدر! اس کا امکان تو موجود ہے۔'' بہرام غوری نے پلٹ کر عرض کیا۔ ''میں اپنے ہمراہ ایک ہزار سپاہی لے کر جا رہا ہوں۔ کوشش کروں گا کہ وہ اپنے ہتھیار رکھ دیں۔ اور اگر ان لوگوں نے میری بات ماننے سے انکار کیا تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ میں اپنی شمشیر بے نیام کر لوں۔''

سلطان نے اپنے سالار کی بات سے اتفاق کیا اور بہرام غوری خیمے سے نکل کر چلا گیا۔

❁==❁==❁

بہرام غوری نے ایک ہزار سپاہیوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ سپاہیوں کا ایک دستہ اس طرف بڑھ رہا تھا، جہاں نومسلم راجپوت جمع ہوئے تھے۔ اور دوسرے دستے کا رخ بظاہر مغربی سرحد کی طرف تھا۔ یہ بہرام غوری کی ایک جنگی چال تھی۔ مغرب کی سمت میں جانے والے فوجی دستے کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک طویل چکر کاٹ کر جنوب کی طرف بڑھے۔ یہاں تک کہ تمام سپاہی راجپوتوں کی پشت پر آ جائیں۔ اس طرح بہرام غوری ان کے دونوں جانب محاصرے کی دیوار کھڑی کر دینا چاہتا تھا۔

بہرام غوری نے تقریباً ایک گھنٹے میں یہ فاصلہ طے کیا۔ اسے ہر طرف نومسلم راجپوتوں کے سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔

''تم لوگ یہاں کس لئے آئے ہو؟'' بہرام غوری نے تحکم آمیز لہجے میں راجپوتوں کو مخاطب کیا۔ ان میں سے ہر ایک شخص اپنی جگہ مسلح تھا مگر چہروں سے مسافت کی تھکن صاف نمایاں تھی۔

جیسے ہی بہرام غوری کے الفاظ کی گونج ختم ہوئی، ایک شخص نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔ یہ نومسلموں کا سرغنہ امر سنگھ تھا۔ ''ہمیں شہزادی رضیہ سلطانہ نے حکم دیا ہے کہ ہم سلطان کی مدد کو پہنچیں اور گوالیار کی فوجوں کے خلاف بھرپور جنگ کریں۔ یہاں تک کہ ہمیں میدانِ کارزار میں شہادت نصیب ہو جائے۔'' امر سنگھ انتہائی پُرجوش لہجے میں ٹھاکر بلرام سنگھ کا پڑھایا ہوا سبق دہرا رہا تھا۔ ''یہی ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔''

اس کھلے ہوئے جھوٹ پر بہرام غوری کا خون کھول کر رہ گیا۔ مگر اس نے نہایت ضبط و تحمل سے کام لیا۔ ''کیا تمہارے پاس شہزادی عالیہ کا فرمان موجود ہے؟'' بہرام غوری نے امر سنگھ سے سوال کیا۔

یہ سوال اس قدر غیر متوقع تھا کہ امر سنگھ چند لمحوں کے لئے گھبرا سا گیا، پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ ''ہمارے پاس شہزادی کا فرمان تو موجود نہیں۔ قلعے کے کچھ سپاہی آئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے لئے فوری روانگی کا

حکم ہے۔''

امر سنگھ بڑی عیاری کے ساتھ جھوٹ بول رہا تھا۔ بہرام غوری ایک بار پھر پیچ و تاب کھا کر رہ گیا مگر اس نے ضبط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ ''کیا لشکرِ سلطانی کا کوئی سپاہی تمہارے ہمراہ آیا ہے؟'' بہرام غوری نے امر سنگھ سے ایک اور سوال کیا۔

امر سنگھ نے پلٹ کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور ہاتھ کا اشارہ کیا۔ چند راجپوت آگے بڑھے جو امر سنگھ سے مختلف لباس پہنے ہوئے تھے۔ یہ لباس التمش کے سپاہیوں کا تھا۔ ٹھاکر بلرام نے کچھ راجپوت نوجوانوں کے لئے ایسے ہی لباس تیار کرائے تھے تاکہ سلطان کو دھوکا دیا جا سکے۔ مگر بلرام سنگھ یہ بھول گیا تھا کہ سلطان التمش کے سپاہی دو مختلف لباس پہنتے تھے۔ ایک جنگ کے دوران..... اور ایک امن کی حالت میں۔ امر سنگھ کے کچھ ساتھی وہی لباس پہنے ہوئے تھے، جو سلطان کے لشکری عام حالات میں استعمال کرتے تھے۔ امر سنگھ ایک بار پھر جھوٹا ثابت ہوا تھا۔ تاہم بہرام غوری نے ان سپاہیوں کے فریب کو بے نقاب کرنے کے لئے ایک مخصوص فوجی اصطلاح کا سہارا لیا۔

وہ بہروپئے خاموش کھڑے حیرت سے بہرام غوری کا چہرہ دیکھتے رہے۔

بہرام غوری نے یکے بعد دیگرے کئی مخصوص الفاظ استعمال کئے لیکن امر سنگھ کے ساتھی کوئی جواب نہ دے سکے۔ دراصل یہ وہ خفیہ اشارے تھے جو نئے سپاہیوں کو فوجی تربیت کے دوران سکھائے جاتے تھے۔

''تُو نے دیکھا کہ تیرے ساتھی گونگوں کی طرح کھڑے ہیں۔'' یکایک بہرام غوری کا لہجہ غضب ناک ہو گیا تھا۔ ''اگر یہ لشکرِ سلطانی کے سپاہی ہوتے تو میرے سوالوں کا صحیح جواب دیتے۔''

''مجھے خبر نہیں کہ یہ کون ہیں؟'' امر سنگھ بڑی بے شرمی کے ساتھ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔ ''یہی لوگ شہزادی کا حکم لے کر آئے تھے۔ میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا۔''

بہرام غوری اس نازک ترین مرحلے پر کشت و خون سے گریز کرنا چاہتا تھا، اس لئے نئی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے بولا۔ ''شہزادی کا حکم سن کر تم لوگ یہاں چلے آئے۔ اب سلطانِ معظم کا حکم ہے کہ فوراً دہلی کی طرف واپس لوٹ جاؤ۔''

امر سنگھ کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ بہرام غوری نے ایک بار پھر ٹھاکر بلرام سنگھ کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک سکتے کی سی حالت میں کھڑا رہا، پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''ہمیں اس دشوار گزار سفر نے تھکا ڈالا ہے۔ دو چار دن آرام کر لیں، پھر دہلی واپس چلے جائیں گے۔'' امر سنگھ سمجھ گیا تھا کہ اس کے فریب کا پردہ چاک ہو چکا ہے، اس لئے بہرام غوری سے کچھ دن کی مہلت مانگ رہا تھا تاکہ وہ کسی دن رات کو بے خبری کے عالم میں سلطان کے سپاہیوں پر حملہ کر کے چاروں طرف ابتری پھیلا دے اور پھر موقع ملتے ہی راجہ دیوپل سے جا ملے۔

''ہرگز نہیں! تم اسی وقت واپس جاؤ گے۔'' بہرام غوری نے امر سنگھ کی درخواست کو بڑی بے رحمی سے مسترد کر دیا۔ ''تم اپنے ہتھیار اور گھوڑے یہیں چھوڑ دو اور چپ چاپ دارالحکومت کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ سلطانی کارندے راستے بھر تمہاری نگرانی کریں گے۔''

بہرام غوری کا حکم سن کر امر سنگھ پاگل سا ہو گیا۔ ''ہم سینکڑوں میل کا فاصلہ پیدل طے کریں گے؟'' نومسلم راجپوتوں کا سرغنہ ہذیانی انداز میں چیخ رہا تھا۔

''تمہارے جرم کی یہ کم سے کم سزا ہے۔'' بہرام غوری نے قہر آلود لہجے میں کہا۔

''ہم مجرم ہیں؟'' امر سنگھ بہت زور سے چیخا۔ وہ اپنے جرم کو چیخوں کے پردے میں چھپانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

''اگر مجرم نہیں ہو تو اپنی تلواریں پھینک دو اور گردنیں جھکا کر دہلی واپس چلے جاؤ۔'' بہرام غوری کے ہونٹوں سے آگ برس رہی تھی۔

''راجپوت ہتھیار نہیں رکھتے۔'' امر سنگھ کو اپنا اور ساتھیوں کا انجام قریب نظر آ رہا تھا اس لئے وہ سرکشی پر اُتر آیا۔ راجپوت نوجوان کا خیال تھا کہ ہتھیار بہرام غوری کے حوالے کر دینے کے بعد وہ سب کے سب بے دست و پا ہو جائیں گے اور بہرام غوری ان کے ساتھ مجرموں جیسا سلوک کرے گا۔ واقعہ یہی تھا۔ بہرام غوری انہیں پیادہ پا دہلی بھیجتا اور پھر زنداں کے اندھیروں میں ڈال دیتا تاوقتیکہ سلطان التمش گوالیار کی مہم سے فارغ ہو کر دارالحکومت پہنچتا اور پھر مذہب کے نام پر غداری کرنے والوں کو بدترین سزائیں دیتا۔

امر سنگھ نے نوشتۂ دیوار پڑھ لیا تھا، اس لئے چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو خبردار کرنے لگا۔ ''تم میں سے کوئی شخص ہتھیار نہیں پھینکے گا کہ تلوار کے بغیر راجپوتوں کی پہچان باقی نہیں رہتی۔''

اپنے ساتھیوں کو نامعلوم خطرے سے ہوشیار کرنے کے بعد امر سنگھ، بہرام غوری سے مخاطب ہوا۔ ''اگر سلطان کو جہاد میں ہماری شرکت گوارا نہیں تو پھر ہم دہلی واپس جا رہے ہیں۔'' امر سنگھ فرار کا نیا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا۔

''یقیناً! تم لوگوں کو دہلی ہی جانا ہے مگر اس طرح کہ جیسے مزدوروں کے قافلے مزدوری کی تلاش میں شہر در شہر سفر کرتے ہیں۔'' بہرام غوری نے انتہائی سخت لہجے میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''ہم نے اسلام قبول کرتے وقت سلطان سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ آخری سانس تک سپاہی رہیں گے۔ پھر تُو کون ہے ہمیں مزدور بنانے والا؟'' امر سنگھ بدحواسی کے سبب اپنے لہجے پر قابو نہ رکھ سکا اور نائب سپہ سالار سے بدکلامی کرنے لگا۔

ابھی امر سنگھ کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ بہرام غوری کے عقب میں کھڑے ہوئے ایک سپاہی کے ہاتھوں کو جنبش ہوئی اور دوسرے ہی لمحے راجپوت نوجوان گھوڑے سے نیچے آ پڑا۔ بہرام غوری کے سپاہی نے اس مہارت سے کمند ڈالی تھی کہ امر سنگھ کو سنبھلنے کا موقع تک نہیں مل سکا۔ وہ کسی کمزور پرندے کی طرح زمین پر پڑا حسرت زدہ نظروں سے سلطانی لشکر کے اس سپاہی کو دیکھ رہا تھا، جس نے صیاد کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔

''اسے سلطانِ معظم کے خیمے میں پہنچا دو۔'' بہرام غوری نے اپنے سپاہی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

سپاہی، امر سنگھ کو کچھ دور تک کھینچتا ہوا لے گیا۔

اپنے سرغنہ کا یہ حال دیکھ کر راجپوت سپاہی آگے بڑھے۔ وہ امر سنگھ کو بہرام غوری کی قید سے آزاد کرانا چاہتے تھے۔

''اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' بہرام غوری نے راجپوتوں کو آخری بار تنبیہہ کی۔ مگر جب وہ نہیں مانے تو اس نے اپنی شمشیر ہوا میں لہرا دی۔ یہ اعلانِ جنگ کا اشارہ تھا۔ سلطان کے سپاہی، راجپوتوں پر عقابوں کی طرح جھپٹے۔ کہاں ہندوستان کے گوشے گوشے سے جمع کئے ہوئے نوآموز راجپوت نوجوان..... اور کہاں سلطان التمش کے تجربہ کار اور جاں نثار سپاہی۔ دونوں میں بڑا فرق تھا۔ اور یہی فرق راجپوتوں کی مکمل بربادی کا سبب

بن گیا۔

راجپوت کچھ دیر تک تو بہرام غوری کے سپاہیوں کا مقابلہ کرتے رہے مگر پھر ان کے قدم اُکھڑ گئے۔ وہ اپنی جانیں بچانے کے لئے بھاگے تو بہرام غوری کا دوسرا دستہ ان کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ بالآخر چکی کے دو پاٹوں نے راجپوتوں کو پیس کر رکھ دیا۔ بہرام غوری کے تیر انداز سپاہی، راجپوتوں کے لئے فرشتۂ اجل بنے ہوئے تھے۔ جو گردنیں شمشیر کے وار سے بچ جاتی تھیں، انہیں زہر میں بجھے ہوئے تیر اپنا نشانہ بنا لیتے تھے۔ اس جنگ کا فیصلہ ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں ہو گیا۔ میدان میں چاروں طرف راجپوتوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ بمشکل سو دو سو راجپوت فرار ہونے میں کامیاب ہو سکے تھے۔

اس مختصر اور بے رنگ معرکہ آرائی میں بہرام غوری کے پچاس ساٹھ سپاہی کام آئے۔

❁==❁==❁

جب کشت و خون کا سیلاب تھم گیا تو بہرام غوری نے زخمی راجپوتوں سے سوال کیا۔ ''تم کس مقصد سے یہاں آئے تھے؟''

''ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو جائیں اور موقع ملتے ہی سلطان کو ہلاک کر ڈالیں۔'' موت کو اپنے سامنے پا کر زخمی راجپوتوں نے اعترافِ جرم کر لیا۔

''کس نے تمہیں یہاں بھیجا تھا؟'' بہرام غوری نے دوسرا سوال کیا۔

''امر سنگھ ہمارا سردار ہے، جسے سلطان کے سپاہی گرفتار کر کے لے گئے ہیں۔ اس کے حکم پر ہم یہاں آئے تھے۔'' زخمی راجپوتوں نے بڑی حد تک سازش کو بے نقاب کر دیا تھا۔

''تم تو مسلمان تھے۔'' بہرام غوری نے بجھی ہوئی آگ کو کریدا کہ شاید کوئی چنگاری برآمد ہو جس کے ذریعے سازش کا نیا باب کھل جائے۔ ''پھر تم نے سلطان کے خلاف تلوار کیوں کھینچی؟''

''یہ ایک بہروپ تھا تاکہ ہم آسانی سے سلطان کے حلقۂ احباب میں داخل ہو سکیں۔'' ایک زخمی راجپوت نے کراہتے ہوئے کہا۔ ''ہم دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت بھی درگا کے پجاری ہیں اور مسلمانوں سے پرتھوی راج چوہان کی موت کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔''

بہرام غوری مسکرایا اور آہستہ قدموں سے سلطان التمش کے خیمے کی طرف چلا گیا۔

❁==❁==❁

والیٔ ہند نے بڑے پُرجوش انداز میں اپنے سالار کا استقبال کیا۔ ''مجھے تم پر فخر ہے بہرام! کہ اتنے محدود وسائل اور اس قدر کم وقت میں تم نے ایک بڑے فتنے کو ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلا دیا۔''

بہرام غوری سر جھکائے کھڑا رہا۔ پھر جب سلطان کی زبان سے ادا ہونے والے تعریفی کلمات کا سلسلہ ختم ہو گیا تو نائب سپہ سالار لب کشا ہوا اور زخمی راجپوتوں سے حاصل کردہ ساری معلومات والیٔ ہندوستان کے گوش گزار کر دیں۔ ''میرے خیال میں وہ لوگ اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ اب امر سنگھ ہی زبان کھولے تو پتہ چلے کہ اس

سازش کے پیچھے کس کا ہاتھ گردش کر رہا ہے؟''

''مشکل ہے بہرام! بہت مشکل۔'' سلطان التمش نے کسی تاثر کے بغیر کہا۔

''سلطانِ معظم!'' بہرام غوری نے اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

''وہ اوّل و آخر راجپوت ہے۔'' التمش نے کہا۔ ''وہ کسی بھی حال میں زبان نہیں کھولے گا۔''

''اور جن لوگوں نے سازش کا پورا منصوبہ بیان کیا ہے، وہ بھی تو راجپوت ہیں۔'' بہرام غوری نے دلیل پیش کی۔

''منصوبہ بنانے والے کی ذہانت تو یہی ہے کہ پانچ ہزار راجپوتوں کو اپنا مقصد معلوم ہے مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ اس مقصد کے پس پردہ کون ہے؟'' سلطان التمش نے زیرِ لب تبسم کے ساتھ کہا۔ ''میرے اندازے کے مطابق یہ سارے مہرے اندھے ہیں، یہ اپنے شاطر کو نہیں پہچانتے۔''

بہرام غوری سوالیہ نظروں سے سلطان کی طرف دیکھنے لگا۔

''خدا کا شکر ہے کہ تمہاری ذہانت نے سب سے اہم مہرے کو گرفتار کر لیا۔'' التمش نے ایک بار پھر اپنے سالار کے کارنامے کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ ''گوالیار کی مہم سر ہو جائے، پھر امر سنگھ کو بھی دیکھ لیں گے۔ فی الوقت ان سب کو طوق و زنجیر پہنا دو تاکہ یہ فرار بھی نہ ہو سکیں اور خودکشی بھی نہ کر سکیں۔''

بہرام غوری واپس جانے لگا تو سلطان نے اسے ٹھہر جانے کا حکم دیا۔ پھر کچھ دیر بعد ہی التمش نے رضیہ سلطانہ کا پیغام لانے والے آٹھوں شہسواروں کو اپنے خیمے میں طلب کر لیا۔

پھر سلطان التمش نے اپنے جانشین کو خط لکھا۔

''میری محبوب بیٹی! تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ جس واقعے نے تمہاری راتوں کی نیندیں اُڑا دی تھیں، وہ بخیر و خوبی انجام کو پہنچ گیا۔ سو دو سو راجپوتوں کو چھوڑ کر سارے کے سارے قتل کر دیئے گئے یا پھر زخمی حالت میں گرفتار ہو کر تمہارے بابا محترم کے سامنے زمین پر اوندھے پڑے ہیں۔ مجھے تمہارے فراست و تدبر سے یہی امید ہے۔ تم نے میری جانشینی کا حق ادا کر دیا۔''

بہرام غوری نے مکتوبِ شاہی پر مُہرِ سلطان ثبت کی۔ سلطان کا خط پڑھتے وقت اس کے دل کی حالت عجیب سی ہو گئی تھی۔ وہ آج بہت زیادہ خوش بھی تھا اور اُداس بھی۔ خوش اس لئے کہ اس کی محبوب نے سینکڑوں دانشمند مردوں کی موجودگی میں ایک نہایت پیچیدہ اور مشکل بازی جیتی تھی..... اور پوری سلطنت میں سربلند ٹھہری تھی..... اُداس اس لئے تھا کہ دیدارِ یار کو زمانے گزر گئے تھے..... اور اب ساعتِ دیدار قیامت سے پہلے طلوع ہونے والی نہیں تھی۔

بہرام غوری کو اس حالت میں دیکھ کر سلطان مسکرایا۔ ''آخر وہ تمہاری ہی تو شاگرد ہے اور اس حوالے سے تم بھی تعریف کے مستحق ہو۔''

''ساری فتوحات جانشینِ التمش کے نام..... اور ساری اقبال مندیاں شہزادی عالیہ کے نام۔'' یہ دعا دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی، اس لئے خیمے کی فضا کو جذبوں کی صداقت سے معمور کر گئی۔

سلطان نے رضیہ کے نام تحریر کردہ مکتوب بہرام غوری کی طرف بڑھایا۔ رسمِ شاہانہ کے مطابق بہرام غوری نے تین بار مکتوبِ سلطانی کو بوسہ دیا۔ نائب سپہ سالار کے اس عمل میں بڑی شدت اور جذباتیت تھی۔ اس لئے کہ یہ مکتوب اُس کی محبوب کے نام تحریر کیا گیا تھا۔

دوسرے دن آٹھوں شہسوار اسی برق رفتاری کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

❁==❁==❁

جمال الدین یاقوت تیزی سے صحت یاب ہو رہا تھا۔ ملکہ ترکان شاہ، وزیراعظم نظام الملک اور دوسرے ترک امراء کے چہرے اس طرح بجھے ہوئے تھے کہ جیسے کوئی جواری اپنی زندگی کی اہم ترین بازی ہار گیا ہو۔

نظام الملک نے ایک اور چال چلی۔ وہ تنہائی میں شہزادی رضیہ سلطانہ سے کہہ رہا تھا۔ ''سلطانِ عالی قدر! بظاہر جمال الدین یاقوت صحت یاب ہو گیا ہے مگر اس کی جسمانی توانائیاں زندگی بھر بحال نہیں ہوں گی۔ اس لئے میری رائے میں حبشی زادے کو امیر آخور کے عہدے سے ہٹا دیا جائے۔ اور محافظِ خاص کے لئے بھی کسی دوسرے جانباز سپاہی کا انتخاب کیا جائے۔''

''آپ سے کس نے کہا کہ جمال الدین کی صحت مکمل طور پر تباہ ہو چکی ہے؟'' رضیہ سلطانہ کا لہجہ مدھم تھا مگر اس میں گہری تلخی پوشیدہ تھی۔

''حکیم مسعود رازی کا یہی خیال ہے۔'' نظام الملک انتہائی سرد لہجے میں گفتگو کر رہا تھا۔

''یہ حکیم رازی کون ہے؟'' شہزادی کے ماتھے پر کئی بل پڑ گئے۔ اس کے لئے وزیراعظم ہند کی موجودگی ناقابل برداشت تھی۔

''بس یوں سمجھ لیجئے کہ اپنے وقت کا بوعلی سینا ہے۔'' نظام الملک اپنی لفاظی سے نوعمر شہزادی کو متاثر کرنا چاہتا تھا۔ ''قسمت نے اس کا ساتھ نہیں دیا ورنہ آج وہ شاہی طبیب کے منصب پر فائز ہوتا۔''

شہزادی چند لمحوں تک خاموش بیٹھی رہی، پھر بلند آواز میں بولی۔ ''خود بوعلی سینا بھی قبر سے اُٹھ کر آ جاتا اور یہ کہتا کہ جمال الدین یاقوت خدمتِ سلطانی کے لائق نہیں رہا ہے، تب بھی میں اس کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتی۔''

''سلطانِ عالی مقام!'' نظام الملک کا لہجہ کچھ اور سرد ہو گیا تھا۔ ''سیاست میں انسانی ضد کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ سیاست صرف اس کا نام ہے کہ انسانی ضرورتیں اور خواہشیں وقت کے سانچے میں ڈھلتی چلی جائیں۔ جمال الدین یاقوت اگر ذمے دار اور صحت مند ہوتا تو پانچ ہزار نومسلم راجپوت اس طرح فرار نہیں ہو سکتے تھے۔ کون جانے کہ وہ فتنہ پرور لوگ اس وقت کہاں ہوں گے؟ اور انہوں نے کیسے کیسے ہنگامے برپا کئے ہوں گے۔ یہ واقعہ آپ کے دورِ جانشینی پر ایک بدنما داغ ہے۔ اور یہ داغ اس لئے نمایاں ہوا ہے کہ جمال الدین یاقوت آپ کا محافظِ خاص ہے۔''

''کیا ان لوگوں کی نگرانی امیر آخور کی ذمے داری تھی؟'' نظام الملک کی فریب کارانہ گفتگو نے شہزادی کے ذہن کو اُلجھا کر رکھ دیا تھا۔

''شاید براہِ راست وہ اس کا ذمے دار نہ ہو مگر کہنے والے یہی کہتے ہیں کہ فرار ہونے والے راجپوتوں کو جمال الدین یاقوت ہی نے گھوڑے فراہم کئے تھے۔ آخر وہ داروغۂ اصطبل ہے اور یہ کام اس کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔''

نظام الملک نے اپنی شاطرانہ چالوں سے شہزادی کے ذہن میں اتنے اندیشے پیدا کر دیئے تھے کہ نوعمر حکمراں کا ان وسوسوں سے پیچھا چھڑانا مشکل تھا۔

آخر وہی ہوا جو نظام الملک چاہتا تھا۔ شہزادی پریشان خیالات کے نرغے میں آ گئی اور بہت دیر تک خاموش

بیٹھی رہی۔

''کیا جمال الدین یاقوت کے خلاف گواہ موجود ہیں؟'' آخر ایک طویل وقفۂ سکوت کے بعد رضیہ سلطانہ، وزیراعظم ہند سے مخاطب ہوئی مگر اس بار اس کے لہجے سے جلالِ شاہی رخصت ہو گیا تھا۔

''سلطانِ ذی حشم!'' نظام الملک کا لہجہ بظاہر خوشامدانہ تھا مگر الفاظ کے سینے میں بڑی سفاکی پوشیدہ تھی۔ ''ایک نہیں، کئی معتبر گواہ موجود ہیں۔''

یہ انکشاف سن کر رضیہ سلطانہ دم بخود رہ گئی۔

''وہ کسی دشمن طاقت کا نمائندہ ہے جو اپنے گلے میں سلطان کی محبت و وفاداری کا نقارہ ڈال کر گھوم رہا ہے۔'' رضیہ سلطانہ کے اُلجھے ہوئے ذہن کو نظام الملک کچھ اور منتشر کر دینا چاہتا تھا۔ ''وہ دہلی کے گلی کوچوں میں شور مچا رہا ہے کہ اس کے سوا کوئی جاں نثارِ سلطنت نہیں۔''

شہزادی کی حیرت و پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

''میں ایک قدیم نمک خوارِ سلطنت، اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا کہ آلِ التمش پر ہمیشہ خدا کی رحمت سایہ فگن رہے۔'' رضیہ سلطانہ کو پریشان دیکھ کر نظام الملک لفظوں کا ایک اور سنہری جال لے آیا تھا۔ ''خاکم بدہن، لوگ تو آپ کو ناکام و نامراد دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''لوگوں کی خواہشات ان کے ساتھ۔'' رضیہ نے بے نیازانہ لہجے میں کہا۔ ''دنیا کی نظروں میں جمال الدین یاقوت کتنا ہی بڑا مجرم سہی مگر میں اسے اس کے منصب سے ہٹانے کی مجاز نہیں۔''

''بے شک! آپ بااختیار ہیں۔'' نظام الملک نے ایک اور اُلجھی ہوئی چال چلی۔

''یہاں میرے اختیارات کا ذکر نہیں۔'' رضیہ نے بلند آواز میں کہا۔ ''سلطانِ معظم نے اسے امیر آخور بنایا ہے۔ اب بابا محترم ہی اسے اس کے عہدے سے معزول کر سکتے ہیں۔''

''پھر تو بہت دیر ہو جائے گی۔'' نظام الملک کف افسوس ملتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔

''کیسی تاخیر؟'' رضیہ سلطانہ ایک بار پھر چونک اُٹھی۔

''جمال الدین یاقوت جسمانی طور پر ہی نہیں، اس کا ذہن بھی بیمار ہے۔'' وزیراعظم ہند مسلسل چالیں چل رہا تھا اور اس کی ہر چال ایک نوعمر دوشیزہ کو پریشان کر دینے کے لئے کافی تھی۔ ''یاقوت حبشی کے جسمانی مرض کو تو برداشت کیا جا سکتا ہے مگر اس کی ذہنی بیماری..... خدا وہ وقت نہ لائے..... خدا وہ وقت نہ لائے.....'' نظام الملک نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی تھی اور وہ عام آدمیوں کی طرح اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگا رہا تھا۔

''آپ اپنی بات مکمل کیجئے۔'' رضیہ سلطانہ کے چہرے کا رنگ بگڑ گیا۔

''خدا..... وہ وقت..... نہ لائے.....'' نظام الملک کی زبان سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔ ''کہیں اس کی ذہنی بیماری شہزادی معظمہ کو سرِعام رُسوا نہ کر دے۔''

رضیہ سلطانہ کو محسوس ہوا کہ قصرِ شاہی کے تمام در و دیوار بیک وقت اُس کے سر پر گر گئے ہیں۔ اور وہ سر سے پاؤں تک لہولہان ہو گئی ہے۔ شہزادی درد کی شدت سے چیخنا چاہتی تھی مگر شرم و حیا دامن گیر تھی۔

نظام الملک کی عیار نظریں ریشمی پردے پر مرکوز تھیں۔ وہ رضیہ سلطانہ کا وحشت و کرب میں ڈوبا ہوا چہرہ دیکھ تو

نہیں سکتا تھا مگر اُسے اتنا اندازہ ضرور تھا کہ اس کے چند الفاظ نے شہزادی کے دل پر کیا قیامت ڈھائی ہوگی۔

جب بہت دیر تک حریری پردے کے پیچھے سے رضیہ سلطانہ کی آواز نہیں اُبھری تو نظام الملک کھڑا ہو گیا اور رخصت کے لئے اجازت طلب کرنے لگا۔

''غلام نے تو حقِ نمک ادا کر دیا۔ اب آگے مرضیٔ شاہ ہے۔'' یہ کہہ کر نظام الملک جانے کے لئے مڑا۔

''اگر آپ امیر آخور کے خلاف کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے.....'' رضیہ سلطانہ نے بھی جان بوجھ کر اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔ حالانکہ نظام الملک جیسے ذہین سیاست داں کے لئے بات مکمل ہو چکی تھی۔

''غلام تہمت کی سزا جانتا ہے۔'' وزیراعظم ہند بڑے مضبوط قدموں کے ساتھ گھوما اور انتہائی پُراعتماد لہجے میں بولا۔ ''اگر ثبوت پیش نہ کر سکا تو اپنا سر پیش کر دوں گا۔'' یہ کہہ کر نظام الملک واپس چلا گیا۔ اور رضیہ سلطانہ کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔

❁==❁==❁

اس رات شہزادی نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ رضیہ سلطانہ کو کسی پہلو قرار نہیں تھا۔ کبھی وہ خواب گاہ میں ٹہلنے لگتی، کبھی دریچے میں کھڑی ہو جاتی۔ پھر جب وحشتِ دل حد سے بڑھی تو خواب گاہ سے نکل کر پائیں باغ میں چلی آئی۔ کنیز فردوس ساتھ تھی۔ شہزادی پھولوں کی روش سے گزر کر مخمل جیسی گھاس پر بیٹھ گئی۔ سبزہ زار پر شبنم کے قطرے بکھرے ہوئے تھے۔ شہزادی کو کسی قدر سکون کا احساس ہوا۔ اُس کی اُداس نظریں چاند پر جمی ہوئی تھیں جسے یکایک سیاہ بادل کے ایک ٹکڑے نے چھپا لیا تھا۔

''اے میرے خدا!'' رضیہ نے آہِ سرد کھینچی۔

فردوس کچھ دیر تک ہاتھ باندھے شہزادی کے پیچھے کھڑی رہی۔ پھر چند قدم آگے بڑھی اور رضیہ سلطانہ کے روبرو گھٹنوں کے بل جھک گئی۔

''شہزادی عالیہ! اب مجھ سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہوتا۔'' شدتِ جذبات سے فردوس کی آواز لرز رہی تھی۔

''میں نے آج تک آپ کو اتنا مضطرب نہیں دیکھا۔ خدا کے لئے کچھ تو کہئے ورنہ کنیز کا دم گھٹ جائے گا۔''

رضیہ سلطانہ پھر بھی کسی مجسمے کی طرح ساکت رہی۔ اس پر کنیز کی التجا کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

فردوس نے آقا زادی کے پیروں پر سر رکھ دیا اور کسی بچے کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔ ''اگر آپ بے قرار ہیں تو کنیز پر بھی زندگی حرام ہیں۔''

فردوس کی باتیں اس قدر جانگداز تھیں کہ رضیہ سلطانہ سکوت کے اس حلقے سے باہر نکل آئی جس نے شہزادی کو پتھر بنا دیا تھا۔ کنیزِ خاص نے اپنے سر پر آقا زادی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا۔

''میں ٹھیک ہوں فردوس! تُو پریشان نہ ہو۔'' کئی گھنٹوں کی طویل خاموشی کے بعد شہزادی کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی تھی۔

''میں کیسے یقین کر لوں کہ آپ کسی خوف ناک طوفان کے زیرِ اثر نہیں ہیں؟'' فردوس نے سر اٹھایا۔ اس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

''طوفان تو انسانی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں فردوس!'' رضیہ کا لہجہ اذیت و کرب میں ڈوبا ہوا تھا۔ ''یہ دعا کر کہ خدا تیری آقا زادی کو طوفان کی خوراک بننے سے بچا لے۔''

''کیسا طوفان؟'' فردوس بدحواس نظر آنے لگی۔

''یہاں سے اُٹھ جا!'' رضیہ سلطانہ یہ کہتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ ''مجھے تو یہ پھول، یہ سبزہ، یہ شبنم، یہ ہوائیں، یہ بادل اور یہ چاند بھی کسی کے جاسوس معلوم ہوتے ہیں۔'' رضیہ سلطانہ آہستہ آہستہ اپنی خواب گاہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

❁==❁==❁

نظام الملک کے کمرے میں قہوے کا دور چل رہا تھا۔ وزیراعظم شراب تو نہیں پیتا تھا مگر وہ افیون کے پوست کا عادی تھا۔ علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی بھی موجود تھے اور مزے لے کر قہوہ پی رہے تھے۔ جب ان تینوں کے اعصاب کیف و سرور سے بوجھل ہو گئے تو علاء الدین شیر خانی، نظام الملک سے مخاطب ہوا۔

''اگر آپ فرمانروائے ہند ہو گئے تو نئی حکومت میں میری کیا حیثیت ہوگی؟''

''تم وزیراعظم اور ملک سیف الدین کوچی، وزیرِ خزانہ۔'' نظام الملک نے جھومتے ہوئے کہا۔

''آخر وہ دن کب آئے گا؟'' ملک سیف الدین کوچی نے قہوے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ ''مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اس دن کا انتظار کرتے کرتے قبر میں چلا جاؤں گا۔''

''ملک! کیا ہذیان بک رہا ہے؟'' نظام الملک نے سیف الدین کوچی کو محبت آمیز لہجے میں ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ''قبر میں تو وہ جاہل حکمراں جائیں گے، جنہوں نے سلطنتِ ہند کو اپنی میراث سمجھ لیا ہے۔'' نظام الملک اپنے آقا التمش کے خلاف زہر اُگل رہا تھا۔

''سلطان کی زندگی میں تو یہ ممکن نہیں۔'' علاء الدین شیر خانی کا لہجہ بھی مایوسانہ تھا۔ ''بالفرضِ محال آج سلطان کا انتقال ہو جائے تو ہم لوگ کس طرح برسرِ اقتدار آئیں گے؟ شہزادہ رکن الدین، تخت کا وارث ہے۔ اس لئے حکومت بھی اسی کو منتقل ہو جائے گی۔''

''میں یہی تو چاہتا ہوں کہ عنانِ اقتدار اس اوباش لڑکے کے ہاتھوں میں آ جائے۔'' نظام الملک کے ہونٹوں پر اُبھرنے والی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ ''وہ کتنے دن کا مہمان ہوگا۔ شراب و شباب اُسے چند روز میں کھا جائیں گے۔ پھر ہمارے راستے کا کوئی پتھر باقی نہیں رہے گا۔''

نظام الملک ایک خودغرض اور عیار سیاستداں تھا۔ تاریخ کے مطالعے سے اس نے ایک ہی منفی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ ذاتی مفاد کے لئے ہر اخلاقی قدر کو پامال کر دیا جائے۔ اپنی اسی نفس پرستی کے سبب وہ کئی سالوں سے سلطنتِ دہلی پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ التمش کے دو طاقتور امراء علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی بھی اُس کے ہم نوا تھے۔ نظام الملک خود ساختہ سلطان تھا اور اس نے وزارتِ عظمیٰ اور وزارتِ خزانہ کے اہم ترین عہدوں کے لئے علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی کو نامزد کر دیا تھا۔ التمش کے یہ تینوں نمک خوار اکثر تنہائی میں ملتے اور حکومتِ وقت کے خلاف نئے نئے منصوبے تراشتے۔ آج بھی یہ خفیہ اجلاس ایک خاص مقصد کے تحت منعقد ہوا تھا۔

''شہزادہ رکن الدین لاکھ ناکارہ سہی مگر سلطان کی بیٹی رضیہ سلطانہ؟'' ملک سیف الدین کوچی نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

جواب میں نظام الملک نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ ''جب برے دن آتے ہیں تو انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔ ایک احمق شخص، قانونِ وراثت کو جھٹلانے چلا ہے۔'' نظام الملک انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں اپنے آقائے نعمت کا مذاق اُڑا رہا تھا۔ ''بیٹی کو وارث بنانا چاہتا ہے۔ بس یہی اس کی موت ہے۔ اور اس کی موت ہی ہماری زندگی ہے۔''

''مگر وہ بے پناہ ذہین اور شجاع لڑکی ہے۔'' علاء الدین شیر خانی نے رضیہ سلطانہ کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

''ذہانت اور شجاعت تو بعد کی باتیں ہیں۔'' یکایک نظام الملک کے لہجے سے سفا کی جھلکنے لگی تھی۔ ''پہلے وہ ذلت و رسوائی کے اس طوفان سے تو بچ جائے جو عنقریب جلالِ سلطانی سے لے کر ناموسِ سلطانی تک، سب کچھ بہا کر لے جائے گا۔''

''کیسا طوفان؟'' علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی اُچھل پڑے۔

''میری عقل کا طوفان، جس کے آگے قلعہ معلّٰی کی سنگی دیواریں بھی خس و خاشاک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔'' وزیرِاعظم ہند ہاتھ لہرا لہرا کر بلند بانگ دعوے کر رہا تھا۔ ''بہت جلد شہزادی رضیہ سلطانہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گی کہ نظام الملک کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔''

''ہم آپ کی ذہانت پر پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں۔'' علاء الدین شیر خانی نے سرخم کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر تم لوگ کس لئے فکر و تردّد میں مبتلا رہتے ہو؟'' نظام الملک نے اونچی آواز میں کہا۔ وہ ہر طرح اپنے ساتھیوں پر رعب و جلال قائم رکھنا چاہتا تھا۔

''مجھے آپ کی کامیابیوں کے سلسلے میں ذرّہ برابر بھی شک نہیں مگر.....'' علاء الدین شیر خانی کی زبان لڑکھڑا گئی اور وہ بات کہتے کہتے رُک گیا۔

''مگر کیا؟'' نظام الملک نے چونک کر علاء الدین شیر خانی کی طرف دیکھا جو اس کی خود ساختہ مملکت میں وزیرِاعظم بننے والا تھا۔

''میں..... آپ سے..... وہ بات کیسے کہوں؟'' علاء الدین شیر خانی کی زبان میں اب بھی لرزش موجود تھی۔

''مجھے شرم سی محسوس ہوتی ہے۔ اگر تنہائی محسوس ہو تو.....''

نظام الملک نے تمسخرانہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ ''اس سے زیادہ تنہائی اور کیا ہوگی؟''

علاء الدین شیر خانی نے جھجکتے ہوئے ملک سیف الدین کوچی پر نظر ڈالی۔

''یہ نظام الملک کا عکسِ ذات ہے۔ میں اسے غیر نہیں سمجھتا۔'' وزیرِاعظم ہند نے بڑے ریاکارانہ لہجے میں کہا۔ ''جو بات بھی ہوگی، ملک سیف الدین کوچی کی موجودگی میں ہوگی۔ ہم سب ایک ہیں، اس لئے ہمارے درمیان کوئی پردہ نہیں۔''

علاء الدین شیر خانی نے ملک سیف الدین کوچی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''یہ میرا سب سے عزیز دوست ہے مگر.....''

''جو کچھ کہنا ہے، کہہ دے۔'' نظام الملک کا لہجہ کسی قدر تیز تھا۔ ''ایسی بھی کیا شرم کہ دوستوں کے درمیان دل کی بات نہ کہہ سکے۔''

''دراصل..... بات یہ ہے کہ..... میں شہزادی رضیہ سلطانہ کے عشق میں گرفتار ہوں۔'' یہ کہتے کہتے علاء الدین شیر خانی کی گردن جھک گئی تھی اور وہ پسینے میں نہا گیا تھا۔

علاء الدین شیر خانی کی بات سن کر نظام الملک اور ملک سیف الدین کوچی دونوں چونک اُٹھے۔

پھر کمرے کی فضا میں وزیرِاعظم ہند کا ایک بے باک قہقہہ گونجا۔ ''عشق کرنا تو امراء کا پیشہ ہے علاء الدین! تُو اپنے پیشے کے اظہار پر اتنا شرمسار کیوں ہے؟ آخر دربارِ التمش کا ایک طاقتور امیر ہے۔ کوئی بار بردار مزدور تو نہیں کہ بوجھ سے کمر بھی جھکی جا رہی ہے اور سر بھی۔'' نظام الملک بڑے شائستہ لہجے میں اپنے ساتھی کا مذاق اُڑا رہا تھا۔

''بات شرمندگی کی نہیں۔'' علاء الدین شیر خانی سنبھل چکا تھا۔ ''خوف اس کا ہے کہ کہیں کوئی دوسرا ترک سردار میری متاعِ جاں پر قابض نہ ہو جائے۔''

نظام الملک اور ملک سیف الدین کوچی نے استفہامیہ نظروں سے علاء الدین شیر خانی کی طرف دیکھا۔

''شہزادی کی شادی کہیں بھی ہو سکتی ہے۔'' علاء الدین نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔ ''میں اسی سلسلے میں آپ حضرات سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیسا مشورہ؟'' نظام الملک نے پوچھا۔

''یہی کہ میں سلطان سے رضیہ کے رشتے کی بات کروں۔'' علاء الدین شیر خانی نے جھجکتے ہوئے کہا۔

نظام الملک گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر بڑے عجیب لہجے میں بولا۔ ''تیری عمر کیا ہوگی شیر خانی؟''

''پچاس پچپن سے زیادہ نہیں ہوگی۔'' علاء الدین نے پُرجوش انداز میں کہا۔

''مگر شہزادی رضیہ سلطانہ کی عمر بیس سال ہے۔'' نظام الملک نے عمروں کے فرق کو واضح کر کے ایک اہم بات کہنے کی کوشش کی تھی۔

''میں بوڑھا تو نہیں۔'' علاء الدین شیر خانی نے تیز لہجے میں کہا۔ ''اور مرد بوڑھا ہوتا بھی نہیں۔''

''شیر خانی! تُو یہ بات کسی کنیز یا لونڈی سے کہہ سکتا ہے۔'' نظام الملک کا انداز تمسخر آمیز تھا۔ ''اگر تُو نے شہزادی کے سامنے اپنی جوانی کا ذکر چھیڑا تو پھر تیری زبان کٹ جانے کا اندیشہ ہے۔''

علاء الدین پریشان سا نظر آنے لگا۔

''تُو یہ بھی جانتا ہے کہ شہزادی کس قدر تعلیم یافتہ خاتون ہے۔'' نظام الملک نے اپنے ساتھی پر ایک اور طنز کیا۔ ''وہ سلطان زادی بھی ہے اور اس وقت سلطنتِ ہند کی نگراں بھی۔ تُو اور میں، دن رات اس کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں، جھک جھک کر سلام پیش کرتے ہیں۔ کیا ان حالات میں تُو اس کے خواب دیکھ سکتا ہے؟ نہیں شیر خانی! نہیں۔ تیری بینائی زائل ہو جائے گی۔ شہزادی کا سودا اپنے سر سے نکال دے۔ ورنہ پاگل ہو جائے گا اور شہر دہلی کے شریر بچے گلی کوچوں میں تیرے سرِ پُرغرور پر پتھروں کی بارش کرتے پھریں گے۔''

نظام الملک نے صحیح صورتِ حال کی عکاسی کر کے علاء الدین کو خوف زدہ کرنا چاہا تھا مگر شیر خانی کے ذہن میں کوئی اور ہی منصوبہ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر رضیہ سلطانہ اس کے عقد میں آ جائے تو پھر آسانی کے ساتھ سلطنتِ ہند

پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔

''عزت مآب کی تقریر حقیقت کی آئینہ دار سہی، مگر میں اپنے دل سے مجبور ہوں۔'' شیر خانی بہت زیادہ جذباتی نظر آ رہا تھا۔ ''شہزادی کا عشق ہی اب میری زندگی ہے۔ اور اگر یہ اس کی زندگی کی نذر ہو جائے تو میں اپنے آپ کو دنیا کا سب سے خوش نصیب انسان سمجھوں گا۔''

شیر خانی کا جواب سن کر نظام الملک بھی فکر مند نظر آنے لگا۔ علاء الدین کی یہ وحشت کوئی خوفناک ہنگامہ کھڑا کر سکتی تھی اور پھر وزیر اعظم ہند بھی اس ہنگامے کی لپیٹ میں آ سکتا تھا۔ نظام الملک چاہتا تو علاء الدین سے قطع تعلق بھی کر سکتا تھا مگر اُس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ اپنے سیاسی اتحاد سے شیر خانی جیسے طاقتور امیر کی علیحدگی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ مجبوراً اُس نے ایک نئی چال چلی۔

''ابھی سلطان سے اس رشتے کی بات نہ کرنا۔'' نظام الملک نے شیر خانی کو سمجھایا۔ ''اگر والیٔ ہند نے یہ رشتہ قبول نہیں کیا تو تیرا وقار خاک میں مل جائے گا۔''

''پھر؟'' شیر خانی نے ناگوار لہجے میں سوال کیا۔

''ابھی تجھے انتظار کرنا ہوگا۔'' نظام الملک ایک انتہائی سرکش طوفان کے آگے بند باندھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''سلطان کی بساطِ حیات اُلٹ جائے تو پھر کوئی اُمید افزا صورتِ حال پیدا ہو سکتی ہے۔'' نظام الملک اپنے خواب کی تعبیر حاصل کرنے کے لئے دن رات التمش کے مرنے کی دعائیں کیا کرتا تھا کہ وہ کسی محاذِ جنگ پر کام آ جائے یا پھر کسی جان لیوا بیماری کا شکار ہو کر لقمۂ اجل بن جائے۔ آج وزیر اعظم ہند کی وہی دیرینہ خواہش علاء الدین شیر خانی کے حوالے سے اس کی زبان پر بھی آ گئی تھی۔

''کب اُلٹے گی وہ بساط؟'' شیر خانی بہت جھنجلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ''ابھی تو کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ سلطان ہم سے زیادہ صحت مند اور توانا نظر آتا ہے۔ اُسے گوالیار کا محاصرہ کئے ہوئے ایک سال کے قریب ہو گیا ہے۔ کیا ایک ناتواں شخص کسی دشمن پر یلغار کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں!''

''کچھ بھی ہو شیر خانی! انتظار ہی تیرا مقدر ہے۔'' نظام الملک نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔ ''اگر تُو نے صبر و تحمل سے کام نہیں لیا تو پھر میں تیرے انجام کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں کر سکتا۔ پہلے انقلاب تو آ جانے دے۔ پھر دیکھیں گے کہ انقلاب ہمارے لئے کیا کیا تحفے لاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے وقت کے ہاتھوں میں تیرا پسندیدہ تحفہ بھی موجود ہو۔''

علاء الدین اپنے دل پر جبر کر کے خاموش ہو گیا۔

کچھ دیر تک کمرے کی فضا پر گہرا سکوت طاری رہا۔ پھر اس سکوت کو وزیر اعظم ہند نے توڑا۔ اب نظام الملک کا روئے سخن سیف الدین کوچی کی طرف تھا۔

''اور ملک! تیرے کیا ارادے ہیں؟ اتفاق سے سلطان کی دوسری بیٹی نہیں ہے۔'' اگرچہ نظام الملک نے یہ بات مسکراتے ہوئے کہی تھی لیکن اس کے الفاظ میں گہرا طنز پوشیدہ تھا۔

''نہیں عزت مآب!'' ملک سیف الدین کوچی بہت زور سے ہنسا۔ ''مجھے سلطان سے رشتہ قائم کرنے کی کوئی خواہش نہیں۔ تین بیویاں میری خدمت کے لئے کافی ہیں۔ بس میں تو آپ کی حکمرانی کا منتظر ہوں۔'' سیف الدین

کوچی، نظام الملک ہی کی طرح ایک عیار اور گہرا انسان تھا۔ وہ سنگین لمحات میں بھی اپنے جذبات پر قابو رکھتا تھا۔ اسے دولت کی اتنی ہوس تھی کہ سیم و زر کے بڑے سے بڑے ذخیرے کو بھی ناکافی سمجھتا تھا۔ اس وجہ سے ملک سیف الدین کوچی نے نظام الملک سے وزارتِ خزانہ کا مطالبہ کیا تھا۔

پھر یہ خفیہ اجلاس رات کے تین بجے برخاست ہو گیا۔ نمک حرام ملازم، آقا کے خلاف سازش کے منصوبے بنا کر اپنے اپنے عشرت کدوں کو لوٹ گئے۔

❁==❁==❁

رضیہ سلطانہ، نظام الملک کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھی۔ پہلے تو اس نے شہزادی سے خلوت میں گفتگو کی۔ پھر وہ نومسلم راجپوتوں کے فرار کے مسئلے کو دربار میں اُٹھا لایا۔

''سلطانِ عالی قدر! پانچ ہزار مسلح راجپوتوں کا راتوں رات غائب ہو جانا کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔'' نظام الملک پُر جوش لہجے میں بول رہا تھا۔ ''بے شک! آپ تمام امور کی نگراں ہیں۔ مگر ہم بھی اس عظیم الشان سلطنت کے نمک خوار ہیں۔ یہ سوچ سوچ کر ہماری نیندیں حرام ہو چکی ہیں کہ ہم سلطانِ معظم کو کیا منہ دکھائیں گے؟ براہِ کرم ہمیں بتایا جائے کہ وہ مفرور راجپوت اس وقت کہاں ہیں؟''

نظام الملک کی بات سن کر رضیہ سلطانہ کا خون کھول اُٹھا تھا مگر اُس نے مثالی ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس موضوع پر وزیر اعظم سے تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ پھر یہ مسئلہ سرِ دربار کیوں اُٹھایا گیا؟''

''اس لئے کہ سلطانِ عالی مقام نے ابھی تک مجرم کو سزا نہیں دی۔'' نظام الملک کا لہجہ مؤدبانہ تھا۔

''کون ہے وہ مجرم؟'' رضیہ کے لہجے سے جلالِ شاہی کا اظہار ہو رہا تھا۔

''امیر آخور، جمال الدین یاقوت۔ آپ کا محافظِ خاص۔'' نظام الملک ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت امرائے دربار کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کر رہا تھا۔ ''میرے مخبروں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ فرار ہونے والوں کو شاہی اصطبل سے گھوڑے فراہم کئے گئے ہیں..... اور داروغۂ اصطبل کی حیثیت سے اس جرم کی تمام تر ذمے داری جمال الدین یاقوت پر عائد ہوتی ہے۔''

''امیر آخور ایک فرض شناس افسر ہیں اور سلطانِ ذی وقار کے معتمدِ خاص۔ ان سے یہ جرم سرزد نہیں ہو سکتا۔'' رضیہ سلطانہ بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے محافظِ خاص کی وکالت کر رہی تھی۔ ''آپ کے مخبروں کی فراہم کردہ اطلاع حرفِ آخر کا درجہ نہیں رکھتی۔ ان کی آنکھیں دھوکا بھی کھا سکتی ہیں اور وہ جھوٹ بھی بول سکتے ہیں۔''

''آپ اپنے محافظِ خاص کو بچانے کے لئے انصاف کے تقاضوں کا خون کر رہی ہیں۔'' نظام الملک نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک نوعمر دوشیزہ ایک تجربہ کار سیاست داں کے بچھائے ہوئے جال کو اتنی آسانی سے کاٹ دے گی۔ وزیر اعظم ہند سنبھلا اور اس نے پلٹ کر شہزادی رضیہ سلطانہ پر ایک انتہائی جذباتی وار کیا۔ ''اس طرح تو قانونِ التمش ایک مذاق بن کر رہ جائے گا۔''

''میں عزت مآب وزیر اعظم سے بہتر جانتی ہوں کہ قانون کسے کہتے ہیں اور اس کا احترام کس طرح کیا جاتا ہے؟'' رضیہ سلطانہ نے سرِ دربار نظام الملک جیسے سیاست دان کی نفی کر دی تھی۔ ''انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ جس

قانون کا حوالہ دے رہے ہیں، وہ میرے بابا محترم کا بنایا ہوا قانون ہے۔ اور بیٹی سے زیادہ باپ کی وراثت کا محافظ کون ہوسکتا ہے؟''

پورے دربار پر سناٹا چھا گیا۔ نوعمر شہزادی نے ایک ''گرگ باراں دیدہ'' کا بنایا ہوا منصوبہ درہم برہم کر دیا تھا۔ نظام الملک کا خیال تھا کہ ایک طرف رضیہ سلطانہ بدحواس ہو کر اس سے مشورے طلب کرے گی، دوسری طرف درباری امراء کی نظروں میں شہزادی کا جاہ وجلال کم ہو جائے گا، تیسری طرف اراکینِ سلطنت خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ سلطان التمش کی جانشین انتظامی صلاحیتوں سے قطعاً عاری ہے..... اور چوتھی طرف والیٔ ہند کا چہیتا حبشی غلام بھی مجرم ثابت ہو جائے گا۔ نظام الملک کے ایک سطحی سے منصوبے میں تہہ در تہہ کئی مقاصد پوشیدہ تھے مگر رضیہ سلطانہ کے جرأت مندانہ جوابات نے وزیراعظم ہند کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اور وہ اپنی نشست پر اس طرح کھڑا تھا جیسے پتھر کا کوئی بے جان ستون۔

''معزز اراکین سلطنت!'' مختصر سے وقفۂ سکوت کے بعد رضیہ سلطانہ دوبارہ اہلِ دربار سے مخاطب ہوئی۔ ''اگرچہ نومسلم راجپوتوں کی نگرانی میرے فرائض میں شامل نہیں تھی لیکن جس طرح اس مسئلے کو میری ذات سے وابستہ کیا گیا ہے تو آپ حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں اس ذمے داری کو قبول کرتی ہوں۔ مگر کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔'' پہلی بار اہلِ دربار کو شہزادی کے لہجے کی مطلق العنانی کا احساس ہوا۔ ''مفرور مجرموں کے سلسلے میں سلطانِ معظم سے میرا رابطہ قائم ہے۔ شاہِ والا کی واپسی کے بعد امیر آخور کا مقدمہ دوبارہ عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ کوئی شخص قانون کی دسترس سے دور نہیں۔ چاہے وہ محافظِ خاص ہو یا وزیراعظم ہند۔''

ابھی تک نظام الملک، رضیہ سلطانہ کے لئے مسائل پیدا کرتا آیا تھا..... مگر آج خود شہزادی نے اس کے لئے ایک سنگین مسئلہ کھڑا کر دیا تھا۔

❁==❁==❁

آج فردوس اتنی خوش تھی کہ شہزادی سے بھی اس کی مسرت کا یہ عالم پوشیدہ نہ رہ سکا۔

''فردوس! آج کیا خزانہ تیرے ہاتھ آ گیا ہے؟'' رضیہ سلطانہ نے مسکراتے ہوئے اپنی کنیزِ خاص سے پوچھا۔

''اس سے بڑا خزانہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ خدا نے میری آقا زادی کو سربلند کیا۔'' فردوس اس قدر جذباتی ہو گئی تھی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک اُٹھے تھے۔ ''میں سرِ دربار آپ کی یہی شان اور یہی جلال دیکھنا چاہتی تھی۔ آج اس بوڑھے بھیڑیے کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ زندگی کے دشت میں کیسے کیسے تیز رفتار غزال موجود ہیں۔'' فردوس کا اشارہ نظام الملک کی طرف تھا۔

''کہیں وزیراعظم کے خلاف یہ زہر افشانی تیرے اپنے کسی منتقم جذبے کی عکاسی تو نہیں؟'' رضیہ سلطانہ نے سوال کیا۔

''وہ جذبہ بھی ہے شہزادی حضور!'' یہ کہتے کہتے فردوس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا اور آنکھوں میں نفرت وانتقام کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔ ''جس شخص کو میں اپنے باپ کا درجہ دیتی تھی، وہ قوم کی بیٹی کے لئے ہوس کا مقتل آراستہ کرے گا؟ خدا اُسے رسوا کرے۔ آج آپ نے اُس کے ماتھے پر ذلت کا ایک نشان تو ثبت کر دیا۔'' اچانک فردوس

جھکی اور رضیہ سلطانہ کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگی۔ ''خدا آپ کے ہاتھوں میں ساری دنیا کی طاقت منتقل کر دے۔ اور پھر آپ نظام الملک کے پورے وجود کو ذلت کی سیاہی میں رنگ ڈالیں۔''

''میں بھی دن رات یہی دعا کرتی ہوں کہ خداوند ذوالجلال حوّا زادیوں کو آدم خوروں سے محفوظ رکھے۔'' رضیہ سلطانہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

''شہزادی حضور! آپ ہندوستانی عورتوں کی آخری امید ہیں۔'' فردوس کے بہتے ہوئے آنسو کچھ اور تیز ہو گئے تھے۔

''نہیں فردوس!'' رضیہ سلطانہ نے اُداس لہجے میں کہا۔ ''یہ مردوں کا جنگل ہے۔ ہر طرف خوفِ خدا سے بے نیاز مرد، درندوں کا لباس پہنے گھوم رہے ہیں۔ میں کب تک بچوں گی؟..... اور تُو کہاں تک بھاگے گی؟ کسی کو نہیں معلوم۔''

فردوس ابھی کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ شہزادی کے دربان نے پکار کر کہا۔

''عزت مآب وزیراعظم ہند، بارگاہِ سلطانی میں شرفِ باریابی چاہتے ہیں۔''

فردوس گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ ''وہ پھر کوئی نیا جال لے آیا ہوگا۔ شہزادی حضور! خدا کے لئے اس کے فریب میں نہ آ جائیے گا۔'' کنیزِ خاص یہ کہتی ہوئی برابر والے کمرے میں چلی گئی۔

نظام الملک، رضیہ سلطانہ کے سامنے اس طرح حاضر ہوا کہ اس کا چہرہ مسرت سے دمک رہا تھا۔

''آج میں بہت خوش ہوں شہزادی محترمہ!'' وزیراعظم ہند نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

''شہزادی محترمہ نہیں، سلطانِ معظم!'' رضیہ سلطانہ نے اسے ایک بار پھر ٹوکا۔

یہ ایک نفسیاتی ضرب تھی، جسے نظام الملک نے پوری شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ رضیہ سلطانہ نے حریری پردے کے پیچھے سے بغور دیکھا۔ وزیراعظم ہند کے چہرے پر ایک غبار اُٹھا تھا۔ مگر ایک زمانہ ساز انسان نے دوسرے ہی لمحے اس غبار کو دھو ڈالا۔ ''مجھے یقین ہے کہ سلطانِ معظم میرے ان تند وتیز جملوں کو فراموش کر دیں گی، جو سرِ دربار ادا کئے گئے تھے۔''

''آخر کیوں؟'' رضیہ سلطانہ نے بھی جلالِ سلطانی کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''الفاظ بظاہر تو فضا میں گم ہو جاتے ہیں، مگر ان کے اثرات ہمیشہ دل ودماغ پر قائم رہتے ہیں۔'' شہزادی نے نظام الملک کی معذرت کو قبول نہیں کیا تھا۔

''مجھے حضورِ والا کی سرگرانی کا اندازہ تھا۔ مگر کیا کرتا؟'' نظام الملک نے حسبِ عادت اپنا لہجہ بدل دیا۔ ''میرا فرض دامن گیر تھا۔''

''کیسا فرض؟'' شہزادی چونک اُٹھی۔

''شاید آپ کو خبر نہ ہو کہ میں آپ کا سیاسی اتالیق بھی ہوں اور ممتحن بھی۔'' نظام الملک نے بہت سوچ سمجھ کر شہزادی پر ایک اور وار کیا تھا۔ ''سلطانِ معظم نے رخصت ہوتے وقت مجھے یہ ذمے داری سونپی تھی کہ میں رازداری کے ساتھ دربار میں آپ کی نشست وبرخاست پر نظر رکھوں کہ آپ میں حکمرانی کا جوہرِ اعلیٰ موجود ہے یا نہیں؟''

نظام الملک کا عیار ذہن عجیب عجیب زاویے تراش رہا تھا۔

''پھر آپ نے کیا پایا؟'' رضیہ سلطانہ ابھی تک اس کی کسی بات سے متاثر نہیں ہوئی تھی۔

''بے پناہ جرأتِ گفتار اور بے مثال قوتِ فیصلہ۔'' نظام الملک انسانی فطرت کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''میں خوش ہوں کہ آپ نے بھرے دربار میں بڑے اعتماد کے ساتھ میرے ہر سوال کا جواب دیا۔ مسئلہ سنگین تھا، مگر آپ ہراساں نہ ہوئیں اور نہ فکرمند۔ امتحان سخت تھا لیکن آپ نے شاندار کامیابی حاصل کی۔ جلالِ سلطانی کی خیر! ہم تو نمک خوارانِ سلطنت ہیں۔ ہمارے منہ میں اپنی زبان نہیں ہوتی۔ اگر کوئی حرف مزاجِ شاہانہ پر گراں گزرا ہو تو معاف فرما دیجئے گا۔''

''عزت مآب وزیراعظم! مجھے آپ کی مجبوریوں کا احساس ہے۔'' رضیہ سلطانہ کا لہجہ بھی نرم پڑ گیا تھا۔

''بندہ اس عنایتِ خسروانہ کے لئے بے حد شکرگزار ہے۔'' نظام الملک نصف قد تک جھکا اور اُلٹے قدموں چلتا ہوا بارگاہِ سلطانی سے نکل گیا۔

وزیراعظم کے جاتے ہی فردوس تیزی سے شہزادی کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اگرچہ وہ دیوار سے لگی رضیہ سلطانہ اور نظام الملک کے درمیان ہونے والی گفتگو کو حرف بہ حرف سن رہی تھی لیکن اس نے اپنی بے خبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اب کس لئے آیا تھا؟'' فردوس کے لہجے میں بڑی نفرت تھی۔

''اپنے جارحانہ سلوک کی معافی مانگنے کے لئے۔'' رضیہ سلطانہ کے یاقوتی ہونٹوں پر ایک انتہائی آسودہ تبسم رقصاں تھا۔

''آپ نے معاف کر دیا؟'' یکایک فردوس بہت زیادہ بدحواس نظر آنے لگی تھی۔

رضیہ سلطانہ نے بہت غور سے اپنی کنیزِ خاص کی طرف دیکھا، پھر آہستہ آہستہ اپنے سر کو نفی میں جنبش دینے لگی۔

فردوس کے چہرے کی گم شدہ رونق لوٹ آئی تھی اور یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی جنگ جیت لی ہو۔

❄==❄==❄

دوسرے دن دربارِ سلطانی آراستہ تھا۔ اچانک نائب سپہ سالار، سیف الدین ایبک داخل ہوا اور حاضرینِ دربار کے درمیان سے گزرتا ہوا تختِ شاہی کے قریب پہنچ گیا۔ پہلے اس نے فوجی انداز میں شہزادی کے حضور سلام پیش کیا، پھر آگے کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں بولا۔

''ہمارے آٹھوں شہسوار، سلطانِ معظم کا پیغام لے کر بخیر و خوبی قلعۂ معلیٰ میں داخل ہو چکے ہیں۔ آپ اس پیغام کو اسی وقت ملاحظہ فرمائیں گی یا خلوت میں؟''

شہزادی کے نقاب میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوا اور یہ ارتعاش اس ہیجانی کیفیت کا نتیجہ تھا جس سے شہزادی دوچار تھی۔

''کیا خبر ہے؟'' رضیہ سلطانہ نے آہستہ سے پوچھا مگر وہ اپنے لہجے کی جذباتیت کو پوشیدہ نہ رکھ سکی۔

''سلطانِ ذی جاہ کی بلند اقبالی سے دشمنوں کے سارے عزائم خاک میں مل گئے۔'' سیف الدین ایبک کی آواز مدھم تھی لیکن چہرہ جوشِ جذبات سے سرخ ہو گیا تھا۔

''اسی وقت اور اسی جگہ۔'' شہزادی کے الفاظ مبہم تھے مگر آواز معمول سے زیادہ تھی۔

سیف الدین ایبک نے سر خم کیا اور تیز قدموں سے واپس چلا گیا۔

اہلِ دربار شدید حیرت و سکوت کے عالم میں یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ نائب سپہ سالار کی آمد بھی پُراسرار تھی اور واپسی بھی۔ نظام الملک اور اس کے حامی ترک سرداروں کے چہروں پر اُلجھن کے آثار نمایاں تھے۔

کچھ دیر بعد سیف الدین ایبک دوبارہ دربار میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے ایک خدمت گار طشتِ زرنگار اُٹھائے ہوئے چل رہا تھا۔ حاضرینِ دربار پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔

خدمت گار نے طشتِ زرنگار رضیہ سلطانہ کے سامنے پیش کیا۔ شہزادی احتراماً کھڑی ہو گئی۔ پھر اُس نے سرخ خوان پوش ہٹایا اور مکتوبِ سلطانی کو بوسہ دے کر آنکھوں سے لگا لیا۔ اہلِ دربار سمجھ گئے کہ فرمانِ شاہی، رضیہ سلطانہ کے پیش نظر ہے۔

التمش نے شہزدی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔

''میری محبوب جانشین! تم پر ہمیشہ اللہ کی رحمت سایہ فگن رہے۔ سارے مجرم اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ تمہاری ہوشمندی اور بروقت اقدام نے اس مسئلے کو اُلجھنے سے بچا لیا۔ تم اسی طرح امورِ سلطنت پر اپنی توجہ مرکوز رکھو۔ باپ کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔''

پھر جب سرِ دربار یہ اعلان ہوا کہ مفرور راجپوتوں کا قصہ پاک ہو گیا تو کچھ دیر کے لئے نظام الملک اور دوسرے مخالف سرداروں کے چہرے مسخ ہو گئے۔ مگر وزیراعظم ہند یہ سوچ کر مطمئن تھا کہ وہ معافی مانگ کر رضیہ سلطانہ کے حلقۂ اعتبار میں داخل ہو چکا ہے۔

❄==❄==❄

جمال الدین یاقوت پوری طرح صحت یاب ہو چکا تھا۔ خوف ناک مرض سے نجات حاصل کرنے کے بعد جب وہ پہلی بار دربار میں داخل ہوا تو ملکۂ ہند ترکان شاہ، نظام الملک اور اُس کے حامی سرداروں کو یوں محسوس ہوا جیسے حبشی زادہ اُن کا مذاق اُڑا رہا ہو۔ خاص طور پر وزیراعظم ہند شدید اذیت میں مبتلا تھا۔ ایک طرف شاہی طبیب ابنِ عمار نے اس کے منصوبے کو ناکام بنا دیا تھا اور دوسری طرف شہزادی رضیہ سلطانہ اسے کئی محاذوں پر شکست دے چکی تھی۔ علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی بار بار عجیب نظروں سے نظام الملک کو دیکھ رہے تھے، جیسے وہ کہہ رہے ہوں کہ حبشی زادے کا صحت یاب ہو جانا اور مفرور راجپوتوں کا اپنے انجام کو پہنچ جانا ان کے لئے اچھی فال نہیں ہے۔ وزیراعظم کچھ دیر تک اپنے آپ پر جبر کئے بیٹھا رہا، پھر طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے دربار سے اُٹھ گیا۔

دربار برخاست ہونے کے بعد جمال الدین یاقوت شہزادی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت کنیزِ خاص فردوس بھی موجود تھی۔

''میں اس مسیحائی اور غم گساری کے لئے آقائے نعمت کا شکرگزار ہوں۔'' ممنونیت کے شدید احساس سے یاقوت حبشی کا سر جھک گیا۔ جمال الدین کی آواز میں بڑا درد تھا۔

شہزادی رضیہ سلطانہ نے حریری پردے کی اوٹ سے حبشی زادے کو دیکھا، جس کی سانولی رنگت میں اطاعت و صداقت کا نور شامل ہو گیا تھا۔

''تم پر کوئی احسان نہیں کیا گیا۔'' رضیہ سلطانہ نے جان بوجھ کر اپنی آواز میں سختی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔

''ایک رکنِ سلطنت بیمار ہو گیا تھا اور اس کی دیکھ بھال حکومت کے فرائض میں شامل تھی۔ بس اس کے سوا کچھ نہیں۔''

''یہی تو سلطانِ عالی قدر کی عظمت ہے۔'' یاقوت حبشی سیدھا ہوا مگر اس کی نظریں اپنے سامنے فرش پر جمی ہوئی تھیں۔ ''اکثر حکمراں ہر ضابطۂ اخلاق سے آزاد ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنی ذات کے سوا کسی انسان کی موجودگی کا احساس تک نہیں رہتا۔ نمک خوارانِ سلطنت اپنی جانوں سے گزر جاتے ہیں مگر فرمانروا کو اتنی فرصت بھی نہیں ہوتی کہ وہ ان کے جنازوں کو ایک نظر ہی دیکھ لے۔'' یہ کہہ کر جمال الدین یاقوت چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔

حبشی زادے کی گفتگو سن کر شہزادی سناٹے میں آ گئی۔ اس نے پلٹ کر اپنی کنیزِ خاص کی طرف دیکھا۔ فردوس بھی پریشان سی نظر آ رہی تھی۔

''مگر میرے آقائے نعمت ان حکمرانوں میں شامل نہیں ہیں جو اپنے نام لیواؤں کو نزع کے عالم میں گرفتار دیکھ کر اپنے عشرت کدوں میں چلے جاتے ہیں..... اور پھر کسی مطربۂ نوخیز کا نغمۂ جاں نواز سن کر گہری نیند سو جاتے ہیں۔'' حبشی زادے نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ میری عیادت کو تشریف لائیں، گویا پورا ہندوستان ایک بیمار کے بستر کے گرد سمٹ آیا۔ تادمِ آخر اس عنایتِ سلطانی کو فراموش نہ کر سکوں گا۔''

شہزادی نے ایک بار پھر جمال الدین یاقوت کی طرف دیکھا جو سر سے پاؤں تک سپاس و شکر گزاری کا زندہ مجسمہ نظر آ رہا تھا۔

''محترم شاہی طبیب کے بیان کے مطابق مجھے ایک خوفناک زہر دیا گیا تھا۔'' حبشی زادے کی آواز پُرسوز تھی۔ ''میرے نامعلوم قاتل اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مگر میری ذات پر ان کا یہ احسانِ عظیم ہے کہ وہ مجھے بارگاہِ سلطانی میں سرخرو کر گئے۔ مجھے صرف اس جرم پر قتل کیا جا رہا تھا کہ میں سلطانِ ذی وقار کا محافظِ خاص ہوں۔''

''اس واقعے کو فراموش کر دو جمال الدین!'' شہزادی نے پہلی بار حبشی زادے کو اس کا نام لے کر مخاطب کیا۔

''آقائے نعمت! میرا ایک جرم یہ بھی ہے کہ میں نسلاً ترک نہیں ہوں۔'' یہ کہتے کہتے یاقوت حبشی کا چہرہ پتھر کی طرح سخت ہو گیا تھا۔ ''مجھ سے رنگ اور نسل کی بنیاد پر نفرتیں کی جا رہی ہیں۔ میں نے سلطانِ معظم کو بھی اس کشمکش سے بچانے کے لئے عرض کیا تھا کہ وہ مجھ سیاہ فام کو اپنے حلقۂ غلامی سے آزاد فرما دیں۔ عظیم ترکوں کے تابناک چہرے روشن رہیں۔ میرا کیا ہے، میں خدا کی وسیع و عریض زمین کے کسی نہ کسی گوشے میں سما جاؤں گا۔'' یاقوت حبشی کے لہجے میں بڑا کرب تھا۔ ''سلطانِ عالی قدر! آپ بھی میری وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ اس لئے اب یہی مناسب ہے کہ اس نمک خوار کو اجازت دیجئے۔ ایک ایسا شخص جو حکومتِ وقت کے لئے مسائل پیدا کرتا ہو، اسے ہٹا دینا ہی دانش مندی ہے۔ کل مجھے یہ کلاہِ شرف سلطان معظم نے بخشی تھی۔ آج میں اسی دستارِ فضیلت کو سلطانِ ذی حشم کے قدموں پر رکھتا ہوں۔''

حبشی زادے کی یہ بے نیازی دیکھ کر رضیہ سلطانہ چند ساعتوں کے لئے حیرت میں غرق ہو گئی۔ مگر پھر فوراً ہی سنبھل کر پُرجلال لہجے میں بولی۔ ''یہ جاں نثاری کا کوئی انداز نہیں، آزمائش سے فرار ہے۔''

شہزادی کی اس طعنہ زنی پر یاقوت حبشی تڑپ اُٹھا۔ ''آقائے نعمت! میں فرار نہیں ہو رہا ہوں۔ اپنے دشمنوں سے مقابلے کے لئے کھلا میدان چاہتا ہوں۔''

''یہ زندگی ہے۔ یہاں کمیں گاہیں بھی ہوں گی اور کھلے میدان بھی ہوں گے۔'' شہزادی نے اپنے محافظِ خاص کو زندگی کا فلسفہ سمجھانے کی کوشش کی۔

''کہا جا رہا ہے کہ میں نے نومسلم راجپوتوں کو فرار ہونے کے لئے شاہی اصطبل سے گھوڑے فراہم کئے۔'' حبشی زادے کا لہجہ شدید اذیت و کرب میں ڈوبا ہوا تھا۔ ''جب میں غدارِ سلطنت ٹھہرا تو پھر کیا باقی رہ گیا؟..... مجھے اس الزام سے بری کیا جائے یا سرِ عام دار پر کھینچ دیا جائے۔''

''تم پر کوئی الزام نہیں۔'' رضیہ سلطانہ نے اس واقعے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا جب نظام الملک نے بھرے دربار میں امیر آخور کو مجرم ثابت کرنے کی کوشش کی تھی..... ''تمہاری وکالت اس وقت کی گئی، جب تم بسترِ علالت پر دراز تھے۔''

یاقوت حبشی نے گھبرا کر اپنے سامنے کی طرف دیکھا، جہاں حریری پردے کے پیچھے کرسیٔ زرنگار پر رضیہ سلطانہ جلوہ افروز تھی۔ پھر اُس کی نظریں فوراً ہی جھک گئیں۔

''آقائے نعمت! آپ نے اس شخص کی وکالت کی، جو دہلی میں غریب الدیار ہے، تنہا ہے، لاوارث و بے نشان ہے اور جس کا کوئی خاندان اور قبیلہ نہیں۔ آپ کی عظمتوں کو سلام۔'' یہ کہتے ہوئے جمال الدین یاقوت نصف قد تک جھک گیا۔ پھر سیدھا ہوا اور بڑے جذباتی لہجے میں بولا۔ ''احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں۔''

حبشی زادہ چلا گیا مگر شہزادی کے دل پر اپنی شجاعت اور احسان شناسی کا گہرا نقش چھوڑ گیا۔

❁==❁==❁

قلعۂ گوالیار کے محاصرے کو ایک سال ہو گیا تھا۔ قلعے کے مکین محاصرے کی سختیوں سے تنگ آ چکے تھے۔

آخر جب راجہ دیوپل کو یہ اندازہ ہو گیا کہ سلطان التمش قلعے کو تسخیر کئے بغیر دہلی واپس نہیں جائے گا تو وہ اپنے بیوی بچوں اور بعض مصاحبوں کے ساتھ اس وقت ایک سرنگ کے ذریعے فرار ہو گیا، جب نصف شب کے قریب لوگ گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

صبح قلعے کے مکینوں نے راجہ دیوپل کو غائب پایا تو مجبوراً دروازے کھول دیئے۔ التمش کی فوج کسی قتل و غارت کے بغیر قلعے میں داخل ہو گئی اور تمام لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

سلطان کی عدالت آراستہ ہوئی۔ مجرم پیش ہوئے۔ گواہ طلب کئے گئے۔ اور پھر التمش نے ان تین سو راجپوت سرداروں کو سرِ عام قتل کرا دیا، جنہوں نے مسلمان عورتوں کی بے آبروئی کی تھی اور اہلِ ایمان پر بے پناہ مظالم ڈھائے تھے۔ ان کی جاگیریں ان مسلمانوں کے وارثوں میں تقسیم کر دی گئیں، جن کے گھر جلا کر خاک کر دیئے گئے تھے۔

اس خونریز ہنگامے میں جو مسلمان دوشیزائیں بے آبرو ہوئی تھیں، ان کی تالیفِ قلب کے لئے سلطان نے حکم جاری کیا تھا کہ ایسی کسی لڑکی سے شادی کرنے والے سپاہی کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ نتیجتاً سلطانی لشکر کے بہت سے سپاہی آگے بڑھے اور تمام برباد شدہ مسلمان دوشیزاؤں کو آبرومندانہ طور پر اپنے نکاح میں لے لیا۔

پھر سلطان نے ایک وسیع و عریض میدان میں ہندو رعایا کے سامنے انتہائی پُرجوش تقریر کی۔

''اگر میں مسلمان نہ ہوتا تو آج تمہارے مکان راکھ کا ڈھیر ہوتے۔ سبزہ زاروں سے دھواں اُٹھ رہا ہوتا، گوالیار

کے گلی کوچے تمہارے بوڑھوں، جوانوں اور بچوں کی لاشوں سے پٹ چکے ہوتے اور تمہاری عورتیں انسانی ہوس کی بھینٹ چڑھ چکی ہوتیں۔ مگر تم سب کے سب گواہ ہو کہ میری تلوار سے کسی بے گناہ کا خون نہیں ٹپک رہا ہے۔ جو قتل کئے گئے، وہ اس زمین کا شرم ناک داغ تھے۔ میں نے انہیں مٹا کر خدا کی زمین کو پاک کر دیا۔ اگر تم میں غیرت کی ذرا سی بھی رمق باقی ہے تو میرے اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھو گے۔ ورنہ دہلی اور گوالیار کا فاصلہ زیادہ نہیں ہے۔''

سلطان کی یہ پُر اثر تقریر سن کر سینکڑوں راجپوت کلمہ پڑھ کر حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہے، انہیں بھی اعتراف کرنا پڑا کہ سرزمینِ گوالیار نے آج تک اتنا اعلیٰ ظرف اور نیک حکمراں نہیں دیکھا تھا۔

پھر سلطان التمش نے گوالیار پر مسلمان حاکم مقرر کیا اور بڑی خاموشی کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ نومسلم راجپوتوں کا سرغنہ امر سنگھ بھی زنجیروں میں جکڑا ہوا اس کے ہمراہ تھا۔

❄==❄==❄

نظام الملک کو بھرے دربار میں بڑی خفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ نتیجتاً رضیہ سلطانہ کی دشمنی اُس کی سیاست کا ایک اہم حصہ بن کر رہ گئی تھی۔ وہ دن رات شہزادی کو ناکام بنانے کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا۔ آخر اس نے ایک نیا منصوبہ تراشا جو بڑا خوفناک تھا۔

''نشاط! تیرا یہ حُسنِ بلاخیز آخر کس کام آئے گا؟'' نظام الملک تنہائی میں اپنی خوبصورت کنیز سے کہہ رہا تھا۔

''عالم پناہ!'' نشاط نے چونک کر وزیراعظم ہند کی طرف دیکھا۔ ''کنیز، حضورِ والا کی بات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہے۔''

نظام الملک نے نشاط کے کان میں کچھ کہا جیسے وہ کمرے کی دیواروں سے بھی خائف ہو۔

''سرکار! اس میں تو جاں سے گزر جانے کا اندیشہ ہے۔'' نشاط سہم گئی۔

''اپنے عالم پناہ کے لئے جاں سے بھی گزر جا۔ کہ اب اسی میں تیرے لئے پناہ ہے۔'' نظام الملک کسی شہنشاہ کے انداز میں اپنی کنیز کو حکم دے رہا تھا۔

''میں بھرے دربار میں یہ بات نہیں کہہ سکتی کہ یاقوت حبشی، شہزادی کے عشق میں گرفتار ہے۔'' نشاط کی آنکھوں میں خوف کے سائے لرز رہے تھے۔

''شہزادی نے بھی تو مجھے بھرے دربار میں ذلیل کیا تھا۔'' اچانک نظام الملک غضب ناک نظر آنے لگا۔ ''تجھے بھی سب کے سامنے شہزادی سے میری رسوائی کا انتقام لینا ہوگا۔''

کنیز کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا آقا اس قدر پستی میں بھی اُتر سکتا ہے۔ وزیراعظم ہند نے قہر آلود لہجے میں کہا۔

''تُو شہزادی کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرے گی۔''

''کیسا مقدمہ؟'' نشاط نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ ''مجھ پر تو کسی نے کوئی زیادتی نہیں کی۔ پھر میں کیسے اپنا مقدمہ پیش کروں گی؟'' یکایک نشاط کے لہجے میں شگفتگی سی آ گئی تھی۔ ''ہاں! ایک شخص نے مجھ پر مظالم ڈھائے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ اسی کے مظالم کی داستان سارے زمانے کو سناؤں۔'' کنیز کا لہجہ شوخ ہو گیا تھا اور وہ شوخ نگاہوں سے نظام الملک کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''بکواس بند کر نشاط! یہ مذاق کا وقت نہیں۔'' وزیراعظم ہند نے کنیز کو جھڑک دیا۔ ''تُو اہلِ دربار کے سامنے کہے گی کہ جمال الدین یاقوت حبشی تجھ سے عشق کرتا تھا۔''

نشاط سر سے پاؤں تک ایک سوال بن کر رہ گئی تھی۔

''امیر آخور بنتے ہی اس نے سارے وعدے فراموش کر دیئے ہیں۔'' نظام الملک، نشاط کو اپنے شرم ناک منصوبے کی تفصیلات بتا رہا تھا۔ ''آج وہ کہتا ہے کہ شہزادی اُس کی محبت ہے۔ پھر وہ ایک کنیز کو لائق التفات کیوں سمجھے؟''

حیرت کی زیادتی سے نشاط کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

''یہ سراسر جھوٹ ہے میرے آقا!'' کنیز کی آواز لرز رہی تھی۔

''تیرے آقا کی شخصیت طوفانی ہواؤں کی زد پر ہے اور تُو اسے اخلاقیات کا درس دے رہی ہے؟'' نظام الملک کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

''جو عورت امراء کی خواب گاہوں کی زینت بن کر رہ گئی ہو، وہ بھلا اخلاقیات کا درس کیا دے سکتی ہے؟'' یکایک کنیز کا لہجہ عاجزانہ ہو گیا تھا۔ ''حضور! اگرچہ میں ایک جنسِ بازاری ہوں۔ مگر مجھ سے اتنا بڑا جھوٹ نہیں بولا جائے گا۔''

نشاط کا یہ جواب سن کر نظام الملک کو سکتہ سا ہو گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک کنیز اتنی سرکشی اختیار کر سکتی ہے۔

''خداوندا! تیری شان کہ ہمارے عشرت کدوں کے کھلونے بھی بولنے لگے۔'' وزیراعظم کا لہجہ بڑا تلخ تھا۔

''آج نہ سہی، مگر وہ دن دور نہیں، جب یہ بے جان کھلونے، سچ کی طاقت سے بولیں گے۔'' نشاط کی آنکھیں بھرّا گئی تھیں۔ ''میں آپ پر اپنا خون معاف کرتی ہوں، مگر خدا کے لئے، مجھے کسی کی عزت و ناموس کا قاتل نہ بنایئے۔'' کنیز نے نظام الملک کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''شہزادی میری ہی نہیں، آپ کی بھی آقا زادی ہیں۔''

ایک لونڈی کی جسارت دیکھ کر وزیراعظم کا خون کھول اٹھا تھا۔ مگر وہ اپنے غصے کو ضبط کر گیا اور بڑے نرم لہجے میں کہنے لگا۔

''تُو میری بات کا مفہوم نہیں سمجھی نشاط!''

نشاط کی بھیگی آنکھوں میں حیرت کا عکس اُتر آیا تھا۔

''خدا وہ دن دیکھنے کے لئے نظام الملک کو زندہ نہ رکھے، جب اس کی آقا زادی، تہمتوں کے نرغے میں محصور ہو جائیں گی۔'' وزیراعظم ہند شاید اپنی زندگی کا سب سے بڑا جھوٹ بول رہا تھا۔ ''میں تو اُس حبشی زادے کو ذلیل و رسوا دیکھنا چاہتا ہوں، جس کی وجہ سے ترکوں کا اقتدار خطرے میں آ گیا ہے۔ تیرے اعتراف کے بعد جمال الدین یاقوت، سلطانِ معظم اور شہزادی عالیہ کی نظروں سے گر جائے گا۔ خدا گواہ ہے کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا۔''

نشاط کو یقین دلانے کے لئے وہ بڑی بے باکی کے ساتھ جھوٹی قسم کھا گیا۔

نشاط چند لمحوں تک کچھ سوچتی رہی، پھر انتہائی پُراعتماد لہجے میں بولی۔ ''میں امیر آخور پر بھی تہمت نہیں لگا سکتی۔ آج تک قصرِ شاہی کی کسی کنیز نے ان کی نظروں کو بہکتے نہیں دیکھا۔ پھر میں کیسے کہہ دوں سرکار! کہ وہ میرے مجرم ہیں۔''

ایک بار پھر نظام الملک کے جسم میں غصے کی تند و تیز لہر اُٹھی مگر وہ اسے پی گیا۔ ''حبشی زادے کی بدنامی میری سیاسی ضرورت ہے نشاط!''

''اس ضرورت کی تکمیل کسی اور انداز سے کر لیں حضور!'' نشاط اپنی جان بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''جہاں بندی پر

آپ کے بے شمار کرم ہیں، وہاں ایک عنایت اور کر دیجئے۔''

''کیسی عنایت؟'' نظام الملک نے چونک کر پوچھا۔

''بس یہی کہ مجھے اس خدمت سے معاف فرما دیں۔'' یہ کہتے ہوئے نشاط، نظام الملک کے قدموں پر جھک گئی۔

نظام الملک سمجھ چکا تھا کہ نشاط کسی طرح بھی اس کام پر آمادہ نہیں ہو گی۔ نتیجتاً اس نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ جھکا اور اس نے بڑی محبت کے ساتھ نشاط کے دونوں بازو پکڑ کر اُٹھا لیا۔

نشاط کی آنکھوں سے اب بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ نظام الملک نے اپنی خوب صورت کنیز کو گلے سے لگا لیا۔ نشاط سسک سسک کر رونے لگی۔

''آقا! میں آپ کی بیوی بن کر دربارِ سلطانی کی مخصوص نشست پر تو نہ بیٹھ سکی، مگر اتنی درخواست ضرور ہے کہ مجھے اپنے قدموں سے جدا نہ کیجئے گا۔''

نشاط کی داستان بھی قصرِ شاہی کی دوسری کنیزوں سے مختلف نہیں تھی۔ نظام الملک نے اس سے شادی کا فیصلہ کیا تھا مگر پانچ سال گزر جانے کے بعد بھی وہ ایک کنیز ہی تھی۔ وزیراعظم کے رنگ محل کا ایک خوبصورت کھلونا۔ آج کے واقعے کے بعد نشاط کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں نظام الملک اسے اپنے عشرت کدے سے اٹھا کر باہر نہ پھینک دے۔ نشاط نے بہت سی کنیزوں کا یہ حشر دیکھا تھا کہ جب امراء اُن سے اُکتا جاتے تھے تو وہ ساری مراعات سے محروم کر دی جاتی تھیں۔ پھر انہیں بقیہ زندگی گزارنے کے لئے عام لونڈیوں کی طرح دن رات سخت محنت کرنا پڑتی تھی۔ یا پھر کم تر درجے کے مرد انہیں پناہ دے دیا کرتے تھے۔ نشاط فطرتاً ایک غیرت مند کنیز تھی۔ اسے یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ نظام الملک کے رنگ محل سے نکلنے کے بعد کسی دوسرے امیر کے دروازے پر اس انتظار میں کھڑی رہے کہ کب اس کی چشمِ ہوس کا اشارہ ہو اور وہ سر جھکائے نئی قربان گاہ میں داخل ہو جائے۔ یہی سوچ کر نشاط، وزیراعظم سے رحم کی درخواست کر رہی تھی۔

اور نظام الملک نے اپنی کنیزِ خاص کی یہ درخواست قبول کر لی تھی۔ وہ بہت دیر تک نشاط سے دل بستگی کی باتیں کرتا رہا۔ گزرے زمانے کی باتیں، جب ایک کنیز نے وزیراعظم کی شریکِ حیات بننے کا خواب دیکھا تھا۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ ایک کمزور عورت پھر وعدوں سے بہل گئی کہ مرد کے وعدوں پر انحصار کرنا اُس کی مجبوری تھی۔

جب نظام الملک کو اندازہ ہو گیا کہ نشاط کے ذہن سے اس ناخوشگوار واقعے کا غبار دُھل گیا ہے تو اُس نے اپنی کنیزِ خاص کو رخصت کر دیا۔

''میں شکر گزار ہوں کہ میرے آقا نے کنیز کے اتنے بڑے قصور کو معاف کر دیا۔'' نشاط بہت خوش نظر آ رہی تھی اور اس کا دلکش چہرہ ایک بار پھر پوری آب و تاب سے چمکنے لگا تھا۔

''تُو نے کوئی قصور نہیں کیا نشاط!'' نظام الملک کے کے ہونٹوں پر ایک شگفتہ مسکراہٹ نمایاں تھی۔ جیسے وہ دل سے یہ بات کہہ رہا ہو۔ ''تیری اس نئی ادا نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ میں تیری شخصیت کا اسیر ہو کر رہ گیا ہوں۔ واقعی تُو ایک بلند کردار عورت ہے..... مگر اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔ تجھے خبر نہیں کہ تیرے آقا کے خلاف کیسی کیسی سازشیں ہو رہی ہیں۔''

''خدا حضور کو ہمیشہ سربلند رکھے۔'' نشاط نے بڑی سادگی کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھا دیئے۔

''سرکار کی عزت و وقار پر یہ کنیز سو بار قربان۔''

❁==❁==❁

نشاط، وزیراعظم کی خلوت گاہ سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ کنیزوں اور خدمت گاروں کی رہائش کا انتظام قلعے کے سب سے آخری حصے میں کیا گیا تھا۔ یہ حصہ نسبتاً سنسان تھا۔ جب محل کی روشنیاں بجھ جاتی تھیں تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے یہ کوئی عام سا علاقہ ہے۔ نشاط کا کمرہ سب سے آخر میں تھا۔ اس کے بعد قلعے کی فصیل شروع ہو جاتی تھی۔

کنیزِ خاص کے جاتے ہی نظام الملک نے اپنے دو مسلح محافظوں کو طلب کر لیا۔

''کیا کمان سے چھوٹے ہوئے تیر کو واپس لایا جا سکتا ہے؟'' نظام الملک نے اپنے ایک محافظ اسد سے سوال کیا۔

''نہیں عالی جاہ!'' اسد نے خم ہوتے ہوئے کہا۔ ''سرکار ہم سے بہتر جانتے ہیں کہ جب تیر اور کمان کا رشتہ ٹوٹ جائے تو پھر کیا صورتِ حال پیدا ہوتی ہے۔''

''مگر میں چاہتا ہوں اسد! کہ تُو اس تیر کو واپس لے آ۔'' نظام الملک نے محافظ کو حکم دیا۔

اسد سیدھا ہوا اور اُس نے اپنی شمشیر بے نیام کر لی۔

''نشاط کچھ دیر پہلے یہاں سے گئی ہے۔'' وزیراعظم نے اپنے حکم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ اب وہ سو چکی ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ روزِ حشر تک اسی طرح سوتی رہے۔''

''آقا! کیا یہ وہی تیر ہے جو آپ کی کمان سے چھوٹ گیا ہے؟'' اسد کی خونخوار آنکھوں میں وحشیانہ چمک اُبھر آئی تھی۔ اسد ایک جابر و سفاک انسان تھا مگر نظام الملک سے اس کی وفاداری ایک مثالی حیثیت رکھتی تھی۔ اس نے اب تک وزیراعظم کے اشارے پر کئی قتل کئے تھے۔ ترک باورچی، جس نے جمال الدین یاقوت حبشی کے کھانے میں زہر ملایا تھا، وہ بھی اسد کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ آج وہی بھیڑیا ایک بار پھر اپنی تلوار کھینچے کھڑا تھا۔

''ہاں یہ وہی تیر ہے۔'' نظام الملک نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''مگر اب یہ تیر ہماری کمان کی زینت نہیں بن سکتا۔ اسے آگ میں ڈال کر پگھلا دے۔''

اسد نے اپنے آقا کا اشارہ سمجھ لیا تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکلا۔ دوسرا محافظ بھی ساتھ ساتھ تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسد نے نشاط کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔ نشاط ابھی نیم غنودگی کے عالم میں تھی۔ بے وقت پریشان کئے جانے پر بڑبڑاتی ہوئی اُٹھی۔

''یہ کیا زندگی ہے؟ نہ دن کا چین، نہ رات کی نیند۔''

نشاط نے دروازہ کھولا تو اسد سامنے کھڑا تھا۔ نشاط اُسے پہچانتی تھی۔ راستہ چھوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ اسد اور اس کا ساتھی اندر داخل ہوئے۔ نشاط نے دروازہ بند کر دیا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''خیریت تو ہے؟..... کیا آقا کا کوئی پیغام ہے؟''

''تیرے لئے آقا کا ایک خاص پیغام ہے۔'' یہ کہتا ہوا اسد، نشاط کی طرف بڑھا۔ نیند کے خمار میں ڈوبی ہوئی کنیز صورتِ حال کو سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ کسی مجسمے کی طرح ساکت کھڑی رہی۔ اسد نے قریب پہنچ کر نشاط کی آنکھوں

میں جھانکا۔

''آقا کا حکم ہے کہ تُو اسی وقت یہ دنیا چھوڑ دے۔'' اسد کسی درندے کی طرح غرّایا۔

''کیا.....؟'' شدتِ خوف سے نشاط کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ ابھی وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ اسد کے طاقتور ہاتھوں نے اس کا منہ بند کر دیا۔ پھر نظام الملک کے دوسرے محافظ نے نشاط کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے۔ آخر میں اس کے منہ پر چادر لپیٹ دی گئی۔ پھر نشاط کے جسم کے ساتھ کمرے میں چاروں طرف کثیر مقدار میں نفط (مٹی کا تیل) چھڑک دیا گیا۔ کنیز زمین پر تڑپتی رہی۔ سارا کام مکمل کر لینے کے بعد اسد نے آگ لگا دی اور نشاط کے سارے کپڑے جلتی ہوئی آگ پر ڈال دیئے۔

پھر دونوں محافظ باہر نکل آئے اور باہر سے دروازہ بند کر دیا۔

نظام الملک کی کمان سے چھوٹے ہوئے تیر کو واپس لایا جا چکا تھا۔ نشاط کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر وزیراعظم کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی بھی وقت شہزادی رضیہ سلطانہ کے سامنے اس راز کو فاش کر سکتی ہے۔ یہی سوچ کر نظام الملک نے ''راز'' اور ''رازداں'' دونوں کو آگ کے مقبرے میں دفن کر دیا۔

❁==❁==❁

دوسرے دن قلعے میں ایک طوفان سا آ گیا۔ نشاط کی دردناک موت نے شاہی کنیزوں میں خوف و ہراس پھیلا دیا تھا۔ سرکاری کارندوں نے سراغ لگانے کی بہت کوشش کی مگر یہ عقدہ حل نہ ہو سکا کہ نشاط کے کمرے میں آگ کس طرح لگی۔ سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ اگر آگ کی تپش سے برابر میں رہنے والی کنیز خانم بروقت بیدار نہ ہوتی تو بھڑکتے ہوئے شعلے اس کے کمرے کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتے۔

رضیہ سلطانہ نے خود جا کر اس تباہ شدہ کمرے کا جائزہ لیا۔ وہاں راکھ کے سوا کچھ نہیں تھا۔ بس نشاط کی چند ادھ جلی ہڈیاں تھیں، جنہیں دیکھ کر رحم دل شہزادی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی تھی۔ نظام الملک وہاں موجود تھا اور نشاط کی بے نشان لاش پر مگرمچھ کے آنسو بہا رہا تھا۔

''سلطانِ عالی قدر! وہ میری سب سے وفادار کنیز تھی۔'' نظام الملک نے انتہائی شکستہ لہجے میں کہا۔

''ہمیں آپ کی شدتِ غم کا احساس ہے۔'' رضیہ سلطانہ نے وزیراعظم کی تالیفِ قلب کے لئے تسکین آمیز الفاظ کا سہارا لیا۔

''پھر اُسے مجھ سے کیوں چھین لیا گیا؟'' نظام الملک کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کنیز کی لاش پر نوحہ خوانی کر رہا ہو۔

''کس نے چھینا ہے اسے؟'' رضیہ سلطانہ نے نظام الملک سے سوال کیا۔

''میرا کوئی دشمن جو نشاط کو اپنی ملکیت بنانا چاہتا تھا۔'' وزیراعظم نے شہزادی کے ذہن کو اُلجھانے کے لئے ایک مبہم سا جواب دیا۔ ''جب نشاط کسی دوسرے کی ملکیت بننے پر آمادہ نہ ہو سکی تو اُسے جلا دیا گیا۔''

''کون ہے آپ کا وہ دشمن؟'' رضیہ نے چونک کر کہا۔

''اگر اسے جانتا ہوتا تو اب تک عدالتِ عالیہ میں پیش کر چکا ہوتا۔'' نظام الملک نے اپنی بے چارگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

رضیہ سلطانہ کچھ دیر تک خیالات میں ڈوبی رہی، پھر وزیراعظم سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''میں ذاتی طور پر اس واقعے کی تحقیق کراؤں گی کہ میرے اور نشاط کے درمیان بھی ایک اٹوٹ رشتہ تھا۔ سفاکی کی اس داستان کو یہ کہہ کر فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ آگ لگانے والا، قلعۂ معلّٰی کا کوئی طاقتور مرد تھا اور آگ کی خوراک بننے والی ایک غریب و کمزور عورت۔'' یہ کہتے کہتے شہزادی بہت زیادہ جذباتی ہو گئی تھی۔ ''نشاط کی موت میرے لباسِ اقتدار پر ایک بدنما داغ ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرے عہدِ حکومت میں رعایا اس قدر غیر محفوظ ہو جائے گی۔ اب کون قلعۂ معلّٰی کی چار دیواری پر اعتبار کرے گا؟ یہ عالی شان عمارت، کنیزوں کی پناہ گاہ ہے یا رہزنوں اور قاتلوں کی رہ گزر؟''

رضیہ سلطانہ برہم نظر آ رہی تھی۔

''میں اسی لئے آپ کے انصاف کو پکار رہا ہوں سلطانِ ذی حشم!'' نظام الملک اپنے منصوبے کے مطابق عمل کر رہا تھا۔ ''یہ ایک حقیر کنیز نشاط کا نہیں، آپ کے جاہ و جلال کا قتل ہے۔'' وزیراعظم ہند نے بڑی عیاری سے شہزادی کے خرمنِ ہوش میں ایک چنگاری رکھ دی تھی۔ اسے یقین تھا کہ یہ چنگاری، حکمراں عورت کے دل و دماغ کو جلا ڈالے گی۔ وہ نئے انداز سے رضیہ سلطانہ کو اذیت پہنچانا چاہتا تھا۔

شہزادی نے لفظوں کی اس چنگاری سے روحانی تکلیف محسوس کی مگر نظام الملک کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا۔

''آپ بھی وزیراعظم کی حیثیت سے اس قتل کا سراغ لگانے کی کوشش کریں۔ آخر مرنے والی کا آپ سے بھی بہت قریبی رشتہ تھا۔'' جواباً رضیہ سلطانہ نے بھی نظام الملک کے کاغذی پیرہن کے قریب ایک چنگاری رکھ دی اور تیز قدموں سے دربار کی طرف چلی گئی۔

وزیراعظم ہند حیرت و سکوت کے عالم میں شہزادی کو جاتے دیکھتا رہا۔

❁==❁==❁

محل کی غلام کنیزوں میں شدید خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ اس صورتِ حال پر قابو پانے کے لئے رضیہ سلطانہ نے کم و بیش تمام کنیزوں کو اپنے دربارِ خاص میں طلب کرتے ہوئے کہا۔

''تم بے امان نہیں ہو۔ تمہاری عزت، میری عزت اور تمہاری جان، میری جان ہے۔''

کنیزوں کی طویل قطار میں سے ایک کنیز آگے بڑھی اور رضیہ سلطانہ کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگی۔ یہ نشاط کے پڑوس میں رہنے والی کنیز خانم تھی۔ ''حضور! ہم بھیڑ بکریوں کی حیثیت ہی کیا؟ پھر کوئی بھیڑیا آئے گا اور کسی نشاط کو اُٹھا کر لے جائے گا۔''

''تم کسی جنگل میں نہیں ہو۔'' رضیہ سلطانہ انتہائی پُرجلال لہجے میں بولی۔ ''تم ہندوستان کی سب سے محفوظ پناہ گاہ میں ہو۔ جو بھیڑیا نشاط کو اُٹھا کر لے گیا، وہ بھی اپنوں ہی میں سے تھا۔ اس نے ہمارے اعتبار کا خون کیا اور پھر اسی خون کو پی گیا..... مگر آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔ اب کوئی بھیڑیا اِدھر نہیں آئے گا۔ سکون و اطمینان سے رہو۔ میں نے کنیزوں کے رہائشی علاقے میں مسلح محافظ متعین کر دیئے ہیں۔ اب کسی بھی ناخوشگوار واقعے کی تمام تر ذمے داری ان ہی محافظوں پر عائد ہو گی۔''

جب کنیزیں واپس جانے لگیں تو رضیہ سلطانہ نے خانم کو رک جانے کا اشارہ کیا۔

''تُو صرف نشاط کی پڑوسی تھی یا اس سے تیرے خصوصی مراسم بھی تھے؟'' کنیزوں کے جاتے ہی شہزادی نے خانم سے پوچھا۔

''میں اُس کی رازدار سہیلی بھی تھی۔'' نشاط کا ذکر کرتے ہوئے خانم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''کیا اس نے کبھی تجھ سے اپنی کسی پریشانی کا ذکر کیا تھا؟'' رضیہ سلطانہ نے خانم سے پوچھا۔

''اُسے کوئی غم نہیں تھا۔ بس وہ وزیراعظم کی زیادتیوں کا شکوہ کرتی رہتی تھی۔'' خانم نے جوش میں یہ بات کہہ تو دی مگر فوراً ہی گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

شہزادی سمجھ گئی کہ خانم، نظام الملک سے خوف زدہ ہے۔

''پریشان نہ ہو۔ وزیراعظم تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تُو میری امان میں ہے۔''

رضیہ سلطانہ کی اس یقین دہانی کے بعد خانم سنبھل گئی اور آہستہ سے کہنے لگی۔ ''بدنصیب نشاط ہمیشہ اپنی بربادیوں کا ماتم کرتی رہتی تھی۔''

''کیسی بربادیاں؟'' رضیہ ہمہ تن گوش ہو گئی تھی۔

''وزیراعظم نے کئی سال پہلے نشاط سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔ مگر یہ وعدہ اس کے آگ میں جلنے تک صرف وعدہ ہی رہا۔'' یکایک خانم کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''اوہ.....!'' شہزادی نے ایک گہری سانس لی۔ ''یہ کنیزیں خود بھی تو اپنے ہاتھوں سے بربادیاں لکھتی رہتی ہیں۔ وزیراعظم کی بیوی بننے کا خواب؟..... اے میرے خدا! اب کچھ نہیں ہو سکتا۔'' رضیہ بار بار کفِ افسوس مل رہی تھی۔

''خانم! بس اب تُو جا اور اپنی آنکھوں کو ان خوابوں سے محفوظ رکھ جو نشاط جیسی لڑکی کو جلا کر راکھ کر دیتے ہیں۔''

''شہزادی حضور!'' خانم نے گھبرا کر رضیہ سلطانہ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ ''وزیراعظم کو خبر نہ ہو کہ میں.....''

''بس کہہ دیا تجھ سے کہ تُو ہماری امان میں ہے۔'' شہزادی کا لہجہ انتہائی ناگوار تھا۔ ''تُو بار بار وزیراعظم کا کیا ذکر کرتی ہے؟ وہ بھی ہمارا نمک خوار ہے۔''

خانم، رخصتی سلام کر کے واپس چلی گئی۔

خانم کے جاتے ہی شہزادی نے اپنی کنیزِ خاص کی طرف دیکھا۔ فردوس کا چہرہ بھی بجھا بجھا تھا۔

''نشاط کی موت کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے فردوس؟'' رضیہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''خانم کی باتوں سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بدنصیب کنیز، نظام الملک کے تشدد کا شکار ہو گئی۔''

''اس میں شک بھی کیا ہے شہزادی حضور!'' فردوس نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

''مگر کیوں؟'' شہزادی اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ ''یہ سوال مجھے پریشان کر رہا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ نشاط اس کے کسی اہم راز سے باخبر ہو گئی تھی۔ نتیجتاً رازداں کو مٹا دیا گیا۔'' فردوس انتہائی ذہین کنیز تھی اور اس نے اپنی اسی ذہانت کے سہارے ایک امکان ظاہر کیا تھا۔

''ہو سکتا ہے..... ہو سکتا ہے۔'' رضیہ سلطانہ نے چونک کر اپنی کنیز کی طرف دیکھا۔

''کل تک تو محض گمان تھا، مگر اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ آپ کے نظامِ حکومت کو ناکام دیکھنا چاہتا ہے۔'' فردوس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''پہلے اس نے مغرور راجپوتوں کا مسئلہ اُٹھایا، پھر امیر آخور کو اس

معاملے میں ملوث کیا اور اب نشاط قتل کر دی گئی۔ یہ سب کیا ہے؟ انتشار اور بدنظمی پھیلانے کا مربوط منصوبہ۔''

''مگر وہ اپنے منصوبے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔'' جوشِ جذبات میں رضیہ سلطانہ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''شکست و فتح تو خدا کے ہاتھوں میں ہے۔ مگر میں آپ سے ایک ہی التجا کرتی ہوں کہ نظام الملک کی کسی بات پر اعتبار نہ کیجئے گا۔ وہ ایک ایسا سانپ ہے، جو بے موسم بھی کینچلی بدل لیتا ہے۔'' فردوس نے بڑے پتے کی بات کہی تھی۔ رضیہ سلطانہ نے مسکرا کر اپنی کنیزِ خاص کی طرف دیکھا۔

''آج اندازہ ہو گیا ہے کہ بابا محترم نے میرے لئے تیرا انتخاب کیوں کیا تھا؟''

❁==❁==❁

وزیرِ اعظم کچھ دن تو خاموش بیٹھا رہا، پھر اُس نے اپنی ایک اور کنیز ستارہ سے وہی کام لے لیا جسے تکمیل تک نہ پہنچانے کے جرم میں نشاط کو دردناک موت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

ستارہ، شہزادی کی خلوت میں حاضر ہوئی اور رو رو کر اپنا قصۂ غم بیان کرنے لگی۔ ''شہزادی عالیہ! سارے جہاں میں آپ کے انصاف کی دھوم ہے۔ مجھ غریب کنیز کے ساتھ بھی انصاف کیجئے۔''

''کون ہے تیرا مجرم؟'' رضیہ سلطانہ کے چہرے اور لہجے دونوں سے جلالِ سلطانی کا اظہار ہو رہا تھا۔

''امیر آخور۔'' ستارہ نے کسی جھجک کے بغیر جمال الدین یاقوت کا نام لے دیا۔

شہزادی سناٹے میں آ گئی۔

''کیا جرم کیا ہے امیر آخور نے؟'' شہزادی بہت جلد ذہنی کشمکش کے گرداب سے نکل آئی۔

''کل تک امیر آخور مجھ سے محبت کرتے تھے۔'' ستارہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مگر اب وہ مجھ سے گریزاں ہیں۔''

ستارہ کی زبانی یہ انکشاف سن کر رضیہ سلطانہ حیرت زدہ رہ گئی۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جمال الدین یاقوت بھی اس جرم کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ ہمیشہ نظریں جھکا کر چلنے والا امیر اتنا بے باک کہ ایک کنیز سے محبت کرے اور پھر اسے فریب دے کر اپنا راستہ تبدیل کر دے؟

''اب وہ تیری محبت سے کیوں گریزاں ہے؟'' یکایک شہزادی کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

''ڈرتی ہوں کہ میری زبان نہ جل جائے'' یہ کہتے کہتے ستارہ لرزنے لگی تھی۔

''سچ بولنے سے کبھی زبان نہیں جلتی۔'' رضیہ سلطانہ کی آواز بلند ہو گئی تھی۔ ''کہہ دے جو کچھ کہنا چاہتی ہے۔''

''آپ امیر آخور سے محبت کرتی ہیں، اس لئے انہوں نے ایک کنیز کی محبت کا خون کر ڈالا ہے۔'' ستارہ زار و قطار رو رہی تھی۔ ''جب ہندوستان کی مالکہ اُنہیں چاہتی ہے تو ایک حقیر لونڈی.....''

''خاموش ہو جا، بدزبان!'' رضیہ سلطانہ چیخ اُٹھی اور اُسے یوں محسوس ہوا جیسے قصرِ شاہی میں زلزلہ آ گیا ہو۔

ستارہ نے آگے بڑھ کر شہزادی کے پاؤں پکڑ لئے اور گریہ وزاری کرنے لگی۔ ''حضورِ عالیہ! میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ میری زبان جل جائے گی۔ مگر اب تو ایسا لگتا ہے کہ شاید پورا وجود ہی جل کر راکھ ہو جائے۔''

رضیہ سلطانہ نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پایا۔ ''ہماری آتشِ قہر میں صرف جھوٹے اور عہد شکن جلیں

گے۔ اگر تُو سچی ہے تو ہر حال میں محفوظ رہے گی۔ بس اب جا کہ ہم نے تیری فریاد سن لی۔ یقین رکھ کہ تیرے ساتھ پورا پورا انصاف ہو گا۔''

ستارہ لرزتے قدموں سے واپس چلی گئی۔

❁==❁==❁

گوالیار سے فرار ہونے کے بعد راجہ دیوبل نے اپنے بیوی بچوں کو ریاست اجین کے راجہ بکرماجیت کے پاس بھیج دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بکرماجیت کے نام ایک خط بھی تحریر کیا تھا۔

''مہاراج! میں سلطان التمش کا مقابلہ نہ کر سکا اور جنگ ہار گیا۔ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اب مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے قدم کسی مقام پر ٹھہریں گے نہیں۔ سلطان ہندوستان کے نقشے پر کسی ہندو ریاست کا وجود برداشت نہیں کرے گا۔ اس لئے آپ بھی اجین کی فکر کیجئے۔ اپنے بیوی بچوں کو آپ کی پناہ میں بھیج رہا ہوں۔ میں خود بھی حاضرِ خدمت ہوتا، مگر میری ذات پر دیوتاؤں کا ایک قرض ہے۔ جب تک اس قرض کو نہیں اُتار دیتا، میرے لئے سکون کا ایک سانس لینا بھی حرام ہے۔ میں نے گوالیار چھوڑتے وقت دیوتاؤں کے سامنے قسم کھائی تھی کہ میں التمش سے اپنی ذلت و رسوائی کا وہ انتقام لوں گا، جسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ میں اپنی قسم پوری نہ کر سکوں اور راستے ہی میں مارا جاؤں۔ لیکن موت کا یہ خوف میرے ارادوں کو زنجیر نہیں پہنا سکتا۔ میں ایک نامعلوم منزل کی طرف جا رہا ہوں۔ بھگوان ہندو دھرم کی رکھشا کرے۔''

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد راجہ دیوبل اپنے پچاس ساٹھ سپاہیوں کے ہمراہ دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب وہ اور اس کے سپاہی عام مسافروں کے لباس میں دہلی کی طرف سفر کر رہے تھے۔

❁==❁==❁

رضیہ سلطانہ کے سینے میں غصے کا آتش فشاں دہک رہا تھا۔

''تُو نے دیکھ لیا فردوس؟ پستی میں رہنے والوں کو یہ بلندی راس نہیں آئی۔ وہ عظمتوں کے مینار تک پہنچنے کے لائق نہیں تھے۔'' شہزادی کا اشارہ جمال الدین یاقوت کی طرف تھا۔ ''بابا محترم نے اس کی خاطر اپنے امراء کو جھٹلا دیا مگر وہ غلاظتوں کی بستی کا رہنے والا، عزتوں کے شیش محل میں چند سانسیں بھی نہ لے سکا۔''

اس واقعے کے بعد فردوس بھی دم بخود تھی مگر اس نے ہوش و حواس نہیں کھوئے تھے۔ ''شہزادی حضور! خدا کے واسطے کسی نتیجے پر پہنچنے میں جلد بازی نہ کیجئے گا۔ میں امیر کی بے گناہی کی وکالت نہیں کر رہی ہوں مگر.....''

''مگر کیا؟'' رضیہ سلطانہ اپنی کنیزِ خاص پر برس پڑی۔

''دشمنی کے تمام زہر آلود تیروں کا رخ ایک ہی شخص کی طرف کیوں ہے؟'' فردوس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

''امیر آخور نہیں، آپ کا دشمن پستی میں اُتر گیا ہے۔ کم سے کم اتنا تو دیکھ لیجئے کہ دعویٰ کرنے والا کون ہے۔ فریادی واقعتاً مظلوم ہے اور انصاف کا طلب گار ہے یا وہ رعایا کی نظروں میں خاندانِ شاہی کو ایک تماشا بنا دینا چاہتا ہے۔''

رضیہ سلطانہ نے چونک کر فردوس کی طرف دیکھا۔ ''ہم نے ستارہ کی رُودادِ الم تو سن لی، اب امیر آخور کی باری ہے۔ ہم اسے بھی صفائی کا موقع دیں گے۔''

''دشمن یہی تو چاہتا ہے کہ بند کمرے کی بات عدالت میں چلی جائے اور پھر عدالت کے فیصلے کی گونج شہروں شہروں سنائی دے۔'' فردوس، شہزادی کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''ایک طرف حکومت اپنے انتہائی وفادار کارندے سے محروم ہو جائے اور دوسری طرف اس ملک کے ذلیل ترین افراد بھی اپنے حکمراں پر اُنگلیاں اُٹھانے لگیں۔ دشمنوں کی یہی تو چال ہے۔''

''پھر؟'' رضیہ سلطانہ کی آتشِ غضب مدھم پڑ گئی تھی مگر بجھی نہیں تھی۔

''یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔'' فردوس نے آہستہ سے کہا۔ ''میں دیکھتی ہوں کہ ستارہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے؟ فی الحال آپ امیر آخور کے بارے میں تمام کنیزوں کی رائے طلب کر سکتی ہیں۔''

❁==❁==❁

رضیہ سلطانہ نے بڑی رازداری سے محل کی ایک ایک کنیز کو علیحدہ علیحدہ اپنی خلوت گاہ میں بلایا اور جمال الدین یاقوت کے بارے میں پوچھا۔

''تمہیں امیر آخور سے تو کوئی شکایت نہیں ہے؟''

تمام کنیزوں نے حبشی زادے کی تعریف کی۔ رضیہ سلطانہ کا ذہن بری طرح اُلجھ کر رہ گیا تھا۔

فردوس مسلسل جستجو میں لگی ہوئی تھی۔ آخر اُس پر یہ راز فاش ہو گیا کہ ستارہ بھی نظام الملک سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور رکھتی ہے۔ فردوس نے کئی راتیں اس کی جاسوسی میں گزاریں۔ پھر جب ایک دن شہزادی کی کنیزِ خاص نے ستارہ کو نظام الملک کی رہائش گاہ کی طرف جاتے دیکھا تو اسے یقین آ گیا کہ رضیہ سلطانہ اور امیر آخور کے خلاف کی جانے والی اس سازش میں وزیر اعظم کا ہاتھ ہے۔

فردوس کے انکشاف نے شہزادی کی آنکھوں کے سامنے سے کئی پردے ہٹا دیئے تھے مگر پھر بھی وہ ستارہ کی زبانی سب کچھ سننا چاہتی تھی۔

شہزادی نے ستارہ کو تنہائی میں طلب کر کے صاف صاف کہہ دیا۔ ''امیر آخور تجھے پہچانتا تک نہیں۔ پھر تُو کیوں اُس سے اپنی شناسائی کا رشتہ جوڑتی ہے؟''

''شہزادی حضور! میں مجبور تھی۔'' عیار ستارہ، رضیہ سلطانہ کے پیروں پر سر رکھ کر رونے لگی۔ ''اگر میں ایسا نہ کرتی تو شہزادہ رکن الدین مجھے قتل کرا دیتے۔''

رضیہ سلطانہ کو محسوس ہوا کہ بیک وقت محل کی تمام دیواریں اُس کے سر پر گر گئی ہیں اور وہ ملبے میں دبی چیختی رہی۔

''میرے بھائی! تُو نے ایسا کیوں کیا؟'' بہت دیر بعد شہزادی کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی ناتواں مریض بول رہا ہو۔ رضیہ سلطانہ کے دلکش چہرے پر اذیتوں کی خاک اُڑ رہی تھی۔

فردوس کی حالت بھی وحشیوں جیسی تھی۔ اسے اپنی سماعت پر شک ہو رہا تھا مگر وہ اس منظر کو کیسے فراموش کر سکتی تھی؟

''سرکارِ عالیہ! یہ بے کس و مجبور کنیز، شہزادۂ عالم کا حکم کیسے ٹالتی؟ وہ مجھے زندہ دفن کر دیتے۔''

''چلی جا ستارہ!..... یہاں سے چلی جا۔'' شدتِ غم سے شہزادی کی آواز لرز رہی تھی۔ ''جب اپنا ہی خون دھوکا دے گیا تو پھر تجھ سے کیا شکایت؟ دُور ہو جا میری نظروں سے۔''

ستارہ نے ریاکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہزادی کے قدموں کو بوسہ دیا اور کمرے سے چلی گئی۔ نظام الملک نے ستارہ کو یہی سمجھایا تھا کہ جب اُس کی جان پر بن جائے تو وہ شہزادہ رکن الدین کا نام لے کر اپنے آپ کو بچا لے۔ آخر یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور ستارہ بچ کر صاف نکل گئی۔ مگر رضیہ سلطانہ پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ اور نظام الملک یہی چاہتا تھا کہ شہزادی ایک لمحے کے لئے بھی سکون سے نہ بیٹھے۔ کئی بازیاں مات کھانے کے بعد وزیر اعظم نے یہ خوف ناک چال چلی تھی۔ رضیہ سلطانہ کے پاس اس چال کا کوئی توڑ نہیں تھا۔ بس یہ کہ وہ ہمیشہ اپنے بھائی سے نفرت کرتی رہے۔ نظام الملک کی یہی کامیابی تھی کہ اس نے التمش کی ایک اولاد کو دوسری کے مقابل کھڑا کر دیا تھا۔

''فردوس! کیا یہ بھی ممکن ہے؟'' شہزادی کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔

''اگر ستارہ ایسا نہ کرتی تو شہزادۂ عالم اُسے زندہ دفن کر دیتے۔'' فردوس نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔ ''میں التجا کرتی ہوں کہ آپ بھی اس بات کو اسی وقت اس کمرے میں ہمیشہ کے لئے دفن کر دیجئے۔''

❁==❁==❁

دوسرے دن پورا دارالحکومت نقاروں کی آواز سے گونج اُٹھا۔ کسی اطلاع کے بغیر سلطان کا فاتح لشکر دہلی کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔ شہزادی کو یہ خبر ملی تو وہ سارا غم بھول کر باپ کے استقبال کے لئے قلعے سے باہر نکلی۔

التمش نے بیٹی کو دیکھا تو بے قرار ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ گھوڑے سے اُترتا شہزادی نے آگے بڑھ کر سلطان کی رکاب کو بوسہ دیا۔

سارے شہر میں چراغاں کیا گیا اور سات دن تک فتح کا جشن منایا جاتا رہا۔

❁==❁==❁

راجہ دیوبل طویل مسافت طے کر کے اپنے سپاہیوں کے ہمراہ اس بھیانک جنگل کے قریب پہنچ گیا تھا، جہاں دوپہر کے وقت بھی گہری تاریکی چھائی رہتی تھی۔ یہ جنگل شہر سے کوئی پچیس میل دُور تھا۔ اس جنگل میں التمش شکار کھیلا کرتا تھا اور یہیں میواتی ہزاروں کی تعداد میں روپوش تھے۔

راجہ دیوبل کا ایک سپاہی گھوڑے سے اُترا اور جنگل میں داخل ہو کر زور سے چیخا۔

''جے بھوانی..... جے دُرگا..... جے شنکر۔''

سپاہی نے یہ الفاظ تین بار دہرائے۔ پھر جب اس کی آواز کی گونج ختم ہوئی تو ایک تناور درخت کی اوٹ سے ایک شخص تیر کمان لئے نمودار ہوا۔

اس شخص نے بھی تین بار وہی الفاظ ادا کئے۔ یہ ایک خفیہ اشارہ تھا، جس کے ذریعے جنگل میں آنے والوں کی شناخت کی جاتی تھی۔

''کیا خبر لائے ہو؟'' اس شخص نے راجہ دیوبل کے سپاہی سے پوچھا۔

''ٹھاکر بلرام سنگھ سے کہو کہ گوالیار سے مہمان آئے ہیں۔'' راجہ دیوبل کے سپاہی نے جواب دیا۔

اس نے مخصوص انداز میں سر ہلایا اور واپس چلا گیا۔

وہ طویل سرنگ کے ذریعے کرشن مندر میں پہنچا، جو دریائے جمنا کے کنارے آباد تھا۔ اس نے مندر کے پجاری کو راجہ دیوبل کے سپاہی کا پیغام دیا۔ پجاری نے سارے کام چھوڑ کر اس وسیع کمرے کو بند کر دیا جہاں درگا دیوی کی مورتی موجود تھی۔ مورتی کے نیچے ایک اور زمین دوز سرنگ کا دروازہ تھا۔ پجاری تیزی سے سرنگ میں داخل ہوا اور پھر اس خفیہ راستے سے رام مندر تک پہنچا۔ قدیم ہندو راجاؤں نے زیر زمین ایک عجیب طلسم خانہ قائم کیا تھا۔ رام مندر کے پجاری نے کرشن مندر کے پجاری کو بڑے اعزاز کے ساتھ اپنے خاص کمرے میں ٹھہرایا اور خود ایک تیسری سرنگ کے ذریعے سوامی دینا ناتھ کے تعمیر کردہ مندر میں پہنچا۔

یہ مندر اپنے طرزِ تعمیر میں بہت سادہ مگر گرد و پیش کے اعتبار سے انتہائی دلکش تھا۔ سوامی دینا ناتھ نے طویل و عریض میدان میں ایک خوب صورت باغ لگایا تھا، جس کے درمیان کئی تالاب بنائے گئے تھے۔ دُور تک دو رویہ کمروں کی طویل قطاریں تھیں۔ ان کمروں میں ہندوستان کے گوشے گوشے سے آنے والے ہندو مسافر ٹھہرا کرتے تھے۔ ان مسافروں میں کچھ بیمار ہوتے تھے۔ سوامی دینا ناتھ اپنے منتروں سے ان کا علاج کرتا تھا۔ باقی مسافر اپنے دوسرے مسائل لے کر سوامی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ دینا ناتھ نے غریب مسافروں کے لئے رہائش کے ساتھ کھانے کا بھی انتظام کیا تھا۔ نتیجتاً ہر وقت ایک قسم کا لنگر تقسیم ہوتا رہتا تھا۔ ان مسافروں کے علاوہ سوامی کے مندر میں ہزاروں پجاری موجود تھے۔ یہ سارے پجاری جوان اور تندرست تھے۔ دراصل پجاریوں کی شکل میں یہ سوامی دینا ناتھ کے خفیہ فوجی تھے۔ تمام سادھو بہترین شمشیر زن تھے مگر دنیا کو دکھانے کے لئے دن رات مالا جپتے رہتے تھے۔

دینا ناتھ کے مندر کا پجاری بھی ایک خفیہ سرنگ کے ذریعے سوامی تک پہنچا۔ اس وقت دینا ناتھ اپنے کمرے میں آرام کر رہا تھا۔ یہ کمرہ دیکھنے میں انتہائی سادہ تھا۔ باہر سے آنے والا ہر شخص یہی سمجھتا کہ سوامی دینا ناتھ ایک تارک الدنیا انسان ہے۔ مگر حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ سوامی جسے اپنی چھوٹی سی کٹیا کہتا تھا، وہاں زیر زمین ایک شہر آباد تھا۔ اور اس شہر کی تعمیر ایک خاص مقصد کے تحت کی گئی تھی۔ ٹھاکر بلرام سنگھ ایک چٹائی پر لیٹا ہوا تھا۔ پجاری نے آگے بڑھ کر پہلے سوامی دینا ناتھ کے چرن چھوئے اور پھر ٹھاکر بلرام سنگھ کے قدموں کو ہاتھ لگا کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔

''اس وقت کیسے آیا پجاری؟'' دینا ناتھ کا لہجہ کسی قدر ناخوشگوار تھا۔

جب پجاری نے گوالیار سے آنے والے مہمان کے بارے میں بتایا تو سوامی چونک اُٹھا اور ٹھاکر بلرام سنگھ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''جلدی بھیجو اُسے۔'' بلرام سنگھ نے تیز لہجے میں کہا۔ ''یقیناً کوئی اہم پیغام لے کر آیا ہوگا۔ گوالیا کے بارے میں ابھی تک کوئی خبر نہیں ملی ہے۔ ایک سال سے قلعے کا محاصرہ جاری ہے۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں راجہ دیوبل نے ہتھیار نہ ڈال دیئے ہوں۔''

پجاری تیز قدموں سے واپس چلا گیا۔ پیغام رسانی کا یہ نظام اس قدر پیچیدہ اور مشکل تھا کہ راجہ دیوبل کے سپاہی کو دینا ناتھ کی کٹیا میں داخل ہوتے ہوئے کئی گھنٹے لگ گئے۔

''خیر تو ہے کرشنا؟'' ٹھاکر بلرام سنگھ نے گھبرا کر پوچھا۔ کرشنا ہی وہ شخص تھا جس کے ذریعے راجہ دیوبل اور ٹھاکر بلرام سنگھ کے درمیان رابطہ قائم تھا۔

''ٹھاکر! سب کچھ ختم ہو گیا۔'' یہ کہتے کہتے کرشنا رونے لگا۔ ''ہم لوگوں نے ایک سال تک قلعہ بند ہو کر راجپوتوں کی آن کو برقرار رکھا۔ آخر ایک رات مہاراج اور ان کے کچھ ساتھی اس امید پر قلعے سے نکل گئے کہ شاید پھر کبھی سلطان سے مقابلہ ہو جائے۔''

''کھیل..... ختم..... ہو گیا۔'' ٹھاکر کی زبان سے الفاظ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔

''مہاراج خود آپ سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔'' کرشن کی آواز لرز رہی تھی۔

''مہاراج آئے ہیں؟'' سوامی دینا ناتھ اور ٹھاکر بلرام سنگھ کھڑے ہو گئے۔ پھر وہ تینوں کمرے سے نکل گئے اور انہی پُر پیچ راستوں سے گزرتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں راجہ دیوبل اور اس کے سپاہی حیران و پریشان کھڑے تھے۔

''راجپوتوں کی آن اور اس قدر بے نشان؟'' راجہ دیوبل کو دیکھ کر ٹھاکر بلرام سنگھ چیخا۔ پھر راجپوت حکمراں کے احترام میں گھٹنوں کے بل جھک گیا۔

راجہ دیوبل نے بلرام سنگھ کے بازو کو پکڑ کر اُٹھایا۔ ''ٹھاکر! جو گزر گئی، سو گزر گئی۔ اب آگے کی سوچ۔'' یہ کہہ کر راجہ دیوبل، دینا ناتھ کی طرف مڑا اور دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''سوامی جی! اب آپ ہی کے در پر آ پڑا ہوں۔ یا تو خالی جھولی کو بھر دیجئے یا پھر اس جھولی میں آگ لگا دیجئے۔''

سوامی دینا ناتھ، راجہ دیوبل کو اپنے علاقے میں دیکھ کر سخت پریشان تھا مگر اس عیار انسان نے اپنے چہرے سے ذہنی کیفیت کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ''یہ تو میرا سوبھاگیہ (خوش قسمتی) ہے مہاراج! کہ آپ نے ایک جوگی کو اتنا بڑا سمان (اعزاز) دیا۔'' سوامی دینا ناتھ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی مگر دل و دماغ ایک انجانے خوف میں مبتلا تھے۔ ''یہ جھولی خالی نہیں۔ اس جھولی نے تو بھارت ورش کے ہزاروں سادھو سنتوں کی جھولیاں بھری ہیں۔ بھگوان بھی آپ کو اس سنکٹ کال (مصیبت کے زمانے) میں نراش نہیں کرے گا۔ آیئے اس نردھن سادھو کی کٹیا میں وشرام (آرام) کیجئے۔''

پھر جب راجہ دیوبل زیر زمین انتہائی پُر پیچ راستوں سے گزرا تو حیرت زدہ رہ گیا۔ ''ٹھاکر بلرام سنگھ! تم نے تو کمال ہی کر دیا۔ ایسی سرنگیں تو بڑی سے بڑی ریاست میں بھی نہیں پائی جاتیں۔''

''مہاراج! بس یہ آخری تدبیر ہے، رام راج کو بچانے کی۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ کے لہجے سے شکستگی ظاہر ہو رہی تھی۔

''یہ اکیلا ٹھاکر، جس کے پاس نہ فوج ہے نہ ہتھیار، کہاں تک لڑے گا؟''

''مجھے ناز ہے تجھ پر بلرام سنگھ!'' راجہ دیوبل نے پُر جوش لہجے میں کہا۔ ''آج بھارت کی پوری دھرتی پر تجھ جیسا ویر کوئی دوسرا موجود نہیں۔ تجھے اپنی تنہائی کی بہت شکایت ہے، مگر اب تُو اکیلا نہیں۔ میں بھی تیرے ساتھ اس جنگ میں شریک ہو گیا ہوں۔''

الغرض اسی قسم کی باتیں کرتے کرتے راجہ دیوبل، دینا ناتھ کی کٹیا میں پہنچا۔ راجہ دیوبل طویل مسافت سے تھک کر چُور ہو گیا تھا۔ سوامی نے اسے فوراً ہی اپنے زیر زمین عشرت کدے میں پہنچا دیا۔

❄==❄==❄

جب دارالحکومت میں جشنِ فتح ختم ہو گیا تو سلطان التمش نے شہزادی کو تنہائی میں طلب کر کے پوچھا۔

''بیٹی! انتظامِ سلطنت کا تجربہ کیسا رہا؟''

''بہت تلخ، بہت اذیت رساں۔'' رضیہ سلطانہ نے کسی تکلف کے بغیر عرض کیا۔

بیٹی کا جواب سن کر التمش کے چہرے پر مایوسی کا رنگ اُبھر آیا۔

''مگر آپ کا حکم تھا، اس لئے میں نے تمام تلخیوں اور اذیتوں کو زندگی کا حصہ سمجھ کر قبول کر لیا۔'' رضیہ سلطانہ نے اپنی بات مکمل کر دی۔

''میں چاہتا تھا کہ میری آنکھیں بند ہونے سے پہلے تم شاہانہ زندگی کے اہم پہلوؤں کا مشاہدہ کر لو۔ کتابی اور تجرباتی علم میں بڑا فرق ہے۔ ایک کتاب کا نعم البدل دوسری کتاب ہو سکتی ہے، مگر تجربے کا کوئی نعم البدل نہیں۔'' سلطان شمس الدین التمش نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''آپ بار بار اپنی موت کا ذکر کیوں کرتے ہیں بابا محترم؟'' رضیہ نے بے اختیار ہو کر باپ کے سینے پر سر رکھ دیا۔

''بیٹی! میں اوّل و آخر مسلمان ہوں۔ مگر موت کی حقیقت سے تو ایک کافر بھی انکار نہیں کر سکتا۔'' التمش، شہزادی کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ پھر اُس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

رضیہ سلطانہ نے سر اٹھایا۔ ''موت جب آئے گی، دیکھا جائے گا۔ ابھی سے اس کا ذکر کیوں؟'' شہزادی نے باپ سے حجت کی۔

''نہیں بیٹی! یہ دنیا داروں کی سوچ ہے۔'' التمش نے انتہائی شفقت آمیز لہجے میں شہزادی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''مسلمان موت سے ڈرتا نہیں مگر ہر گھڑی اسے یاد رکھتا ہے۔ اہلِ ایمان ایک ایسے شہسوار کے مانند ہوتے ہیں، جو ہر وقت پابہ رکاب رہتے ہیں کہ کب بلاوا آ جائے اور وہ اپنے آخری سفر پر خوش دلی کے ساتھ روانہ ہو جائیں۔ کسی بھی انسان کو اپنی موت کا وقت معلوم نہیں، اس لئے اسے چاہئے کہ وہ گزرنے والے ہر لمحے کی قیمت ادا کرے۔''

رضیہ سلطانہ نے استفہامیہ نظروں سے باپ کی طرف دیکھا۔

''ہر لمحے کی قیمت ادا کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جلد از جلد اپنے فرائض سے سبک دوش ہو جائے۔'' سلطان التمش نے اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''قرض کا بوجھ لے کر مرنے والے انسان ناکام و نامراد کہلاتے ہیں۔ خدا ہر مسلمان کو ناکامی و نامرادی سے محفوظ رکھے۔''

رضیہ سلطانہ نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

''بیٹی! میں دوسری موت مرنا نہیں چاہتا۔'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد التمش دوبارہ شہزادی سے مخاطب ہوا۔

''دوسری موت؟'' رضیہ سلطانہ چونک اُٹھی۔

''دوسری موت وہ ہوتی ہے، جب مرنے والے کے اہل و عیال ناکارہ ثابت ہوں اور خدا کی زمین کا بوجھ بن کر رہ جائیں۔'' التمش نے افسردہ لہجے میں کہا۔ ''یہی میرا خواب ہے کہ جب میں دنیا سے گزر جاؤں تو میری اولاد مجھے زندہ رکھے۔''

''بابا محترم!'' رضیہ سلطانہ بہت زیادہ پُر جوش نظر آ رہی تھی۔ ''مجھے یقینِ کامل ہے کہ اللہ آپ کو آپ کی ذات کے حوالے سے زندہ رکھے گا۔''

''ہاں! تمام عمر اسی کی رحمت کے سہارے تو زندہ رہا ہوں۔'' یہ کہتے کہتے سلطان التمش پر رقت طاری ہو گئی۔

''مرنے کے بعد بھی اسی کی رحمت کا آسرا ہے۔''

❁==❁==❁

بٹھنڈہ کا حاکم ملک اختیار الدین التونیہ، شہزادی رضیہ سلطانہ کے عشق میں مبتلا تھا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا، جب اس نے چلمن کے پیچھے سے شہزادی کی دل نشیں آواز سنی تھی۔ پھر یہی آواز ملک التونیہ کا تعاقب کرتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ اس آواز کے طلسم میں گرفتار ہو گیا۔

ان دنوں سلطان التمش، گوالیار کی مہم پر تھا۔ جب اس نے رضیہ سلطانہ کی جانشینی کی خبر سنی تو حیرت زدہ رہ گیا۔ ''سلطان نے جواں سال بیٹوں کی موجودگی میں شہزادی کو اپنا جانشین کیوں منتخب کیا؟'' یہ سوال کئی روز تک ملک التونیہ کے ذہن میں گردش کرتا رہا۔

پھر ایک دن اسے رضیہ سلطانہ کا فرمان موصول ہوا۔ شہزادی نے سلطان کے جانشین کی حیثیت سے ملک التونیہ کو اس کی ذمے داریوں کا احساس دلایا تھا۔ رضیہ سلطانہ نے اس قسم کے فرمان دوسرے علاقوں کے حاکموں کو بھی ارسال کئے تھے۔

ملک التونیہ کا شوق کچھ اور بڑھ گیا۔ وہ اس نوعمر دوشیزہ کو دیکھنے کے لئے بے قرار تھا جو اس وقت کم و بیش پورے ہندوستان پر حکومت کر رہی تھی۔ آخر ملک التونیہ، شہزادی کو مبارکباد دینے کے بہانے قیمتی تحائف لے کر بٹھنڈہ سے دہلی پہنچا۔ رضیہ سلطانہ نے اُسے اس مخصوص کمرے میں طلب کر لیا، جہاں وہ مملکت کے وزیروں اور دوسرے منصب داروں سے ملاقاتیں کیا کرتی تھی۔

ملک اختیار الدین التونیہ نے اپنی نشست پر کھڑے ہو کر پہلے نہایت خوبصورت الفاظ میں شہزادی کی تعریف کی اور پھر اس منصبِ عظیم پر فائز ہونے کے سلسلے میں مبارکباد پیش کرتے ہوئے بولا۔

''اگر یہ نمک خوار، فرمانِ سلطانی پر اپنی جان بھی دے دے تو یہ ایک ادنیٰ ترین قربانی ہو گی۔''

شہزادی رضیہ سلطانہ، ملک التونیہ کی خوش گفتاری اور شائستگی سے بہت متاثر ہوئی۔ پھر وہ بہت دیر تک اس سے بٹھنڈہ کے انتظامی امور کے بارے میں گفتگو کرتی رہی۔ ملک التونیہ سحر زدہ سا بیٹھا رہا۔

پھر بٹھنڈہ کے حاکم نے کئی دن تک دربارِ عام میں بھی حاضری دی۔ اس نے شہزادی کی رفتار و گفتار، دونوں کو دیکھا۔ ملک التونیہ پر رضیہ سلطانہ کا جلال ظاہر ہو چکا تھا۔ اور جمال کے بارے میں اس کی کنیز نے بتا دیا تھا کہ شہزادی بے پناہ حُسن کی مالک ہے۔

ملک التونیہ واپس چلا گیا تھا مگر اس کے دل و دماغ قصرِ سلطانی میں رہ گئے تھے۔ پہلے اس نے رضیہ سلطانہ کے لئے اپنے سینے میں ایک خلش سی محسوس کی۔ پھر یہی خلش بڑھتے بڑھتے عشق میں تبدیل ہو گئی۔ ملک التونیہ آہنی اعصاب رکھنے والا ایک جواں سال حاکم تھا، اس لئے چپ چاپ شہزادی کے عشق میں جلتا رہا۔ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو اب تک سرِ عام پگھل کر تماشا بن چکا ہوتا۔ اگرچہ ملک التونیہ بڑے صبر و تحمل سے اس درد کو برداشت کر رہا تھا لیکن اس کے مشیرِ خاص ملک ذیشان کی دُور بیں نگاہوں سے بٹھنڈہ کے حاکم کی یہ کیفیت پوشیدہ نہ رہ سکی۔ آخر ایک دن ملک ذیشان نے اپنے امیر سے اُس کی بے چینی کا سبب پوچھ ہی لیا۔

پہلے تو ملک التونیہ اپنے مشیرِ خاص کے سوال کا جواب دینے سے گریز کرتا رہا، مگر جب ملک ذیشان نے یہ کہا کہ وہ اس کا دوست بھی ہے اور دوست کی آنکھیں کبھی دھوکا نہیں کھا سکتیں تو ملک التونیہ مجبور ہو گیا۔

''ذیشان! تیرے دوست پر عجیب وقت آ پڑا ہے کہ وہ دماغ کے بجائے دل سے سوچنے لگا ہے۔'' یہ کہہ کر ملک التونیہ نے ملک ذیشان کو سارا واقعہ سنا دیا۔

ملک ذیشان گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے اپنے امیر سے پوچھا۔ ''آخر اس کا حل کیا ہے؟''

''اس کے سوا اور کیا حل ہے کہ میں شہزادی کو حاصل کر لوں اور شادکام ہو جاؤں مگر.....'' ملک التونیہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''مگر کیا؟'' ملک ذیشان نے چونک کر اپنے امیر کی طرف دیکھا۔

''وہی رسمِ قدیم...زمانے کا وہی بے رحم قانون.....غلام اور آقا زادی.....وہی دلوں کے درمیان آہن وفولاد کی بلند دیوار۔'' ملک التونیہ کے لہجے سے افسردگی کا اظہار ہو رہا تھا۔

ملک التونیہ، شمس الدین التمش کا غلام تھا۔ سینکڑوں غلاموں کی طویل قطار میں صرف التونیہ ہی ایسا نوجوان تھا، جس پر التمش کی نظریں جم کر رہ گئی تھیں۔ سلطان نے التونیہ کے آقا کو منہ مانگی قیمت ادا کی اور اسے قصرِ شاہی میں لے آیا۔ ملک التونیہ کی ظاہری شخصیت بڑی دیدہ زیب تھی۔ کشادہ پیشانی، چوڑا سینہ، مضبوط بازو، بلند قامت، سرخ وسفید رنگ۔ وہ کسی محفل میں آتا تو دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ جاتے۔ پھر جب ملک التونیہ، سلطان کے ہمراہ کئی جنگوں میں شریک ہوا تو اس کی بہادری کے جوہر کھلے۔ وہ بہترین شمشیر زن تھا۔ کسی معرکے میں اس نے پیٹھ نہیں دکھائی۔ ملک التونیہ کی شجاعت سے متاثر ہو کر التمش نے اُسے آبدار خانے کا منتظمِ اعلیٰ بنا دیا۔ پھر وہ ترقی کرتے کرتے ''سرچتر دار'' کے منصب پر فائز ہوا۔ آخر میں اسے بٹھنڈہ کی جاگیر دے دی گئی۔

ملک التونیہ کو اپنا دورِ غلامی یاد آ رہا تھا۔ ''ذیشان! میرا تو خواب ہی غلط ہے۔ غلام آنکھیں یہ خواب نہیں دیکھ سکتیں۔'' ملک التونیہ کی نظروں کے سامنے وہ بازار اُبھر رہا تھا، جہاں چند سال پہلے اسے فروخت کرنے کے لئے لایا گیا تھا۔ ''مگر میں کیا کرتا کہ میرے دل نے مجھے دھوکا دیا۔ آنکھوں کا کوئی قصور نہیں۔ ان میں تو ابھی تک غلامی کے سارے مناظر محفوظ ہیں۔'' التونیہ کے لہجے کی شکستگی کچھ اور ہی بڑھ گئی تھی۔

''میرے خیال میں تو غلام آنکھوں کو یہ خواب دیکھنے کا حق حاصل ہے۔'' ملک ذیشان نے اپنے امیر کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''ہمارے آقا، شمس الدین التمش بھی تو کسی زمانے میں سلطان قطب الدین ایبک کے غلام تھے، پھر انہیں سلطان کی دامادی کا اعزاز حاصل ہوا۔''

''میں سلطان شمس الدین التمش کی سی تقدیر کہاں سے لاؤں؟'' ملک التونیہ نے ایک سرد آہ کھینچی۔

''امیر! میں تقدیر کی نہیں، تاریخ کی بات کر رہا ہوں۔'' ملک ذیشان نے ایک ایسی دلیل پیش کی، جسے جھٹلانا ممکن نہیں تھا۔ ''میری رائے تو یہی ہے کہ آپ بلا تاخیر سلطانِ معظم سے رشتے کی بات کریں۔''

التونیہ نے چونک کر ملک ذیشان کی طرف دیکھا۔

''اس لئے کہ شہزادی جوانی کی منزل تک پہنچ چکی ہیں۔'' ملک ذیشان نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ ''اگر کسی دوسرے سردار نے اپنے رشتے کا پیغام دے دیا تو بات بگڑ جائے گی۔''

ملک التونیہ کئی دن تک ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا۔ پھر ایک روز ملک ذیشان کو لے کر سلطان التمش کی خدمت میں حاضر ہوا۔

❁==❁==❁

سلطان بہت خوش تھا۔ ایک سال کے دوران رضیہ سلطانہ نے بہترین انتظامی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا تھا اور بڑے بڑے ہنگاموں پر انتہائی سلیقے کے ساتھ قابو پایا تھا۔ نوعمر شہزادی نے سیاست کے امتحان میں اس طرح کامیابی حاصل کی تھی کہ جہاں دیدہ اور تجربہ کار سیاست داں بھی پیچھے رہ گئے تھے۔

''میں عنقریب تمہاری ولی عہدی کا اعلان کرنے والا ہوں۔'' التمش نے بڑے رازدارانہ لہجے میں بیٹی سے کہا۔

''مگر بابا محترم! میں تو ایک عورت ہوں۔'' رضیہ سلطانہ کے جسم میں حیرت ومسرت کی ایک تیز لہر دوڑ گئی تھی۔

''کیا میری سیادت پر اراکینِ سلطنت راضی ہو جائیں گے؟'' یہ کہہ کر شہزادی نے وہ تمام واقعات دہرا دیئے، جو سلطان کی عدم موجودگی میں پیش آئے تھے۔ ملکۂ ہند ترکان شاہ اور شہزادہ رکن الدین کی چال بازیاں.....وزیراعظم نظام الملک کی فریب کاریاں.....امیر آخور کو زہر دیئے جانے کا قصہ.....اور دیگر سازشیں۔

''اگر یہ سرخ آندھیاں نہ چلیں تو پھر حکمراں کی طاقتِ پرواز کا اندازہ کس طرح ہو گا؟'' سلطان التمش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''سازگار موسم میں تو چڑیاں بھی پرواز کر لیتی ہیں۔ تم میرے شاہین ہو۔ تمہاری زبان سے موسم کی شکایت اچھی نہیں لگتی۔ وہ ترکان شاہ ہو یا نظام الملک، شہزادہ رکن الدین ہو یا کوئی دوسرا ترک سردار، ان سب کو تمہاری قیادت پر راضی ہونا پڑے گا۔'' یکایک التمش کے لہجے سے جلالِ سلطانی کا اظہار ہونے لگا تھا۔

رضیہ سلطانہ تصورات کی دنیا میں کھو گئی۔ اس کی جاگتی آنکھوں نے دیکھا کہ تمام شہزادے اور بڑے بڑے ترک سردار اس کے سامنے سر جھکائے کھڑے ہیں اور فضا ''سلطانِ معظم'' کی پُرشور آوازوں سے گونج رہی ہے۔ دنیا کی کوئی لذت، اقتدار کی لذت سے زیادہ سرور انگیز نہیں ہوتی۔ شہزادی کے دل ودماغ پر بھی اقتدار کا نشہ طاری تھا۔ وہ اس وقت ایک ایسی دنیا میں پرواز کر رہی تھی، جہاں اس کے سوا کسی دوسرے کا وجود باقی نہیں تھا۔

''سردار ملک التونیہ شرفِ باریابی چاہتے ہیں۔'' ایک کنیز نے کمرے میں داخل ہو کر عرض کیا۔

کنیز کی آواز سن کر شہزادی اپنے خیالات کی دنیا سے باہر نکل آئی۔ رضیہ سلطانہ کو اس وقت ملک التونیہ کی مداخلت سخت گراں گزری تھی۔

التمش نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا۔ رضیہ، باپ کا اشارہ پاتے ہی اُٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

❁==❁==❁

ملک التونیہ اپنے مشیرِ خاص کے ساتھ سلطان کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ التمش نے ملک ذیشان پر اچٹتی سی نظر ڈالی۔

''یہ میرا مشیرِ خاص ہے۔'' ملک التونیہ نے عرض کیا جو سلطان کے روبرو گھٹنوں کے بل جھکا ہوا تھا۔

التمش نے مسکراتے ہوئے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی۔ ملک التونیہ اور ملک ذیشان سیدھے کھڑے ہو گئے۔ دونوں کا سلام قبول ہو چکا تھا۔

''اے عظیم باپ! تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو.....اور تیرے بیٹوں پر تیرا سایہ تادیر قائم رہے۔ تیرے جلالِ ایمانی کا یہ عالم ہے کہ تجھے دیکھ کر باطل کے قلعے سرنگوں ہو گئے ہیں اور اہلِ کفر کی بستیوں میں ہر طرف خاک اُڑ رہی ہے۔ یہ منکرینِ حق کہاں تک بھاگیں گے کہ ہندوستان کا ایک ایک گوشہ تیری جاگیر و ملکیت ہے۔'' ملک التونیہ کی پُرسوز آواز سے بارگاہِ سلطانی کی فضا گونج رہی تھی۔

التمش سر جھکائے التونیہ کا قصیدہ سن رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوا تو سلطان نے سر اٹھایا۔ والیٔ ہند کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''التونیہ! تیرا باپ تجھ سے راضی ہے۔'' التمش کی آواز جوشِ جذبات سے گزر رہی تھی۔ ''مگر یاد رکھ کہ ہندوستان کی یہ زمین تیرے باپ کی جاگیر و ملکیت نہیں۔ الحکم للہ والملک للہ۔''

التونیہ نے سر جھکا دیا۔ التمش اپنی نشست سے اُٹھا اور پھر اس نے اپنے گلے کا قیمتی ہار التونیہ کو پہنا دیا۔ التونیہ ایک بار پھر گھٹنوں کے بل جھکا اور تین بار اس نے سلطان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

التمش کچھ دی تک بٹھنڈہ اور گرد و پیش کے علاقوں کے حالات دریافت کرتا رہا۔ پھر جب سلطان نے سکوت اختیار کیا تو ملک التونیہ کھڑا ہو گیا۔

''سلطانِ عالی قدر! یہ ملک ذیشان کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔''

التمش نے ملک ذیشان کی طرف دیکھا۔

''شاید یہ میری موجودگی میں جرأتِ اظہار نہ کر سکے۔'' ملک التونیہ نے رخصت کی اجازت طلب کی اور اُلٹے قدموں واپس چلا گیا۔

ملک التونیہ کے جاتے ہی ملک ذیشان نے عرض کیا۔

''اگر آپ حاکمِ بٹھنڈہ کو اپنی فرزندی میں قبول فرمالیں تو یہ غلام ہمیشہ اپنی خوش بختی پر نازاں رہے گا۔''

سلطان التمش نے ملک ذیشان کی عرضداشت کو بغور سنا، پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''بے شک! التونیہ میرا لائق بیٹا ہے۔ مگر رضیہ سلطانہ ابھی شادی کے لئے آمادہ نہیں۔ اگر کبھی یہ مرحلہ آیا تو میں سب سے پہلے التونیہ کی سفارش کروں گا۔'' سلطان نے ملک ذیشان کو ٹالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ واقعتاً ملک التونیہ اُسے پسند تھا۔ مگر رضیہ سلطانہ کی شادی کا مسئلہ ابھی قبل از وقت تھا۔ جو دوشیزہ مستقبل قریب میں ولی عہدِ سلطنت کے منصب پر فائز ہونے والی تھی، اسے کسی مرد کا پابند کس طرح کیا جا سکتا تھا؟

ملک التونیہ ناکام واپس چلا گیا۔ اس کے دل و دماغ سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔ مگر یہ سلطان کے خلاف بغاوت نہیں تھی، رضیہ کے عشق کی آتشِ خاموش تھی جو التونیہ کے سینے میں پوری شدت کے ساتھ بھڑک رہی تھی۔

❁==❁==❁

سوامی دینا ناتھ کے زیرِ زمین عشرت کدے میں شراب کا دور چل رہا تھا۔

''مہاراج! آپ نے یہاں آ کر بڑا خطرہ مول لیا ہے۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ نے شراب کا ایک گھونٹ حلق سے اُتارتے ہوئے کہا۔

''جب راج پاٹ لٹ گیا، گھر سے بے گھر ہو گیا تو پھر کیسا خطرہ؟'' راجہ دیوبل کے لہجے سے تلخی جھلک رہی تھی۔

''زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ مارا جاؤں گا۔''

''صرف آپ ہی نہیں، ہم سب بھی مارے جائیں گے۔'' ٹھاکر کے بجائے سوامی دینا ناتھ بول اُٹھا۔ ''ہمارے ہزاروں کارکن بھی بے موت مارے جائیں گے اور پھر وہ تحریک بھی مر جائے گی، جو اس گھپ اندھیرے میں روشنی کی اکلوتی کرن ہے۔ نہیں مہاراج! میں آپ کو یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ بھگوان کے لئے دھرم کے ان سیوکوں پر دیا کیجئے۔'' بظاہر سوامی دینا ناتھ نے راجہ کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے، مگر اس کے چہرے سے شدید ناگواری کا رنگ نمایاں تھا۔

سوامی کے گستاخانہ طرزِ گفتگو نے راجہ دیوبل کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ وقت کی نزاکت کا احساس کر کے وہ اپنے غصے کو دوا کے کڑوے گھونٹ کی طرح پی گیا۔

''سوامی جی آپ بھی سلامت رہیں اور آپ کی یہ تحریک بھی۔ دھرم کے سیوکوں پر یہ داس سو بار قربان۔'' راجہ دیوبل نے عیاری و فریب کاری کی انتہا کو چھو لیا تھا۔ ''میرا کیا ہے، میں آپ کی سرائے کا مسافر ہوں۔ چند راتیں گزار کر کسی اور سرائے میں چلا جاؤں گا۔ اب میں مہاراج نہیں رہا سوامی جی! نگر نگر گھومنے والا ایک بنجارہ ہوں۔''

راجہ دیوبل کی عاجزانہ گفتگو سن کر دینا ناتھ ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ''پھر آپ یہاں کس لئے پدھارے ہیں؟ گوالیار سے بٹھنڈا تک کی لمبی یاترا کا کشٹ کیوں اٹھایا ہے مہاراج؟'' سوامی کا لہجہ نرم تھا مگر لفظوں میں وہی کاٹ تھی۔

''سوڈکھ اُٹھا کر یہاں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں اپنی بپتا سنا سکوں۔'' مکار دیوبل نے یکایک اپنا لہجہ بدل لیا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے تھے۔ ''تمہیں کیا پتہ کہ گوالیار میں بھگوان کے نام لیواؤں پر کیا گزری ہے؟ سلطان التمش نے تمام مندر ڈھا دیئے۔ اس کے بھیڑیے، ہندو کنواریوں کو اُٹھا کر لے گئے۔ راج گھرانے کی کئی دلہنیاں بھی التمش کے قبضے میں ہیں۔'' راجہ دیوبل انتہائی دردناک لہجے میں سلطان کے حیا سوز مظالم کی فرضی داستانیں سنا کر ٹھاکر بلرام سنگھ اور سوامی دینا ناتھ کے مذہبی جذبات کو اُبھارنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور وہ کسی حد تک اپنی ان کوششوں میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔

ٹھاکر بلرام سنگھ پر ایک ہیجانی کیفیت طاری تھی اور سوامی دینا ناتھ جیسا سرد مزاج انسان بھی برہم نظر آ رہا تھا۔

''اب مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں؟'' راجہ دیوبل کسی بھکاری کے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

''ٹھہریئے مہاراج!'' ٹھاکر بلرام سنگھ نے شراب کا پیالہ خالی کر کے قالین پر رکھ دیا۔ ''میں نے گوالیار کے محاصرے کی خبر سن کر اپنے پانچ ہزار راجپوت رضاکار آپ کی مدد کے لئے بھیجے تھے۔ وہ سب کے سب مسلمانوں کے لباس میں تھے تاکہ التمش دھوکا کھا جائے اور پھر وہ جیالے راجپوت، رات کے اندھیرے میں سلطان کے لشکر پر شب خون ماریں اور مسلمان سپاہیوں کو تہہ تیغ کر ڈالیں۔''

''کیسے راجپوت؟'' راجہ دیوبل وحشت زدہ انداز میں ٹھاکر کا منہ دیکھنے لگا۔ ''مجھ تک تو ایک سپاہی بھی نہیں پہنچا۔ اور پہنچ بھی کیسے سکتا تھا؟ گوالیار کا سارا مضافاتی علاقہ، سلطان التمش کے قبضے میں تھا۔''

''اوہ میرے بھگوان!'' ٹھاکر بلرام سنگھ اپنے سر کے بال نوچنے لگا۔ ''میرے ان پانچ ہزار شیروں پر کیا گزری؟ پورا ماہ گزر گئے، مگر ایک بھی پلٹ کر نہیں آیا۔ لگتا ہے کہ وہ سب کے سب التمش کے خونی جبڑوں میں سما گئے۔''

اس انکشاف نے راجہ دیوبل کو بھی غم زدہ کر دیا تھا۔ وہ بار بار کفِ افسوس مل رہا تھا۔

''مہاراج! اب تو صورتِ حال اور بھی خوفناک ہوگئی ہے۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ کے چہرے پر وحشت برس رہی تھی۔

راجہ دیوبل نے استفہامیہ نظروں سے ٹھاکر بلرام سنگھ کی طرف دیکھا۔

''میں نہیں مانتا کہ وہ سب کے سب قتل کر دیئے گئے ہوں گے۔'' بلرام سنگھ بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ ''یقیناً ان میں سے کچھ گرفتار بھی ہوں گے۔''

''پھر تو ہماری خیر نہیں ٹھاکر!'' سوامی دینا ناتھ شدتِ خوف سے کانپنے لگا۔ ''سلطان ہمارے اس سوَرگ کو بھی آگ لگا دے گا۔''

''چپ ہو جا سوامی! مجھے سوچنے دے۔'' بلرام سنگھ نے دینا ناتھ کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''کیا ہوا ٹھاکر؟'' بلرام سنگھ کی بگڑی ہوئی حالت دیکھ کر راجہ دیوبل بھی گھبرا گیا۔

''مجھے امر سنگھ کی فکر ہے۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ کی وحشت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ ''بھگوان کرے کہ وہ قتل کر دیا گیا ہو کہ اُس کا مارا جانا ہی ہماری زندگی کی ضمانت ہے۔ ان پانچ ہزار راجپوتوں کو کچھ نہیں معلوم کہ وہ کس کے اشارے پر کام کر رہے ہیں۔ لیکن امر سنگھ ہماری اس خفیہ پناہ گاہ سے واقف ہے۔ اگر وہ گرفتار ہو گیا اور اس نے ہمارے خلاف زبان کھول دی تو آکاش ٹوٹ پڑے گا۔''

''کیا امر سنگھ اعتبار کا آدمی نہیں؟'' راجہ دیوبل نے پوچھا۔

''ضرب لگانے والے ہاتھ مضبوط ہوں تو چٹانیں بھی ٹوٹ جاتی ہیں۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ جو ساٹھ سال کی عمر میں بھی عزم و ہمت کا پہاڑ تھا، خود بھی اس وقت بکھری ہوئی چٹان نظر آ رہا تھا۔

''سلطان کو دہلی آئے ہوئے کتنے دن گزر چکے ہیں؟'' راجہ دیوبل نے ٹھاکر سے سوال کیا۔

''کوئی دس بارہ دن۔'' بلرام سنگھ نے بے دلی سے جواب دیا۔

''تو پھر امر سنگھ اس دنیا میں موجود نہیں۔'' راجہ دیوبل نے پُر یقین لہجے میں کہا۔ ''اگر وہ زندہ ہوتا تو اب تک....''

''بھگوان کرے ایسا ہو۔'' یہ کہتے ہوئے بلرام سنگھ نے خالی پیالہ اٹھا لیا اور دینا ناتھ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''سوامی! اسے بھر دے۔ آج من بہت اُداس ہے۔''

دینا ناتھ کسی خدمت گار کی طرح صراحی سے شراب لوٹنے لگا۔

راجہ دیوبل کچھ اور بات کہنا چاہتا تھا مگر ٹھاکر بلرام سنگھ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ ''مہاراج! پھر کسی وقت۔ آپ نہیں جانتے کہ موت ہمارے دروازے پر کھڑی ہے۔ پہلے یہ تو پتہ چل جائے کہ امر سنگھ زندہ ہے یا مر گیا؟..... آپ مطمئن رہیں۔ مجھ سے جو کچھ بن پڑا، ضرور کروں گا۔ فی الحال آپ سادھوؤں کا لباس پہن لیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ اگلے لمحے کیا ہونے والا ہے۔'' یہ کہہ کر ٹھاکر نے مندر کے ایک سیوک کو آواز دی۔

سیوک کمرے میں داخل ہوا تو بلرام سنگھ نے راجہ دیوبل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ بنارس کے زمیندار ہیں، دیوی کے درشن کے لئے آئے ہیں۔ انہیں ان کے کمرے میں پہنچا دو۔''

جب سیوک، راجہ دیوبل کو لے کر چلا گیا تو سوامی دینا ناتھ نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ مصیبت کہاں سے آ گئی ٹھاکر؟ اسے کل صبح ہوتے ہی ٹال دے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ میرا سمے قریب آ گیا ہے۔''

''سوامی! اگر تُو اسی طرح ڈرتا رہا تو وقت سے پہلے تیرا دم گھٹ جائے گا۔'' ٹھاکر نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''راجہ دیوبل مصیبت نہیں، ہماری تحریک کا سرپرست ہے۔ اب تک لاکھوں روپے دان کر چکا ہے۔ ہمیں اس کا کام کرنا ہی ہوگا۔''

''کیا ہم اس کے ساتھ مل کر سلطان سے جنگ کریں گے؟'' سوامی دینا ناتھ کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

''جنگ تو نہیں کریں گے مگر اپنے محسن کو اس آڑے وقت میں تنہا بھی نہیں چھوڑیں گے۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ اُٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

جب سوامی دینا ناتھ تنہا رہ گیا تو اس کی سماعت میں اس کے گرو کے الفاظ گونجنے لگے۔

''سلطان التمش کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ وہ سب سے بڑے فقیر کی دعاؤں کے سائے میں ہے۔''

پھر یہ گونج اتنی بڑھی کہ اسے در و دیوار چیختے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ آخر سوامی دینا ناتھ نے طے کر لیا کہ اگر راجہ دیوبل نے کسی خطرناک کام کے لئے کہا تو وہ یہاں سے فرار ہو جائے گا اور سلطان کے قدموں میں پناہ ڈھونڈے گا۔

❁==❁==❁

اسی رات سلطان التمش نے بہرام غوری اور سیف الدین ایبک کو اپنی مخصوص نشست گاہ میں طلب کیا۔ رضیہ سلطانہ وہاں پہلے سے موجود تھی۔

شہزادی کی موجودگی کا احساس کر کے بہرام غوری کی حالت غیر ہوگئی۔ کوئی ڈیڑھ سال بعد اس نے اپنے محبوب کو اس قدر قریب سے دیکھا تھا۔

''غوری! تم کچھ بیمار نظر آتے ہو۔'' سلطان نے اپنے نائب سپہ سالار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''تھک گیا ہوں حضورِ والا!'' بہرام غوری نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا۔

شہزادی نے نقاب کے پیچھے سے اپنے اتالیق کو دیکھا۔ غوری بہت بدل گیا تھا۔ سرخ و سفید رنگت دھواں دھواں ہو رہی تھی۔ گوالیار کے محاصرے کے دوران سر پر تیز دھوپ اور سینے میں ہر وقت بھڑکتی ہوئی آگ نے غوری شہزادے کو جلا کر رکھ دیا تھا۔

''امر سنگھ نے زبان کھولی؟'' سلطان کے چہرے پر تشویش کے آثار نظر آ رہے تھے۔ ''اس کی خاموشی کی وجہ سے میرے کئی ضروری کاموں میں تاخیر ہو رہی ہے۔ میں گوالیار سے براہِ راست ''مالوہ'' پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر ان بدبختوں کی وجہ سے مجھے دہلی واپس لوٹنا پڑا۔''

''سر سے پاؤں تک زخمی ہے۔ مگر سر نہیں جھکایا۔'' بہرام غوری نے مختصراً عرض کیا۔

''اسے زبان تو کھولنا ہی پڑے گی۔'' یہ کہہ کر سلطان اُٹھ کھڑا ہوا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔ میں دیکھتا ہوں۔''

رضیہ سلطانہ نے رخصت کی اجازت طلب کی۔

''تم بھی آؤ بیٹی! تمہارے لئے ہر صورتِ حال کا جاننا بہت ضروری ہے۔'' سلطان التمش مڑ کر رضیہ سلطانہ سے مخاطب ہوا۔ ''یہ ان ہی راجپوتوں کا سرغنہ ہے، جو مسلمانوں کا لباس پہن کر عقب سے مجھ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔''

التمش اپنے کمرے سے باہر آیا۔ رضیہ سلطانہ، باپ کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ سیف الدین ایبک اور بہرام غوری کچھ فاصلے پر تھے۔ طویل فاصلہ طے کر کے سلطان قلعے کے اس حصے میں پہنچا، جہاں زیر زمین ایک قید خانہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اس قید خانے میں خطرناک قسم کے قیدی رکھے جاتے تھے۔ امر سنگھ بھی اسی جگہ قید تھا۔

سلطان نے راجپوت نوجوان پر نظر ڈالی۔ امر سنگھ کا پورا جسم زخموں سے بھرا ہوا تھا۔ بیک وقت کئی انسانوں کے قدموں کی چاپ سن کر اس نے سر اٹھایا۔ سلطان کو اپنے سامنے پا کر امر سنگھ کی آنکھوں میں نفرتوں کا طوفان کروٹیں لینے لگا۔

''سو بار مجھے قتل کر اور سو بار زندہ کر..... مگر وہی ایک حرفِ انکار۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔'' شدید نقاہت کے سبب امر سنگھ کی زبان لڑکھڑا رہی تھی مگر تیور بہت خطرناک تھے۔

''میں تیری مردانگی کی قدر کرتا ہوں امر سنگھ!'' سلطان کا لہجہ نرم تھا۔ ''مجھے بس اتنا بتا دے کہ تُو کس کے کہنے پر مسلمان ہوا تھا؟ اور پھر تُو نے میرے خلاف تلوار کیوں اٹھائی تھی؟ میں تجھ پر اپنے الطاف و کرم کی بارش کر دوں گا۔''

''نہیں چاہئے مجھے تیری بھیک میں دی ہوئی زندگی۔'' امر سنگھ نے چیخنے کی کوشش کی مگر ناتوانی کے سبب اُس کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔ ''سلطان! یاد رکھ کہ میں ایک راجپوت ہوں اور تیرے اقتدار کو ٹھوکر مارتا ہوں۔'' زخموں کی سوزش نے امر سنگھ کو پاگل بنا دیا تھا۔

جیسے ہی اُس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے، بہرام غوری اور سیف الدین ایبک کی شمشیریں بے نیام ہو گئیں۔

''بس حضورِ والا! اب اجازت دیجئے۔'' بہرام غوری کے لہجے سے آگ برس رہی تھی۔

''نہیں غوری! ایک محکوم ہمیں گالیوں کے سوا اور کیا دے سکتا ہے؟ بس یہی اس کا سرمایہ ہے۔'' سلطان التمش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو خود چاہتا ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے مگر ہم اسے زندہ رکھیں گے تاکہ یہ سالہا سال اپنی آنکھوں سے ہمارے اقتدار کے بے شمار مظاہرے دیکھے۔ اور اس کی ہر سانس اسے غلامانہ زندگی کا احساس دلائے۔'' یہ کہہ کر سلطان واپس جانے کے لئے مڑا۔

امر سنگھ، سلطان کی شان میں انتہائی غلیظ کلمات ادا کر رہا تھا مگر والیٔ ہند نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

❁==❁==❁

ٹھاکر بلرام سنگھ کے جاسوس کئی دن تک بھکاریوں کی شکل میں قلعے کے اردگرد گھومتے رہے مگر کسی شہری کی زبان پر مفرور راجپوتوں کا ذکر نہیں تھا۔ آخر بلرام سنگھ کو یقین آ گیا کہ امر سنگھ مر چکا ہے ورنہ اب تک سلطان کی طرف سے س سازش کے خلاف کوئی نہ کوئی کارروائی کی جا چکی ہوتی۔ ٹھاکر نے سکون کی سانس لی اور سوامی دینا ناتھ کو اپنے ہمراہ لے کر رام دیوبل کے کمرے میں پہنچا۔

''بھگوان کی کرپا سے خطرہ ٹل گیا۔'' بلرام سنگھ کے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔ ''اب آپ تائیے مہاراج! کہ ہم آپ کی کیا سیوا کر سکتے ہیں؟''

''میں سلطان سے راج گھرانے کی بیٹیوں اور ہندو کنیاؤں کی بے آبروئی کا انتقام لینا چاہتا ہوں۔'' راجہ دیوبل نے اس طرح اپنا مدعا بیان کیا کہ اس کے چہرے پر نفرت و غضب کی آگ روشن تھی۔

''وہ کس طرح؟'' بلرام سنگھ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''مفتوحہ علاقوں کی ہندو لڑکیوں کو تبدیلیٔ مذہب پر مجبور کیا جاتا ہے اور پھر یہ مسلمان ان سے شادیاں کر لیتے ہیں۔'' راجہ دیوبل غضب ناک لہجے میں بول رہا تھا۔ ''تجھے یاد ہو گا ٹھاکر! کہ ''اوچ'' کے راجہ کی لڑکی کو بھی اسی طرح مسلمان کیا گیا تھا اور شہاب الدین غوری نے اس سے شادی کر لی تھی۔ میں بھی سلطان التمش کی بیٹی کو ہندو کر کے اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

ٹھاکر بلرام سنگھ اور سوامی دینا ناتھ آنکھیں پھاڑے راجہ دیوبل کی باتیں سن رہے تھے۔

''راج پاٹ کی بازی تو ہار گیا۔ لیکن اگر میں نے یہ بازی جیت لی تو سلطان کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ اور پھر باقی ہندو ریاستیں اس کے فتنہ و شر سے محفوظ ہو جائیں گی۔''

راجہ دیوبل کی گفتگو سن کر سوامی دینا ناتھ اور ٹھاکر بلرام سنگھ کو سکتہ سا ہو گیا تھا۔

''اب اس کے سوا کوئی راستہ نہیں۔'' راجہ دیوبل نے سوامی دینا ناتھ اور ٹھاکر بلرام سنگھ کو خاموش پا کر کہا۔

''نہیں..... ہرگز نہیں۔'' یکایک سوامی چیخنے لگا۔ ''کیا شہزادی رضیہ سلطانہ سے شادی کرنا ایسا ہے کہ آپ نے اپنے چند سپاہی بھیج کر کسی دیہاتی لڑکی کو اُٹھوا لیا اور پھر اُسے اپنی داسی بنا لیا؟ اگر آپ کو سلطان کی بیٹی سے شادی ہی کرنا ہے تو دہلی کے قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا دیجئے۔ پھر تو ممکن ہے کہ آپ کا یہ خواب پورا ہو جائے۔ ورنہ لوگ پاگل کہیں گے۔'' جوشِ جذبات میں سوامی کا لہجہ گستاخانہ ہو گیا تھا۔

''مجھے پاگل کہتا ہے سوامی! اس درندے کے پاگل پن کو نہیں دیکھتا۔'' راجہ دیوبل نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا۔

''وہ اقتدار میں ہے۔ اسے کوئی پاگل نہیں کہے گا۔'' سوامی دینا ناتھ سے دلائل میں کون جیت سکتا تھا؟ ''لوگ اُس کی دیوانگی کی بھی تعریفیں کریں گے۔ پاگل تو ہم ہیں کہ جنگ ہار گئے ہیں۔''

''میں اسی ہاری ہوئی جنگ کو تو جیتنا چاہتا ہوں۔'' مصلحت کو دیکھتے ہوئے راجہ دیوبل ایک بار پھر ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ''معاف کیجئے مہاراج! جنگ اس طرح نہیں جیتی جاتی۔'' سوامی کھلے لفظوں میں راجہ دیوبل کا مضحکہ اُڑا رہا تھا۔

''بالفرض اگر آپ شہزادی رضیہ سلطانہ سے شادی کرنے میں کامیاب ہو گئے مگر اس کے بعد؟..... آپ کو خبر ہے کہ سلطان کا ردِعمل کیا ہو گا؟ اپنی ایک بیٹی کے بدلے میں وہ لاکھوں ہندو بیٹیوں کو بے آبرو کر دے گا۔ اور وہ اپنے اس انتقام میں حق بجانب ہو گا۔ دنیا کا کوئی بھی قانون اسے نہیں، آپ کو مجرم قرار دے گا کہ آپ کی ایک جذباتی غلطی کے باعث پوری ہندو قوم برباد ہو گی۔''

سوامی دینا ناتھ بڑے ہوش کی باتیں کر رہا تھا مگر راجہ دیوبل پر بس ایک ہی دھن سوار تھی..... انتقام اور صرف انتقام۔

''اگر ہم ایسا نہیں کریں گے، تب بھی سلطان کا یہی عمل ہو گا۔'' راجہ دیوبل، سوامی دینا ناتھ کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''التمش ریاست ''جالور'' کو کھا گیا۔ اس نے ''رنتھنبور'' جیسے ناقابلِ تسخیر قلعے پر اپنا پرچم لہرایا۔ لکھنوتی اور بہار کو نگل گیا۔ اتنی بڑی ریاست گوالیار بھی اس کے شکم میں سما گئی۔ کیا یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ ہم نے اس کی بیٹی پر جبر کیا تھا؟..... نہیں سوامی! نہیں۔ تیری ساری زندگی مندروں کی گھنٹیاں سنتے اور بھجن گاتے گزری ہے۔ تجھے کیا معلوم کہ راج نیتی کے سانپ کے کتنے منہ ہوتے ہیں..... اس کے ہزار منہ ہوتے ہیں مگر اس کے ہر

منہ سے زہر ہی ٹپکتا ہے۔ تُو کالے ناگ کی کتنی ہی سیوا کر لے مگر وہ تجھے امرت نہیں دے سکتا۔'' اگرچہ ایک ہندو ہونے کی حیثیت سے راجہ دیوبل بھی ''ناگ پنچمی'' کی پوجا کرتا تھا اور زہریلے سانپوں سے امرت کی توقع رکھتا تھا لیکن سلطان التمش سے انتقام لینے کی خاطر وہ اپنی پوجا کو بھی جھٹلا رہا تھا۔

''کچھ بھی ہو مہاراج! اس سانپ کو نہ چھیڑیئے۔'' سوامی دینا ناتھ کی بھی ایک ہی رٹ تھی اور وہ کسی طرح قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ ''یہ بیٹھا ہے ٹھاکر۔ پوچھ لیجئے اس سے۔'' دینا ناتھ نے بلرام سنگھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ٹھاکر بہت دیر سے ٹکٹکی باندھے راجہ دیوبل اور سوامی کی باتیں سن رہا تھا۔ ''میں نے بلرام سنگھ سے بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ سلطان التمش کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میرے گرو نے بھی یہی کہا تھا اور میں بھی یہی کہتا ہوں۔''

''سوامی! بس رہنے دے اپنے گیان کی باتیں۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ نے پہلی بار اپنے ہونٹوں کو جنبش دی۔ ''جب دشمن سے سامنا ہو تو گیان کی نہیں، بازوؤں کی شکتی کام آتی ہے۔''

''تیرے بازوؤں میں شکتی ہے؟'' بلرام سنگھ کو راجہ دیوبل کا طرف دار پا کر سوامی دینا ناتھ جھنجلا گیا تھا۔

''ہاتھوں میں نہیں، دماغ میں تو ہے۔'' ٹھاکر کی آواز میں کسی درندے کی سی غراہٹ تھی۔

''تُو پاگل ہو گیا ہے ٹھاکر!'' سوامی دینا ناتھ بھی آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ ''مگر یاد رکھ کہ میں تیرے اس پاگل پن میں شریک نہیں ہوں۔ تُو اپنے ہر کام کا خود ذمے دار ہو گا۔'' سوامی نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کل کسی وقت سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر مذہب اسلام قبول کر لے گا اور اس کے ساتھ ہی والیٔ ہند سے درخواست کرے گا کہ اسے مکمل طور پر تحفظ دیا جائے۔

''ٹھیک ہے سوامی!'' بلرام سنگھ نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔ ''تیرا ساتھ چھوڑ دینا ہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔ تجھ جیسا کائیر (بزدل) مذہب کی جنگ لڑ بھی نہیں سکتا۔'' یہ کہہ کر ٹھاکر بلرام سنگھ، راجہ دیوبل سے مخاطب ہوا۔

''مہاراج! میں آپ کے ساتھ ہوں۔ مگر.....''

''مگر کیا؟'' راجہ دیوبل نے چونک کر پوچھا۔

''اس کھیل میں سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔'' بلرام سنگھ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''ہاں! اگر شہزادی رضیہ سلطانہ ہمارے ہاتھ آ گئی تو پھر کسی نقصان کی پروا نہیں۔''

راجہ دیوبل بہت زیادہ خوش نظر آ رہا تھا۔

''اچھا! تو مجھے آ گیا دیجئے۔'' یہ کہہ کر سوامی دینا ناتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں آپ لوگوں کو آتما ہتیا (خودکشی) کرتے نہیں دیکھ سکتا۔'' سوامی کے چہرے پر شدید ناگواری کے آثار نمایاں تھے۔ وہ تیز قدموں کے ساتھ زیرِ زمین عشرت کدے سے نکل کر اپنے پوجا کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

دینا ناتھ کے جاتے ہی راجہ دیوبل نے بلرام سنگھ سے کہا۔ ''ٹھاکر! سوامی کو سمجھانے کی کوشش کر۔ اس کی ناراضگی سے ہمارا بنا بنایا کھیل بگڑ بھی سکتا ہے۔''

''نہیں مہاراج!'' بلرام سنگھ کے لہجے سے مایوسی جھلک رہی تھی۔ ''اب اسے کوئی نہیں سمجھا سکتا۔ وہ پہلے بھی ہمیں راستے میں چھوڑ کر بھاگ جانے کی دھمکیاں دیتا رہا ہے۔ کیا کریں، دیوتاؤں کی یہی مرضی ہے۔''

❄==❄==❄

شہزادی کی کنیزِ خاص فردوس نے رات کے پچھلے پہر نائب سپہ سالار بہرام غوری کے دروازے پر دستک دی۔ بہرام غوری گھبرا کر اُٹھا اور پھر جب اس نے فردوس کو اپنی نظروں کے سامنے پایا تو حیرت زدہ رہ گیا۔

''تم اس وقت؟'' بہرام غوری ایک طرف ہٹ گیا اور اس نے فردوس کو اندر آنے کا راستہ دے دیا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے شہزادی عالیہ کی خدمت سے فرصت ملی ہے۔'' فردوس کی سانسیں چڑھی ہوئی تھیں۔

بہرام غوری نے دروازہ بند کر دیا اور فردوس کے قریب آ گیا۔

''خدا کا شکر ہے کہ آپ قلعۂ معلّٰی میں مقیم ہیں۔'' فردوس کی آنکھوں میں ناقابلِ بیان مسرت کروٹیں لے رہی تھی۔ ''اگر فوجی چھاؤنی چلے گئے ہوتے تو مجھے آپ تک پہنچنے میں سخت دشواریاں پیش آتیں۔''

''ہاں فردوس! چند دنوں کا بسیرا ہے۔ پھر وہی محاذِ جنگ ہو گا یا فوجی چھاؤنی۔ مگر تم اس وقت کیسے آئی ہو؟'' بہرام غوری کا لہجہ سرد تھا۔

فردوس کا دلکش چہرہ بجھ کر رہ گیا۔ وہ چند لمحوں تک پلکیں جھپکائے بغیر بہرام غوری کو دیکھتی رہی، پھر بہت آہستہ سے بولی۔ ''مجھے تو اُمید تھی کہ شہنشاہ یاد فرمائیں گے۔ مگر جب وقت گزرتا چلا گیا تو احساس ہوا کہ شہنشاہ، شہنشاہ ہوتا ہے اور کنیز، کنیز۔''

''میں شہنشاہ نہیں ہوں فردوس!'' بہرام غوری نے کنیز کے جذبۂ عقیدت کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ ''میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تم مجھے اس لقب سے یاد نہ کیا کرو۔''

''میں بھی وضاحت کر چکی ہوں کہ میرے تاجدارِ دل صرف آپ ہیں۔'' فردوس کے لہجے میں بڑا تاثر تھا۔ ''جسم کی غلامی کا عہد، سلطان شمس الدین التمش کے ساتھ..... مگر دل کی مملکت آپ کے لئے۔''

''چلو! یوں ہی سہی۔'' بہرام غوری کے ہونٹوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ اُبھر آئی۔ ''میں بھی تمہیں یاد کرتا ہوں، مگر شریکِ دل نہیں کر سکتا۔ بے خبر لڑکی! میری مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کر۔'' بہرام غوری کا لہجہ کسی قدر سخت تھا مگر اس سے خلوصِ دل نمایاں تھا۔

''میں بھی تو مجبور ہوں شہنشاہ!'' فردوس نے بہرام غوری کے سامنے اپنا دامن پھیلا دیا۔ ''میں تو صرف آپ کی توجہ کی بھیک چاہتی ہوں۔ میری محبت کو اس بات کی سند دے دیجئے کہ میرے دل پر آپ کے سوا کسی مرد کا سایہ تک نہیں پڑا ہے۔''

''تُو عظیم ہے فردوس!..... بہت عظیم۔'' بہرام غوری کے لہجے میں دل کا گداز شامل تھا۔ ''میرے بس میں ہوتا تو تیرے ہی شبستانِ دل کی طرف پلٹ کر آتا۔ مگر کیا کروں کہ میرے تو سارے اختیارات ہی چلے گئے۔''

''بس میرے لئے یہی کافی ہے۔'' فردوس نے بے اختیار ہو کر بہرام غوری کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ ''شہنشاہ جب بھی لوٹیں گے، میرے شبستانِ دل کا دروازہ کھلا ہوا پائیں گے۔''

بہرام غوری کچھ دیر تک سکوت کے عالم میں ایک ہی زاویے سے بیٹھا رہا۔ پھر جب اسے اپنے پیروں پر نمی کا احساس ہوا تو بے چین ہو گیا۔ ''کیوں برباد کرتی ہے ان نایاب موتیوں کو؟'' بہرام غوری نے بے ارادہ فردوس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''آنے والا موسم بڑا عذاب ناک ہو گا، بڑی گھٹن ہو گی، ہر طرف قحطِ آب ہو گا۔ اس وقت کے لئے ان آنسوؤں کو بچا کے رکھ۔''

فردوس نے سر اٹھایا اور بہرام غوری کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان لے کر دیکھنے لگی۔

نائب سپہ سالار نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

''اس سے زیادہ موسم کی سختیاں اور کیا ہوں گی؟'' شدتِ جذبات سے فردوس کی آواز لرز رہی تھی۔ ''کیسی خوبصورت عمارت کو کھنڈر بنا ڈالا۔''

''اسی طرح تُو بھی ایک دن کھنڈر ہو جائے گی فردوس!'' بہرام غوری نے آہستہ سے اس کے ہاتھ الگ کر دیئے۔

''مگر یہ کھنڈر آنے والے لوگوں کو ہمیشہ احساس دلاتے رہیں گے کہ ایک عظیم الشان عمارت آباد تھی۔'' بہتے ہوئے آنسو فردوس کے رخساروں پر ایک لکیر بناتے ہوئے گزر رہے تھے اور بہرام غوری کو محسوس ہو رہا تھا جیسے دونوں جانب کہکشائیں روشن ہو گئی ہیں۔ سیاہ رات میں روشنی کے دو راستے۔

''تُو سچ کہتی ہے فردوس! مگر کوئی نہیں جانتا کہ کھنڈر ہونے تک تیرے دل پر کیا گزرے گی؟'' بہرام غوری صرف ایک جانباز کنیز کی خاطر مسکرا رہا تھا۔ ورنہ اس کے ہونٹوں سے تو ہنسی اسی دن رُوٹھ گئی تھی، جب شہزادی رضیہ سلطانہ نے اس کے عشق کی نفی کر دی تھی۔ بہرام غوری چاہتا تو فردوس کے جذبوں کو پامال کر کے آگے بڑھ جاتا۔ مگر اسے عشق کی توہین گوارا نہیں تھی۔

''میں زندگی کی ہر اذیت سے گزر جاؤں گی، مگر میرا شہنشاہ مجھے کھنڈر ہونے تک دیکھتا رہے۔'' فردوس کے رخساروں پر چمکنے والی کہکشاؤں نے یکایک دہکتے ہوئے سورج کی شکل اختیار کر لی تھی۔

بہرام غوری ایک بار پھر جبراً مسکرایا۔ ''جہاں تک آنکھوں کی روشنی کام کرے گی، وہاں تک تجھے دیکھتا رہوں گا۔''

فردوس واپس چلی گئی۔ اس کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ کنیز کو یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے زمین بہت نیچے رہ گئی ہو اور وہ کہکشاں کے اوپر سے گزر رہی ہو۔ پوری فضا معطر تھی۔ جیسے آسمانوں میں مشک اور عود و عنبر سلگا دیئے گئے ہوں۔ یہ محبوب کے جسم کے لمس کی تاثیر تھی، جس نے ہواؤں کو کیف و سرور میں بھگو دیا تھا۔

❁==❁==❁

آدھی رات گزر چکی تھی مگر رضیہ سلطانہ ابھی تک اپنے نرم و گداز بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ بار بار اس کی سماعت میں سلطان التمش کے الفاظ گونج رہے تھے۔

''بیٹی! ملک التونیہ تمہارے رشتے کے لئے درخواست لے کر آیا ہے۔ میں نے اس کی درخواست مسترد تو نہیں کی کہ التونیہ ایک وجیہہ، شجاع اور وفادار مرد ہے۔ میں اسے پسند کرتا ہوں۔ مگر میں اپنی پسند کو تمہاری مرضی پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ تمہارے سامنے ایک عظیم مقصد ہے۔ اگر شادی سے یہ مقصد متاثر ہوتا ہو تو پھر تم اپنے فیصلے میں آزاد ہو۔''

''بابا محترم! مجھے یہ مقصد اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز ہے۔'' رضیہ سلطانہ نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں جھجک ضرور تھی مگر چہرے پر اس روایتی شرم و حیا کا عکس نہیں تھا جو مشرقی عورتوں کی فطرتِ ثانیہ ہوتی ہے۔ جنگی تربیت کے دوران ہی شہزادی کی شخصیت سے مردانہ پن جھلکنے لگا تھا۔ پھر جب وہ ایک سال سے زیادہ عرصے تک دربارِ عام میں تختِ سلطانی پر جلوہ افروز ہوئی اور اس نے پوری استقامت کے ساتھ مردوں کے خلاف سینکڑوں فیصلے کئے تو اس کی نسوانیت بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔

التمش اُس کے خدوخال میں سلطانِ ہند کو دیکھ رہا تھا۔ اور رضیہ خود اپنے آپ کو سلطان کا سب سے بڑا بیٹا سمجھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ جب شہزادی نے باپ کی زبان سے اپنی شادی کا ذکر سنا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے ملک التونیہ نے کوئی عجیب بات کہہ دی ہو۔

اگرچہ التونیہ، ٹھنڈہ واپس جا چکا تھا، لیکن رضیہ سلطانہ کے ذہن میں ایک خلش سی چھوڑ گیا تھا..... اور اب وہی خلش اُسے بے چین کئے ہوئے تھی۔

''التونیہ مجھے محکوم دیکھنا چاہتا ہے؟'' شہزادی نے اپنے آپ سے سوال کیا اور بستر سے اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔ ''وہ رشتے کی بات نہیں، میرے لئے زنجیر لے کر آیا تھا۔ میں یہ زنجیر کیسے پہن لوں؟ بابا محترم کی سلطنت کا کیا ہوگا؟ وہ کسی غیر کی میراث بن کر رہ جائے گی۔''

رضیہ بظاہر دہلی کے تخت و تاج کو بچانے کی بات کرتی تھی، لیکن دراصل اُس کی روح کی گہرائیوں میں آزادی اور حکمرانی کا جذبہ پرورش پا چکا تھا۔ پھر وہ ملک التونیہ یا کسی دوسرے مرد کا پیغام کیا سنتی؟ اس نے تو بڑے سے بڑے منصب دار کو اپنے سامنے دست بستہ کھڑے دیکھا تھا۔

یکایک شہزادی کی نظروں کے سامنے جمال الدین یاقوت حبشی کا چہرہ اُبھر آیا۔ ایک فرمانبردار اور جاں نثار مرد.....

رضیہ سلطانہ دوبارہ اپنے بستر پر دراز ہو گئی۔ پھر حبشی زادے کے حوالے سے کئی گم گشتہ مناظر تازہ ہو گئے اور شہزادی کو اپنی ذات کی جلوہ گاہ میں قدم قدم پر سجدوں کے نشانات دکھائی دینے لگے۔ یہ تمام سجدے ایک ہی مرد نے ادا کئے تھے۔ اور وہ مرد، جمال الدین یاقوت تھا۔ رضیہ سلطانہ کی انا تسکین پانے لگی۔ وہ مردِ شجاع تھا، مگر ایک عورت کی بارگاہ میں خم تھا۔ شہزادی کو ایک ناقابلِ بیان کیف و سرور کی حالت کا احساس ہوا اور پھر وہ اسی عالم میں نیند کے جزیرے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

❁==❁==❁

سوامی دینا ناتھ نے نوشتۂ دیوار پڑھ لیا تھا اور اس کے کان مسلسل کسی سنگین خطرے کی آہٹیں سن رہے تھے۔ سلطان التمش کے معتوب راجہ دیوبل کی آمد ہی کچھ کم قیامت خیز نہیں تھی۔ اس پر شہزادی رضیہ سلطانہ سے شادی کرنے کا منصوبہ؟ یہ سوچ کر ہی دینا ناتھ کی روح تک لرز اُٹھی تھی۔ آخر سوامی نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس خوفناک سازش کو سلطان کے گوش گزار کر کے اپنے لئے امان مانگ لے گا۔ دینا ناتھ نے بڑی مشکل سے رات بسر کی۔ پھر جب وہ صبح ہوتے ہی کٹیا سے فرار ہونے کے لئے کمرے کے دروازے پر آیا تو وہاں خلافِ توقع اپنے خاص سیوک چندو لال کے بجائے دو لحیم شحیم مسلح نوجوانوں کو کھڑے پایا۔ چند لمحوں تک دینا ناتھ پر حیرت و استعجاب کی کیفیت طاری رہی مگر فوراً ہی وہ اپنے ذہن کو جھٹک کر آگے بڑھا۔ سوامی کا ایک قدم اندر تھا اور دوسرا باہر تو مسلح نوجوانوں نے اپنی بے نیام تلواریں دینا ناتھ کے سامنے کر دیں۔

''یہ کیا۔ بے ہودگی ہے؟'' سوامی چیخ کر بولا۔

''آپ باہر نہیں جا سکتے۔'' ایک مسلح نوجوان نے سخت لہجے میں کہا۔

''کیوں؟'' دینا ناتھ کے چیخنے کا وہی انداز تھا۔

''ٹھاکر کا حکم ہے۔'' دوسرے نوجوان نے اس قدر تحقیر آمیز لہجے میں جواب دیا جیسے وہ سوامی دینا ناتھ سے نہیں، دہلی کے کسی اچھوت سے مخاطب ہو۔

''ٹھاکر کون ہے مجھے حکم دینے والا؟'' سوامی پاگل سا ہو گیا۔

''یہ ٹھاکر سے پوچھ۔'' دونوں نوجوانوں نے بیک زبان کہا۔

سوامی دینا ناتھ سخت عالمِ طیش میں واپس پلٹا۔ پھر اُس نے دروازہ بند کیا اور اپنے طویل و عریض کمرے کے ایک گوشے میں رکھی ہوئی بھگوان کی مورتی کے پاس پہنچا۔ دینا ناتھ نے پہلے مورتی کو سات سیدھے چکر دیئے اور اسی تناسب سے سات اُلٹے چکر۔ جیسے ہی آخری چکر مکمل ہوا، مورتی کے نیچے گہرا شگاف نمودار ہو گیا۔ یہ ایک خفیہ سرنگ میں داخل ہونے کا دروازہ تھا۔ سوامی دینا ناتھ اسی سرنگ سے گزر کر اپنے عشرت کدے میں پہنچا، جہاں بلرام سنگھ اور راجہ دیوبل راز و نیاز کی باتیں کر رہے تھے۔

''ٹھاکر! یہ کیا ہے؟'' سوامی غصے میں بھرا ہوا تھا۔

''سوامی! یہ سب کچھ تیرے تحفظ کے لئے کیا گیا ہے۔'' ٹھاکر نے انتہائی پُرخلوص لہجے میں کہا۔ ''تجھے کیا خبر کہ تیری زندگی کو کیسا خطرہ لاحق ہے۔ گوالیار کی سرحد میں پکڑے جانے والے راجپوتوں کی وجہ سے باہر ایک آفت آئی ہوئی ہے۔ سلطان کے جاسوس اس شخص کی تلاش میں گلی گلی گھوم رہے ہیں، جس کے اشارے پر یہ خوفناک سازش تیار کی گئی تھی۔''

دینا ناتھ، ٹھاکر کی توجیہہ سے مطمئن نہیں تھا مگر کیا کرتا؟ چار و ناچار واپس لوٹ گیا۔

سوامی کے جاتے ہی بلرام سنگھ نے راجہ دیوبل سے کہا۔ ''میرا اندازہ صحیح تھا۔ دینا ناتھ ایک بزدل شخص ہے۔ وہ موت کی بازی کھیلنے کے لائق نہیں ہے، اس لئے بھاگ جانے کی فکر میں ہے۔'' یہ کہتے کہتے ٹھاکر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ ''مگر میں اُسے فرار نہیں ہونے دوں گا۔ اب مریں گے تو سب ایک ساتھ مریں گے۔''

❁==❁==❁

سوامی دینا ناتھ کی کٹیا میں زمین کے نیچے سرنگوں کا ایک جال سا بچھا ہوا تھا۔ جس طرح دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے کئی خفیہ پناہ گاہیں تھیں، اسی طرح یہاں سے فرار ہونے کے لئے بھی کئی راستے بنائے گئے تھے۔ سوامی کئی دن تک ہر راستے پر گیا، مگر وہاں ٹھاکر کے مسلح نوجوان موجود تھے۔ دینا ناتھ کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے ہی بچھائے ہوئے دام میں گرفتار ہو گیا ہے۔ مجبوراً سوامی نے فرار ہونے کا ارادہ ترک کر دیا اور ٹھاکر کی خوشامد میں لگ گیا کہ اب جان بچانے کی یہی ایک صورت تھی۔

ٹھاکر اس سے بھی زیادہ ریاکار تھا۔ ہنس کر ٹال گیا۔ ''کوئی بات نہیں سوامی! بس تُو ستاروں کی چالیں دیکھ کر بتا کہ یہ وقت کیسا ہے؟''

دینا ناتھ، ٹھاکر کی باتوں سے بہل گیا۔ ابھی وہ اُٹھنے ہی والا تھا کہ ایک خوب صورت داسی نے آ کر اطلاع دی۔ ''سارنگا، رام مندر میں پہنچ چکا ہے۔''

''یہ سارنگا کون ہے؟'' دینا ناتھ نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

''اپنی آنکھیں بھی بند کر لے اور کان بھی۔'' اس بار ٹھاکر کی آواز میں سختی شامل تھی۔ ''کون آیا اور کون گیا؟ یہ تیرا دردِ سر نہیں ہے۔ شراب پی اور دیوداسیوں سے دل بہلا۔ کیا تجھ جیسے ناکارہ انسان کے لئے یہ نعمتیں کافی نہیں ہیں؟''

سوامی کو ایک بار پھر کسی خطرے کی آہٹ سنائی دینے لگی تھی مگر وہ ٹھاکر سے مزید کچھ پوچھنے کی جرأت نہ کر سکا اور چپ چاپ اُٹھ کر چلا گیا۔

❁==❁==❁

ٹھاکر بلرام سنگھ، راجہ دیوبل کو ایک اور خفیہ راستے سے لے کر رام مندر میں پہنچا۔ راستے میں راجہ دیوبل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھاکر! ایسا لگتا ہے کہ تُو نے دھرتی کے نیچے ایک نیا سنسار بسا رکھا ہے۔ اور کتنے راستے ہیں؟''

''مہاراج! جب آدمی کمزور پڑ جاتا ہے تو دشمن سے بچنے کے لئے اسی طرح زیرِ زمین پناہ گاہیں ڈھونڈتا پھرتا ہے۔'' بلرام سنگھ نے تلخ لہجے میں کہا۔ ''آپ کو کیا پتہ کہ سمراٹ پرتھوی راج چوہان کے بعد دہلی کے راجپوتوں پر کیا گزری ہے۔''

''میں سب سمجھتا ہوں ٹھاکر!'' راجہ دیوبل نے بڑی محبت سے بلرام سنگھ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

پھر وہ دونوں عقب کے دروازے سے پجاری کے کمرے میں داخل ہوئے۔ پجاری انہیں دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

''سارنگا کو یہاں بھیج دے اور باہر سے دروازہ بند کر دے۔'' ٹھاکر، رام مندر کے پجاری سے مخاطب ہوا۔

تھوڑی دیر بعد سارنگا اندر داخل ہوا اور اس نے آگے بڑھ کر ٹھاکر کے قدم چھوئے۔

''انہیں بھی پرنام کر سارنگا! یہ راجہ دیوبل ہیں، ہم سب کے پالن ہار۔'' ٹھاکر نے گوالیار کے شکست خوردہ حاکم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ! میرے بھگوان!'' فرطِ حیرت سے سارنگا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پھر وہ اپنے بائیں جانب چند قدم آگے بڑھا اور راجہ دیوبل کے پیروں پر جھک گیا۔ راجہ دیوبل نے سارنگا کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ ''مہاراج! آپ کی ہار کی خبر سن کر ہم میواتیوں کو بہت دکھ پہنچا ہے۔ آپ خود چل کر دیکھیں کہ پورے جنگل میں ابھی تک سوگ منایا جا رہا ہے۔''

''ہمیں تمہاری بات کا وشواس ہے سارنگا! ہندو کہیں کا بھی ہو، اپنے بھائی کا دُکھ دیکھ کر اُس کی آنکھیں چھلکنے ہی لگتی ہیں۔'' راجہ دیوبل نے سارنگا کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے کھلا جھوٹ بولا تھا۔ ورنہ عام حالات میں یہ مغرور راجہ ایک میواتی کو پاؤں چھونا تو کجا، اپنے قریب سے گزرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

''کیا کریں مہاراج! سمے کی چالیں ہی اُلٹی ہو گئی ہیں۔'' سارنگا دونوں ہاتھ جوڑے کہہ رہا تھا۔ ''ہمارے شریر پر تو سلطان کا ادھیکار ہے، پر ہمارے دل آپ کے ساتھ ہیں۔''

''آج تیرے من ہی کی پریکشا ہے سارنگا!'' ٹھاکر بلرام سنگھ نے درمیان میں مداخلت کی۔

''جو آگیا، ٹھاکر!'' سارنگا نے اپنے جڑے ہوئے ہاتھوں کا رخ بلرام سنگھ کی طرف کر دیا۔

''مہاراج! یہ جنگل کا راجہ ہے، سارنگا۔'' بلرام سنگھ نے راجہ دیوبل سے میواتیوں کے سردار کا تعارف کراتے

ہوئے کہا۔ ''میں نے ہزاروں میواتیوں کو اس تاریک اور خوفناک جنگل میں آباد کر دیا ہے۔ اگر آج سارنگا نہ ہوتا تو آپ کسی بھی حال میں مجھ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ یہ میرا خاص بندہ ہے اور میں اسی کے ذریعے تمام ہندو راجاؤں سے رابطہ قائم رکھتا ہوں۔ اگر یہ چاہے تو آپ کی مشکل آسان ہو سکتی ہے۔''

سارنگا حیران نظروں سے راجہ دیوبل کی طرف دیکھنے لگا۔

راجہ دیوبل نے انتہائی رقت آمیز لہجے میں سلطان کے مظالم کی فرضی داستان سارنگا کو بھی سنا ڈالی۔

سیاست کے پیچ و خم سے ناآشنا ایک سادہ لوح میواتی لٹیرا، مندروں کے ڈھائے جانے اور دیوی دیوتاؤں کے توڑے جانے کے قصے سن کر پاگل سا ہو گیا۔ ''یہ تو بڑا ظلم ہے مہاراج!'' سارنگا چیخ اُٹھا۔

''اب تُو ہی سلطان سے اس ظلم کا بدلہ لے سکتا ہے۔'' بلرام سنگھ نے سارنگا سے کہا۔

''وہ کیسے ٹھاکر؟'' سارنگا حیرت سے بلرام سنگھ کی طرف دیکھنے لگا۔

''کسی طرح سے شہزادی رضیہ سلطانہ کو اس مندر تک پہنچا دے۔'' یہ کہہ کر بلرام سنگھ نے راجہ دیوبل کے پورے منصوبے کی وضاحت کر دی۔

فرطِ حیرت کے باعث سارنگا کی آنکھیں حلقوں سے باہر نکل آئی تھیں۔ ''شہزادی کو یہاں پہنچا دوں؟ اس میں تو ہم سب کی جان کا خطرہ ہے ٹھاکر! ممکن ہے کہ شہزادی یہاں پہنچ جائے۔ مگر اس کے بعد کیا باقی بچے گا؟ سلطان پورے جنگل کو آگ لگا دے گا۔''

''جب تک آگ لگے گی، ہم سب یہاں سے بہت دُور جا چکے ہوں گے۔'' بلرام سنگھ نے سارنگا کو اس کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت دیتے ہوئے کہا۔ ''مہاراج اتنا دے دیں گے کہ تجھے اور تیرے ساتھیوں کو پھر کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ کہاں یہ لوٹ مار اور خطرات سے بھری ہوئی زندگی..... اور کہاں وہ زمینداروں اور جاگیرداروں جیسے ٹھاٹ باٹ..... اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ تُو اپنے دھرم کی سیوا کر رہا ہے۔ دیوی دیوتا تجھ سے خوش ہو جائیں گے اور تیری بے چین آتما کو مکتی مل جائے گی۔ ذرا میری بات پر غور تو کر سارنگا! لوک بھی تیرا اور پرلوک بھی تیرا۔'' یہ کہہ کر بلرام سنگھ نے اشرفیوں سے بھری ایک تھیلی سارنگا کے سامنے ڈال دی۔

''یہ کیا ہے ٹھاکر؟'' سارنگا نے چونک کر پوچھا۔

''تیرے ساتھیوں کے روزگار اور سکھ چین کی ضمانت۔'' بلرام سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آج کے بعد سے تم لوگ چھوٹی چھوٹی واردات کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈالو گے۔''

سارنگا اور اس کے ساتھی قرب و جوار کے دیہاتوں میں واردات کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ کبھی کبھی اُنہیں روٹی کی تلاش میں دہلی سے بہت دُور نکل جانا پڑتا تھا۔ اکثر یہ لٹیرے اپنے مقصد میں کامیاب رہا کرتے تھے مگر کبھی ڈاکا زنی کے دوران مارے بھی جاتے تھے۔ لٹیروں کا سردار التمش کو شکار کھلایا کرتا تھا، اس لئے سلطان اسے موقع بہ موقع انعام و اکرام سے نوازتا رہتا تھا۔

سارنگا نے ٹھاکر کی دی ہوئی تھیلی کو کھول کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سینکڑوں سنہری سکے جگمگا رہے تھے۔ سارنگا نے اپنی پوری زندگی میں دولت کا اتنا بڑا ذخیرہ نہیں دیکھا تھا۔

''تُو میواتیوں کا سردار ہے، اس لئے تیرا انعام بھی الگ ہے۔'' بلرام سنگھ نے ہوسِ زر کی ایسی چمک کو دیکھ لیا تھا،

جو سارنگا کی آنکھوں میں ڈوب ڈوب کر اُبھر رہی تھی۔

آخر وہ ایک لٹیرا تھا، حرص کی آگ نے اُسے پگھلا کر رکھ دیا تھا۔

''آپ کا کام ہو جائے گا مہاراج! مگر ایک شرط کے ساتھ۔'' سارنگا نے راجہ دیوبل سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ہمیں تیری ہر شرط منظور ہے۔'' راجہ دیوبل بہت زیادہ پُر جوش نظر آ رہا تھا۔

''میری کوئی شرط نہیں مہاراج!'' سارنگا نے رک رک کر کہا۔ ''اگر سلطان کسی دن شکار کے لئے آ گئے تو میں اپنی چال چلوں گا۔ کامیابی اور ناکامی دونوں بھگوان کے ہاتھ میں ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ مجھے کتنے دن انتظار کرنا پڑے گا۔''

''اگر سلطان شکار کے لئے نہیں آیا؟'' راجہ دیوبل کا چہرہ اچانک بجھ کر رہ گیا تھا۔

''تو پھر میں اپنی چال بھی نہیں چل سکتا۔'' سارنگا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''تجھے اپنی چال کی کامیابی کا یقین ہے؟'' راجہ دیوبل پریشان سا نظر آ رہا تھا۔

''کچھ کہہ نہیں سکتا مہاراج!'' سارنگا نے عجیب سے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''چال تو چال ہی ہوتی ہے۔ سارا قسمت کا کھیل ہے۔ دیوالی کی رات کے جوئے کی طرح۔ جیت گیا تو راجہ..... ہار گیا تو بھکاری۔'' یہ کہہ کر سارنگا اُٹھ کھڑا ہوا اور اُس نے اشرفیوں کی تھیلی بلرام سنگھ کی طرف بڑھا دی۔

''اسے اپنے ساتھیوں میں بانٹ دے۔'' بلرام سنگھ نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں ٹھاکر! کام ہو جانے کے بعد لے لوں گا۔ سارنگا اپنے کاندھوں پر کسی کا بوجھ نہیں رکھتا۔'' یہ کہہ کر میواتی لٹیروں کا سردار جنگل کی طرف چلا گیا۔

''یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا ٹھاکر!'' راجہ دیوبل انتہائی شکستہ نظر آ رہا تھا۔

''دھیرج..... دھیرج مہاراج! دھیرج۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ، راجہ دیوبل کو تسلی دینے لگا۔ ''سارنگا سچ ہی کہتا ہے۔ قسمت کی دیوی مہربان ہوئی تو یہ بازی جیت لیں گے۔ ورنہ اپنے سینے میں انتقام کی ایک آگ تو روشن ہے..... سو آخری سانس تک بھڑکتی رہے گی۔''

❁==❁==❁

دربار برخاست کرنے کے بعد التمش اپنی مخصوص نشست گاہ میں عصر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ بہرام غوری خدمتِ سلطانی میں حاضر ہوا۔

نماز سے فارغ ہو کر التمش نے اپنے نائب سپہ سالار کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''سلطانِ ذی وقار! امر سنگھ مر گیا۔''

التمش کے چہرے پر تاسف کا ہلکا سا رنگ اُبھر کر ڈوب گیا۔ ''بہادر شخص تھا۔ خدا اُسے معاف کرے۔''

''اُس کی آخری رسوم کس طرح ادا کی جائیں؟'' بہرام غوری نے عرض کیا۔

''ہمیں اُس کے دل کا حال معلوم نہیں۔ بظاہر وہ مسلمان تھا، اس لئے تم بھی اسے ایک مسلمان ہی کی حیثیت سے آخری سفر پر روانہ کرو۔'' التمش نے بہرام غوری کو تاکید کی۔

پھر بڑی خاموشی سے امر سنگھ کو دفن کر دیا گیا۔ والیٔ ہند اور چند اراکینِ سلطنت کے سوا کسی پر بھی یہ راز نہ کھل سکا

کہ مرنے والا کون تھا اور اس کی موت کس طرح واقع ہوئی تھی۔

❁==❁==❁

امر سنگھ کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی سلطان التمش نے بہرام غوری کو خلوت میں طلب کرتے ہوئے کہا۔

''امر سنگھ اور اس کے بدبخت ساتھیوں نے میرا بڑا قیمتی وقت برباد کر دیا۔ بہرحال تم ''مالوہ'' پر حملے کی تیاریاں شروع کر دو۔ اب کی بار شاید زیادہ فوج اور سامانِ رسد کی ضرورت محسوس ہو۔''

''اور سلطانِ عالی قدر! اس سازش کا کیا ہوگا؟ امر سنگھ بہت بڑا راز اپنے ساتھ قبر میں لے گیا۔''

''اس سازش پر بھی مٹی ڈال دو۔'' التمش نے بے نیازانہ کہا۔ ''خدا جو کچھ کرتا ہے، بہتر کرتا ہے۔''

بہرام غوری چلا گیا تو التمش نے شہزادی رضیہ سلطانہ کو طلب کر لیا۔

''بیٹی! میں عنقریب ایک اور خوفناک جنگی مہم پر روانہ ہو رہا ہوں۔'' سلطان نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔ ''میں تمہارے راستے کے تمام پتھر ہٹا دینا چاہتا ہوں۔''

شہزادی نے چونک کر باپ کی طرف دیکھا۔ ''گوالیار کی تھکا دینے والی مہم کے بعد ایک اور مہم..... نہیں بابا محترم! ابھی کچھ دن آرام فرمائیں۔'' رضیہ سلطانہ کسی معصوم بچی کی طرح مچل اُٹھی۔ ''میں ہر وقت آپ کی صحت کی طرف سے فکرمند رہتی ہوں۔ اگر پتھر بھی ہوتا تو کئی جگہ سے چٹخ گیا ہوتا۔''

بیٹی کی یہ محبت دیکھ کر التمش کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''تمہارے بڑے بھائی ناصرالدین محمود کی یہ عادت تھی کہ وہ سونے سے پہلے نہ صرف باپ کی مزاج پرسی کرتا تھا بلکہ کچھ دیر تک پاؤں بھی دبایا کرتا تھا۔'' آج برسوں بعد یکایک التمش کے سینے کا زخم سلگنے لگا تھا۔ ''میں لاکھ منع کرتا مگر وہ یہی کہتا رہتا کہ اسے اس سعادت سے محروم نہ کیا جائے۔ ناصرالدین کیا گیا کہ وہ اپنے ساتھ وہ روایتیں بھی لے گیا، جو فرزند کو فرزند بناتی ہیں اور جنہیں دیکھ کر بوڑھا باپ اپنی ذات پر فخر کرتا ہے۔ رکن الدین بھی ہے اور معزالدین بھی..... مگر کس کو باپ کی فکر ہے؟ کبھی کوئی آ کر پوچھتا ہے کہ بابا! آپ کیسے ہیں؟ بس مر جانے کی دعائیں ہی کرتے ہوں گے کہ باپ کی آنکھیں بند ہوں اور وقت ان کے سر پر تاجِ زرّیں سجا دے۔''

رضیہ نے گھبرا کر باپ کے سینے پر سر رکھ دیا۔

فضا کچھ سوگوار سی ہو گئی تھی اس لئے التمش فوراً ہی ماضی سے حال میں لوٹ آیا۔ ''ابھی بہت کام ہیں بیٹی! اگر تھکن کا احساس کروں تو پھر دھواں دیتی ہوئی حسرتوں کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔''

''مگر وزیراعظم نظام الملک۔'' یہ نام لیتے ہی رضیہ سلطانہ کے منہ کا مزا کڑوا ہو گیا تھا۔ ''آپ کے پیچھے وہ پھر میرے لئے مسائل پیدا کریں گے۔''

''اور تم ان مسائل کو حل کرو گی۔ اسی کا نام زندگی ہے اور یہی رسمِ جہانبانی ہے۔'' التمش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں نظام الملک کو معزول بھی کر سکتا ہوں۔ مگر کیا یہ منظر زیادہ لطف انگیز نہیں کہ وہ تمہارے سامنے سر جھکائے کھڑا رہے؟ یہی اُس کی شرارتوں کی سزا ہے۔ اور ہاں اگر کبھی کسی مہرے پر یہ گمان ہونے لگے کہ اس کی موجودگی سے پوری بازی متاثر ہو رہی ہے تو اسے بے دریغ کٹوا دینا۔ ورنہ یہ سستی اور کوتاہی خود شاطر کو لے ڈوبے گی۔''

رضیہ سلطانہ نے بہت غور سے باپ کی ہدایت کو سنا اور اس کے ذہن کے پردے پر مختلف پرچھائیاں اُبھرنے لگیں۔ ان میں ایک پرچھائیں نظام الملک کی بھی تھی۔ پھر یکایک نظام الملک ایک گھوڑا بن گیا اور اُس کی لگام شہزادی کے ہاتھ میں تھی۔

❁==❁==❁

''مالوہ'' پر فوج کشی کی تیاریاں جاری تھیں کہ ایک دن میواتی لٹیروں کا سردار سارنگا، سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔

''سرکار! برسات کا موسم جا چکا ہے اور سردیاں آنے کو ہیں۔ اس سال نیل گائیں اور ہرن بہت نظر آ رہے ہیں۔ اگر موسم بدل گیا تو سارے کے سارے جانور روپوش ہو جائیں گے۔''

''اچھا ہوا تُو آ گیا سارنگا!'' التمش مسکرایا۔ ''طبیعت کچھ اُکتائی ہوئی سی ہے۔ کل ہی شکار کا انتظام کر۔ ورنہ پھر کوئی کام یاد آ جائے گا۔''

''حضور! اب کی بار ایسا شکار کھلاؤں گا کہ ایک دن میں سال بھر کی تھکن دور ہو جائے گی۔'' سارنگا کسی بھکاری کی طرح گڑگڑانے لگا۔

سلطان نے اُسے انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا۔

سارنگا محل سے نکل کر ٹھاکر بلرام سنگھ کے پاس پہنچا۔ میواتی لٹیرا بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ ''شاید دیوتاؤں نے ہماری پرارتھنا سن لی ہے۔ کل سلطان شکار کے لئے آ رہا ہے۔ تم لوگ تیار رہنا۔''

راجہ دیوبل، سارنگا سے اس کے منصوبے کی تفصیل پوچھتا رہ گیا مگر لٹیروں کا سردار کوئی جواب دیئے بغیر بھاگتا ہوا چلا گیا۔

❁==❁==❁

دوسرے دن سلطان التمش اپنے پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ شکار کھیلنے کے لئے نکلا۔ جنگل کے کنارے پر سارنگا نے والیٔ ہند کا استقبال کیا مگر اس وقت وہ کمبل اوڑھے ہوئے کانپ رہا تھا۔

''سرکار! مجھے بخار آ گیا ہے۔ اس لئے ساتھ ساتھ نہیں چل سکوں گا۔ یہ شامو ہے۔'' سارنگا نے اپنے ایک لٹیرے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''جنگل کے تمام راستوں سے واقف ہے۔ آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔''

''ٹھیک ہے۔ تُو آرام کر۔'' سلطان نے کہا اور شامو کو آگے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

سارنگا کی ہدایت کے مطابق شامو، سلطان کو ایک ایسے راستے پر لے گیا جو انتہائی پُرپیچ تھا۔

التمش کے روانہ ہوتے ہی سارنگا ایک گھوڑے پر سوار ہو کر قصرِ شاہی پہنچا۔ قلعے کے محافظ سپاہی بھی اُسے جانتے تھے۔

''کیا ہوا سارنگا؟'' ایک سپاہی نے لٹیروں کے سردار سے پوچھا۔ ''سلطانِ معظم تو شکار پر گئے ہیں۔ پھر تُو اتنی

جلدی کیسے واپس آ گیا؟''

''شہزادی کے لئے سرکار کا پیغام لے کر آیا ہوں۔'' سارنگا نے اطمینان سے کہا۔ ''سرکار تین چار دن تک شکار کھیلیں گے۔ اگر شہزادی کل یا پرسوں آنا چاہیں تو آ سکتی ہیں۔''

ایک محافظ سپاہی نے فوراً ہی سارنگا کو شہزادی کی خدمت میں پہنچا دیا۔ رضیہ سلطانہ اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔

''سارنگا! تُو یہاں کیسے؟''

عیار سارنگا رونے لگا۔ ''شہزادی! غضب ہو گیا۔ ایک آدم خور شیر نے سرکار کو زخمی کر دیا ہے۔ وہ اس قابل نہیں کہ گھوڑے پر بیٹھ کر محل تک پہنچ سکیں۔''

''پھر.....؟'' باپ کے زخمی ہونے کی خبر سن کر رضیہ سلطانہ کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگی تھیں۔ ''بابا محترم ٹھیک تو ہیں؟ اُنہیں کوئی خطرہ تو نہیں؟''

بھگوان کی کرپا سے سرکار بچ گئے ہیں۔ مگر خون بہت بہہ گیا ہے۔'' سارنگا بھی بدحواس نظر آ رہا تھا۔ ''سرکار کا حکم ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ حکیم صاحب کو ایک رتھ میں بٹھا کر میرے ساتھ روانہ کر دیا جائے۔ سرکار اسی رتھ میں واپس آئیں گے۔''

''میں خود تمہارے ساتھ چلوں گی۔'' رضیہ انتہائی مضطرب دکھائی دے رہی تھی۔

''آپ کا جانا مناسب نہیں۔'' سارنگا نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''یہ کیسے ممکن ہے کہ اس موقع پر بیٹی، باپ کے قریب موجود نہ ہو۔'' شہزادی نے سارنگا کو جھڑک دیا۔

''تو پھر اپنے ساتھ کچھ سپاہی بھی لے لیجئے۔'' سارنگا نے مشورہ دیا۔ ''مگر ان سپاہیوں کو اس وقت تک اس حادثے کا پتہ نہ چلے، جب تک سرکار محل میں نہ پہنچ جائیں۔''

رضیہ سلطانہ نے فوری طور پر ایک حکیم کو طلب کر کے کہا۔ ''آپ میرے ساتھ ایک ایسے مریض کو دیکھنے کے لئے جائیں گے جو شدید زخمی ہو چکا ہے۔''

حکیم نے سوالیہ نظروں سے شہزادی کی طرف دیکھا۔

''جلدی کیجئے۔ وقت بہت کم ہے۔'' رضیہ سلطانہ نے تند و تیز لہجے میں کہا۔

کچھ دیر بعد شہزادی مردانہ جنگلی لباس میں جنگل کی طرف جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک رتھ تھا۔ جس میں شاہی حکیم بیٹھا ہوا تھا۔ پیچھے پیچھے دس سپاہی چل رہے تھے۔ ہر شخص اپنی جگہ حیران تھا مگر کسی میں شہزادی سے یہ پوچھنے کی جرأت نہیں تھی کہ یہ ہنگامی صورتِ حال کیا ہے؟ اور انہیں کہاں لے جایا جا رہا ہے؟

جوشِ اضطراب میں رضیہ سلطانہ، سردار سارنگا سے آگے نکل جاتی تھی۔ اور پھر شدید جھنجلاہٹ کے عالم میں اسے اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچنا پڑتی تھیں۔

''تجھے کیا ہو گیا ہے سارنگا؟'' شہزادی چیخ کر کہتی۔ ''اس مردار گھوڑے کو سواری کے لئے کیوں لے کر آیا تھا؟ تو کسی بیمار گدھے کی طرح رینگ رہا ہے۔''

سارنگا اپنا گھوڑا لے کر شہزادی کے قریب پہنچتا اور بڑے عاجزانہ لہجے میں کہتا۔ ''راج کماری! آپ پریشان نہ ہوں۔''

''یہاں جان پر بنی ہوئی ہے اور تُو پریشان نہ ہونے کا مشورہ دیتا ہے۔'' رضیہ سلطانہ کی آواز کچھ اور تیز ہو جاتی۔''

''راج کماری! دھیرج رکھیں۔'' سارنگا آہستہ سے کہتا۔ ''آپ کی یہ وحشت ایک انتہائی اہم راز کو فاش کر دے گی۔ اور مہاراج کا حکم ہے کہ کسی دوسرے کو اس حادثے کی خبر نہ ہو۔''

رضیہ سلطانہ پیچ و تاب کھا کر رہ جاتی۔ اب اس کا گھوڑا جنگل میں داخل ہو چکا تھا۔

سارنگا نے اس بار دوسرا راستہ اختیار کیا تھا۔ یہ راستہ اس خفیہ سرنگ کی طرف جاتا تھا، جس سے گزر کر سارنگا، سوامی دینا ناتھ کی کٹیا میں داخل ہو جاتا تھا۔

تاریک جنگل میں کئی میل تک اندر جانے کے بعد شہزادی نے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں۔ سارنگا بھی قریب پہنچ چکا تھا۔ ''اور کتنا راستہ باقی ہے؟'' شہزادی کے لہجے میں اُلجھن اور پریشانی نمایاں تھی۔

''ابھی بہت دُور جانا ہو گا۔'' سارنگا نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ ''مہاراج ہرنوں کے تعاقب میں کافی آگے چلے گئے تھے۔ میں نے اُنہیں بہت سمجھایا تھا مگر وہ ایک بہادر شکاری ہیں.....اور ایسی بہادری.....'' سارنگا نے جان بوجھ کر اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''خدایا!'' شہزادی نے ایک گہری سانس لی۔ اذیت و کرب میں ڈوبی ہوئی سانس۔

کچھ دور تک یہ سفر جاری رہا، پھر رضیہ سلطانہ اور دوسرے سپاہیوں کو گھوڑوں کی پشت چھوڑ کر نیچے اُتر آنا پڑا۔ جنگل کے اس حصے میں درختوں نے ایک چھتری کی سی شکل اختیار کر لی تھی اور ان کی شاخیں زمین کو چھو رہی تھیں۔

''اب ہم پیدل چلیں گے؟'' شہزادی نے سارنگا کو مخاطب کر کے کہا۔

''کیا کریں راج کماری! مجبوری ہے۔'' سارنگا کے لہجے سے اب بھی اطمینان جھلک رہا تھا۔ ''اب آپ کو زیادہ دُور پیدل نہیں چلنا پڑے گا۔ مہاراج یہاں سے قریب ہی ہیں۔''

ایک لمحے کے لئے رضیہ سلطانہ کو ناقابلِ بیان خوشی کا احساس ہوا مگر دوسرے ہی لمحے ساری بساط اُلٹ گئی۔ سارنگا کے سینکڑوں لٹیرے گھنی جھاڑیوں میں روپوش تھے۔

''جے دُرگا.....!'' یکایک سارنگا نے ایک فلک شگاف نعرہ لگایا۔

رضیہ سلطانہ ابھی اس نعرے کا مفہوم سمجھنے نہیں پائی تھی کہ بیک وقت سینکڑوں کمندیں شہزادی اور اس کے سپاہیوں کی طرف لپکیں۔ یہ کمندیں ان لٹیروں نے پھینکی تھیں جو درختوں پر چھپے ہوئے تھے۔

شہزادی نے بہت کوشش کی کہ وہ کسی طرح اپنی تلوار کھینچ لے مگر کمندوں کی گرفت اتنی سخت تھی کہ رضیہ سلطانہ اپنے جسم کو جنبش تک نہ دے سکی۔ یہی حال سلطانی شہسواروں کا تھا۔ سب کے سب رسیوں میں جکڑے ہوئے زمین پر پڑے تھے۔

''نمک حرام سارنگا!'' شہزادی چیخ رہی تھی۔ ''تجھے معلوم ہے کہ تیری اس حرکت کا انجام کیا ہو گا؟''

''سب جانتا ہوں راج کماری!'' سارنگا قریب کھڑا مسکرا رہا تھا۔

اسی اثنا میں سینکڑوں لٹیرے بے نیام شمشیریں لئے اپنی قیام گاہوں سے باہر نکل آئے تھے۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے شاہی حکیم اور تمام سپاہی قتل کر دیئے گئے۔

یہ سنگین صورتِ حال دیکھ کر شہزادی نے چیخنا بند کر دیا تھا اور وہ ان لٹیروں کی طرف دیکھ رہی تھی جو نیزے،

تیر کمان اور تلواریں لئے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''یہ کون لوگ ہیں سارنگا؟'' شہزادی نے لٹیروں کے سردار سے پوچھا۔

''یہ ہماری رعایا ہیں۔'' سارنگا کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ ''میرے لشکر کے جانباز سپاہی۔''

''جانباز سپاہی'' کے لفظ پر شہزادی کے سینے میں نفرت وقہر کا ایک طوفان سا اٹھا مگر وہ برداشت کر گئی۔

''تُو مجھ سے کیا چاہتا ہے سارنگا؟'' حالتِ جبر میں شہزادی کی آواز گھٹی گھٹی سی تھی۔

''راج کماری کو اُٹھا کر مندر لے چلو۔'' سارنگا نے رضیہ کے سوال کا جواب دینے کے بجائے لٹیروں سے مخاطب ہو کر کہا۔

شہزادی اس تصور سے لرز اُٹھی کہ غیر مرد اُس کے جسم کو چھوئیں گے۔ ''وہیں ٹھہر جاؤ!'' رضیہ سلطانہ نے ان لٹیروں کو ڈانٹتے ہوئے کہا جو اُس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''یہ میری پرجا ہیں راج کماری! اس لئے میرے ہی حکم پر ٹھہریں گے۔'' سارنگا بڑے سفاکانہ انداز میں مسکرایا۔

''تُو جہاں کہے گا، میں چلنے کو تیار ہوں۔ مگر کوئی میرے قریب نہ آئے۔'' حالتِ اسیری میں بھی رضیہ کے لہجے سے جلالِ سلطانی نمایاں تھا۔

سارنگا نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے بڑھتے ہوئے ساتھیوں کو روک دیا۔

شہزادی چپ چاپ اس گھنے جنگل سے گزرتی رہی جو لحظہ بہ لحظہ تاریک ہوتا جا رہا تھا۔

❁==❁==❁

سلطان التمش شام کے قریب شکار سے واپس لوٹا۔ تیز دھوپ اور دن بھر کی مشقت نے اسے تھکا ڈالا تھا۔ سلطان نے گرم پانی سے غسل کیا اور مغرب کی نماز ادا کی۔ پھر کھانے سے فارغ ہو کر اس نے شہزادی کو خلوت میں طلب کیا۔

تھوڑی دیر بعد شہزادی کی کنیزِ خاص فردوس حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی۔ ''شہزادی حضور نے فرمایا تھا کہ وہ ایک ضروری کام سے جا رہی ہیں۔''

''باہر.....ضروری کام؟'' سلطان نے چونک کر فردوس کی طرف دیکھا۔ ''رات سر پر آ گئی اور وہ ضروری کام ابھی ختم نہیں ہوا۔'' التمش پریشان نظر آ رہا تھا۔

فردوس سر جھکائے کھڑی تھی۔

''شہزادی نے تجھے اس ضروری کام کے بارے میں کچھ بتایا تھا؟'' ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ التمش کی اُلجھن بڑھتی جا رہی تھی۔

''میں نے جاننے کی کوشش کی تھی، مگر شہزادی عالیہ نے مجھے جھڑک دیا تھا۔'' فردوس کی زبان میں ہلکی سی لکنت تھی۔ وہ بہت زیادہ پریشان نظر آ رہی تھی۔

التمش بہت دیر تک اپنے کمرے میں ٹہلتا رہا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور وہ بار بار پاؤں پٹخنے لگتا تھا۔ پھر اس نے قلعے کے محافظ سپاہیوں کو طلب کر لیا۔

''تم نے جو کچھ سنا، وہ ہمیشہ کے لئے تمہارے سینے میں دفن ہو گیا۔'' سلطان نے انتہائی غضب ناک لہجے میں

قلعے کے محافظوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''بے شک سلطانِ معظم!'' سپاہیوں نے سر جھکا دیا۔

پھر التمش نے شہزادی کے بارے میں مختلف سوالات کئے۔ وہ کس وقت قلعے سے باہر گئی تھی؟ اور کون کون اس کے ہمراہ تھا؟ سپاہیوں نے ڈرتے ڈرتے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''پھر؟'' سلطان کا پورا وجود ایک سوال بن کر رہ گیا تھا۔

''شہزادی حضور قلعے سے باہر تشریف نہیں لے گئی تھیں۔ البتہ سارنگا آپ کا پیغام لے کر حاضر ہوا تھا۔'' آخر ایک محافظ سپاہی نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''سارنگا؟.....وہ تو بیمار تھا۔'' سلطان نے چونک کر کہا۔

''نہیں سلطانِ معظم! سارنگا تو بہت چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔'' سپاہی نے وضاحت کی۔

''وہ کیا پیغام لے کر آیا تھا؟'' التمش کی جرح بڑھتی جا رہی تھی۔

''آپ کا وہ پیغام، شہزادی حضور کے لئے مخصوص تھا۔'' سپاہی نے عرض کیا۔ ''سارنگا یہی کہہ رہا تھا۔''

سلطان التمش گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے چہرے پر فکر و اضطراب کے سائے اُبھر اُبھر کر ڈوب رہے تھے۔ کچھ دیر بعد سلطان اپنے سپاہیوں سے دوبارہ مخاطب ہوا۔

''تم نے جو کچھ سنا، وہ تمہارے سینے میں دفن ہو گیا؟''

''بے شک سلطانِ معظم!'' سپاہیوں کی لرزتی ہوئی آوازیں اُبھریں اور اُٹھی ہوئی گردنیں جھک گئیں۔

التمش نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور قلعے کے محافظ خلوت گاہِ سلطانی سے نکل گئے۔

❁==❁==❁

سارنگا مختلف پُر پیچ راستوں سے گزرتا ہوا رضیہ سلطانہ کو اپنے ہمراہ لے کر رام مندر پہنچا، جہاں ٹھاکر بلرام سنگھ اور راجہ دیوبل موجود تھے۔ شہزادی کو دیکھتے ہی راجہ دیوبل نے ایک پُرشور جنونی نعرہ بلند کیا اور آگے بڑھ کر لٹیروں کے سردار سارنگا کو گلے سے لگا لیا۔

''مہاراج! سارنگا نے اپنا عہد پورا کر دیا۔'' احساسِ فخر سے لٹیروں کے سردار کی گردن کج ہو گئی تھی۔

''دیوتا تجھ سے سدا راضی رہیں۔'' راجہ دیوبل خوشی سے پاگل ہو گیا تھا۔ ''سارنگا! تُو نے ہندو دھرم کی بڑی سیوا کی ہے۔''

''اور میرا انعام؟'' سارنگا نے سب کچھ فراموش کر کے راجہ دیوبل کی طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں حریصانہ چمک تھی۔

''تُو انعام کی بات کرتا ہے سارنگا!'' راجہ دیوبل ہذیانی انداز میں چیخا۔ ''میں تجھے سونے میں تول دوں گا۔''

رضیہ سلطانہ بڑی حیرت سے ان لوگوں کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ صرف سارنگا کو اس حیثیت سے جانتی تھی کہ وہ سلطان التمش کو شکار کھلایا کرتا تھا۔ مگر آج اسی نے سلطان سے غداری کی؟ اس غداری کا سبب؟ ہندو مذہب کی خدمت.....اور سارنگا کو کثیر انعام سے نوازنے والا شخص؟ شہزادی کے ذہن میں بیک وقت کئی سوالات اُبھر رہے

تھے۔ اگر اس کی جگہ کوئی دوسری عورت ہوتی تو اب تک خوف و دہشت سے بے ہوش ہو چکی ہوتی۔ لیکن رضیہ سلطانہ ابھی تک ہوش میں تھی اور گہری نظروں سے صورتِ حال کا جائزہ لے رہی تھی۔

ٹھاکر بلرام سنگھ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''آیئے راج کماری!''

شہزادی نے بلرام سنگھ سے کوئی سوال نہیں کیا اور خاموشی سے آگے بڑھنے لگی۔

راجہ دیوبل اور ٹھاکر بلرام سنگھ، رضیہ سلطانہ کی استقامت اور بے خوفی پر شدید حیرت میں مبتلا تھے۔

کچھ دیر بعد ایک طویل سرنگ سے گزر کر شہزادی کو ٹھاکر بلرام سنگھ کے عشرت کدے میں پہنچا دیا گیا۔

رضیہ سلطانہ نے بہت کوشش کی تھی کہ وہ ان پُراسرار راستوں کو یاد رکھ سکے مگر تمام سرنگیں اس قدر پیچیدہ تھیں کہ ان سے واقفیت کے لئے ایک رہنما کی ضرورت تھی۔

بلرام سنگھ کے عشرت کدے میں پہنچ کر راجہ دیوبل نے اشرفیوں سے بھری ہوئی کئی تھیلیاں سارنگا کو بطورِ انعام پیش کیں۔

پھر جب سارنگا واپس جانے کے لئے مڑا تو رضیہ سلطانہ نے اسے مخاطب کر کے کہا۔ ''تُو نے اپنے آقا کی بیٹی کو اتنی کم قیمت پر ان لٹیروں کے ہاتھ بیچ دیا؟'' شہزادی کے لہجے میں بڑی نفرت تھی۔ ''سلطان کو اپنا پالن ہار کہنے والے! آج تُو کس کے قدموں میں جھکا ہوا ہے؟''

سارنگا جاتے جاتے مڑا اور انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں بولا۔

''یہ لٹیرے نہیں، کل تک ہندوستان کی قسمت کے مالک تھے۔ مگر سلطان نے ان کا سب کچھ لوٹ لیا۔ آج یہ اپنا حق چھیننے کی کوشش کر رہے ہیں، اس شخص کے ہاتھوں سے جو سب سے بڑا ڈاکو ہے۔''

''اس طرح؟'' شہزادی کا چہرہ غصے کی آگ میں جل اُٹھا۔ ''ایک عورت کو دھوکے سے یرغمال بنا کر؟..... میرے باپ نے جو کچھ کیا، کھلے میدان میں کیا۔ اگر تمہیں مردانگی کا دعویٰ تھا تو سرنگوں سے نکل کر میدان میں آئے ہوتے۔''

''تیرے باپ نے بھی یہی کیا ہے۔'' سارنگا گستاخی پر اُتر آیا۔

''نمک حرام! تُو جھوٹ بولتا ہے۔'' بے دست و پا ہوتے ہوئے بھی رضیہ سلطانہ کے جاہ و جلال کا وہی عالم تھا۔

''کتنے دن کھائے گا ان سنہری سکّوں کو؟..... اور کیا تُو یہ سمجھتا ہے کہ میرے یرغمال بنا لینے سے سارا قصہ ختم ہو جائے گا؟ ..... ہرگز نہیں۔ سلطانِ معظم پورے جنگل کو آگ لگا کر خاکستر کر دیں گے۔ میں نہیں جانتی کہ ان کے قہر کی آگ کہاں ٹھہرے گی؟ پورا ہندوستان بھی راکھ کا ڈھیر بن سکتا ہے۔ اور اس کی ساری ذمہ داری تجھ پر عائد ہو گی سارنگا!'' شہزادی خود بھی ایک شعلۂ جوالہ نظر آ رہی تھی۔

''تُو جا سارنگا!'' راجہ دیوبل نے لٹیروں کے سردار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''راج کماری اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی ہیں۔ میں انہیں سمجھاؤں گا کہ یہ آگ کیسے بھڑکے گی اور اب کی بار اس آگ میں کون جلے گا؟'' راجہ دیوبل کے ہونٹوں پر ایک عیار مسکراہٹ رقصاں تھی۔

سارنگا واپس چلا گیا۔

شہزادی نے راجہ دیوبل اور ٹھاکر بلرام سنگھ کی طرف دیکھا۔ ''آپ لوگ کون ہیں؟ اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟'' رضیہ سلطانہ کا لہجہ تحکم آمیز تھا۔

''یہ راجہ دیوبل ہیں۔ ریاست گوالیار کے معزول حاکم۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ آپ سے شادی کرنا چاہتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ پہلے آپ ہندو مذہب اختیار کریں گی۔''

بلرام سنگھ کی بات سن کر شہزادی سناٹے میں آ گئی۔

''ہم آپ کو سوچنے کے لئے ایک ہفتہ کی مہلت دیتے ہیں۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''ہم چاہتے ہیں کہ آپ کسی جبر اور زیادتی کے بغیر ہماری بات مان لیں۔''

''معاذ اللہ! یہ کیسے ممکن ہے؟'' اتنی دیر میں رضیہ سلطانہ اپنے آپ پر قابو پا چکی تھی۔

''اگر یہ ممکن نہیں تو پھر سب کچھ ممکن ہے۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ کا لہجہ انتہائی تنبیہہ آمیز تھا۔

شہزادی نے ٹھاکر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں درندگی جھلک رہی تھی۔

''مگر تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟'' رضیہ سلطانہ نے غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''یہ اس ظلم کا جواب ہے، جو تمہارے باپ نے ہندو دوشیزاؤں کے ساتھ روا رکھا ہے۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ کی آواز تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ''وہ لاکھوں مجبور ہندو لڑکیاں جو پہلے یرغمال بنائی گئیں، پھر اُنہیں تبدیلیٔ مذہب پر مجبور کیا گیا اور آخر میں وہ سب کی سب مسلمان سرداروں کی ہوس کا نشانہ بن گئیں۔''

''یہ سب کچھ جھوٹ ہے۔'' رضیہ سلطانہ نے ٹھاکر بلرام سنگھ کو جھڑک دیا۔ ''بڑی سنگین تہمت ہے۔ جنگ ہارنا الگ بات ہے، مگر میں نے کسی دشمن کو اتنی پستی میں گرتے نہیں دیکھا۔ کیسے راجپوت ہو؟ کوئی ایک گواہ پیش کر دو۔''

''خود مہاراجہ گوالیار کے خاندان کی کئی لڑکیوں کو سلطان نے کنیز بنا کر اپنے حرم میں داخل کر لیا ہے۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ نے راجہ دیوبل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا یہ کافی نہیں؟ مہاراج اسی لئے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر یہاں تک پہنچے ہیں، تاکہ ان معصوم لڑکیوں کی بے آبروئی کا انتقام لے سکیں۔''

''ٹھاکر! تم نے مہاراج سے یہ نہیں پوچھا کہ ان کے دور میں مسلم دوشیزاؤں پر کیا گزرتی تھی؟'' رضیہ سلطانہ، راجہ دیوبل پر ایک تحقیر آمیز نظر ڈالتے ہوئے بلرام سنگھ سے مخاطب ہوئی۔ ''سلطان التمش نے گوالیار پر حملہ کیوں کیا تھا؟ تمہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ میرے باپ نے کتنی ہندو لڑکیوں کو خود مہاراج کے پنجۂ ہوس سے نجات دلائی؟

''اس کی باتوں میں نہ آ جانا ٹھاکر!'' راجہ دیوبل گھبرا کر بولا۔ اُسے اپنے جھوٹ کے بے نقاب ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ ''راج کماری اپنی جان بچانے کے لئے مجھ پر الزام تراشی کر رہی ہے۔''

''بلرام سنگھ پر اب کسی بات کا اثر نہیں ہو گا۔'' ٹھاکر کسی درندے کی طرح غرّایا۔ ''وہ پتھروں کی پوجا کرتے کرتے خود بھی پتھر ہو گیا ہے۔ راج کماری! تم سے جو کچھ کہا گیا ہے، اس پر عمل کرو۔ ہندو ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ میرے دھواں دیتے ہوئے جذبے تسکین پا جائیں..... اور میں یہ سوچ کر سکون سے مر سکوں کہ میں نے سب سے طاقتور مسلمان کو دیوتاؤں کے قدموں پر جھکا دیا تھا۔'' بلرام سنگھ کے اندر چھپا ہوا متعصب ہندو باہر نکل آیا تھا اور بے لباس ہو کر ناچ رہا تھا۔

''تو پھر تُو بھی غور سے سن لے ٹھاکر! تیری جان اتنی آسانی سے نہیں نکلے گی۔'' رضیہ سلطانہ موت کے منہ میں بھی پُرسکون نظر آ رہی تھی۔ ''میں دخترِ اسلام ہوں۔ تیری ہر شرط میرے پیروں کے نیچے۔''

''تو پھر گلہ نہ کیجئے گا کہ ایک راجپوت اتنی پستی میں اُتر گیا۔'' بلرام سنگھ کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ جیسے

کسی شکاری کو یقین آ گیا ہو کہ اب اس کے شکار پر فرار کی تمام راہیں مسدود ہو چکی ہی۔

''راجپوت کہاں باقی رہا؟ میری آنکھوں کے سامنے تو اچھوتوں سے بھی بدتر کوئی مخلوق ہے۔'' رضیہ سلطانہ نے بھی کوئی رعایت نہیں کی۔ جس انداز میں شرط پیش کی گئی تھی، اس سے زیادہ سخت لہجے میں جواب دیا گیا۔

ٹھاکر بلرام سنگھ کے دل و دماغ جل اُٹھے۔ ''راج کماری! بڑی رُسوائی ہوگی۔ سارا ہندوستان تماشا دیکھے گا۔''

رضیہ سلطانہ خاموش ہوگئی۔ اب وہ ٹھاکر کی دی ہوئی مہلت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

شہزادی کو خاموش دیکھ کر بلرام سنگھ نے اپنے مسلح محافظ کو آواز دی۔ زیرِ زمین قیام گاہوں میں رہنے کے باوجود ٹھاکر کے عشرت کدے کے دروازے پر ہر وقت دو مسلح محافظ موجود رہتے تھے۔

ایک دراز قامت اور مضبوط جسم کا نوجوان راجپوت اندر داخل ہوا اور ٹھاکر کے احترام میں تھوڑا سا جھکا۔

''سوامی دینا ناتھ کو اپنے ساتھ لے آؤ کہ وہ بھی اس انہونی کو دیکھ لے۔''

''سوامی دینا ناتھ۔'' رضیہ سلطانہ دل ہی دل میں اس نام کو دہراتی رہی۔ پھر یہ نام اُس کے ذہن پر نقش ہوگیا۔

کچھ دیر بعد مسلح راجپوت ایک ادھیڑ عمر کے پنڈت کو لے کر دوبارہ عشرت کدے میں داخل ہوا۔ دینا ناتھ اس وقت طلبی پر حیران تھا، گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پھر اُس کی نظریں ایک خوبصورت لڑکی کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ سوامی نے سوچا کہ یہ کوئی دیہاتی دوشیزہ ہوگی، جسے ٹھاکر کے کارندے دیوداسی بنانے کے لئے اس کے گھر یا کسی کھیت سے اُٹھا لائے ہوں گے۔ بلرام سنگھ اکثر یہی کرتا تھا۔ مگر اس لڑکی کے قیمتی لباس نے دینا ناتھ کو چونکا دیا تھا اور وہ آنکھیں پھاڑے شہزادی رضیہ سلطانہ کو دیکھ رہا تھا۔

''انہیں پہچانا سوامی؟'' ٹھاکر کی آواز میں بڑی لہک تھی۔

دینا ناتھ نے نفی میں اپنے سر کو جنبش دی۔ پھر بڑے حریصانہ لہجے میں بولا۔ ''کچھ بھی ہو، مگر تیرا شکار بڑا خوب صورت ہے۔ کہاں سے لایا؟''

''صرف خوب صورت نہیں سوامی!'' ٹھاکر بلرام سنگھ اپنی فتح کے خمار میں جھوم رہا تھا۔ ''میری زندگی کا سب سے بڑا شکار۔ آج ایسا لگ رہا ہے، جیسے میں نے سارا جگ جیت لیا ہو۔ یہ راج کماری رضیہ سلطانہ ہیں..... سلطان التمش کی بیٹی۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

سوامی دینا ناتھ کو سکتہ سا ہوگیا۔ پھر وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا اور شہزادی کے قریب جا کر پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔

''راج کماری! بھگوان ساکھشی (گواہ) ہیں کہ میں اس پاپ میں شریک نہیں ہوں۔'' دینا ناتھ کے دونوں ہاتھ جڑے ہوئے تھے۔ ''میں نے راجہ دیوپل اور ٹھاکر بلرام سنگھ کو بہت سمجھایا تھا، مگر ان دونوں نے میری ایک نہیں سنی۔'' سوامی پر خوفِ مرگ طاری تھا۔ وہ لرزتے ہوئے جسم کے ساتھ شہزادی کے قدموں میں جھک گیا۔ ''مجھے چھما کر دیجئے راج کماری! میں نردھن بھی ہوں اور نربل بھی۔''

''ہم نہیں جانتے کہ تُو کون ہے دینا ناتھ! مگر پھر بھی ہم نے تیری فریاد سن لی۔'' شہزادی کے لہجے میں وہی تحکم تھا جیسے وہ بلرام سنگھ کے قید خانے میں نہیں، تختِ سلطانی پر جلوہ افروز ہو۔ ''ہمارے بارے میں تجھ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔''

شہزادی کی بات سن کر بلرام سنگھ نے اس قدر خوف ناک قہقہہ لگایا کہ عشرت کدے کے بام و در گونج کر رہ گئے۔

سوامی دینا ناتھ تیزی سے اُٹھا اور بلرام سنگھ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ ''ہنس رہا ہے ٹھاکر! اُوپر تو دیکھ کہ آکاش ٹوٹ پڑا اور دھرتی پر بھونچال آ گیا۔''

''اب کچھ بھی ہو سوامی! مگر یہ انہونی تو ہوگئی۔'' بلرام سنگھ اسی خوف ناک انداز میں ہنس رہا تھا۔

''مجھے جانے دے ٹھاکر!'' سوامی اس قدر خوف زدہ تھا کہ اس نے بلرام سنگھ کے سامنے بھی ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''میں تیری بستی سے بہت دُور چلا جاؤں گا۔''

بلرام سنگھ کے قہقہے رک گئے اور وہ گہری نظروں سے دینا ناتھ کو دیکھنے لگا۔ پھر بہت سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''مجھے یقین ہوگیا سوامی! کہ تُو اس سفر میں ہمارا شریک نہیں ہوسکتا۔ یہ تو کھلا ہوا موت کا سفر ہے اور تُو زندگی کا طلب گار۔ مجھے تجھ سے کوئی شکایت نہیں۔ جدھر تیرا منہ اُٹھے، اُدھر چلا جا۔ میری طرف سے تُو آزاد ہے۔''

سوامی دینا ناتھ نے سکون کا سانس لیا اور پھر ٹھاکر کا شکریہ ادا کر کے تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

سوامی کے جاتے ہی ٹھاکر نے دو دیوداسیوں کو طلب کرتے ہوئے حکم دیا۔

''راج کماری کو الگ کمرے میں پہنچا دو۔''

رضیہ سلطانہ چپ چاپ دیوداسیوں کے ساتھ چلی گئی۔

❄==❄==❄

سلطان التمش نے کسی سازش کے امکان کو پوری شدت سے محسوس کر لیا تھا۔ سازش کے خدوخال تو واضح نہیں تھے، مگر التمش کے بیدار ذہن میں یہ بات عیاں ہو چکی تھی کہ سردار سارنگا بھی اس سازش کا ایک آلۂ کار ہے۔ سلطان کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ یہ آندھیاں تھم گئیں۔ التمش نے مختصر سے وقت میں ایک انتہائی اہم فیصلہ کر لیا۔

''پورے جنگل کو چاروں طرف سے اس طرح گھیر لو کہ درمیان میں پانچ چھ گز سے زیادہ فاصلہ نہ رہے۔'' سلطان التمش اپنے نائب سپہ سالار بہرام غوری سے مخاطب تھا۔ ''پھر پچاس پچاس میل تک پورے دہلی کا محاصرہ کر لو۔''

''کیا کسی بیرونی حملے کا خطرہ ہے؟'' بہرام غوری نے چونک کر کہا۔

''ہاں غوری! یہ دشمن کا بدترین حملہ ہے۔'' غصے کو ضبط کرتے ہوئے سلطان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ ''اُس کی تلوار میری شہ رگ کو چھونے ہی والی ہے۔ دعا کر غوری! خدا تیرے سلطان کی دستگیری فرمائے۔ ورنہ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔''

''ابھی تو جاں نثاروں کے کاندھوں پر ان کے سر باقی ہیں۔'' جوشِ جذبات میں بہرام غوری نے اپنی شمشیر کھینچ لی تھی۔ ''جب یہ تمام سر خاک و خون میں مل جائیں گے تو شاید.....''

''تجھے یہ جنگ اکیلے ہی لڑنی ہوگی۔'' التمش نے غوری کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''کسی امیر، وزیر کو خبر نہ ہو کہ لشکرِ سلطانی رات کے اندھیرے میں کہاں گیا ہے؟''

بہرام غوری نے سر جھکا دیا۔

''کوئی تجارتی قافلہ اور کوئی بارات تلاشی کے بغیر نہ دہلی کی حدود میں داخل ہو اور نہ باہر جائے۔'' سلطان نے اپنے نائب سپہ سالار کو ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

''سلطانِ عالی قدر! یہ خادم کسے ڈھونڈے اور کس کی تلاشی لے؟'' بہرام غوری نے عرض کیا۔

التمش کا ذہن بری طرح اُلجھ کر رہ گیا۔ وہ بہرام غوری کو کیسے بتاتا کہ اسے شہزادی رضیہ سلطانہ کی تلاش ہے۔

''پردے میں چھپی ہوئی عورت کا چہرہ غور سے دیکھو۔'' آخر مختصر سے وقفۂ سکوت کے بعد التمش نے جواب دیا۔ ''وہ عورت ہندو ہو یا مسلمان۔''

بہرام غوری حیرت زدہ رہ گیا۔ کہاں دشمن سے خوف ناک معرکہ آرائی کی باتیں اور کہاں خواتین کی تلاشی کا قصہ؟ التمش کی باتوں میں کوئی ربط نہیں تھا۔ ''آخر میں ان عورتوں سے کیا پوچھوں سرکارِ والا؟''

''عورتیں تمہیں خود بتا دیں گی کہ وہ کون ہیں اور تم ان سے کیا چاہتے ہو۔'' یکایک التمش کا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔

''بس اب تم جاؤ! طوفانِ برق و باد کی طرح..... جب ایک دستہ تھک جائے تو اس کی جگہ دوسرا دستہ مورچے سنبھال لے۔ مگر اس طرح کہ تمہاری آنکھیں کھلی رہیں اور دماغ جاگتے رہیں۔''

بہرام غوری قصرِ شاہی سے نکل کر فوجی چھاؤنی پہنچا اور پھر رات کی تاریکی میں اس کے بیس ہزار سپاہی اپنے اپنے محاذوں کی طرف بڑھنے لگے۔

❁==❁==❁

بہرام غوری کے جاتے ہی سلطان نے فردوس اور دوسری معتمد کنیزوں کو طلب کر کے کہا۔

''تم سب کی سب شہزادی عالیہ کی خواب گاہ کے تمام دروازوں پر اس طرح پہرہ دو گی کہ وہاں بیگماتِ سلطانی کا گزر بھی ممکن نہیں ہو گا۔''

کنیزوں کی گردنیں جھک گئیں۔

''کوئی پوچھے تو کہہ دیا جائے کہ رضیہ سلطانہ کی طبیعت ناساز ہے۔''

کنیزیں دھڑکتے دلوں اور لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ واپس چلی گئیں تو سلطان نے جمال الدین یاقوت کی نگرانی میں شہزادی کی خواب گاہ کے بیرونی حصے میں چاروں طرف سخت پہرہ لگا دیا۔

دنیاوی اعتبار سے ہر احتیاطی تدبیر اختیار کرنے کے بعد سلطان التمش نے اپنا کمرہ بند کر لیا اور خالقِ حقیقی کی بارگاہ میں جھک گیا اور اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

''اے علیم و خبیر! تُو خوب جانتا ہے کہ تیرے حقیر بندے التمش نے کبھی کسی کافر عورت کو بھی بے لباس و بے آبرو نہیں کیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ میرے کس گناہ کی سزا ہے؟ یقیناً مجھ ہی سے کوئی کوتاہی سرزد ہوئی ہے۔ اے ستار العیوب! میری خطاؤں کی پردہ پوشی فرما۔ میرے گناہوں کو بخش دے اور میری بیٹی کو دشمنوں کی دراز دستیوں سے محفوظ رکھ!''

رات کے سناٹے میں والیٔ ہندوستان، مالکِ ارض و سما کے سامنے دامن پھیلائے گریہ وزاری کر رہا تھا۔

❁==❁==❁

سوامی دینا ناتھ بہت خوش تھا۔ کل صبح ہوتے ہی اسے ٹھاکر بلرام سنگھ کی قید سے رہائی ملنے والی تھی۔ سوامی نے طے کر لیا تھا کہ وہ کٹیا سے نکلتے ہی سیدھا قصرِ شاہی پہنچے گا اور شہزادی کے اغوا کا پورا قصہ سلطان کے گوش گزار کر دے گا۔ دینا ناتھ کو یقین تھا کہ اتنی بڑی خوشخبری سننے کے بعد التمش نہ صرف اُسے معاف کر دے گا بلکہ انعام و اکرام سے بھی سرفراز کرے گا۔ اس کے بعد اس کی زندگی ہر خوف و خطر سے آزاد ہو گی۔ ٹھاکر بلرام سنگھ اپنے انجام کو پہنچ جائے گا اور پھر وہ کسی کی شرکت کے بغیر اپنی ''اندر سبھا'' کا تنہا مالک ہو گا۔

اس خیال سے سوامی نے جی بھر کے شراب پی تھی اور اب وہ ایک نوخیز دیوداسی کا رقص دیکھ رہا تھا۔

اچانک دینا ناتھ کے عشرت کدے کا دروازہ کھلا۔ سوامی نے گھبرا کر دیکھا، بلرام سنگھ، راجہ دیوبل کے ساتھ سامنے کھڑا تھا۔ ٹھاکر کے ہاتھ میں شمشیرِ بے نیام تھی اور ہونٹوں پر ایک پُراسراری مسکراہٹ نمایاں تھی۔

''آؤ ٹھاکر!'' دینا ناتھ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ''تمہارے بغیر تو محفل سُونی نظر آتی ہے۔'' سوامی بھرپور منافقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔ مگر جیسے ہی اس کی نظر ٹھاکر کی تلوار پر پڑی تو لرز کر رہ گیا۔ آج تک سوامی نے بلرام سنگھ کا یہ روپ نہیں دیکھا تھا۔

''ٹھاکر! رقص و سرود کی محفل میں یہ تلوار کیسی ہے؟'' دینا ناتھ جبراً مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کے چہرے پر خوف و دہشت کے سائے لرز رہے تھے۔

بلرام سنگھ چند قدم اور آگے بڑھا۔ ''سوامی! راگ اور رنگ سے دل بہلاتے زمانے گزر گئے۔ سیم تن لڑکیوں کا رقص دیکھتے دیکھتے اُکتا گیا ہوں۔ بہت دنوں سے رقصِ شمشیر نہیں دیکھا ہے۔ سوچا کہ آج رات بزرگوں کی اسی روایت کو زندہ کر دوں۔''

''مالک ہو ٹھاکر! مالک ہو۔'' سوامی کی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔ ''رقصِ بُتاں دیکھو یا رقصِ شمشیر۔''

بلرام سنگھ کے آتے ہی رقاصہ کمرے کے ایک گوشے میں سہم کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ٹھاکر نے اس پر اچٹتی سی نظر ڈالی۔ ''بھاگ جا لڑکی!..... بھاگ جا۔ تجھ سے رقصِ بسمل نہیں دیکھا جائے گا۔''

ٹھاکر کی غضب ناک آواز سنتے ہی دیوداسی بھاگ کھڑی ہوئی۔

''تیرے ستارے کیا کہتے ہیں سوامی؟'' بلرام سنگھ چند قدم اور آگے بڑھا۔

''ہر طرف ٹھاکر کی جے جے کار ہونے والی ہے۔'' دینا ناتھ نے کھڑے ہونے کی کوشش کی مگر شراب اور خوف نے اس کے جسم کی طاقت سلب کر لی تھی۔ بمشکل کھڑا ہوا مگر دوسرے ہی لمحے لڑکھڑا کر فرش پر گر پڑا۔

''ٹھاکروں کی جے جے کار تو رہتی دنیا تک رہے گی۔ مگر تیرا کوئی نام لیوا نہیں ہو گا۔'' بلرام سنگھ کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔ ''تُو کٹیا سے باہر جانا چاہتا تھا۔ میں نے تجھے جیون ہی سے مکتی دے دی۔ ذرا دیکھ تو مکار گیدڑ! ٹھاکروں کی کیسی نرالی شان ہے۔ دینے پر آتے ہیں تو کیا کیا دے دیتے ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی ٹھاکر کے ہاتھ کو جنبش ہوئی۔

پلک جھپکتے ہی سوامی دینا ناتھ کی گردن کٹ کر دور جا پڑی تھی اور پورا کمرہ خون سے بھر گیا تھا۔

''مہاراج! پورے تیس سال بعد تلوار اُٹھائی ہے۔ مگر آپ نے ٹھاکر کی کاٹ دیکھی؟'' بلرام سنگھ، راجہ دیوبل کی طرف مڑا۔ ''بھگوان کی کرپا سے میرا ہنر آج بھی زندہ ہے۔''

بلرام سنگھ کی سفاکی دیکھ کر راجہ دیوبل سکتے میں آ گیا تھا۔ مگر اسے فوراً ہی اپنے ہونٹوں پر ایک مصنوعی مسکراہٹ

سجانی پڑی۔ ''اگر اس تلوار کی کاٹ پر بھروسہ نہ ہوتا تو میں کبھی اپنی زندگی کو خطرے میں نہ ڈالتا۔''

بلرام سنگھ نے راجہ دیوبل کی بات سنی ان سنی کر کے سوامی کے مردہ جسم پر ایک زوردار ٹھوکر لگائی۔ ''کٹیا سے باہر جانا چاہتا تھا۔ تاکہ سلطان کا مخبر بن کر میری برسوں کی محنت پر خاک ڈال دے۔ ایک خارش زدہ کتا، شیروں کے جنگل پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔'' ٹھاکر نے تین بار سوامی کی لاش پر ٹھوکا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

تھوڑی دیر بعد دینا ناتھ کی لاش کو چتا کی بھڑکتی ہوئی آگ کے حوالے کر دیا گیا۔

ٹھاکر بلرام سنگھ، راجہ دیوبل کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا کہ اتنے میں ایک دیوداسی نے آ کر اطلاع دی کہ راج کماری کھانا کھانے سے انکار کر رہی ہے۔

ٹھاکر نے مخمور آنکھوں سے دیوداسی کی طرف دیکھا۔ ''راج کماری سے کہہ دے کہ یہ ان کا راج محل نہیں۔''

''میں نے سب کچھ کہہ کر دیکھ لیا ٹھاکر!''

''شانتا آ گئی؟'' بلرام سنگھ نے دیوداسی سے پوچھا۔

''جی ٹھاکر!''

''اسے یہاں بھیج دے۔'' بلرام سنگھ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

دیوداسی واپس چلی گئی۔

''ٹھاکر! تم کیوں اتنی اُلجھن مول لے رہے ہو؟'' دیوداسی کے جاتے ہی راجہ دیوبل نے بلرام سنگھ سے کہا۔

''آخر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں مہاراج؟'' ٹھاکر کے ماتھے پر کئی بل پڑ گئے۔ ''میں جان کی بازی کھیل رہا ہوں اور آپ اُلجھن کی بات کر رہے ہیں۔''

''میرا مطلب ہے کہ تم راج کماری کے کھانے کی فکر کیوں کرتے ہو؟ بس ایک ہی رات کی تو بات ہے۔'' راجہ دیوبل کا لہجہ خوشامدانہ تھا۔ ''کل صبح ہوتے ہی میں اسے اپنے ساتھ لے کر بہت دُور چلا جاؤں گا۔''

ٹھاکر نے راجہ دیوبل کی طرف دیکھا اور پھر بہت دیر تک اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتا رہا۔

راجہ دیوبل گھبرا سا گیا۔ اسے ٹھاکر کی بڑی بڑی سرخ آنکھوں میں کچھ اور ہی نظر آ رہا تھا۔

بلرام سنگھ نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی۔ ''مہاراج! اب راج کماری تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔''

''پھر؟'' راجہ دیوبل سناٹے میں آ گیا۔

''میں نے بھی اپنے سمراٹ پرتھوی راج چوہان کے مرنے کی خبر سن کر قسم کھائی تھی۔'' یکایک بلرام سنگھ کا تانبے جیسا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔

''کیسی قسم؟'' راجہ دیوبل بدحواس نظر آ رہا تھا۔

''شہاب الدین غوری سے انتقام کی قسم۔'' شدتِ غضب کے باعث ٹھاکر کے منہ سے جھاگ نکلنے لگے تھے۔ ''مگر وہ میرے انتقام کی آگ بجھنے سے پہلے ہی مارا گیا۔ پھر قطب الدین ایبک بھی دنیا سے چلا گیا۔ اب التمش تو نہیں، لیکن اس کی عزت و ناموس کا دامن میرے ہاتھوں میں ہے۔ میں خود راج کماری سے شادی کروں گا۔ آپ کل صبح ہوتے ہی یہاں سے چلے جائیں۔''

ٹھاکر بلرام سنگھ کی بات سن کر راجہ دیوبل کسی پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت ہو گیا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد اس کے

ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ ''یہ تم کیا کہہ رہے ہو ٹھاکر؟..... تمہاری زبان بدل گئی ہے یا میری سماعت کمزور ہو گئی ہے؟''

''مہاراج! میں نے وہی کہا جو آپ نے سنا۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ نہایت پُرسکون نظر آ رہا تھا۔ ''نہ میری زبان بدلی ہے اور نہ آپ کی سماعت میں کوئی فرق آیا ہے۔ ہر چیز اپنی جگہ قائم ہے مہاراج!''

''پھر تم راج کماری سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو؟'' راجہ دیوبل کا لہجہ انتہائی تلخ تھا۔ ''یہ عہد شکنی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟''

''میں نے کوئی عہد شکنی نہیں کی۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ کی آواز بلند تھی۔ ''جب دونوں راستے ایک ہی منزل کی طرف جاتے ہوں تو پھر کوئی بھی راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔''

''میں تمہاری باتوں کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہوں۔'' راجہ پر شدید جھنجلاہٹ طاری تھی۔ ''میں بچہ نہیں ہوں ٹھاکر! مجھے لفظوں کے کھلونوں سے بہلانے کی کوشش نہ کرو۔''

''مہاراج! بہت سیدھی سی بات ہے۔'' بلرام سنگھ کے لہجے میں کچھ اور ٹھہراؤ پیدا ہو گیا تھا۔ ''تم بھی سلطان التمش سے انتقام لینا چاہتے ہو اور میں بھی۔ مگر میرا خیال ہے کہ میں زیادہ بہتر انداز میں انتقام لے سکتا ہوں۔''

''تمہاری نیت بدل گئی ہے ٹھاکر!'' راجہ دیوبل کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور وہ چیخنے لگا۔

''نیت نہیں بدلی ہے، طریقِ کار بدل گیا ہے۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ مسکرانے لگا۔ ''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس طرح بھی سلطان سے انتقام لیا جا سکتا ہے۔ میں شکر گزار ہوں مہاراج! کہ آپ نے مجھے ایک نئی راہ دکھا دی۔''

''یہ سب بہانے ہیں ٹھاکر!'' راجہ دیوبل نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ وہ بلرام سنگھ کو بھی اپنی رعایا سمجھ رہا تھا۔

یکایک ٹھاکر کا انداز بھی بدل گیا، اس نے خونخوار نظروں سے راجہ دیوبل کی طرف دیکھا۔ ''مہاراج! تسلی رشتے کی وجہ سے میں آپ کا احترام کرتا ہوں لیکن اگر آپ کی عادتیں نہیں بدلیں تو یہ احترام بھی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔ میں نے سمراٹ پرتھوی راج چوہان کے علاوہ کبھی کسی کو اپنا حاکم تسلیم نہیں کیا۔ آپ میرے دوست تو ہو سکتے ہیں.....'' بلرام سنگھ نے قصداً اپنی بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''ٹھاکر! تم نے مجھے دھوکا دیا۔'' راجہ دیوبل کو یہ احساس بھی نہیں رہا تھا کہ اس کی زندگی بلرام سنگھ کے رحم و کرم پر ہے۔ وہ اس قدر جذباتی ہو گیا تھا کہ اسے شہزادی رضیہ سلطانہ سے وابستگی کے سوا کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

''بس مہاراج!'' بلرام سنگھ کسی زخمی درندے کی طرح دھاڑا۔ ''وہ دوستی بھی ختم ہو گئی۔ ''اب مجھے ایک لمحے کے لئے بھی آپ کا وجود گوارا نہیں ہے۔ اگر آپ میرے مہمان نہ ہوتے تو اب تک سوامی دینا ناتھ کے پاس پہنچ گئے ہوتے۔''

راجہ دیوبل، راجپوت ہوتے ہوئے بھی فطرتاً ایک بزدل انسان تھا۔ اگر اسے اپنی زندگی عزیز نہ ہوتی تو وہ گوالیار کے محاصرے کے دوران قلعے کے دروازے کھول کر میدان میں آتا اور راجپوتوں کی دیرینہ روایات کے مطابق سلطان التمش کا بھرپور مقابلہ کرتا۔ پھر وہ سرِ میدان فاتح قرار پاتا یا پھر لڑتے لڑتے مارا جاتا۔ مگر اسے اپنی جان پیاری تھی، اس لئے رات کے اندھیرے میں بھاگ کھڑا ہوا۔ سوامی دینا ناتھ کی کٹیا میں پہنچ کر بھی اس نے اپنی حاکمانہ شان برقرار رکھنی چاہی۔ مگر جب ٹھاکر بلرام سنگھ کے بگڑے ہوئے تیور دیکھے تو خوشامد پر اُتر آیا۔ ''میرا مطلب یہ نہیں تھا ٹھاکر!''

''آپ کا مطلب کچھ بھی ہو، مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ جلد از جلد یہاں سے چلے جائیں۔'' بلرام سنگھ کا لہجہ قہر کی آگ سے جل رہا تھا۔

''میں چلا جاؤں گا۔'' راجہ دیوبل نے ایک بار پھر آزمائش کے وقت ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ''مگر میری وہ رقم، جو میں نے راج کماری کے اغوا کے سلسلے میں سارنگا کو دی ہے؟''

''اس کا حساب دیوتا دیں گے۔'' ٹھاکر کا غصہ ابھی تک کم نہیں ہوا تھا۔ ''آپ نے پہلے بھی دھرم کی بہت سیوا کی ہے، اس رقم کو بھی اسی سیوا میں شامل کر لیجئے۔''

راجہ دیوبل دوسری جنگ بھی ہار گیا تھا۔ اب اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ یہاں سے چپ چاپ نکل کر اجین چلا جائے۔ مذہبی جذبات کی تند و تیز لہر گزر جانے کے بعد گوالیار کے معزول حکمراں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ شہزادی رضیہ سلطانہ کا اغوا، سلطان التمش کے دشمنوں کے لئے تباہ کن ثابت ہو گا۔ یہی سوچ کر راجہ دیوبل نے اپنا دامن بچانے کی کوشش کی تھی۔

''ٹھیک ہے ٹھاکر! تُو راج کماری سے شادی کر کے سرخرو ہو جا۔'' عیار راجہ دیوبل اب نئی چال چل رہا تھا۔ ''واقعی تُو نے ہندو دھرم کی بہت سیوا کی ہے۔ اس لئے میں تیرے حق میں دستبردار ہوتا ہوں۔''

''سچ تو یہ ہے مہاراج! کہ آپ اس خوفناک بازی کو کھیل بھی نہیں سکتے۔'' بلرام سنگھ نہایت پُر جوش لہجے میں اپنی تعریف کر رہا تھا۔ ''یہ تو ٹھاکر ہی کا جگر ہے کہ وہ تیس سال سے نہ جانے کیسے کیسے صدمے برداشت کر رہا ہے۔ اب قسمت کی دیوی مہربان ہوئی ہے تو شاید سلگتے ہوئے زخم بھی مندمل ہو جائیں۔''

''تیرے زخم بھی بھر جائیں گے ٹھاکر! اور بھارت کے اتہاس میں تیرا نام بھی زندہ رہ جائے گا۔'' راجہ دیوبل بڑی فریب کاری کے ساتھ بلرام سنگھ کو ورغلا رہا تھا۔ اب اس کی ایک ہی خواہش تھی کہ کسی طرح ٹھاکر ذلیل و رسوا ہو جائے اور سلطان التمش اُس کے عشرت کدے کو جلا کر راکھ کر ڈالے۔

بلرام سنگھ نے چونک کر راجہ دیوبل کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ''مہاراج! انتقام کا یہ منصوبہ صرف میری ذات تک محدود نہیں۔ اگر وقت نے ساتھ دیا تو ہو سکتا ہے کہ آپ کو کھویا ہوا اقتدار دوبارہ مل جائے۔''

اقتدار کے نام پر راجہ دیوبل ساری نفرتیں بھول گیا۔ ''وہ کیسے ٹھاکر؟'' راجہ دیوبل کا انداز اس بھکاری جیسا تھا، جس نے کئی دن سے روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہ کھایا ہو۔

''راج کماری، سلطان کی بہت چہیتی بیٹی ہے۔'' ٹھاکر نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اگر میں اسے یہاں سے لے جانے میں کامیاب ہو گیا تو گوالیار ہی نہیں، ساری ہندو ریاستیں آزاد ہو جائیں گی۔''

''مگر کس طرح؟'' سینے میں جذبات کی لہر اُٹھی تو راجہ دیوبل کی سانسیں بے ربط ہو گئیں۔

''میں راج کماری کو لے کر اجین پہنچوں گا۔'' بلرام سنگھ نے اپنے نئے منصوبے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''پھر سلطان کے پاس پیغام بھیجوں گا کہ اگر وہ اپنی بیٹی کی واپسی چاہتا ہے تو تمام ہندو ریاستوں کو آزاد کر دے۔ اس کا ایک ایک سپاہی اور ایک ایک کارندہ ان علاقوں سے نکل جائے، یہاں تک کہ ہندو سپاہی دوبارہ ریاستوں کا انتظام سنبھال لیں۔ مجھے یقین ہے کہ سلطان ایک لمحے کی تاخیر کئے بغیر میری اس شرط کو قبول کر لے گا۔''

''مگر تم تو راج کماری کو اپنی بیوی بنانا چاہتے ہو۔'' راجہ دیوبل کا ذہن اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ اس کے خیال میں بلرام

سنگھ، ہندو ریاستوں کی آزادی کا ذکر کر کے اپنی بدعہدی کی توجیہہ پیش کر رہا تھا۔

''اس وقت تک وہ میری بیوی تو بن ہی چکی ہو گی۔'' بلرام سنگھ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ اس کے قہقہے میں نفرت و انتقام کے ساتھ ہوس کی آمیزش تھی۔ ''ٹھاکر، بنیوں کی قوم میں سے نہیں۔ مگر وہ ریاست میں سود در سود کا حساب رکھتا ہے۔ راج کماری سے شادی بھی کروں گا اور اسی کا سہارا لے کر ہندو ریاستوں کو آزاد بھی کراؤں گا۔ مہاجنوں کے نزدیک اسی کو سود در سود کہتے ہیں۔''

''مگر یہ کام تو یہاں رہ کر بھی ہو سکتا ہے۔'' ٹھاکر کی بات سن کر راجہ دیوبل اپنی ریاست کے حصول کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ ''تمہیں اجین جانے کی کیا ضرورت ہے؟''

بلرام سنگھ نے تمسخر آمیز نظروں سے راجہ دیوبل کی طرف دیکھا۔ ''مہاراج! برا نہ مانئے گا۔ سلطان التمش نے آپ جیسے مورکھ انسان کے ساتھ جو کچھ کیا، ٹھیک ہی کیا۔''

راجہ دیوبل کو شدید اذیت کا احساس ہوا مگر وہ اپنی اس توہین کو بھی برداشت کر گیا۔

''اگر میں اس تہہ خانے میں رہ کر سلطان کو اپنا شرائط نامہ بھیجوں تو پیغام لے جانے والے شخص کے ساتھ ساتھ التمش کی فوجیں بھی کٹیا میں داخل ہو جائیں گی۔'' بلرام سنگھ نے انتہائی تلخ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''آپ چاہتے ہیں مہاراج! کہ میں اپنے ہاتھ سے اپنے گھر کو آگ لگا دوں؟''

راجہ دیوبل کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ واقعی وہ اس وقت دنیا کا احمق ترین انسان نظر آ رہا تھا۔

تھوڑی دیر راجہ دیوبل کی یہی کیفیت رہی۔ پھر اس نے آہستہ سے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ ''تُو ٹھیک کہتا ہے ٹھاکر! اس شکست و فرار نے مجھے مخبوط الحواس بنا دیا ہے۔''

''مگر میں نے تو اپنے ہوش نہیں گنوائے ہیں۔'' یکایک بلرام سنگھ کا اندازِ گفتگو بدل گیا تھا۔ ''آپ کل ہی اجین چلے جائیں اور مہاراج سے کہہ دیں کہ میں راج کماری رضیہ سلطانہ کو لے کر پہنچنے ہی والا ہوں۔ پھر سلطان سے مطالبہ کیا جائے گا کہ اگر اسے اپنی بیٹی کی زندگی عزیز ہے تو ساری ہندو ریاستوں سے بے دخل ہونے کا اعلان کر دے۔''

''اگر التمش پھر بھی نہیں مانا..... اور اس نے اجین پر یلغار کر دی؟'' راجہ دیوبل نے پریشان لہجے میں کہا۔ اجین اُس کی آخری پناہ گاہ تھی۔

''وہ حملہ تو ہر صورت میں کرے گا۔'' ٹھاکر بلرام سنگھ کسی جنگی ماہر کے انداز میں بول رہا تھا۔ ''جب لڑائی ہمارا مقدر ٹھہری ہے تو پھر ہمیں اپنے دفاع کو مضبوط تر بنانا چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ راج کماری رضیہ سلطانہ ہماری مضبوط ترین ڈھال ثابت ہو گی۔''

بات راجہ دیوبل کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اور پھر فوراً ہی اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ 'اگر بلرام سنگھ، راج کماری کو لے کر اجین آ گیا تو اُس کی ساری اُلجھنیں دُور ہو جائیں گی۔' راجہ دیوبل دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔ 'پھر ٹھاکر کو آسانی کے ساتھ راستے سے ہٹا دیا جائے گا۔ ابھی وہ اپنے گھر میں ہے، اس لئے شیر نظر آ رہا ہے۔ مگر جب وہ دہلی کی زیرِ زمین پناہ گاہ سے نکل کر اجین پہنچے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ مہاراجہ گوالیار کی تحقیر کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے؟'

راجہ دیوبل کے عیار ذہن نے ایک اور منصوبہ تراش لیا تھا۔ اس لئے وہ جلد از جلد بلرام سنگھ کی قید سے آزاد ہو جانا چاہتا تھا۔ ''ٹھاکر! ساری دنیا کی عقل ایک طرف اور تیری عقل دوسری طرف۔ پھر بھی تیری ہی عقل کا پلّہ بھاری

رہے گا۔ میں کل ہی اجین چلا جاؤں گا.....اور پھر جب تُو راج کماری کو لے کر ادھر آئے گا تو ہزاروں راجپوت سپاہی تیری پشت پر کھڑے ہوں گے۔"

بلرام سنگھ کے ذہن کا غبار صاف ہو گیا تھا اور اب وہ راجہ دیوبل کو رخصت کرنے کی تدبیر سوچ رہا تھا۔ "کل سارنگا سے پوچھ کر بتاؤں گا کہ راستہ صاف ہے یا سلطان التمش نے ہر طرف زہریلے کانٹے بچھا دیئے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو ٹھاکر! میں قدم بہ قدم تیرے ساتھ ہوں۔" راجہ دیوبل نے انتہائی منافقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بلرام سنگھ کے آگے سر جھکا دیا تھا۔ مگر اس کا ذہن سازشوں کی آماجگاہ تھا اور دماغ سے اُٹھنے والی ہر لہر میں ٹھاکر کی تباہی کا منصوبہ پرورش پا رہا تھا۔

❁==❁==❁

سلطان التمش نے وہ رات جاگ کر گزاری۔ پھر نمازِ فجر ادا کرتے ہی وہ ایک فوجی دستہ لے کر جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ قدم قدم پر اسے اپنے مستعد سپاہی کھڑے نظر آ رہے تھے۔

جنگل کے قریب پہنچ کر سلطان نے دیکھا کہ چاروں طرف مسلح سپاہیوں کا ایک جال سا پھیلا ہوا تھا۔ اس صورتِ حال میں انسان تو کجا، کوئی لومڑی یا گیدڑ بھی فرار نہیں ہو سکتا تھا۔ سلطان نے بہرام غوری کے انتظامات کی تعریف کی اور پھر اپنے کچھ سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ جنگل کے اندر جا کر سارنگا کو آواز دیں۔ جب بھی التمش کو شکار کے سلسلے میں سارنگا کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، ایک سلطانی ہرکارہ جنگل میں داخل ہو کر زور زور سے سارنگا کو پکارا کرتا تھا۔ پھر تیسری یا چوتھی آواز پر وہ درختوں کے جھنڈ سے نکل کر حاضر ہو جاتا تھا۔ مگر آج بیک وقت کئی ہرکارے مختلف سمتوں میں چیختے پھر رہے تھے اور سارنگا کا دُور دُور تک پتہ نہیں تھا۔

کوئی ایک گھنٹے کے بعد سلطان نے اپنے سینکڑوں سپاہیوں کو اس ہدایت کے ساتھ جنگل کے اندر بھیج دیا کہ جو شخص بھی وہاں نظر آئے، اسے گرفتار کر لیا جائے۔ سلطان کے منتخب سپاہی صبح سے شام تک جنگل کے ان حصوں میں سر مارتے پھرے جو نسبتاً کشادہ اور روشن تھے۔ انہیں کئی مقام پر کچھ جھونپڑیاں نظر آئیں مگر وہاں کوئی متنفس موجود نہیں تھا۔ البتہ جھونپڑیوں میں کھانے پینے کی کچھ چیزیں اور روزمرہ کے استعمال کا کچھ سامان نظر آ رہا تھا۔ اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ جھونپڑیوں کے مکین کسی خاص منصوبے کے تحت یا تو فرار ہو گئے ہیں یا پھر کسی محفوظ مقام پر روپوش ہو گئے ہیں۔ سلطان کے سپاہیوں کو جنگل کی تلاش کے دوران کچھ ایسے گوشے بھی نظر آئے جو انتہائی تاریک اور گنجان تھے۔ وہاں اس وقت تک گزر ممکن نہیں تھا جب تک کہ درختوں کو کاٹ کر روشنی نہ کی جائے۔

شام کے قریب سپاہیوں نے واپس آ کر سلطان کو اطلاع دی کہ وہ اپنی کوششوں میں ناکام ہو چکے ہیں۔

التمش کے چہرے پر گہری اُداسی چھا گئی۔ پھر وہ سنبھلا اور اُس نے بہرام غوری سے تنہائی میں گفتگو کی۔

"ہم نے اب تک کسی خاتون کو تلاشی کے بغیر گزرنے نہیں دیا ہے۔" بہرام غوری اپنی دن بھر کی کارروائی کی تفصیلات پیش کر رہا تھا۔ "ان عورتوں میں ہندو بھی تھیں اور مسلمان بھی.....مگر کسی خاتون نے کسی خاص بات کا اظہار نہیں کیا۔ البتہ وہ بہت زیادہ خوف زدہ نظر آ رہی تھیں۔

سلطان کو یقین ہو گیا کہ ان عورتوں میں رضیہ سلطانہ موجود نہیں تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو بہرام غوری، شہزادی کو فوراً

پہچان لیتا۔ جستجو کی اس مہم میں بہرام غوری کو اسی لئے شریک کیا گیا تھا کہ وہ رضیہ سلطانہ کو صورتاً بھی پہچانتا تھا۔

اپنی مختلف تدبیروں کو ناکام ہوتا دیکھ کر سلطان التمش دل گرفتہ ضرور تھا، مگر اسے یہ خوشی ضرور تھی کہ شہزادی رضیہ سلطانہ ابھی تک دہلی کی حدود میں موجود تھی۔

کچھ دیر کے لئے سلطان کے سینے میں غصے کی تند و تیز لہر اُٹھی اور اس نے چاہا کہ پورے جنگل کو آگ لگا دے۔ مگر پھر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ کہیں اس کا یہ عمل دشمنوں کو بدظن نہ کر دے اور پھر وہ شہزادی کو نقصان پہنچانے پر آمادہ ہو جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ التمش کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے گریزاں تھا۔ پھر وہ بہرام غوری کو نئی ہدایات دے کر محل کی طرف روانہ ہو گیا۔

"تم اسی طرح ہر گزرنے والے مرد و زن پر گہری نظر رکھو۔ اگر کوئی بھی شخص مشکوک نظر آئے تو اسے فوراً گرفتار کر کے میرے روبرو پیش کر دو۔"

بہرام غوری نے ایک بار پھر سرِ اطاعت خم کر دیا۔ مگر اس کا بے قرار ذہن مسلسل یہی سوچتا رہا کہ آخر سلطان کو کس مشتبہ مرد اور کس مشکوک عورت کی تلاش ہے؟ وہ اس سلسلے میں اپنے فرمانروا سے کئی سوال کرنا چاہتا تھا مگر خاموش رہا کہ اس کا منصب اسے لب کشائی کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

❁==❁==❁

راجہ دیوبل بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ ٹھاکر بلرام سنگھ نے صبح ہوتے ہی سارنگا کو بلا کر کہا تھا کہ مہاراج کو جلد از جلد دہلی کی حدود سے باہر پہنچا دے۔ مگر سارنگا نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"ٹھاکر! میں اس وقت کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ سلطان کے سپاہی ٹڈی دل کی طرح پورے جنگل پر چھائے ہوئے ہیں اور ایک ایک گزرگاہ پر سخت پہرہ لگا ہوا ہے۔"

"پھر؟" بلرام سنگھ بھی یہ سن کر کچھ گھبرا سا گیا تھا۔

"ابھی کچھ نہیں ہو سکتا ٹھاکر!" سارنگا کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ "یہ ایک ایسا ہی منظر ہے کہ جیسے کسی سانپ کے بل پر سینکڑوں آدمی لاٹھیاں اٹھائے کھڑے ہوں۔ اگر سانپ نے جھانکنے کی بھی کوشش کی تو بے موت مارا جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ ہم سب اپنے اپنے بلوں میں سمٹے ہوئے بیٹھے رہیں۔ جب سلطان کے سپاہی تھک ہار کر واپس چلے جائیں گے تو پھر یہ ممکن ہے کہ فرار کا کوئی راستہ نکل آئے۔"

"سلطان کے سپاہی کیوں واپس جانے لگے۔" ٹھاکر بلرام سنگھ جھنجلا کر بولا۔ "اس کے پاس لاکھوں فوجی ہیں، اس پانچ ہزار تو عمر بھر پہرہ دے سکتے ہیں۔"

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا ٹھاکر! کہ یہ موت کا کھیل ہے۔" سارنگا جیسے سفاک لٹیرے کا چہرہ بھی بجھا بجھا سا تھا۔ "مگر آپ تو دیوی دیوتاؤں کو درمیان میں لے آئے۔ میں بھی کیا کرتا؟ دھرم کی سیوا کے نشے میں اتنی بڑی غلطی کر بیٹھا۔"

"کیسی غلطی؟" ٹھاکر بلرام سنگھ غضب ناک لہجے میں بولا۔ "ہم نے موت کا یہ کھیل ہنسی خوشی کھیلا تھا۔ اگر سلطان التمش سو برس تک بھی پہرہ دیتا رہے تو اسے کیا حاصل ہو گا؟ اس کے جاسوس کسی بھی حال میں ہم تک نہیں پہنچ

سکیں گے۔"

"مگر ٹھاکر! ہماری روٹی پانی کا کیا ہوگا؟" سارنگا اور اس کے ساتھیوں کی گزر اوقات ہی لوٹ مار کے مال پر ہوتی تھی۔ لیکن اب وہ سارے راستے بھی بند ہو چکے تھے۔ "میرے ہزاروں ساتھی کیا کھائیں گے؟"

"جب تک حالات سازگار نہیں ہو جاتے، اُنہیں مندر سے کھانا ملے گا۔" بلرام سنگھ نے اس قدر بے نیازانہ لہجے میں کہا جیسے وہ خود "اَن داتا" ہو۔ "اپنے آدمیوں سے کہہ دے کہ جب تک خطرہ ٹل نہیں جاتا، وہ کٹیا میں چلے آئیں اور سادھوؤں کا لباس پہن کر اِدھر اُدھر گھومتے رہیں۔"

اس فیاضانہ پیشکش پر سارنگا نے آگے بڑھ کر بلرام سنگھ کے قدم چھو لئے۔ "شکریہ ٹھاکر! آپ نے اس آڑے وقت میں ہم غریبوں کا بہت ساتھ دیا ہے۔" پھر سارنگا فرش سے اُٹھا اور واپس جانے لگا۔

"مگر میرا کیا ہوگا سارنگا؟" راجہ دیوبل نے گھبرا کر کہا۔

سارنگا مڑا اور نہایت مطمئن لہجے میں بولا۔ "آپ بھی اچھے وقت کا انتظار کریں مہاراج!"

"میں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔" راجہ دیوبل جھنجلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ "مہاراجہ اجین میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"کیا کروں مہاراج! سارے حالات آپ کے سامنے ہیں۔" سارنگا نے سر جھکا دیا۔

"تُو اور تیرے آدمی نئی سرنگ کھود کر نیا راستہ کیوں نہیں نکال لیتے؟" راجہ دیوبل بدحواسی میں احمقانہ باتیں کر رہا تھا۔

"نئی سرنگ؟" اس پریشان کُن صورتِ حال میں بھی سارنگا اپنی ہنسی پر قابو نہ رکھ سکا۔ "اگر سو میل لمبی سرنگ کھودوں تو شاید سلطان کے بچھائے ہوئے جال سے محفوظ رہ سکوں۔"

سارنگا کی بات سن کر ٹھاکر بھی ہنسنے لگا۔ "دھیرج دھریں مہاراج! مریں گے تو سب ایک ساتھ مریں گے۔ تنہا آپ پر قیامت نہیں آئے گی۔"

❁==❁==❁

فردوس کئی بار خدمتِ سلطان میں حاضر ہو کر شہزادی کے متعلق دریافت کر چکی تھی۔ مگر التمش کے پاس اس کے سوال کا ایک ہی جواب تھا۔ "تیری آقا زادی کا کچھ پتہ نہیں فردوس!" التمش نے بڑی مشکل سے اپنی آواز پر قابو پایا۔ "بس خدا سے دعا کر! بڑی نازک گھڑی ہے۔"

"سلطانِ عالی قدر! میری آقا زادی کو کچھ نہیں ہوگا۔" فردوس اس قدر وارفتہ ہوگئی کہ التمش کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگی۔ "جب ہم بے کس و مجبور عورتیں آپ کی حفاظت میں ہیں تو شہزادی حضور، اللہ کی حفاظت میں ہوں گی۔ یہی اس دنیا کے مالک کا نظام ہے۔"

"خدا کرے ایسا ہو!" التمش، فردوس کے سر پر ہاتھ پھیرتے پھیرتے خود بھی رونے لگا۔ "میں بہت گناہ گار انسان ہوں فردوس! خدا کے قہر سے ڈرتا ہوں۔"

"نہیں میرے آقا!" فردوس بچوں کی طرح سسکنے لگی۔ "آپ نے گناہوں کے بیج نہیں بوئے ہیں۔ اس لئے

عذاب کی فصل بھی نہیں کاٹیں گے۔"

"حرم سرا کی خواتین کو تو اس واقعے کا پتہ نہیں ہے؟" یکایک کچھ سوچتے ہوئے التمش نے سوال کیا۔

فردوس نے گھبرا کر سر اُٹھایا۔ اس کی خوب صورت آنکھیں آنسوؤں کی سوزش سے جل رہی تھی۔ "شہزادی حضور کی بیماری کی خبر عام ہو چکی ہے۔ تمام خواتینِ معظمہ ان کی عیادت کے لئے بے قرار تھیں۔ مگر جب میں نے انہیں حکمِ سلطانی سے آگاہ کیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر بھی ملکۂ ہند کے تیور بہت خراب تھے۔ وہ روکے سے نہیں رُکتی تھیں۔ پھر جب میں نے سخت طرزِ عمل اختیار کیا تو مجھے بدترین سزا کی نوید دے کر چلی گئیں۔

"شاباش فردوس!" التمش نے بہت محبت سے اس کا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تُو بہت فرض شناس لڑکی ہے۔ آئندہ بھی ترکان شاہ پر گہری نظر رکھنا۔ اگر بات اس کے کانوں تک پہنچ گئی تو پورے ہندوستان میں عام ہو جائے گی۔"

❁==❁==❁

یہ دوسرا دن تھا کہ غذا کے نام پر رضیہ سلطانہ کے منہ میں ایک کھیل بھی اُڑ کر نہیں گئی تھی۔ دیوداسیوں کے بے انتہا اصرار کے باوجود شہزادی نے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ آخر بلرام سنگھ خود اس کمرے میں آیا، جہاں التمش کی جانشین کو قید کیا گیا تھا۔

"راج کماری! آپ کے بھوکے مر جانے سے بلرام سنگھ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔" ٹھاکر کا لہجہ تمسخر آمیز تھا۔

"بہت اثر پڑے گا ٹھاکر!" شہزادی کے لہجے سے جلالِ سلطانی نمایاں تھا۔ "میری موت کے بعد تُو اپنے ارادوں میں ناکام ہو جائے گا۔ اور یہی تیری شکست ہوگی۔"

"اب ٹھاکر کو کوئی شکست نہیں دے سکتا راج کماری!" بلرام سنگھ کی شیطانی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوگئی تھی۔ "موت سے پہلے آپ پر ایک اور موت طاری ہو جائے گی..... آپ کے ناموس کا قتل..... عزت و آبرو کی موت..... اور یہ بات میرے لئے بہت آسان ہوگی۔"

بلرام سنگھ، شہزادی رضیہ سلطانہ کو نوگرفتار چڑیا سمجھ کر اس کے تڑپنے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"یہ تیری بھول ہے ٹھاکر!" رضیہ سلطانہ کا انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے وہ اپنے کسی ادنیٰ خدمت گار سے مخاطب ہو۔ "تُو کسی کی زندگی اور موت پر قادر نہیں ہے۔ غور سے دیکھ! تجھے تو اپنے آپ پر بھی اختیار نہیں ہے۔"

"دیوتاؤں کی قسم! وہی ہوگا، جو ٹھاکر نے سوچا ہے۔" بلرام سنگھ اپنی گھنی مونچھوں کو بل دینے لگا جو نصف سے زیادہ سفید ہو چکی تھیں۔

"عنقریب تیرے دیوتا بھی یہ تماشا دیکھ لیں گے۔" پہلی بار رضیہ سلطانہ مسکرائی تھی مگر اس کی مسکراہٹ میں بلرام سنگھ کے لئے زمانے بھر کی نفرتیں اور حقارتیں پوشیدہ تھیں۔ "مگر دیوتا کس طرح دیکھ سکتے ہیں؟ وہ تو پتھر کی آنکھیں رکھتے ہیں۔ خیر! تُو خود ہی اپنی ناکامیوں کا تماشائی ہوگا..... یا پھر تیرے یہ زرخرید غلام تجھے اوندھے منہ زمین پر گھسٹتا ہوا دیکھیں گے۔"

شہزادی کے لفظوں کی شعلگی نے بلرام سنگھ کے دل و دماغ کو جلا ڈالا تھا۔ ''راج کماری! تمہیں ایک عورت سمجھ کر آٹھ دن کی مہلت دی تھی، اب چھ دن باقی ہیں۔ برسپت (جمعرات) کے روز تمہاری تبدیلیٔ مذہب کی رسم ادا ہوگی۔''

''کیا ہذیان بک رہا ہے ٹھاکر؟'' یکایک شہزادی کا لہجہ قہر آلود ہوگیا تھا۔ ''اگر تُو چاند ستاروں کی رفتار بدل سکتا ہے تو پھر شاید یہ ممکن ہے کہ رضیہ سلطانہ کا عقیدہ بھی بدل جائے۔''

''دُرگا کے جلال و جبروت کی قسم!'' بلرام سنگھ کسی زخمی سانپ کی طرح پھنکارا۔ ''اگر ٹھاکر نے تجھے جیتے جی دیوتاؤں کے قدموں میں نہ جھکایا تو تیرا کٹا ہوا سر ضرور بھینٹ چڑھا دے گا۔ راج کماری! یہ بلرام سنگھ کی قسم ہے جو پوری ہو کر رہے گی۔''

''تُو کیا اور تیری قسم کیا؟'' پورا کمرہ شہزادی کی پُرجلال آواز سے گونج اُٹھا۔

بلرام سنگھ نے اپنے مختلف دیوتاؤں کے نام لے کر مزید قسمیں کھائیں اور رضیہ سلطانہ کو دردناک انجام کی دھمکی دے کر چلا گیا۔

❁==❁==❁

سارنگا اپنے ہزاروں لٹیروں کے ساتھ آنجہانی سوامی دینا ناتھ کی کٹیا میں مقیم تھا اور بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ کچھ لٹیرے اسے پل پل کی خبریں دے رہے تھے۔ سلطان کے سپاہی پوری مستعدی کے ساتھ پہرے پر موجود تھے اور محاصرے کی تنگی کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی جنگلی جانور بھی فرار ہونے کی کوشش کرتا تو فوجیوں کے تیروں اور نیزوں کا شکار ہو جاتا۔

سارنگا ایک درخت کے نیچے بیٹھا ان پجاریوں کو دیکھ رہا تھا، جو ہنسی خوشی، لہراتے جھومتے اور بھجن گاتے رام مندر کی طرف جا رہے تھے۔ سب کے سب اپنے گیان دھیان میں مگن تھے اور سارنگا کو محسوس ہو رہا تھا، جیسے یہ تمام پجاری موت کے فرشتے کے نقیب ہوں اور چیخ چیخ کر کہہ رہے ہوں کہ سارنگا! تیرا وقت قریب آ گیا ہے۔

سارنگا کے پورے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ اس کے بہت سے ساتھی بار بار کہہ چکے تھے کہ سردار ہمیں کس مصیبت میں پھنسا دیا؟ کیسی پُرمسرت اور آزاد زندگی تھی۔ ڈاکے بھی مارتے تھے اور سلطان سے بھی انعام و اکرام پاتے تھے۔ یہ کیسی دھرم سوا ہے کہ مگرمچھ سے بیر لے لیا۔ جنگل میں رہتے ہوئے شیر کو اپنا دشمن بنا لیا۔ سارنگا کے کانوں میں ساتھیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ وہ دو راتوں سے مسلسل جاگ رہا تھا۔ بس چند لمحوں کے لئے سویا تھا اور پھر ایک بھیانک خواب دیکھتے ہوئے اُس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اب اُسے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے اشرفیوں کے ڈھیر کے بدلے دن رات کا سکون گنوا دیا تھا۔

آخر جب سارنگا کی وحشت حد سے گزر گئی تو وہ بلرام سنگھ کے پاس پہنچا اور رات کا خواب سنانے لگا۔

''کل رات میں نے بڑا بھیانک سپنا دیکھا ہے ٹھاکر!'' سارنگا کے چہرے پر خوف کی ہلکی ہلکی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔

''کیسا سپنا؟'' بلرام سنگھ نے چونک کر پوچھا۔

''میں نے دیکھا کہ سارے جنگل میں آگ لگی ہے۔ شیر، چیتے، ہاتھی اپنے اپنے ٹھکانوں سے نکل کر بھاگ

رہے ہیں اور سلطان کے سپاہی انہیں نشانہ بنا رہے ہیں۔ ہر طرف خون ہی خون ہے۔ پھر یہ خون ایک سیلاب کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ خون کی تند و تیز موجیں جنگل سے گزر کر رام مندر کی طرف بڑھتی ہیں۔ یہاں تک کہ دیوتاؤں کی تمام مورتیاں سیلابِ خون میں غرق ہو جاتی ہیں۔''

سارنگا کا خواب سن کر بلرام سنگھ نے قہقہہ لگانے کی کوشش کی مگر یہ قہقہہ کھوکھلا اور بے جان تھا۔ ''یہ خواب نہیں سارنگا! تیرے خیالات ہیں جو ذہن پر مسلط ہو گئے ہیں۔''

''نہیں ٹھاکر!'' سارنگا نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں نے آج تک ایسا کوئی خواب نہیں دیکھا۔''

بلرام سنگھ کچھ دیر تک سوچتا رہا، پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ''اگر تیرا یہ خواب سچا ہے تو پھر اس کی تعبیر اُلٹی ہے۔ موجِ خوں، رام مندر کے کلس سے نہیں، قصرِ سلطانی کے گنبد سے گزرے گی۔ پریشان نہ ہو سارنگا! ہماری منزل بہت قریب ہے۔ سلطان کا قلعہ، موجِ خوں میں غرق ہونے والا ہے۔''

سارنگا تو مطمئن ہو کر چلا گیا..... مگر ٹھاکر بلرام سنگھ کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ نازک اندام شہزادی، قید و بند کی ایک رات بھی سکون سے بسر نہیں کر سکے گی۔ اور چند گھنٹے گزرتے ہی وہ ٹھاکر کے قدموں پر اپنا سر رکھ دے گی۔ لیکن رضیہ سلطانہ کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ ایک شجاع ترین مرد سے بھی زیادہ مضبوط اعصاب کی مالک ہے۔ بلرام سنگھ اس حقیقت کا مشاہدہ کر چکا تھا کہ شہزادی میں شاخِ گُل کی سی لچک نہیں، آہنی سلاخ کی سی سختی ہے۔ اگر اس پر جبر کیا گیا تو وہ جھکنے کے بجائے ٹوٹ جائے گی۔ آخر اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے ٹھاکر نے اپنی خاص داسی، شانتا کو طلب کر لیا۔

شانتا ایک انتہائی حسین و جمیل لڑکی تھی۔ شانتا کا تعلق ''ویش جاتی'' سے تھا۔ ''ویشوں'' میں کسان اور دوسری چھوٹی ذاتوں کے ہندو شامل ہوتے ہیں۔ ٹھاکر بلرام سنگھ، شانتا کے عشق میں مبتلا تھا مگر ایک کم ذات لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔ دہلی اور پنجاب کے راجپوتوں میں صدیوں سے یہ وحشیانہ رسم جاری تھی کہ چھوٹی ذات کی ہندو لڑکی اپنے شوہر کے گھر جانے سے پہلے ایک رات کسی راجپوت سردار کے یہاں گزارتی تھی۔ شانتا کی بات چلی تو ٹھاکر بلرام سنگھ نے اس کے باپ ہریا سے صاف صاف کہہ دیا۔

''تیری بیٹی پر میرے سوا کسی راجپوت کا حق نہیں ہے۔ اگر کوئی درمیان میں آیا تو خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔''

اگرچہ دوسرے راجپوت سرداروں کی نظر بھی شانتا پر تھی مگر بلرام سنگھ کی مداخلت کے باعث وہ لوگ خون کا گھونٹ پی کر رہ گئے۔ ان میں ٹھاکر سے ٹکرانے کی ہمت نہیں تھی۔ ہریا ایک غریب مگر غیرت مند کسان تھا۔ اس نے بیٹی سے صدیوں پرانے رواج کی بات کی تو شانتا غصے سے پاگل ہوگئی۔

''زہر کھا لوں گی باپو! مگر ٹھاکر کے یہاں نہیں جاؤں گی۔ زہر نہیں ملا تو شوہر کی موت سے پہلے جل کر ستی ہو جاؤں گی۔''

ہریا بھی جان پر کھیل گیا اور اس نے شادی کے فوراً بعد ہی بیٹی داماد کو دُور دراز کے ایک گاؤں میں بھیج دیا۔ ٹھاکر، شانتا کا منتظر تھا مگر جب ساری رات انتظار کرتے کرتے گزر گئی تو صبح سویرے وہ خود ہریا کسان کے مکان پر پہنچا۔ یہ جان کر کہ شانتا اور اس کا شوہر دہلی سے بہت دُور جا چکے ہیں، ٹھاکر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ ہریا اور اس کی بیوی پر اتنا تشدد کیا گیا کہ دونوں غریب اپنی جانوں سے گزر گئے۔ بلرام سنگھ نے راجپوتوں کی رسم کا بھرم رکھنے

کے لئے ہریا کے گھر کو آگ لگا دی۔ پھر ٹھاکر کے جاسوس، شانتا کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ تقریباً تین ماہ کی جستجو کے بعد وہ خوبصورت کسان لڑکی اس کے ہاتھ آ گئی۔ بلرام سنگھ کے حکم پر شانتا کے شوہر کو قتل کر دیا گیا اور تین ماہ کی بیوہ ٹھاکر کے عشرت کدے میں پہنچا دی گئی۔ چھ ماہ بعد شانتا کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ ٹھاکر اُسے بھی قتل کرا دینا چاہتا تھا مگر شانتا نے بلرام سنگھ کے پاؤں پکڑ لئے۔

''ٹھاکر! اس کی جان بخش دے۔ ساری عمر تیری سیوا کروں گی۔''

بلرام سنگھ نے اس شرط پر شانتا کے بیٹے کو معاف کر دیا کہ سلطان التمش کی کنیزوں میں داخل ہو جائے گی اور بڑی رازداری کے ساتھ ٹھاکر کی جاسوسہ کے فرائض انجام دیتی رہے گی۔ اس سے پہلے بھی بلرام سنگھ ایک ہندو لڑکی گلنار کو قلعے میں بھیج چکا تھا مگر گلنار، شہزادہ رکن الدین کی محبت میں گرفتار ہو کر اپنے تمام وعدوں سے منحرف ہو چکی تھی۔ اب شانتا ہاتھ آئی تو بلرام سنگھ نے اسے گلنار کی جگہ قلعہ میں پہنچا دیا۔

راجپوتوں کے ظلم و تشدد اور برہمنوں کی چھوت چھات نے شانتا کی روح تک کو زخمی کر دیا تھا۔ پھر جب اس نے التمش کی بلند کرداری اور مسلمانوں کے نظامِ مساوات کو اتنے قریب سے دیکھا تو وہ اپنی قوم ہی سے نفرت کرنے لگی۔ شانتا چاہتی تھی کہ وہ مسلمان ہو کر سلطان کو بلرام سنگھ کی سازشوں کے بارے میں سب کچھ بتا دے۔ مگر ٹھاکر بڑا تجربہ کار کھلاڑی تھا۔ اس نے شانتا کے پیروں میں بیٹے کی زنجیر ڈال دی تھی۔

''ہو سکتا ہے کہ تُو بھی گلنار کی طرح کسی مسلمان سردار کی محبت میں گرفتار ہو جائے۔ مگر یاد رکھنا کہ تجھے عشق کی منزل، بیٹے کی لاش سے گزر کر ہی ملے گی۔'' ٹھاکر نے ایک جملے میں شانتا کو سب کچھ سمجھا دیا تھا۔

اسی دن سے شانتا، ٹھاکر کے اشاروں پر ناچ رہی تھی۔ شانتا کا معمول تھا کہ وہ دن بھر قصرِ شاہی میں ایک کنیز کی حیثیت سے خدمت انجام دیتی اور رات بھر ٹھاکر بلرام سنگھ کا عشرت کدہ سجاتی۔ اس دوران کچھ لمحے اپنے بیٹے کے ساتھ گزارتی، جو اب تین سال کا ہو چکا تھا۔

''شانتا! اس وقت محل میں کوئی ہنگامہ تو برپا نہیں؟'' بلرام سنگھ نے شراب کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

''کیسا ہنگامہ؟'' شانتا، بلرام سنگھ کا سوال سن کر چونک اُٹھی۔ ''پورے محل میں چاروں طرف شانتی ہی شانتی ہے ٹھاکر!''

بلرام سنگھ نے غور سے شانتا کے چہرے کو دیکھا۔ اس کی زبان اور چہرے کے تاثرات میں یکسانیت تھی۔ ''میں تیری کارکردگی سے مطمئن نہیں ہوں شانتا!'' یکایک ٹھاکر کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ ''تجھے راج محل میں جاتے ہوئے دو سال ہو گئے، مگر تُو نے آج تک کوئی کام کی خبر نہیں دی۔''

''ٹھاکر! میں راج محل کی ادنیٰ کنیز ہوں، اندر کی خبر کیسے لا سکتی ہوں؟'' شانتا نے وہی الفاظ دہرا دیئے، جنہیں وہ ہزار بار اپنی زبان سے ادا کر چکی تھی۔ ''میں نے سلطان کے قریب جانے کی کوشش کی تھی مگر وہ بادشاہ نہیں، کوئی سادھو سنت نظر آتے ہیں۔ کنیزوں کو بھی اپنی بیٹی سمجھتے ہیں۔''

التمش کی تعریف سن کر بلرام سنگھ کے چہرے کا رنگ بگڑ گیا جیسے شانتا نے اسے کوئی غلیظ گالی دے دی ہو۔ ''کیا سلطان کے تمام سردار جوگی ہو گئے ہیں؟''

''میں نے سب کچھ کر کے دیکھ لیا ٹھاکر!'' شانتا جھوٹ بول رہی تھی۔ ''ایک ہندو عورت کو کون مسلمان سردار

اپنی شریکِ راز بنائے گا؟ میں تو کہتی ہوں کہ آپ مجھے مندر کے کسی کونے میں ڈال دو۔'' شانتا نے ایک اور جھوٹ بولا تھا۔ ''محنت کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔''

''ابھی نہیں۔'' ٹھاکر نے سخت لہجے میں کہا۔ ''ابھی راج محل میں تیری ضرورت ہے۔''

''کوئی اور لڑکی دیکھ لو ٹھاکر!'' شانتا، بلرام سنگھ کو لفظوں سے بہلا رہی تھی۔

''راج کماری تجھے پہچانتی ہے؟'' ٹھاکر نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

شانتا ہنسنے لگی۔ ''تم پہچاننے کی بات کرتے ہو ٹھاکر! مجھے تو آج تک ان کے قریب جانے کا بھی موقع نہیں ملا۔''

''تُو نے آج راج کماری کو دیکھا تھا؟'' ٹھاکر نے ایک اور سوال کیا۔

''دو دن سے انہیں کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ بہت بیمار ہیں۔'' شانتا نے جواب دیا مگر وہ اس بات پر حیرت زدہ تھی کہ آج بلرام سنگھ کچھ عجیب قسم کے سوالات کر رہا تھا۔

ٹھاکر مسکرایا۔ ''تو مہاراج نے یہ کہہ کر اپنی رعایا کو اندھیرے میں رکھا ہے کہ راج کماری بیمار ہے۔ مگر وہ کب تک اس راز کو چھپائیں گے کہ ان کی چہیتی بیٹی، بلرام سنگھ کی قید میں ہے..... اور اب وہ کبھی اس قید سے آزاد نہیں ہو گی۔''

شانتا اس طرح اُچھل پڑی، جیسے کسی زہریلے کیڑے نے اس کو کاٹ لیا ہو۔ ''راج کماری یہاں موجود ہیں؟''

ٹھاکر نے بڑے متکبرانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔ پھر شانتا کو اپنے منصوبے کی تفصیلات بتاتے ہوئے بولا۔ ''تُو میرے مزاج سے واقف ہے۔ اس لئے راج کماری کو بھی اچھی طرح سمجھا دے کہ میں کون ہوں؟ مجھے اس کے جسم و جاں پر پورا اختیار ہے۔ مگر میں نے ابھی تک طاقت استعمال نہیں کی ہے۔''

شانتا ایک زندہ عورت ہوتے ہوئے بھی پتھر کے مجسمے میں ڈھل کر رہ گئی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ٹھاکر بلرام سنگھ ایک طاقتور شہنشاہ کی بیٹی پر بھی دسترس حاصل کر سکتا ہے۔

''کیا سوچ رہی ہے شانتا؟'' ٹھاکر نے اپنی داسی کو جھنجوڑ ڈالا۔ ''کیا تجھے اس خبر سے دکھ پہنچا ہے؟''

شانتا خیالوں کی دنیا سے نکل آئی اور منافقانہ انداز میں مسکرانے لگی۔ ''اپنے ٹھاکر کی طاقت دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی ہے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ اس ملک میں کوئی تو پیدا ہوا، جو مسلمانوں سے ہندوؤں کی شکست کا انتقام لے سکے۔''

شانتا نے بڑے ناز و انداز کے ساتھ ٹھاکر کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ وہ اس طرح بدل گئی تھی، جیسے اچانک ہوا کا رخ بدل جائے۔

''تو پھر جا اور راج کماری کو کھانا کھلا دے۔'' بلرام سنگھ نے اپنے آپ کو شانتا کے بازوؤں کی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر وہ بھوکی مر گئی تو مجھے شکست ہو جائے گی۔ اور میں یہ آخری بازی ہارنا نہیں چاہتا۔''

''مطمئن رہو ٹھاکر! میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی نہیں ہرا سکتا۔'' شانتا بہت زیادہ پُرجوش نظر آ رہی تھی۔

''اگر میں جیت گیا شانتا! تو تجھے آزاد کر دوں گا۔'' بلرام سنگھ حالتِ سرشاری میں جھوم رہا تھا۔

''اب کہاں جاؤں گی ٹھاکر!'' شانتا نے بے قرار ہو کر بلرام سنگھ کے پیروں پر سر رکھ دیا۔ ''اب تو یہ چرن ہی میرا مندر ہیں۔''

''تیری مرضی۔'' بلرام سنگھ نے شانتا کا سر اُٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ٹھاکر کی دنیا میں رہے گی تو راج کرے گی۔''

''راج کماری کہاں ہیں؟'' شانتا نے پوچھا۔

"میرے ساتھ آ!" یہ کہہ کر ٹھاکر اپنے عشرت کدے سے نکلا۔ شانتا اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔

پھر وہ ایک کمرے کے سامنے رُک گیا، جہاں ایک دیوداسی کسی پہرے دار کی طرح کھڑی تھی۔ "جمنا! تُو جا۔" ٹھاکر، دیوداسی سے مخاطب ہوا۔ "اب رات کو شانتا، راج کماری کی دیکھ بھال کرے گی۔"

جمنا، ٹھاکر کے قدم چھو کر چلی گئی تو وہ شانتا کو لے کر اندر داخل ہوا۔

رضیہ سلطانہ دیوار سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے سے نقاہت کے آثار نمایاں تھے۔ انسانی قدموں کی چاپ سن کر شہزادی نے آنے والوں کی طرف دیکھا اور منہ پھیر لیا۔

بلرام سنگھ کو یقین ہو گیا کہ رضیہ سلطانہ اپنے محل کی کنیز، شانتا سے واقف نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اسے دیکھ کر چونک اُٹھتی۔

"شانتا! اب میں راج کماری کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔" بلرام سنگھ اونچی آواز میں اپنی داسی سے مخاطب ہوا۔ "انہیں آخری بار سمجھا دے کہ یہ ان کا راج محل نہیں، ٹھاکر کی کٹیا ہے۔ اور یہاں ٹھاکر کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا۔" یہ کہہ کر بلرام سنگھ چلا گیا۔

شانتا کسی پتھر کی مورتی کی طرح ساکت کھڑی شہزادی کو دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ جب شانتا کو ایک ہی زاویہ سے کھڑے بہت دیر ہو گئی تو رضیہ سلطانہ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر دیکھتی ہی رہ گئی۔

"تُو کیوں رو رہی ہے؟..... تجھ پر کیا قیامت ٹوٹ پڑی؟" آخر رضیہ سلطانہ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

شانتا نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا اور شہزادی کے قدموں سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگی۔ "آپ مجھے نہیں جانتیں۔ مگر میں آپ کی ایک ادنیٰ کنیز ہوں شہزادی حضور!"

"میری کنیز یہاں کیا کر رہی ہے؟" رضیہ سلطانہ غضب ناک ہو گئی۔

"خدا کے لئے آہستہ بولیے اور سکون و اطمینان سے میری پوری بات سن لیجئے۔" شانتا نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

شہزادی چند لمحوں میں اعتدال میں آ گئی اور خاموشی سے ایک اجنبی عورت کی طرف دیکھنے لگی۔

شانتا نے سرگوشیوں میں ٹھاکر بلرام سنگھ کا سارا منصوبہ رضیہ سلطانہ پر ظاہر کر دیا۔ اور پھر اپنی مجبوریاں بھی بیان کر دیں۔

"اگر تُو سچی ہے تو پھر سلطانِ معظم کو خبر کر دے کہ ان کی بیٹی یہاں قید ہے۔" رضیہ سلطانہ نے تلخ مگر گھٹے گھٹے لہجے میں کہا۔ "خدا نے میرے بابا کو اتنی طاقت دی ہے کہ وہ بلرام سنگھ جیسے ہزاروں ٹھاکروں کو آن کی آن میں تہہ تیغ کر ڈالیں۔"

"بے شک! سلطانِ معظم ایک پل میں ٹھاکر کی دنیا اُجاڑ سکتے ہیں مگر اس سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔" شانتا نے رک رک کر کہا۔ "آپ جہاں موجود ہیں، وہ زیرِ زمین ایک ایسا طلسم کدہ ہے، جس کے اسرار چند لوگوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اگر سلطانِ معظم نے جذباتی ہو کر سوامی دینا ناتھ کی کٹیا پر حملہ کر دیا تو پھر آپ محفوظ نہیں رہیں گی۔ بلرام سنگھ اپنی موت سامنے دیکھ کر آپ کو قتل کر دے گا۔ وہ بھیڑیا یہی سوچے بیٹھا ہے۔"

شانتا کی زبانی طلسم کدے کی تفصیلات سن کر رضیہ پریشان نظر آنے لگی۔ "پھر کیا ہو گا؟"

"آپ کھانا کھا لیجئے۔" شانتا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میں ٹھاکر کو یہی تاثر دوں گی کہ شہزادی آہستہ آہستہ راستے پر آ رہی ہیں۔"

"پھر؟" شہزادی کے چہرے سے مایوسی جھلک رہی تھی۔

"آپ کو مزید مہلت مل جائے گی اور میں اس عرصے میں کوئی نہ کوئی راستہ نکال لوں گی۔" جوشِ جذبات سے شانتا کا چہرہ چمک رہا تھا۔ "میں اپنے بچے کی قسم کھاتی ہوں شہزادی حضور! میری بات کا یقین کیجئے۔"

"مجھے تجھ پر اعتبار ہے شانتا!" رضیہ سلطانہ نے شانتا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"اب آپ کسی ایسے سپاہی کا نام بتائیے جو وفادار بھی ہو اور جاں نثار بھی۔" شانتا نے کہا۔

"ہزاروں ہیں..... کس کس کا نام لوں؟" شہزادی نے جواب دیا مگر وہ شانتا کی بات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھی۔

"ایک سپاہی، جو صرف جان دینا جانتا ہو۔" شانتا نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

شہزادی کچھ دیر تک گہری سوچ میں ڈوبی رہی، پھر آہستہ سے بولی۔ "امیر آخور، جمال الدین یاقوت۔" یہ کہتے ہوئے رضیہ سلطانہ کے ذہن میں کئی واقعات گردش کر رہے تھے۔

"میں ان سے کس طرح مل سکوں گی؟" شانتا نے پوچھا۔

"میری کنیزِ خاص، فردوس کے ذریعے۔" شہزادی نے شانتا کو سمجھایا۔

شانتا اُٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد کھانا لے کر واپس آئی۔

شہزادی نے دو دن کی فاقہ کشی کے بعد پہلا لقمہ لیا اور اسے یوں محسوس ہوا، جیسے وہ بھیک کی روٹی کھا رہی ہو۔

شانتا نے آگے بڑھ کر رضیہ سلطانہ کے قدم چھوئے اور دوبارہ کمرے سے نکل کر چلی گئی۔

"ٹھاکر! راج کماری نے تیری طاقت کے آگے سر جھکا دیا۔" شانتا، بلرام سنگھ کو خوشخبری سنا رہی تھی۔

"جے دُرگا!" ٹھاکر نے وحشیانہ انداز میں اپنا مذہبی نعرہ بلند کیا اور شراب پینے لگا۔

شانتا کے قریب اس کا تین سالہ بچہ سو رہا تھا اور وہ نئی صبح کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔

❁==❁==❁

صبح ہوتے ہی شانتا معمول کے مطابق قصرِ سلطانی میں داخل ہوئی۔ آج تیسرے دن بھی کوئی ہلچل نہیں تھی۔ کسی طوفان کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ شانتا کو سلطان التمش کی قوتِ برداشت پر بڑی حیرت ہو رہی تھی۔ جیسے بیٹی کا بچھڑ جانا کوئی معمولی واقعہ ہو۔ اب ایک داسی کو کیا پتہ کہ والیٔ ہند کے دل پر کیا گزر رہی تھی اور وہ شہزادی کی بازیابی کے لئے کس قسم کی منصوبہ بندی کر رہا تھا؟

غرض اسی طرح کے خیالات میں کھوئی ہوئی شانتا، رضیہ سلطانہ کی کنیزِ خاص، فردوس کے کمرے میں پہنچی۔ فردوس اس وقت شہزادی کی خواب گاہ میں موجود تھی۔ دوسری کنیزوں نے شانتا کو بتایا کہ فردوس سے اس کی ملاقات نہیں ہو سکتی۔ وہ شہزادی کی تیمارداری میں مصروف ہے۔

''میں ایک عذاب میں مبتلا ہوں۔ اگر انہوں نے فوری طور پر میری مدد نہیں کی تو میرا سارا گھرانہ برباد ہو جائے گا۔'' شانتا نے کچھ ایسے جانگداز لہجے میں اپنی رُودادِ الم بیان کی کہ شہزادی کی خواب گاہ کے دروازے پر پہرہ دینے والی ایک کنیز اندر چلی گئی اور فردوس کو پورا واقعہ سنا دیا۔

فردوس فطرتاً ایک رحم دل دوشیزہ تھی۔ ایک اجنبی عورت کی فریاد سن کر باہر نکل آئی اور سوالیہ نظروں سے شانتا کی طرف دیکھنے لگی۔

''مجھے تنہائی درکار ہے۔ میں سب کے سامنے اپنا دُکھ بیان نہیں کر سکتی۔'' شانتا کی آنکھوں میں مصنوعی آنسو تھے اور لہجے سے شدید رقت جھلک رہی تھی۔

فردوس ایک لمحہ ضائع کئے بغیر شانتا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے کمرے میں لے گئی۔ ''اب بتاؤ! تمہیں کیا تکلیف ہے؟'' شانتا کی ظاہری حالت دیکھ کر فردوس بھی پریشان نظر آنے لگی تھی۔

''کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ اس وقت راج کماری کہاں ہیں؟'' یکایک شانتا سنبھل گئی تھی اور اس نے فردوس سے ایک عجیب سوال کر ڈالا تھا۔

فردوس ایک لمحے کے لئے چونکی مگر فوراً ہی بے نیازانہ انداز میں اجنبی عورت سے مخاطب ہوئی۔ ''شہزادی حضور کی طبیعت ناساز ہے۔ اور وہ اس وقت اپنی خواب گاہ میں آرام فرما رہی ہیں۔''

''کیا میں راج کماری سے ملاقات کر سکتی ہوں؟'' شانتا آہستہ آہستہ اپنے مطلب پر آ رہی تھی۔

''ہرگز نہیں۔'' فردوس نے تیز لہجے میں کہا۔ ''کیا تجھے سلطانِ معظم کا حکم یاد نہیں کہ جب تک شہزادی عالیہ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو جاتیں، اس وقت تک قصرِ شاہی کا کوئی فرد ان سے نہیں مل سکتا۔''

''مگر میں ان سے مل چکی ہوں۔'' شانتا نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

''تُو جھوٹ بولتی ہے۔'' فردوس برہم نظر آنے لگی۔ ''جب بیگماتِ شاہی ان سے ملاقات نہیں کر سکتیں تو پھر تیری کیا حیثیت ہے؟''

''یہی تو کہہ رہی ہوں کہ اس قدر سخت نگہداشت کے باوجود میں ان سے مل کر آ رہی ہوں۔'' شانتا نے فردوس کے غصے کو نظر انداز کر دیا تھا اور وہ نہایت اطمینان کے ساتھ گفتگو کر رہی تھی۔ ''آخر یہ کیسا پہرہ ہے کہ میں راج کماری سے مل کر آ بھی گئی اور تم لوگوں کو خبر تک نہ ہو سکی؟''

فردوس کا غصہ زائل ہو گیا تھا اور اب وہ شانتا کو مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ''سچ بتا کہ تُو کون ہے اور یہاں کس مقصد سے آئی ہے؟'' فردس کا انداز ایسا تھا کہ اگر شانتا نے اپنی زبان نہیں کھولی تو پھر وہ جان سے بھی جا سکتی ہے۔

''بی بی! دروازہ بند کر دیجئے۔'' شانتا نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ ''میں بھی قصرِ سلطانی کی ایک کنیز ہوں، اس لئے جانتی ہوں کہ یہاں کی ہر دیوار جاسوس اور ہر دروازہ مخبر ہے۔''

''میں تجھے نہیں جانتی۔ ورنہ اکثر کنیزیں میری شناسا ہیں۔'' فردوس کے لہجے سے تندی و تلخی نمایاں تھی۔

''مجھے تو یہاں کی ادنیٰ کنیزیں بھی نہیں جانتیں اور پھر آپ.....'' شانتا نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ ''اب ان باتوں کا وقت نہیں ہے کو کون کس کو جانتا ہے اور کون نہیں جانتا۔''

فردوس پر حیرت اور غصے کی کیفیات طاری تھیں۔ شانتا کے اصرار کے باوجود فردوس نے دروازہ بند نہیں کیا۔ مجبوراً شانتا خود آگے بڑھی اور اس نے دروازہ بند کر دیا۔

''اب آپ بہت صبر و تحمل کے ساتھ میری بات سنیں۔'' اگرچہ دروازہ اندر سے بند تھا، لیکن شانتا پھر بھی سرگوشیوں میں گفتگو کر رہی تھی۔ ''میں راج کماری سے مل کر آ رہی ہوں۔ وہ اپنی خواب گاہ میں نہیں، ٹھاکر بلرام سنگھ کی قید میں ہیں۔''

فردوس کے ذہن میں ایک دھماکا سا ہوا اور وہ چیخ اُٹھی۔ ''تُو کیا ہذیان بک رہی ہے؟''

''اپنے اعصاب پر قابو رکھئے۔ ورنہ آپ کی چیخیں ساری دنیا کو بتا دیں گی کہ راج کماری اس وقت کہاں ہیں؟'' شانتا نے تنبیہہ آمیز لہجے میں کہا۔ ''شہزادی حضور کا بھی یہی حکم ہے۔''

فردوس نے بڑی مشکل سے اپنی ہیجانی کیفیت پر قابو پایا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے شانتا کی طرف دیکھنے لگی۔

شانتا نے ٹھہر ٹھہر کر فردوس کو پورا واقعہ سنا دیا۔ فردوس پتھر بنی ہوئی اپنی آقا زادی کی داستانِ اسیری سنتی رہی اور پھر شانتا سے لپٹ کر رونے لگی۔

''روتی تو میں بھی ہوں مگر چھپ چھپ کے۔'' شانتا کی پلکیں بھی بھیگ چکی تھیں۔ ''مگر یہ آنسو بہانے کا وقت نہیں ہے۔ مجھے امیر آخور سے فوراً ملا دو۔''

''میں سلطانِ معظم کو بتاتی ہوں۔'' فردوس تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ ''تجھے کیا خبر شانتا! کہ میرے آقا پر کیا قیامت گزر رہی ہے؟''

شانتا کچھ سوچتی رہی، پھر اس نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی۔

فردوس نے شانتا کو اپنے کمرے میں ٹھہرایا اور خود بھاگتی ہوئی دربارِ عام کی طرف چلی گئی، جہاں سلطان التمش حکومت کی انتظامی کارروائیوں میں مصروف تھا۔

❁==❁==❁

جب سے شہزادی رضیہ سلطانہ غائب ہوئی تھی، سلطان کسی ایک دن بھی دربار سے غیر حاضر نہیں رہا تھا۔ البتہ اُس نے یہ خاص اہتمام کیا تھا کہ اس کے مخبر تھوڑی تھوڑی دیر بعد اطلاعات فراہم کرتے رہتے تھے۔ کنیز فردوس تیز قدموں کے ساتھ دربار کے اس حصے میں پہنچی، جو بیگماتِ شاہی کے لئے مخصوص تھا۔ یہاں پردے کے پیچھے بیٹھ کر حرم سرا کی خواتین، دربار کی کارروائی دیکھا کرتی تھیں۔ فردوس نے التمش کے ایک مسلح محافظ کو اشارہ کیا۔ محافظ پردے کے پیچھے آیا۔ فردوس نے سرگوشی میں اس سے کچھ کہا۔ محافظ پلٹ کر التمش کے پاس پہنچا۔ پھر جھکا اور سرگوشی کرنے لگا۔ سلطان نے اثبات میں اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ پھر تھوڑی دیر بعد دربار برخاست کر کے اپنی خلوت گاہ میں پہنچا۔

فردوس اپنے ساتھ شانتا کو لے کر خدمتِ سلطانی میں حاضر ہوئی۔ شانتا نے بے کم و کاست ساری رُوداد بیان کر دی اور اپنے بارے میں بھی پوری سچائی کے ساتھ سب کچھ بتا دیا۔

التمش ایک آہنی اعصاب رکھنے والا انسان تھا مگر اپنی محبوب بیٹی کے ذکر پر اس کے چہرے کا رنگ بدل بدل جاتا تھا۔ وہ کئی بار اپنی نشست سے اُٹھا اور بیٹھ گیا۔ جب شانتا بات مکمل کر چکی تو التمش نے بے قرار ہو کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تُو اس وقت ایک دل شکستہ باپ کے لئے نوید جانفزا لے کر آئی، جب مایوسیوں نے اسے ہر طرف سے گھیر لیا تھا..... مگر تیرا یہ مژدہ ابھی ناتمام ہے۔'' احساسِ مسرت سے سلطان کا دمکتا ہوا چہرہ یکایک دُھندلا ہونے لگا تھا اور اذیت و کرب کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ ''اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میرے مقابل پچاس لاکھ دشمن سپاہیوں کا لشکرِ جرار ہے تو میں شہزادی کی خاطر اس سے بھی ٹکرا جاتا۔ لیکن ایسی مجبوری کا کیا علاج کہ میں مٹھی بھر فتنہ گروں پر بھی قابو نہیں پا سکتا۔'' التمش شدید عالمِ اضطراب میں اپنے ہاتھوں کو مل رہا تھا۔ اس کی بے چارگی ناقابلِ بیان تھی۔

''سلطانِ معظم! آپ اس داسی پر اعتبار کریں۔'' شانتا نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے عرض کیا۔ ''میں شہزادی حضور پر اپنے بیٹے کو بھی قربان کر سکتی ہوں۔ مگر میری التجا ہے کہ جب تک حالات پر آپ کی گرفت مضبوط نہ ہو جائے، اس وقت تک کوئی قدم نہ اُٹھائیں۔ ٹھاکر بلرام سنگھ کا کیا ہے؟ وہ تو زندگی سے بے زار بیٹھا ہے۔ آپ کے کسی سپاہی کا ایک ہلکا سا وار بھی برداشت نہیں کر سکے گا۔ مگر اسے یہ اطمینان ضرور حاصل ہے کہ وہ دنیا سے جاتے جاتے شہزادی حضور.....'' شانتا نے قصداً اپنی بات نامکمل چھوڑ دی تھی۔

''میں سمجھ رہا ہوں۔'' التمش نے زور زور سے اپنے سر کو جنبش دی۔ ''یہی تو میری مجبوری ہے۔ ورنہ بلرام سنگھ کیا اور اس کے زمین دوز تہہ خانے کیا؟ اس سرے سے اُس سرے تک زمین کا سینہ چاک کر ڈالتا۔'' ایک بار پھر سلطان کے چہرے پر نفرت و غضب کی آگ بھڑکنے لگی تھی۔

''بس کچھ دن اور صبر کر لیں سمراٹ!'' شانتا ایک معمولی کنیز تھی مگر وقت کی گردش نے اُسے ایک ایسے نازک موڑ لا کھڑا کیا تھا کہ وہ فرمانروائے ہند کو تسلیاں دے رہی تھی۔

''پھر کیا ہوگا؟'' سینے کی آگ نے التمش کے لہجے کو بھی جلا ڈالا تھا۔ ''تُو اکیلی عورت اس مکار بھیڑیے کا کیسے غابلہ کرے گی؟''

''آپ دیکھتے رہیں سلطانِ معظم!'' یہ کہہ کر شانتا، التمش کے سامنے اپنے منصوبے کی تفصیلات پیش کرنے لگی۔

سلطان بار بار چونک پڑتا تھا۔ پھر جب شانتا خاموش ہوئی تو التمش بے اختیار ہو کر بول اٹھا۔ ''بیٹی! مجھے تیری ہانت نے حیران کر دیا ہے۔ کاش! ایسا ہو جائے۔''

''ایسا ہی ہوگا سلطانِ محترم!'' پہلی بار شانتا پُر جوش نظر آئی تھی۔ ''برائی سرنگوں میں چھپی ہو یا تہہ خانوں میں، آخر ایک دن نیکی اس پر غالب آ کر رہے گی۔''

سلطان نے اسی وقت امیر آخور کو بھی اپنی خلوت گاہِ خاص میں طلب کر لیا۔ پھر جب شانتا نے یاقوت حبشی کو بتایا کہ اسے کیسی خوف ناک مہم پر جانا ہے تو شدتِ جذبات سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''یہ غلام اپنی آقا زادی پر ہزار بار قربان۔'' جمال الدین یاقوت کی آواز کانپ رہی تھی۔

''آپ کو وہاں پتھر بن کر رہنا ہے۔'' شانتا نے امیر آخور کو سمجھایا۔ ''وہاں آپ کی حیثیت ایک ادنیٰ ہندو پجاری کی ہوگی، جسے دن میں کئی بار ٹھاکر بلرام سنگھ کے چرن چھونے پڑیں گے۔''

''میں اپنا مذہب تبدیل نہیں کروں گا۔'' یاقوت حبشی نے گھبرا کر کہا۔

''مذہب نہیں، آپ کو اپنا حلیہ بدلنا ہوگا۔'' شانتا نے وضاحت کی۔ ''اپنی زبان اور عادتیں بدلنا پڑیں گی۔''

''میں یہ سب کچھ کیسے کروں گا؟'' امیر آخور حیران و پریشان نظر آ رہا تھا۔

''میں آپ کو سکھاؤں گی۔ یہ زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔'' شانتا نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ ''بس آپ کو اپنے جذبات پر قابو رکھنا ہوگا۔''

یاقوت حبشی نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی اور سلطان کے روبرو نصف قد تک جھک گیا۔

پھر اسی دن امیر آخور کے لئے چند ہندوانہ لباس تیار کرائے گئے۔ اور شام ہوتے ہی شانتا اپنے ٹھکانے پر واپس چلی گئی۔

❁==❁==❁

سوامی دینا ناتھ کی کٹیا پہنچ کر شانتا سب سے پہلے اپنے لڑکے سے ملی، اسے خوب پیار کیا اور پھر نئے منصوبوں اور ارادوں کے ساتھ ٹھاکر بلرام سنگھ کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔

''تیرے سمراٹ کا کیا حال ہے شانتا؟'' بلرام سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ گزشتہ رات جب سے شہزادی رضیہ سلطانہ نے ٹھاکر کا بھیجا ہوا کھانا کھایا تھا۔ اسی لمحے سے بلرام سنگھ کے ہونٹوں پر فاتحانہ تبسم اُبھر آیا تھا۔ ''اب اسے پتہ چلا کہ نہیں؟''

''کس بات کا ٹھاکر؟'' شانتا اسی اندازِ محبوبی کے ساتھ بلرام سنگھ کے قریب فرش پر بیٹھ گئی۔

''اب تک وہ ہندو لڑکیوں کو مالِ غنیمت سمجھ کر لوٹتا رہا ہے۔'' ٹھاکر نے نہایت تحقیر آمیز لہجے میں کہا۔ ''آج پہلی بار اس کی بیٹی لوٹی گئی ہے۔ تُو نے اپنی آنکھوں سے اس کے دل کا زخم رِستے دیکھا شانتا؟ اس کی مدد میں ڈوبی ہوئی کوئی چیخ سنی؟''

ٹھاکر کی گفتگو سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سلطان التمش کی بے قراریوں کی داستان سن کر لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔

''میں نے دُور سے اُنہیں دربار کی طرف جاتے دیکھا تھا۔'' شانتا نے بڑی ہوشیاری سے جھوٹ بولا۔ ''بہت زیادہ اُداس نظر آ رہے تھے۔''

''صرف اُداس؟'' ٹھاکر بلرام سنگھ نے انتہائی تند و تیز لہجے میں کہا۔ ''اس کا گریبان چاک نہیں تھا؟ وہ اپنے سر کے بال نہیں نوچ رہا تھا؟ کیا اب بھی اس کے ہوش و حواس باقی ہیں؟ وہ ابھی تک دیوانہ نہیں ہوا؟''

شانتا دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی رہی۔ سلطان التمش کے سلسلے میں یہ اس شخص کی دلی خواہش تھی، جو خود سینکڑوں بے گناہ لڑکیوں کا قاتل تھا اور جس نے وحشت و بربریت کی داستانِ خونچکاں کچھ اس انداز سے تحریر کی تھی کہ جس کے آگے قزاقوں اور لٹیروں کے مظالم بھی ہیچ نظر آتے تھے۔

''ابھی تو سمراٹ اپنی قوتِ برداشت کا مظاہرہ کر رہے ہیں ٹھاکر! مگر کب تک؟'' شانتا نے ایک بار پھر مجبوراً اپنے ہونٹوں پر منافقانہ مسکراہٹ سجالی۔ ''بیٹی کی جدائی کا دکھ سہتے سہتے ایک دن بے حال ہو جائیں گے اور پھر راج محل ان کی چیخوں سے گونج اُٹھے گا۔''

''صرف راج محل نہیں شانتا!'' ٹھاکر نے اپنی مونچھوں کو بل دیا۔ اس کی سرخ و مخمور آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ ''ٹھاکر تو اس دن خوش ہوگا، جب سلطان کی چیخیں ہندوستان کے ایک ایک گوشے میں سنائی دیں گی۔ میری آنکھیں تو اس منظر کی پیاسی ہیں، جب سلطان اپنی پھٹی ہوئی جھولی پھیلائے میرے سامنے کھڑا بھیک مانگ رہا ہوگا۔''

''اور اگر سلطان نے بھیک مانگنے کے بجائے اپنی بیٹی ہی کو قربان کر دیا؟'' شانتا بڑی ہوشیاری سے بلرام سنگھ کو کرید رہی تھی۔

''پھر تو اور بڑا تماشا ہوگا۔ میں راج کماری کو گلی کوچوں میں رُسوا کر دوں گا۔'' عشرت کدے کی رنگین فضا میں ٹھاکر کا مکروہ قہقہہ گونجا۔ ''اگر میں سلطان کے تسلط سے ہندو ریاستوں کو آزاد نہ کرا سکا تو پھر شاہی گھرانے کی آبرو، ہندوستان کے چوراہوں پر نیلام ہوگی۔''

''مگر آپ ہندو ریاستوں کو کس طرح آزاد کرائیں گے؟'' شانتا نے بڑی معصومیت سے سوال کیا۔ ''اس کال کوٹھڑی میں بیٹھ کر یہ سب کچھ کیسے ممکن ہے؟''

''میں راج کماری کو لے کر اجین چلا جاؤں گا۔'' ایک تو شراب کا نشہ، دوسرے شانتا پر حد سے زیادہ اعتبار۔ ٹھاکر بلرام سنگھ ترنگ میں دل کی بات بھی کہہ گیا۔

''مگر آپ اجین کیسے جائیں گے ٹھاکر؟'' شانتا بڑے ناز و ادا کے ساتھ گفتگو کر رہی تھی، جیسے وہ بلرام سنگھ کی محبوبہ ہو۔ ''میں نے قصرِ شاہی سے یہاں تک آتے ہوئے دیکھا کہ چپے چپے پر مسلح سپاہی موجود ہیں اور ہر آنے جانے والے کو ایسی نظروں سے دیکھ رہے ہیں جیسے دہلی کا ہر باشندہ مجرم ہے۔''

''یہ سپاہی کبھی تو تھکیں گے اور کبھی تو اُنہیں اونگھ آئے گی۔ میں اسی دن کے انتظار میں ہوں۔'' بلرام سنگھ نے

مطمئن لہجے میں کہا۔ ''اور اگر.....'' ٹھاکر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ یکایک اس کے چہرے سے فکر و پریشانی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ ''اور اگر میں ہندو ریاستوں کو آزاد کرانے میں کامیاب نہ ہو سکا تو راج کماری کو زندگی بھر کے لئے اپنی داسی بنالوں گا۔ یہی میری تپسیا ہوگی اور یہی میرا انتقام۔ سلطان کب تک بیماری کے پردے میں اپنی بیٹی کی غیر حاضری کو چھپائے گا؟ کبھی تو اس کے خاندان والے اور درباری اس سے پوچھیں گے کہ شہزادی کہاں ہے؟ اور وہی دن میری کامیابی کا دن ہوگا۔ مجھے کسی بھی حالت میں شکست نہیں ہوگی شانتا! میں دونوں صورتوں میں یہ جنگ جیت جاؤں گا۔''

''ایسا ہی ہوگا ٹھاکر!'' شانتا نے اپنی مصنوعی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''تجھے یاد ہے نا برہسپت کا دن؟'' ٹھاکر نے اپنی داسی سے پوچھا۔ ''اب کیول چار روز باقی رہ گئے ہیں۔''

''ابھی نہیں ٹھاکر! راج کماری دھیرے دھیرے راستے پر آ رہی ہے۔'' شانتا اپنے منصوبے کے مطابق بلرام سنگھ سے کچھ اور مہلت لینا چاہتی تھی۔ ''آپ نے تشدد کیا تو بات بگڑ جائے گی۔''

''بات کیسے بگڑے گی؟'' بلرام سنگھ نے چونک کر پوچھا۔

''آپ یہی تو چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے دیوتاؤں کے قدموں پر سر جھکا دیں۔'' شانتا نے بڑی اپنائیت کے لہجے میں کہا۔

''یقیناً۔ میں مسلمانوں کے مذہب پر اپنے دھرم کی برتری ثابت کرنا چاہتا ہوں۔'' ٹھاکر نے بلند آواز میں کہا۔

''تو پھر انہیں اتنا مجبور کر دیجئے کہ وہ ہمارے دیوتاؤں کی پناہ ڈھونڈنے لگیں۔'' شانتا، بلرام سنگھ کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''میں نہیں سمجھتا کہ وہ اس قدر آسانی سے اپنا مذہب تبدیل کر دے گی۔'' ٹھاکر نے اندیشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''تشدد سے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔'' شانتا نے ایک نئی صورتِ حال کی طرف اشارہ کیا۔ ''راج کماری اپنی جان سے بھی جا سکتی ہیں۔''

''مگر میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔'' بلرام سنگھ شدید جھنجلاہٹ کا شکار نظر آ رہا تھا۔ ''آنے والی برہسپت (جمعرات) نہ سہی تو پھر اگلی برہسپت کو یہ کام ضرور ہو جانا چاہئے۔ نہیں تو جو کچھ میں نے سوچا ہے، وہ کر گزروں گا۔''

شانتا نے ٹھاکر سے مزید گفتگو نہیں کی۔ وہ خاموشی سے اُٹھ کر شہزادی رضیہ سلطانہ کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

❁==❁==❁

شہزادی بہت دیر سے شانتا کا انتظار کر رہی تھی۔ پھر جیسے ہی شانتا کمرے میں داخل ہوئی، رضیہ سلطانہ جوشِ اضطراب میں اُٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''بابا محترم کیسے ہیں شانتا؟'' شہزادی اس طرح آگے بڑھی، جیسے کئی دن کے پیاسے کو اچانک اپنے سامنے دریا نظر آ گیا ہو۔

شانتا نے پلٹ کر دروازہ بند کیا اور سلطان التمش کا خط، رضیہ کی طرف بڑھا دیا۔ والیٔ ہندوستان نے شہزادی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔

''بیٹی! تمہارے دورِ فراق میں روز و شب کے انداز ہی بدل گئے ہیں۔ سورج اب بھی طلوع ہوتا ہے مگر مجھے تاریکی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا..... اور رات کے بارے میں کیا کہوں کہ رات تو رات ہی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے قصرِ شاہی میرا مقبرہ بن گیا ہے اور میں اپنے تمام تر جاہ و حشم کے ساتھ زندہ دفن ہو گیا ہوں۔ اب تو زندگی کا احساس اسی وقت ہوگا، جب میری نم ناک آنکھوں کے سامنے تمہارے چہرے کے خدوخال فروزاں ہوں گے۔ ستم گروں کے انداز کتنے ہی جابرانہ سہی، مگر تم پریشان نہ ہونا۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ میں پابہ رکاب بیٹھا ہوں۔ بس شانتا کے اشارے کی دیر ہے۔''

شہزادی نے سلطان کے خط کو کئی بار بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا۔ یہاں تک کہ رضیہ سلطانہ کے آنسوؤں سے التمش کی تحریر کا ایک ایک حرف بھیگ گیا۔

شانتا بھی چپ چاپ رو رہی تھی۔ پھر جب شہزادی کے جذبوں کا غبار دُھل گیا تو اس نے شانتا کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ''میں کس طرح تیرا شکریہ ادا کروں شانتا؟ اگر مجھے بلرام سنگھ کے زنداں سے رہائی مل گئی تو پھر تجھے حق حاصل ہوگا کہ جو چاہے طلب کرے۔''

''ٹھاکر کے قید خانے میں میری طرح اور بھی بہت سی عورتیں ہیں، جنہیں انسانوں کی برادری سے جدا کر کے حیوانوں کی قطار میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔ وہ جیتی ہیں نہ مرتی ہیں۔ رات کو ہوس کے مقتل میں ذبح کر دی جاتی ہیں اور صبح ہوتے ہی ان کے تنِ داغ داغ میں دوبارہ جان ڈال دی جاتی ہے۔ مجھ سے ان کا سسکنا نہیں دیکھا جاتا۔'' یہ کہتے کہتے شانتا جھکی اور اس نے رضیہ کے پیروں پر سر رکھ دیا۔

''تیرے صدقے میں ان پر بھی زندگی کے دروازے کھل جائیں گے۔'' شہزادی نے شانتا کو سہارا دے کر اٹھایا جو خود بھی کسی نیم جاں کی طرح سسک رہی تھی۔ ''میری بے اختیاری کی رات کو ختم تو ہو جانے دے شانتا! صبحِ انصاف اس طرح نہیں آئے گی کہ بڑوں کے گناہوں سے چشم پوشی کر لی گئی اور چھوٹوں کو دار پہ کھینچ دیا گیا۔''

''مجھے اس کے سوا کچھ نہیں چاہئے۔'' شانتا نے اس بھکاری کی طرح ہاتھ جوڑ دیئے، جسے زندگی بھر جھڑکا گیا ہو اور جس کے ہاتھ سے کاسۂ گدائی لے کر توڑ دیا گیا ہو۔ ''بس! سمراٹ زندہ رہیں اور آپ سلامت رہیں۔''

کچھ دیر بعد یہ جذباتی فضا ختم ہوئی تو شانتا نے رضیہ سلطانہ کو بتایا کہ امیر آخور ایک دو روز میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔

''مگر جمال الدین یاقوت تنہا کیا کرے گا؟'' شہزادی نے حیران ہو کر پوچھا۔

شانتا کچھ اور قریب آ گئی۔ پھر سرگوشیوں میں اپنے منصوبے کی تفصیلات بتاتے ہوئے بولی۔ ''اس نرک میں داخل ہونے کا بس ایک یہی طریقہ ہے۔''

''اور بلرام سنگھ کے ہزاروں مسلح کارندے؟'' رضیہ سلطانہ، شانتا کے منصوبے سے زیادہ مطمئن نہیں تھی۔

''ان کا مقابلہ آپ کے ہزاروں جاں نثار کریں گے۔'' شانتا نے شہزادی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''وہ یہاں کس طرح داخل ہوں گے؟'' رضیہ سلطانہ کا ذہنی اضطراب برقرار تھا۔

''امیر آخور کی طرح۔'' شانتا مسکرانے لگی۔ مگر پھر فوراً ہی سنجیدہ ہو گئی۔ ''شہزادی عالیہ! آپ مجھ پر اعتبار کریں۔ ٹھاکر کے طلسم کو برباد کر دینا کوئی مشکل کام نہیں۔ مگر مسئلہ آپ کی جان کی سلامتی کا ہے۔''

شہزادی خاموش ہو گئی اور کچھ دیر بعد شانتا کا لایا ہوا کھانا کھانے لگی۔

❁==❁==❁

شانتا نے سلطان التمش سے ایسے پچاس آدمی طلب کئے تھے جن کے سر کے بال لمبے اور داڑھیاں دراز ہوں۔ مزید یہ کہ وہ خنجر چلانے کا بہترین ہنر جانتے ہوں۔

سلطان التمش نے بڑی حیرت سے شانتا کی باتیں سنیں۔ پھر اس نے تلاش بسیار کے بعد اپنے لاکھوں کے لشکر میں سے پچاس ایسے آدمی جمع کئے، جو شانتا کے انتخاب پر پورے اُترتے تھے۔

پھر دو تین روز تک شانتا نے جمال الدین یاقوت اور پچاس منتخب سپاہیوں کو ہندوؤں کے طور طریقے سکھائے۔ امیر آخور کا نام ''رام اوتار'' رکھا گیا۔

''تم میرے رشتے کے بھائی ہو اور بنارس میں رہتے ہو۔'' شانتا نے یاقوت حبشی کو ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ ''کل صبح چھ بجے تم سوامی دینا ناتھ کی کٹیا پہنچو گے اور وہاں کے دربان سے کہو گے کہ اپنی بہن شانتا سے ملنے آئے ہو۔''

اس کے بعد شانتا نے دوسرے سپاہیوں کو ہدایت دی۔ ''تم لوگ متھرا کے رہنے والے ہو اور رام مندر میں دیوتاؤں کے درشن کرنے آئے ہو۔ وہاں کے کسی پجاری کے سامنے میرا کوئی حوالہ پیش نہیں کرو گے۔ آئندہ امیر آخور تم سے رابطہ رکھیں گے اور پھر ان ہی کی ہدایت کے مطابق کوئی قدم اُٹھایا جائے گا۔''

تمام سپاہیوں نے مسکراتے ہوئے اپنی گردنیں جھکا دیں۔

التمش کے یہ سپاہی زرد کپڑوں میں ملبوس تھے۔ ماتھے پر قشقہ (تلک) تھا اور چہروں پر بھبھوت (راکھ) ملی ہوئی تھی۔ ان کے ہاتھوں میں لوہے کے بڑے بڑے کشکول (بھیک کے پیالے) تھے۔ سلطان التمش نے یہ کشکول ماہر کاریگروں سے بنوائے تھے۔ لوہے کے ان پیالوں کے اندر زہر آلود خنجر چھپے ہوئے تھے، جنہیں ضرورت کے وقت آسانی سے برآمد کیا جا سکتا تھا۔ تمام سپاہیوں کے جسموں پر لوہے کی موٹی موٹی زنجیریں لپٹی ہوئی تھیں۔ یہ زنجیریں ہندو سادھوؤں کے اس مخصوص گروہ کی نشاندہی کرتی تھیں، جو اپنے جسموں کو مختلف طریقوں سے اذیتیں پہنچا کر مکتی (نجات) حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان زنجیروں کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ٹھاکر بلرام سنگھ کے مسلح کارندوں سے جنگ چھڑ جانے کی صورت میں التمش کے سپاہی اپنے ان ہتھیاروں کو استعمال کر سکیں، جو بظاہر بے ضرر نظر آتے تھے۔ سلطان نے اس کام کے لئے خاص طور پر ان سپاہیوں کا انتخاب کیا تھا، جو ''بنوٹ'' کے ماہر تھے اور ایک ہی وقت میں پچاس پچاس دشمنوں کا تنہا مقابلہ کر سکتے تھے۔ یہ سپاہی اس قدر چاق و چوبند تھے کہ مقابلے کے وقت کرتب دکھانے والے ''نٹ'' کی طرح ہوا میں اُڑتے نظر آتے تھے۔

❁==❁==❁

دوسرے دن جمال الدین یاقوت ''رام اوتار'' کے روپ میں سوامی دینا ناتھ کی کٹیا کے دروازے پر پہنچا۔ دربان نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ یاقوت حبشی اپنے تیکھے نقش و نگار، بلند قامتی اور خوب صورت جسم کے باعث ایک مثالی نوجوان تھا۔

''کہاں سے آیا ہے بابا؟'' کٹیا کے دربان نے گہری نظروں سے یاقوت حبشی کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''بنارس سے آیا ہوں مہاراج!'' یاقوت حبشی نے شانتا کی ہدات کے مطابق بڑے عاجزانہ لہجے میں کہا۔ ''اپنی بہن شانتا دیوی سے ملنا چاہتا ہوں۔''

اپنے لئے مہاراج کا لفظ سن کر کٹیا کا دربان جھوم اٹھا۔ ''مندر کے پجاری کے پاس چلا جا۔ وہ تجھے شانتا دیوی سے ملا دے گا۔'' دربان نے مندر کی طرف اشارہ کیا، جس کی بلند عمارت دور سے صاف نظر آ رہی تھی۔

یاقوت حبشی آہستہ آہستہ چلتا ہوا مندر کے پجاری کے پاس پہنچا اور ایک بار پھر شانتا کی ہدایت کے مطابق بڑے پجاری کے قدموں میں جھک گیا۔ پجاری نے اسے رسمی ''آشیرواد'' سے نوازا۔ پھر نام اور پتے کے ساتھ آنے کا مقصد دریافت کیا۔ یاقوت حبشی نے بڑے مؤدبانہ لہجے میں اپنا مدعا بیان کیا۔ شانتا کے نام پر بڑا پجاری چونکا اور پھر یاقوت حبشی کو مندر کے صحن میں بٹھا کر خود ایک خفیہ راستے سے ٹھاکر بلرام سنگھ کے کمرے میں پہنچا، جہاں شانتا موجود تھی اور قصرِ شاہی جانے کی تیاریاں کر رہی تھی۔

ٹھاکر بلرام سنگھ ایک گاؤ تکیے کے سہارے نرم و گداز ریشمی بستر پر لیٹا تھا۔ بڑے پجاری کو دیکھتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''مہاراج! آپ اس وقت؟'' بلرام سنگھ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''مجبوری تھی ٹھاکر!'' بڑے پجاری نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''شانتا دیوی کا ایک رشتے دار مندر میں براجمان ہے۔ آج تک ان کے حوالے سے کوئی شخص یہاں نہیں آیا۔ اس لئے میرے نزدیک یہ بڑی انہونی بات تھی۔ سوچا کہ خود ہی تصدیق کر لوں۔''

بلرام سنگھ نے تعریفی نظروں سے بڑے پجاری کی طرف دیکھا۔ ''مہاراج! آپ بہت فرض شناس انسان ہیں۔''

''میں کس قابل ہوں ٹھاکر!'' بڑے پجاری نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو سب آپ ہی کا کرم ہے کہ دہلی کی گلیوں میں بھیک مانگنے والے کو مہا پجاری کے استھان تک پہنچایا۔'' یہ کہہ کر بڑا پجاری مڑا اور شانتا دیوی سے مخاطب ہوا۔ ''یہ رام اوتار کون ہے؟''

''میرے رشتے کا بھائی۔'' شانتا نے سوچے بغیر کہا۔ ''مگر وہ تو بنارس میں رہتا ہے۔ یہاں کیسے آ گیا؟''

''وہ مندر کے صحن میں آپ کا منتظر ہے۔'' یہ کہہ کر بڑے پجاری نے ٹھاکر کو سلام کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

پھر جب شانتا جانے کے لئے مڑی تو بلرام سنگھ نے اسے پکارا۔ ''شانتا! تیرا کوئی بھائی بھی ہے؟ مگر تُو نے آج تک ہم سے اس کا ذکر نہیں کیا۔''

''ٹھاکر! غریبوں کا ذکر ہی کیا؟'' شانتا نے اُداس لہجے میں کہا۔ ''پتہ نہیں اس پر کیا افتاد پڑی ہے کہ بنارس سے چلا آیا۔''

''اس کی خوب خاطر مدارات کر شانتا! آخر تیرا بھائی ہے۔'' بلرام سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اور پھر وہ ٹھاکر کی نگری میں آیا ہے۔ ہمیں بھی کسی دن اس سے ملوانا۔''

''آپ کا داس ہے ٹھاکر!'' شانتا نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔ ''آپ کے چرنوں کے سوا اس کا کہاں ٹھکانہ ہے؟''

''ان کمروں میں اس کی رہائش کا انتظام کر جہاں ہمارے معزز مہمان ٹھہرتے ہیں۔'' بلرام سنگھ، شانتا کو متاثر کرنے کے لئے بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ''کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یہاں سے جانے کے بعد ہماری میزبانی پر

اعتراض کرے۔''

شانتا نے ٹھاکر کا شکریہ ادا کیا اور کمرے سے نکل گئی۔

مندر کو جانے والے خفیہ راستے سے گزرتے ہوئے شانتا مسکرا رہی تھی۔ اسے بلرام سنگھ کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنی جلدی زیرِ دام آ جائے گا۔

''ٹھاکر! موت تو بہت دنوں سے تیری تاک میں تھی مگر تُو نے دروازہ آج کھولا ہے..... اب تو رام اوتار تیرا سر لے کر ہی جائے گا۔'' شانتا نے دل ہی دل میں کہا اور اپنے قدموں کی رفتار تیز کر دی۔

پھر شانتا، جمال الدین یاقوت سے ملی جو مندر کے صحن میں خاموش بیٹھا تھا۔ شانتا کو دیکھتے ہی وہ بے اختیاری کے عالم میں اُٹھا۔ شانتا بھی دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

''میرے بھائی رام اوتار! تُو کیسا ہے؟'' شانتا زور زور سے بول رہی تھی۔ اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ بڑے پجاری اور مندر کے دوسرے سیوکوں کو ان کے رشتے کا اعتبار آ جائے۔

شانتا نے ٹھاکر کی ہدایت کے باوجود یاقوت حبشی کو معزز مہمانوں کے لئے مخصوص کمرے میں نہیں ٹھہرایا۔ وہ چاہتی تھی کہ امیر آخور بھی اسی سرائے میں قیام کرے جو عام مسافروں کے لئے وقف کر دی گئی تھی۔ اس طرح جمال الدین یاقوت آسانی کے ساتھ ان پچاس سپاہیوں سے رابطہ قائم رکھ سکتا تھا جو عنقریب مندر میں پہنچنے والے تھے۔

''مجھے امید ہے کہ ہم بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔'' شانتا نے سرگوشیانہ انداز میں امیر آخور سے کہا۔ ''ٹھاکر خود آپ سے ملنے کا خواہش مند ہے اور میں یہی چاہتی تھی کہ کسی طرح آپ زیرِ زمین تمام راستوں سے واقف ہو جائیں۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ کل وہ راکھشس مجھ سے بڑی خوفناک باتیں کر رہا تھا۔''

یاقوت حبشی کو محسوس ہوا جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں اُتار دیا ہو شدتِ کرب سے اس کی ہلکی سانولی رنگت، سیاہی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ ہونٹ آپس میں پیوست ہو گئے تھے، جبڑوں کی ہڈیاں اُبھر آئی تھیں اور آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔

''امیر! اپنے آپ پر قابو پائیں۔'' شانتا نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ٹھاکر کے جاسوس نہ جانے کس کس روپ میں یہاں گھومتے پھرتے ہیں۔''

''شانتا!'' یاقوت حبشی نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔ ''مجھ پر بھی ایک ایک گھڑی قیامت کی گھڑی ہے۔ اگر آقائے نعمت کے جان و آبرو کو اس قدر سنگین خطرہ لاحق نہ ہوتا تو اکیلا ہی اس کے مقابل چلا جاتا۔ پھر دیکھتا کہ وہ کتنا ستم گر ہے؟''

''یہی تو سلطانِ معظم کی مجبوری ہے۔ ورنہ اب تک تو ٹھاکر کی دنیا میں بھونچال آ چکا ہوتا۔'' شانتا نے امیر آخور کو سمجھایا کہ وہ اپنی زندگی کے سب سے نازک محاذ پر ایک انتہائی عیار دشمن سے نبرد آزما ہے۔ اگر اس کے جذبات مشتعل ہوئے تو پوری بساط اُلٹ جائے گی۔

جمال الدین یاقوت سنبھل گیا اور شانتا سے بہت آہستہ لہجے میں کہا۔ ''تُو جب بھی آقائے نعمت کی خدمت میں حاضر ہو تو بس اتنا عرض کر دینا کہ جاں نثار اپنے جسموں پر کفن سجائے سرِ مقتل آ پہنچے ہیں۔''

❄==❄==❄

شانتا قصرِ شاہی پہنچی اور سلطان التمش کو اپنی تمام کارروائی سے آگاہ کیا۔ اس خبر سے والیٔ ہندوستان کو آسودگی حاصل ہوئی کہ جمال الدین یاقوت، ٹھاکر بلرام سنگھ کی کمیں گاہ میں داخل ہو چکا ہے۔

''مگر وہاں امیر آخور کو بھی کسی ہتھیار کی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔'' شانتا کچھ پریشان سی نظر آ رہی تھی۔ ''میں کوشش کروں گی کہ ٹھاکر کے اسلحہ خانے سے انہیں کوئی تلوار فراہم کر دوں لیکن بظاہر یہ کام بہت مشکل نظر آتا ہے۔''

التمش بہت دیر تک گہری سوچ میں ڈوبا رہا۔ پھر اس نے اپنے ایک ماہر آہن گر کو بلا کر کہا۔ ''پچاس ایسے ترشول بنائے جائیں جو زہر میں بجھے ہوں۔'' ترشول طاقت کی دیوی دُرگا کا ایک مخصوص ہتھیار ہے جس کے تین ''پھل'' ہوتے ہیں۔ اکثر ہندو سادھو اس ہتھیار کو ذاتی حفاظت کے لئے اپنے پاس رکھتے ہیں۔ سلطان التمش نے اسی رعایت سے ترشول تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔

''ان میں سے ایک ترشول، جمال الدین یاقوت کو پہنچا دینا۔ وہ ماہر شمشیر زن ہی نہیں، بہترین نیزہ باز بھی ہے۔''

شانتا کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔

❁==❁==❁

شانتا اپنے بیٹے سے ملنے کے بعد حسبِ معمول بلرام سنگھ کے پاس پہنچی۔ ٹھاکر بہت زیادہ بے چین نظر آ رہا تھا۔

''اب تیرے پاس صرف ایک دن رہ گیا ہے شانتا!'' بلرام سنگھ اپنی داسی کو دیکھتے ہی بولا۔ ''آنے والی رات کو جب چندرما، مندر کے کلس کے اوپر پہنچے گا تو راج کماری، دیوتاؤں کے روبرو حاضر ہو جائے گی۔''

ابھی بلرام سنگھ کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ شانتا درمیان میں بول اُٹھی۔ ''مگر ٹھاکر! آپ نے تو کہا تھا کہ ابھی ہمارے پاس اگلی برہسپت (جمعرات) تک کا سمے ہے؟''

''میں نے پنڈتوں سے بات کی تھی مگر وہ کہتے ہیں کہ کل رات بارہ بجے سے لے کر ایک بجے تک انتہائی شبھ گھڑی ہے۔'' بلرام سنگھ نے وضاحت کی۔ ''اگر یہ سمے بیت گیا تو پھر ایسی شبھ گھڑی بارہ برس کے بعد آئے گی۔ شانتا! میں اس سنہری وقت کو برباد نہیں ہونے دوں گا۔ مگر تُو کیوں پریشان نظر آ رہی ہے؟'' یکایک ٹھاکر نے اپنی داسی کی طرف دیکھا۔ شانتا کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ''تجھے تو اپنا دھرم تبدیل نہیں کرنا پڑے گا۔''

شانتا فوراً ہی سنبھل گئی۔ ''میں تو چاہتی ہوں کہ راج کماری ہنسی خوشی ہندو دھرم اختیار کریں تاکہ پورے ہندوستان میں ہمارے دیوتاؤں کی ''جے جے کار'' سنائی دے۔'' شانتا نے بڑی ذہانت سے بات بناتے ہوئے کہا۔

''میں تجھ سے کہہ چکا ہوں شانتا! کہ راضی خوشی سے یہ کام نہیں ہوگا۔'' ٹھاکر کے لہجے سے انتہائی سفاکی جھلک رہی تھی۔ ''ایک عام آدمی بھی خوشی سے اپنا دھرم نہیں چھوڑتا..... اور پھر وہ ایک راج کماری ہے۔ اسے اپنے راج پاٹ اور سینا کی شکتی پر بڑا مان ہے۔ پھر وہ کیسے ہنستی گاتی ہمارے دیوتاؤں کے سامنے جھک جائے گی۔''

''آپ جانیں ٹھاکر!'' شانتا نے بلرام سنگھ سے زیادہ بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

''کل راج کماری کو دُلہن کی طرح سجا دینا کہ دیوتا، روپ سنگھار سے خوش ہوتے ہیں۔'' بلرام سنگھ نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔

شانتا جبراً مسکرائی اور بلرام سنگھ کے عشرت کدے سے نکل کر رضیہ سلطانہ کے کمرے میں چلی گئی۔

شانتا کو اُداس دیکھ کر شہزادی بے چین نظر آنے لگی۔ ''کیا امیر آخور یہاں نہیں پہنچے؟''

''امیر آخور تو یہاں پہنچ گئے مگر قسمت ہم پر مہربان نظر نہیں آتی۔'' شانتا نے شکستہ لہجے میں اپنے اور ٹھاکر کے درمیان ہونے والی گفتگو، شہزادی کے گوش گزار کر دی۔ ''میں سمجھتی تھی کہ ہمارے لئے مزید ایک ہفتے کی مہلت کافی ہو گی۔ مگر پنڈتوں نے مداخلت کر کے نیا ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے اور اب ٹھاکر ایک حرف بھی سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔''

شہزادی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اس کے چہرے پر اذیت و کرب کے سائے اُبھر اُبھر کر ڈوب رہے تھے۔ رضیہ سلطانہ نے جبر کے آگے سر تو نہیں جھکایا تھا مگر وہ یہ سوچ کر پریشان تھی کہ ٹھاکر کی بات نہ ماننے کی صورت میں غیر مرد اُس کے جسم کو چھوئیں گے اور اس تصور سے ہی شہزادی کی روح تک لرز اُٹھتی تھی۔

''ٹھاکر کے ارادے بہت خوفناک ہیں راج کماری!'' شانتا نے ڈرتے ڈرتے رضیہ سلطانہ سے وہ بات کہہ دی جو اب تک اس کے سینے کی گہرائیوں میں دفن تھی۔

''میرے ارادے بلرام سنگھ سے بھی زیادہ خوفناک ہیں۔'' شہزادی کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز تبسم اُبھر آیا۔ وہ بار بار اپنی ایک انگوٹھی کو گردش دے رہی تھی۔ ''اگر ٹھاکر کے ناپاک ہاتھوں نے مجھے چھونے کی کوشش کی تو یہ جگمگاتا ہوا الماس میرا دفاعی ہتھیار ثابت ہوگا۔'' شہزادی نے اپنی انگوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''میرے ہاتھ کا یہ پتھر، بلرام سنگھ کے دیوتاؤں کی طرح بے جان نہیں ہے۔ یہ انسانی جسم کی زینت بھی بڑھاتا ہے اور وقت پڑنے پر اپنے پہننے والے کی جان بھی لے لیتا ہے۔''

شانتا لرز اُٹھی۔ وہ رضیہ سلطانہ کے اشارے کا مفہوم سمجھ گئی تھی۔ ''شہزادی حضور! اس داسی نے تو مقدور بھر کوشش کی۔'' یہ کہتے کہتے شانتا رونے لگی۔

''تُو ایک کمزور عورت ہوتے ہوئے بھی اپنی جان کی بازی کھیلتی رہی۔ میں تیرا یہ احسان عمر بھر نہیں بھولوں گی۔'' شہزادی نے شانتا کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''یہ رونے کا وقت نہیں ہے۔ کل صبح ہوتے ہی سلطانِ معظم کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کر دے۔ جب موت ہی میرا مقدر ہے تو پھر وہ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں؟ اگر میں مر بھی گئی تو کیا ہوگا؟ زنداں کی دیواریں تو گر جائیں گی اور صدیوں سے اسیر عورتیں آزادی کی سانس تو لے سکیں گی۔''

شانتا نے شہزادی کی طرف دیکھا۔ وہ دلکش خدوخال رکھنے والی نرم و نازک دوشیزہ، ہمالیہ سے زیادہ بلند اور مضبوط نظر آ رہی تھی۔

❁==❁==❁

وہ بڑی پُراسرار اور ہیجان خیز رات تھی۔

شہزادی رضیہ سلطانہ کی آنکھیں بند تھیں اور وہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے مخاطب تھی۔

''سیدی! میں آپ کے غلام التمش کی بے کس و مجبور بیٹی ہوں۔ کافروں اور منکروں کی چار دیواری میں محبوس..... اور آپ کی بارگاہِ جلال میں حاضر ہونے سے معذور۔'' رضیہ کی گریہ وزاری جاری تھی۔

شانتا اپنے بیٹے کے پاس لیٹی تھی مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دُور تھی۔ وہ بار بار اپنے بستر پر کروٹ بدل رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ شہزادی کا اصرار تھا کہ سلطان التمش اسی حالت میں سوامی دینا

ناتھ کی کٹیا پر حملہ کر دے۔ اور شانتا کا خیال تھا کہ سلطان کا کوئی بھی اقدام شہزادی کی موت کا سبب بن سکتا ہے۔ اسی ذہنی کشمکش نے اس کے نرم و گداز بستر کو انگاروں اور کانٹوں کا بستر بنا دیا تھا۔

راجہ دیوبل، ٹھاکر کے عشرت کدے میں شراب پی رہا تھا اور بلرام سنگھ انتہائی سرمستی کے عالم میں جھوم رہا تھا۔

''مہاراج! کل کا دن میری زندگی کا عجیب دن ہوگا۔''

''وہ کیسے ٹھاکر؟'' راجہ دیوبل نے لہراتے ہوئے کہا۔

''کل سلطان التمش کو شکست ہوگی اور میرے سر پر فتح کا تاج سجایا جائے گا۔'' ٹھاکر ہذیانی انداز میں چیخا۔ ''کل شہزادی رضیہ سلطانہ اپنا مذہب تبدیل کرے گی اور دیوتا ہمیں آشیرواد دینے آکاش سے دھرتی پر آئیں گے اور گوپیاں رقص کریں گی۔''

ابھی ٹھاکر کا سلسلۂ کلام جاری تھا کہ یکایک کمرے کے در و دیوار ہلنے لگے۔

''یہ کیا ہے ٹھاکر؟'' راجہ دیوبل نے گھبرا کر پوچھا۔

''شاید زلزلہ آیا ہے؟'' بلرام سنگھ کے چہرے پر خوف و دہشت کی پرچھائیاں لرزنے لگی تھیں۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے پورے مندر میں کہرام مچ گیا۔ بلرام سنگھ کے ہزاروں مسلح کارکن، مندر کے سیوک، سرائے میں ٹھہرے مسافر اور میواتی لٹیرے چیختے ہوئے مندر کے میدان میں نکل آئے۔

زمین بہت دیر تک لرزتی رہی۔ اس دوران راجہ دیوبل اور بلرام سنگھ سینکڑوں بار جیے اور ہزاروں بار مرے۔ پھر جب زمین اپنے محور پر ساکت ہوئی تو مندر کا بڑا پجاری، وحشیوں کی طرح چیختا ہوا بلرام سنگھ کے کمرے میں داخل ہوا۔

''ٹھاکر! بھگوان کی تمام مورتیاں زمین بوس ہو کر ٹوٹ گئی ہیں۔ یہ اچھا شگون نہیں ہے۔ یقیناً کوئی آفت آنے والی ہے۔''

یہ خبر سن کر راجہ دیوبل اور بلرام سنگھ خود بھی پتھر بن گئے تھے۔

پھر جب راجہ دیوبل کے ہوش و حواس بحال ہوئے تو بلرام سنگھ سے کہنے لگا۔

''ٹھاکر! مجھے یہاں سے جانے دے۔ اگر کچھ دن اور ٹھہر گیا تو کسی عذاب کا شکار ہو جاؤں گا۔''

''میں نے کب کسی کو روکا ہے؟'' بلرام سنگھ بری طرح جھنجلایا ہوا تھا۔ ''اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو اسی وقت چلے جائیں۔''

''برا نہ مان ٹھاکر!'' راجہ دیوبل ابھی تک سہما ہوا تھا۔ ''میں تیرا دوست ہوں۔ اس لئے میری باتیں غور سے سن۔''

بلرام سنگھ استفہامیہ نظروں سے راجہ دیوبل کی طرف دیکھنے لگا۔

''تجھے یاد ہوگا ٹھاکر! کہ اس دن سارنگا نے بھی ایک بھیانک خواب دیکھا تھا۔'' راجہ دیوبل نے بلرام سنگھ کو گزری باتیں یاد دلاتے ہوئے کہا۔ ''اس نے مندر میں خون کا سیلاب دیکھا تھا۔''

ٹھاکر نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی۔

''تُو نے کہا تھا کہ سارنگا کا خواب، خوف و دہشت کا نتیجہ ہے۔ مگر اب یہ زلزلہ؟'' راجہ دیوبل کے لہجے سے اب بھی ہلکی ہلکی لرزش نمایاں تھی۔

''زمین کا اچانک کانپ اٹھنا، محض ایک اتفاق ہے مہاراج!'' اگرچہ اندر سے ٹھاکر بلرام سنگھ بھی سہما ہوا تھا لیکن راجہ دیوبل کے سامنے وہ بے نیازی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

''نہیں ٹھاکر! یہ اتفاق نہیں ہے۔'' راجہ دیوبل کے ذہن میں مختلف اندیشے سر اُبھار رہے تھے۔ ''جس دن سے راج کماری یہاں آئی ہے، میں کچھ عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔''

ٹھاکر بلرام سنگھ نے جبراً مسکرانے کی کوشش کی۔ ''مہاراج! آپ چاہتے ہیں کہ میں راج کماری کو اس کے محل میں واپس پہنچا دوں؟''

''تم کچھ بھی کرو ٹھاکر! مگر میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔'' راجہ دیوبل اب کسی قیمت پر بھی مندر میں ٹھہرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

''باہر کے بارے میں آپ کو کچھ پتہ ہے مہاراج!'' بلرام سنگھ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''ایک ایک قدم پر سلطان کے دو دو سپاہی پہرہ دے رہے ہیں۔''

''مجھے ہر حال میں جانا ہے ٹھاکر!'' راجہ دیوبل نے ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ آپ چلے جائیں۔ مگر اپنی ذمے داری پر۔'' ٹھاکر نے صاف صاف کہہ دیا۔

''ہاں! اپنے انجام کا میں خود ذمے دار ہوں۔'' بلرام سنگھ بھی بجھا بجھا نظر آ رہا تھا۔

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ رام مندر کا بڑا پجاری دوبارہ بلرام سنگھ کے عشرت کدے میں داخل ہوا۔ ''ٹھاکر! مندر کے تمام سیوک اور سرائے کے سارے مسافر کھلے میدان میں کھڑے ہیں۔ خوف و دہشت کے باعث وہ اپنے اپنے کمروں میں جانے کے لئے تیار نہیں۔''

بلرام سنگھ، راجہ دیوبل کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے اپنی آنکھوں سے وہ عجیب منظر دیکھا کہ سارے بت شکستہ حالت میں زمین پر اوندھے پڑے تھے۔ اس واقعے کا حیرت انگیز پہلو یہ تھا کہ زلزلے سے صرف دیوتاؤں کے مجسمے متاثر ہوئے تھے۔ مندر میں رہنے والے تمام انسان بھی محفوظ تھے اور دوسری چیزیں بھی۔

ٹھاکر نے تمام لوگوں کو بہت تسلیاں دیں مگر ان کے خوف میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔

''بھگوان ہم سے ناراض ہو گئے ہیں ٹھاکر!'' ایک بوڑھے پجاری نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''دیوتاؤں کی مورتیوں کا ٹوٹ جانا کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔ یقیناً اس مندر میں کوئی اتیاچار (ظلم) ہوا ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ پر سلامت رہے اور دیوتاؤں کے مجسمے زمین بوس ہو جائیں۔''

بلرام سنگھ، بوڑھے پجاری کے سوال کا کیا جواب دیتا۔ اس نے منہ پھیر لیا اور سردار سارنگا کی طرف دیکھنے لگا، جو تیزی سے اس کے قریب آ رہا تھا۔

''ٹھاکر! بڑا انرتھ (غضب) ہو گیا۔'' سارنگا کی سانسیں چڑھی ہوئی تھیں اور چہرے پر انتہائی خوف کے آثار نمایاں تھے۔ ''میں ایک بھیانک خواب دیکھ رہا تھا کہ دہشت سے میری آنکھ کھل گئی.....''

ابھی سارنگا اپنی بات مکمل کرنے نہیں پایا تھا کہ بلرام سنگھ نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا۔ ''تُو خواب بہت دیکھتا ہے۔ مندر میں ٹھہر کر میرا انتظار کر۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔''

سارنگا تھکے تھکے قدموں سے مندر کی طرف چلا گیا اور ٹھاکر بلرام سنگھ میدان میں کھڑے ہوئے خوف زدہ ہجوم کو

مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اس مندر میں کوئی انیائے (ناانصافی) اور کوئی اتیاچار نہیں ہوا ہے۔ اگر بھگوان ناخوش ہیں تو انہیں راضی کرنے کی کوشش کرو۔ بھجن گاؤ اور کیرتن کرو۔ برہما کو اس وقت تک پکارتے رہو، جب تک وہ آکاش سے اُتر کر دھرتی پر نہ آجائے۔''

یہ کہہ کر بلرام سنگھ، راجہ دیوبل کے ساتھ مندر میں چلا گیا۔ پھر وہ سارنگا کو لے کر اپنے عشرت کدے میں پہنچا۔

''ٹھاکر! کچھ دیر پہلے میں نے ایک اور بھیانک خواب دیکھا تھا۔'' بلرام سنگھ کے کمرے میں پہنچتے ہی سارنگا نے پھر وہی ذکر چھیڑ دیا۔

''میں نے دوبارہ اسی خون کے سیلاب کو دیکھا جو ہر چیز کو ڈبوتا ہوا بلند ترین درختوں کی چوٹیوں سے گزر رہا تھا۔''

''مت سنا مجھے اپنا خواب۔'' ٹھاکر نے سارنگا کو ڈانٹ دیا۔ ''افسوس کہ میرے گروہ کے تمام لوگ بزدل اور نکمے ہیں۔ کاش! ایک ہی مرد میرے ساتھ ہوتا۔''

''ٹھاکر! مجھے بزدلی کا طعنہ نہ دو۔ میں نے بھی اپنی ساری عمر انسانی جانوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے گزاری ہے۔'' یکایک سارنگا کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ ''یہ خواب بے معنی نہیں ہیں ٹھاکر! میں نے اپنا کٹا ہوا سر بھی دیکھا ہے، جسے لے کر سلطان کے سپاہی دہلی کی گلیوں میں گھوم رہے تھے۔''

''آخر تُو کیا کہنا چاہتا ہے؟'' بلرام سنگھ بھی اب کچھ پریشان سا نظر آنے لگا تھا۔

''جب سے راج کماری یہاں آئی ہے، میں ایک دن بھی سکھ کی نیند نہیں سویا ہوں۔'' سارنگا نے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔ ''آنکھ لگتے ہی بھیانک سپنوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اگر میری مانو ٹھاکر! تو راج کماری کو آزاد کر دو۔''

''کیا اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن میں پھانسی کا پھندا ڈال لوں؟'' بلرام سنگھ کا غصہ بھڑک اُٹھا۔ ''اپنا گلا خود ہی تلوار کے نیچے رکھ دوں؟..... مورکھ! تُو یہ کیسی باتیں کر رہا ہے؟''

''راج کماری نہیں جانتیں کہ وہ یہاں کس طرح پہنچی ہیں۔'' سارنگا، ٹھاکر کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''میں دوبارہ انہیں جنگل میں چھوڑ آؤں گا۔ اور یہ راز ہمیشہ راز ہی رہے گا کہ راج کماری نے اتنے دن کس دنیا میں گزارے ہیں۔''

''نہیں سارنگا!'' ٹھاکر نے بہت زور سے اپنے سر کو جھٹکا دیا۔ ''بلرام سنگھ کے فیصلے بدلا نہیں کرتے۔ چاہے پورا آکاش ٹوٹ کر دھرتی پر گر پڑے۔ مگر راج کماری واپس نہیں جائے گی۔ اب تو وہی ہوگا، جو میں نے سوچا ہے۔ جسے جانا ہے، وہ چلا جائے۔ میں اکیلا ہی یہ جنگ لڑوں گا۔''

''ٹھاکر!'' راجہ دیوبل نے بلرام سنگھ کو مخاطب کیا۔

''میں جانتا ہوں مہاراج! کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' ٹھاکر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اس کے لہجے سے ناگواری کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''سارنگا! مہاراج کو کل صبح ہوتے ہی جنگل میں پہنچا دے۔ آگے کا راستہ وہ اپنی ذمے داری پر طے کریں گے۔''

سارنگا نے راجہ دیوبل کو حالات کی سنگینی کے بارے میں تفصیل سے بتانا چاہا، مگر ریاست گوالیار کا سابق حکمراں

ایک لمحے کے لئے بھی رام مندر میں ٹھہرنے کو تیار نہیں تھا۔

❁==❁==❁

صبح ہوتے ہی راجہ دیوبل اور اس کے سپاہی سادھوؤں کے روپ میں طویل سرنگوں سے گزر کر جنگل میں پہنچ گئے۔ وہ اپنے حلیوں سے بھکاری معلوم ہو رہے تھے۔ سلطان التمش کے سپاہیوں نے ان سے معمولی سی باز پرس کی اور پھر آگے جانے کے لئے چھوڑ دیا۔ راجہ دیوبل بہت خوش تھا کہ موت اس کے قریب سے ہو کر نکل گئی تھی۔

قصرِ شاہی جانے سے پہلے داسی شانتا، بلرام سنگھ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ''میرے لئے کیا حکم ہے ٹھاکر؟'' شانتا نے آہستہ سے کہا۔

بلرام سنگھ نے کھوئی کھوئی نظروں سے شانتا کی طرف دیکھا۔

''اگر جشن کی تیاریوں میں میری ضرورت پڑے تو میں طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے جلد ہی لوٹ آؤں۔'' شانتا انتہائی حالتِ جبر میں بول رہی تھی۔

''میرے اس جشن کو کسی کی نظر لگ گئی شانتا!'' ٹھاکر نے شکستہ لہجے میں کہا۔ ''جشن کیسے مناؤں کہ مندر میں تو ہر طرف کہرام برپا ہے۔ کچھ دن اور ٹھہر جا۔ نئی مورتیاں بھی تیار ہو جائیں اور لوگوں کے دلوں سے زلزلے کا خوف بھی نکل جائے۔''

شانتا دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتی ہوئی قصرِ سلطانی کی طرف چلی گئی۔ قدرت نے خود ہی شہزادی رضیہ سلطانہ کے لئے نئی مہلت فراہم کر دی تھی۔

❁==❁==❁

شانتا کے جاتے ہی بلرام سنگھ نے جی بھر کے شراب پی اور جھومتا ہوا رضیہ سلطانہ کے کمرے کی طرف چلا۔ ٹھاکر کی نیت میں فتور آ گیا تھا اور وہ شہزادی کی تنہائی سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔ پھر جیسے ہی بلرام سنگھ کچھ فاصلہ طے کر کے رضیہ سلطانہ کے کمرے کے قریب پہنچا، اُس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پہرہ دینے والی داسیاں غائب تھیں اور ان کی جگہ ایک بوڑھا تلوار لئے کھڑا تھا جو اپنی ظاہری وضع قطع سے مسلمان نظر آ رہا تھا۔ بے ترتیب بڑھی ہوئی داڑھی اور لمبے بکھرے ہوئے بال۔ یہ نذیر شاہ تھے۔ دہلی کے مشہور مجذوب۔

''ٹھاکر! کیا اب بھی تیری آنکھیں نہیں کھلیں؟'' نذیر شاہ نے پُر جلال لہجے میں بلرام سنگھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ تیرے حامیوں کا کیا حشر ہوا؟ پتھر کے یہ بے جان مجسمے تیری کیا مدد کرتے؟ وہ تو اپنے آپ کو بھی نہ بچا سکے۔''

نذیر شاہ مجذوب کو سامنے پا کر بلرام سنگھ خود بھی پتھر ہو گیا تھا۔ ٹھاکر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہزاروں بندشوں اور رکاوٹوں کے باوجود ایک مسلمان بوڑھا اس کے محفوظ ترین تہہ خانے میں کس طرح داخل ہوا؟

''میں چاہتا تو بحکمِ خدا تیرا سر کاٹ کر سلطان التمش کی خدمت میں پیش کر دیتا۔'' نذیر شاہ مجذوب کے ہونٹوں پر بڑی تحقیر آمیز مسکراہٹ نمایاں تھی۔ ''مگر خدا کو تو کچھ اور ہی منظور ہے۔ بندے کی کیا طاقت کہ اس کے کاموں میں

مداخلت کا تصور بھی کر سکے۔ مگر تُو نے یہ تو دیکھ لیا کہ شہزادی رضیہ سلطانہ تنہا ہوتے ہوئے بھی تنہا نہیں ہے۔ تُو اکیلا کیا کرے گا؟ اپنی پوری فوج کو بلا لے۔ پھر دیکھ کہ شہزادی کے پاکیزہ جسم کو چھونے والے ہاتھ کٹ کر گرتے ہیں یا بدن پر سلامت رہتے ہیں۔"

ٹھاکر نے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کر سکا۔ اسے اپنا پورا جسم مفلوج لگ رہا تھا۔ پھر وہ ہذیانی انداز میں چیخنے لگا۔

"تم سب کہاں مر گئے؟" بلرام سنگھ کی چیخوں نے زمین دوز تہہ خانے کے در و دیوار کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے بلرام سنگھ کے سینکڑوں مسلح محافظ اپنے اپنے کمروں سے نکل آئے۔

"حرام کارو! ہزار پہروں سے گزر کر یہ بوڑھا یہاں کیسے آ گیا؟" بلرام سنگھ نے نذیر شاہ مجذوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ اپنے کارندوں کو گندی گالیاں بک رہا تھا۔

"کہاں ٹھاکر؟ آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟" بیک وقت کئی آوازیں گونجیں۔

"وہ دیکھو!" بلرام سنگھ نے ایک بار پھر نذیر شاہ کی طرف اشارہ کیا، جو نہایت سکون و اطمینان سے تلوار لئے رضیہ سلطانہ کے دروازے پر کھڑے تھے۔

"وہاں تو کوئی بھی نہیں ٹھاکر!" محافظوں نے حیران ہو کر کہا۔

بلرام سنگھ مسلسل گالیاں بکتا رہا اور تمام محافظ سر جھکائے کھڑے رہے۔ ہر کارکن اپنی جگہ ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ ٹھاکر نے آج زیادہ شراب پی لی ہے، اسی لئے وہ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ کارندوں کی مجبوری یہ تھی کہ وہ بلرام سنگھ کے سامنے اس کی غلطی کو اپنی زبان پر نہیں لا سکتے تھے۔ مجبوراً گالیاں کھاتے رہے، یہاں تک کہ ٹھاکر چیختے چیختے تھک گیا۔

رات کے زلزلے کے بعد یہ ایک اور لرزہ خیز واقعہ تھا، جس نے بلرام سنگھ کو بدحواس کر دیا تھا۔ اس نے ایک ایک پہرے دار سے پوچھا۔ مگر ہر شخص نے یہی جواب دیا کہ ٹھاکر کو دھوکا ہوا ہے۔ اس قدر سنگین پہرے میں انسان تو کجا، کوئی چیونٹی بھی تہہ خانے کے اندر داخل نہیں ہو سکتی۔"

"پھر وہ کون تھا؟ اور یہاں کیسے آیا تھا؟" بلرام سنگھ بہت دیر تک اپنے سر کے بال نوچتا رہا اور اس کے مسلح محافظ ڈرے سہمے سوچتے رہے کہ شاید ٹھاکر کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔

❁==❁==❁

اسی روز دوپہر کے قریب شانتا کے منصوبے کے مطابق پچاس جانباز سپاہی، سادھوؤں کے لباس میں سوامی دینا ناتھ کی کٹیا پہنچ گئے۔ مندر کے سیوکوں نے انہیں دُور دراز سے آئے ہوئے مسافر سمجھ کر بڑی عزت و احترام کے ساتھ سرائے میں ٹھہرایا۔ جمال الدین یاقوت حبشی نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا اور اطمینان کا گہرا سانس لیا۔

شام کو قصرِ سلطانی سے واپسی کے بعد شانتا پہلے یاقوت حبشی سے ملی۔ "میں عنقریب آپ کو ٹھاکر کے پاس لے جاؤں گی۔ اب آپ کا ایک ہی کام ہوگا کہ راستے کے ہر پیچ و خم کو اپنی آنکھوں میں محفوظ رکھیں گے۔"

"مجھے اسی لمحے کا انتظار ہے۔" یاقوت حبشی نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "ایسا لگتا ہے کہ جیسے وقت تھم کر رہ گیا ہے۔"

"وقت کی رفتار کو بڑھایا نہیں جا سکتا۔" شانتا نے ایک بار پھر امیر آخور کو ہدایت کی۔ "آپ اپنے ساتھیوں سے ملتے رہیں۔ مگر احتیاط کے ساتھ۔"

یہ کہہ کر شانتا، ٹھاکر کے پاس چلی گئی۔ بلرام سنگھ کسی شکست خوردہ جواری کی طرح منہ لپیٹے پڑا تھا۔ شانتا کے قدموں کی چاپ سن کر اس نے آہستہ سے سر اٹھایا اور پھر فوراً ہی منہ موڑ لیا۔ شانتا کو عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔ ایک خوفناک درندہ تھکا ماندہ اور بیمار سا نظر آ رہا تھا۔

"ٹھاکر! طبیعت تو ٹھیک ہے؟" شانتا نے بلرام سنگھ کے قریب جا کر کہا۔

"تیرے پیچھے ایک اور انہونی ہو گئی شانتا!" ٹھاکر بڑی بے دلی کے ساتھ اٹھا اور اپنی دیوداسی کو پورا واقعہ سنانے لگا۔

"ناقابل یقین ٹھاکر!..... انتہائی ناقابل یقین۔" جوشِ جذبات میں شانتا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"تُو بھی میری آنکھوں کو جھٹلا رہی ہے شانتا!" بلرام سنگھ نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ "مندر کا ہر فرد خاموش زبان سے یہی کہہ رہا ہے، جیسے میری بینائی زائل ہو گئی ہے۔"

"یہ بات میں نہیں کہہ سکتی ٹھاکر!" شانتا نے بڑی تیزی سے اپنا لہجہ تبدیل کر ڈالا۔ "مجھے آپ سے زیادہ کسی پر اعتبار نہیں ہے۔ آپ نے جو کچھ دیکھا، وہ اسی طرح درست ہے جیسے اس وقت سورج ڈوب چکا ہے اور سیاہ رات ہمارے سروں پر چھائی ہوئی ہے۔"

"مگر وہ کون تھا؟ اور یہاں کس طرح آیا تھا؟" بلرام سنگھ نے شانتا سے بھی وہی سوال کیا جسے وہ اپنے سینکڑوں کارندوں کے سامنے دہرا چکا تھا۔

"میں کیا جانوں ٹھاکر! کہ وہ کون تھا؟ اور یہاں کیوں آیا تھا؟" شانتا خود بھی اس واقعے پر حیران تھی مگر مجبوراً بلرام سنگھ کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی۔ "آپ اس شخص کو بھول جائیں ٹھاکر! وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"کیسے بھول جاؤں؟" بلرام سنگھ نے جھنجلا کر کہا۔ "اس کے سامنے میرے پورے جسم کی طاقت سلب ہو گئی تھی۔ اگر وہ چاہتا تو شاید مجھے قتل ہی کر ڈالتا۔"

"پھر؟" شانتا بظاہر مجسم سوال بن گئی تھی مگر دل ہی دل میں وہ ناقابل بیان خوشی محسوس کر رہی تھی۔

"اب کچھ دن ٹھہر جا۔ پہلے مجھے اس بدروح کا انتظام کر لینے دے۔" بلرام سنگھ، نذیر شاہ مجذوب کے وجود کو "بدروح" سمجھ رہا تھا کہ اس کے مذہب میں یہ عقیدہ عام تھا۔

"جیسی ٹھاکر کی مرضی۔" یہ کہہ کر شانتا، رضیہ سلطانہ کے کمرے میں چلی گئی۔

شہزادی بہت اُداس تھی۔ آج شانتا کو دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی کوئی علامت نہیں اُبھری۔

شانتا نے حسبِ معمول آگے بڑھ کر رضیہ سلطانہ کے قدم چھونے کی کوشش کی مگر شہزادی نے اپنے پاؤں سمیٹ لئے۔ "کیا افواجِ سلطانی نے حملہ کر دیا؟" رضیہ کی آواز تند و تیز تھی۔

"نہیں۔" شانتا نے عرض کیا۔

"کیوں؟" شہزادی کی روشن و کشادہ پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"ابھی اس کی ضرورت نہیں۔" شانتا کے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ اُبھر آئی۔ "رات کے زلزلے نے ٹھاکر

اور اس کے تمام کارندوں کو شدید خوف و ہراس میں مبتلا کر دیا ہے۔'' یہ کہہ کر شانتا نے ایک اجنبی شخص کی آمد کا واقعہ بھی بیان کر دیا۔

رضیہ سلطانہ کچھ دیر تک حیرت و سکوت کے عالم میں بیٹھی رہی، پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ''اے میرے خدا! اے میرے دستگیر! اے میرے مشکل کشا! اگر تُو اپنے بندوں کی خبر گیری نہ کرے تو پھر انہیں زیرِ آسماں کہاں پناہ ملے گی؟''

''میں نے کہا تھا نا شہزادی حضور! کہ آپ کے محترم باپ نے بھی کسی عورت کو بے آبرو نہیں کیا ہے۔ اس لئے خدا آپ کو بھی بے آبرو نہیں ہونے دے گا۔'' شانتا نے رقت آمیز لہجے میں کہا اور پھر خود بھی رونے لگی۔ ''میں نہیں جانتی کہ آپ کا محافظ بن کر آنے والا وہ نادیدہ شخص کون ہے؟..... مگر وہ آیا اور تنہا ہوتے ہوئے بھی ہزاروں کو خوفِ مرگ میں مبتلا کر کے چلا گیا۔ آپ جسے پکارا کرتی تھیں، اس نے آپ کو بے سہارا نہیں چھوڑا۔ ذرا دیکھیں تو! کیسا عجیب وقت ہے کہ قاتل پناہ ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔''

شہزادی کے بہتے ہوئے آنسو تیز ہو گئے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ بھی اُبھر آئی۔

❁==❁==❁

شانتا نے دوسرے دن ہی جمال الدین یاقوت حبشی کو ٹھاکر بلرام سنگھ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جب شانتا، امیر آخور کو لے کر زیرِ زمین راستوں سے گزر رہی تھی تو اس نے سرگوشیاں کرتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ ان راستوں کے نقشے کو ذہن میں اچھی طرح محفوظ کر لیں اور پھر اپنے ساتھیوں کو بھی ان سرنگوں کے بارے میں بتا دیں۔ تاکہ حملے کے وقت کوئی دشواری پیش نہ آئے۔''

یاقوت حبشی نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی اور ایک ایک زاویے کو ذہن نشین کرنے لگا۔

پھر جب وہ بلرام سنگھ کے سامنے پہنچا تو ٹھاکر اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ چھ فٹ سے نکلتا ہوا قد، چوڑا سینہ، توانا بازو، رفتار کا بے نیازانہ انداز اور دل پر اثر انداز ہونے والی بڑی بڑی مخمور آنکھیں۔ بلرام سنگھ بھی جمال الدین یاقوت حبشی کی سحر انگیز شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ امیر آخور کی ہلکی سانولی رنگت کی وجہ سے ٹھاکر کو اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکا۔

''شانتا! تیرا بھائی تو سپاہی لگتا ہے۔'' بلرام سنگھ اپنی داسی سے مخاطب ہو کر بولا۔

شانتا ایک لمحے کے لئے گھبرا گئی۔ جیسے ٹھاکر نے یاقوت حبشی کے جسم سے ہندوانہ لباس اُتار کر اسے اس کی اصلی شکل میں دیکھ لیا ہو۔ ''یہ تو ایک معمولی کسان کا لڑکا ہے ٹھاکر!'' شانتا نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میرے اندازے کے مطابق اسے سپاہی ہونا چاہئے۔'' بلرام سنگھ بھی مسکرا رہا تھا۔ ''یہ کھیتی باڑی کے لئے پیدا نہیں ہوا ہے۔''

جمال الدین یاقوت خاموش کھڑا رہا۔ شانتا نے اسے زیادہ گفتگو کرنے سے منع کر دیا تھا۔ امیر آخور کا شائستہ طرزِ گفتار اُسے بے نقاب بھی کر سکتا تھا۔

''کبھی تُو نے تلوار چلائی ہے رام اوتار؟'' ٹھاکر نے یاقوت حبشی سے پوچھا۔

امیر آخور زیرِ لب مسکرایا اور نفی میں اپنے سر کو جنبش دینے لگا۔

''تلوار؟'' بلرام سنگھ کے عشرت کدے میں شانتا کا کھنکتا ہوا قہقہہ گونجا۔ ''اسے تلوار سے کیا نسبت؟ بس کدال اور پھاوڑا ہی اس کے ہتھیار ہیں۔''

''اسے تلوار سیکھنی چاہئے۔'' ٹھاکر کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی اور وہ گہری نظروں سے یاقوت حبشی کی جسمانی ساخت کا جائزہ لے رہا تھا۔

''آپ جیسا کہیں ٹھاکر!'' یاقوت حبشی نے شانتا کی ہدایت کے مطابق بلرام سنگھ کے سامنے نہایت ادب و احترام سے سر جھکا دیا۔ ''شانتا کے سوا میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ ماں باپ مر گئے اور بزرگوں کی زمین مہاجن کھا گئے۔ اب تو روٹیوں کے بھی لالے پڑ گئے ہیں۔''

''تجھ سے کون کہتا ہے کہ بنارس جا کر فاقہ کشی کر؟'' بلرام سنگھ نے اس طرح کہا کہ جیسے وہی ہندوستان میں رہنے والوں کا ''ان داتا'' ہے۔ ''تیرے ٹھاکر کے پاس روٹیوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہیں۔ ہزاروں کھا رہے ہیں۔ تُو بھی کھا۔''

''شکریہ ٹھاکر!'' جمال الدین یاقوت نے بڑے عاجزانہ لہجے میں کہا۔

''شانتا! اسے سمیر سنگھ سے ملا دے۔'' بلرام سنگھ نے اپنی داسی کو ہدایت کی۔ ''وہ رام اوتار کو تلوار چلانا سکھا دے گا۔ ٹھاکر کی کٹیا میں رہنے والا ہر شخص، دُرگا ماتا کا سپاہی ہے۔''

اور حقیقت بھی یہی تھی کہ بلرام سنگھ کی اس تنظیم کا ہر کارکن کسی نہ کسی عنوان ایک سپاہی تھا۔ مندر کے پجاری اور سیوک بھی شمشیر زنی کے ہنر سے واقف تھے تاکہ ضرورت کے وقت انہیں دشمن کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔

شانتا نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''ٹھاکر! میں آپ کا یہ احسان آخری سانس تک یاد رکھوں گی کہ آپ نے میرے بے سہارا اور بے گھر بھائی کو جگہ کے ساتھ عزت بھی عطا کی۔''

''نہیں شانتا! اس میں احسان کی کیا بات ہے؟'' بلرام سنگھ خوش نظر آ رہا تھا۔ ''میں تیری خدمات کو بھولا نہیں ہوں۔ اور پھر رام اوتار واقعی اس قابل ہے کہ اسے سپاہی بنا دیا جائے۔ اب آگے قسمت کا حال تو بھگوان کو معلوم ہے کہ یہ صرف سپاہی بنتا ہے یا تیرے ٹھاکر کا محافظِ خاص۔''

شانتا، یاقوت حبشی کو لے کر اس کے کمرے میں چلی گئی جو عام مسافروں کی سرائے سے بہت قریب تھا۔

''خدا کا شکر ہے کہ ہر کام ہماری مرضی کے مطابق تکمیل پا رہا ہے۔'' شانتا نے امیر آخور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''تم مذہباً ہندو ہو مگر بار بار خدا کا نام لیتی ہو۔'' یاقوت حبشی کو شانتا کے طرزِ کلام پر حیرت ہوئی تھی۔

''میں ایک خدا کی نام لیوا ہوں۔'' شانتا یکایک بہت جذباتی ہو گئی تھی۔ ''پتھروں پر سے میرا اعتبار اُٹھ گیا ہے۔ میں نے یہ منت مانی ہے کہ اگر خدا مجھے ان ظالموں سے نجات دے گا تو میں سرِ عام اس کی عبادت کروں گی۔''

''ایسا ہی ہو گا شانتا! ایسا ہی ہو گا۔'' یاقوت حبشی کے سینے میں ناگہاں جذبات کی ایک تند و تیز لہر اُٹھی۔ ''ان ظالموں کے دن پورے ہو چکے ہیں اور تُو خدا کی بارگاہِ مقدس میں حاضر ہونے والی ہے۔''

''اگر میں نجات نہ پا سکی، تب بھی میرا انجام اسی کے نام سے ہوگا۔'' شانتا کے لہجے میں بڑا گداز شامل تھا۔ ''میں مرتے وقت اسی کو پکاروں گی۔''

''آمین!'' یاقوت حبشی نے جواباً کہا اور پھر شہزادی رضیہ سلطانہ کا ذکر چھیڑ دیا۔ ''اگر ہو سکے شانتا! تو مجھے ایک بار آقائے نعمت کی خدمت میں پیش کر دے۔''

شانتا نے امیر آخور کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ ''بس ایک بار.....''

''اتنے سخت پہرے میں آپ کا وہاں جانا ممکن نہیں ہے۔'' شانتا عجیب کشمکش میں مبتلا تھی۔ ''اگر کسی نے دیکھ لیا تو قیامت آ جائے گی۔''

''تو پھر ان تک میرا خط پہنچا دے۔'' یاقوت حبشی بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہا تھا۔

''میں کوشش کروں گی۔'' شانتا مجبور ہو گئی۔

اور پھر امیر آخور جمال الدین یاقوت، شہزادی رضیہ سلطانہ کے نام خط تحریر کرنے لگا۔

❁==❁==❁

رات کو حسبِ معمول شانتا، رضیہ سلطانہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس [illegible] بند کر کے یاقوت حبشی کا خط شہزادی کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ کیا ہے؟'' رضیہ سلطانہ نے چونک کر کہا۔

''آپ کے لئے امیر آخور کا پیغام ہے۔'' شانتا نے عرض کیا۔ ''وہ یہاں آ[illegible] لئے بے چین تھے۔ میں نے انہیں بڑی مشکل سے روکا ہے۔''

رضیہ سلطانہ نے شانتا کے ہاتھ سے یاقوت حبشی کا خط لے لیا اور پڑھنے لگی۔

''آقائے نعمت! آپ کے جاں نثار سرِ مقتل آ پہنچے ہیں۔ بس حضور عالی کے اشارے کی دیر ہے..... مگر یہ اشارہ کب ہوگا؟ کیا اس وقت کہ جب آپ کے یہ غلام پتھر کے ہو جائیں گے؟ حکم تو دیجئے۔ پھر ان بے ضمیر اور بزدل دشمنوں کو اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کی بارگاہِ خلوت میں نذر کئے جانے والے سروں کی تعداد کتنی ہے۔ یہ شمار کرتے کرتے تھک جائیں گے مگر سروں کی قطاریں ختم نہیں ہوں گی۔''

یاقوت حبشی کا خط پڑھنے کے دوران شہزادی رضیہ سلطانہ کے چہرے پر ایک عجیب سا رنگ اُبھر آیا تھا۔

شانتا خاموشی سے شہزادی کی دلی کیفیات کا مشاہدہ کر رہی تھی۔

''وہ سچ کہتا ہے۔'' رضیہ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ ''مگر شانتا! تُو اسے اپنی طرف سے صبر کی تلقین کر اور میرا یہ پیغام بھی پہنچا دے کہ ابھی مقتل کے آراستہ ہونے میں کچھ دیر ہے۔''

❁==❁==❁

سلطان التمش کی بے قراری میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور شانتا، والیٔ ہندوستان کو سمجھا رہی تھی۔

''سلطانِ معظم! ہم اپنی منزل کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ ٹھاکر بلرام سنگھ خود ہی اپنی موت کے انتظامات کر رہا ہے۔''

سلطان، شانتا کے اس دعوے سے بظاہر مطمئن تھا مگر اُس کی ذہنی خلش برقرار تھی۔

ٹھاکر کا محافظِ خاص سمیر سنگھ اپنے آقا کے حکم پر جمال الدین یاقوت کو شمشیر زنی کا ہنر سکھا رہا تھا اور سلطنتِ ہند کا امیر آخور دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ یاقوت حبشی کو تلوار کی ضرورت تھی اور بلرام سنگھ نے خود ہی اسے یہ تلوار فراہم کر دی تھی۔

شانتا رات کو دیر تک امیر آخور کے کمرے میں موجود رہتی اور اپنے منصوبے کے بارے میں گفتگو کرتی رہتی۔

پھر یاقوت حبشی اپنے ساتھیوں کے پاس چلا جاتا اور انہیں مندر کے خفیہ راستوں کے متعلق سمجھاتا رہتا۔ اس نے مختلف اوقات میں کاغذ پر ایک نقشہ بنایا تھا، جس سے رہنمائی حاصل کر کے ٹھاکر بلرام سنگھ کے عشرت کدے تک پہنچا جا سکتا تھا۔

ایک سپاہی نے اندیشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر ہم لوگ اپنی لاعلمی کی وجہ سے راستہ بھٹک گئے؟''

یہ بہت اہم سوال تھا۔ جمال الدین یاقوت فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس کے چہرے پر فکر و پریشانی کے رنگ اُبھر اُبھر کر ڈوب رہے تھے۔

''وہاں سرنگ میں اندازاً کتنے مسلح آدمی موجود ہوں گے؟'' دوسرے سپاہی نے سوال کیا۔

''تقریباً ایک ہزار۔'' امیر آخور نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ ''طویل و عریض سرنگ میں دونوں طرف کمرے بنے ہوئے ہیں اور ان کمروں میں ٹھاکر کے محافظ رہتے ہیں۔ کیا تم اتنے لوگوں پر قابو پانے کی صلاحیت نہیں رکھتے؟''

''یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ فتح کس کا مقدر بنے گی اور کون ذلیل و خوار ہوگا؟'' تیسرے سپاہی نے جواب دیا۔ ''مگر ہمیں اپنے محاذِ جنگ کے بارے میں سب کچھ معلوم ہونا چاہئے۔ ہم دشمنوں کی کثرت سے خائف نہیں ہیں، لیکن ہماری معمولی سی کوتاہی بھی شہزادی عالیہ کی زندگی کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔''

''پہلے میں اپنے ذہن میں نقشۂ جنگ ترتیب دے لوں، پھر آپ حضرات کے سامنے پیش کروں گا۔'' یہ کہہ کر جمال الدین یاقوت چلا گیا۔

❁==❁==❁

اس دوران ایک بار پھر بلرام سنگھ نے بری نیت کے ساتھ شہزادی رضیہ سلطانہ کے کمرے میں جانے کی کوشش کی مگر اس مرتبہ بھی وہی صورتِ حال پیش آئی۔ نذیر شاہ مجذب ایک دربان کی طرح شہزادی کے دروازے پر موجود تھے۔ ٹھاکر نے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن اچانک ہی اسے محسوس ہوا کہ اس کا پورا جسم پتھر کا ہو کر رہ گیا ہے۔

بلرام سنگھ چیخنا چاہتا تھا مگر اس نے مصلحتاً اپنی آواز کو سینے میں گھونٹ لیا۔ ٹھاکر کو اندازہ تھا کہ یا تو کارندے اس کا مذاق اُڑائیں گے یا پھر وہ خود بھی خوف و دہشت میں مبتلا ہو جائیں گے۔ دونوں صورتیں خطرناک تھیں۔ مجبوراً وہ اپنے کمرے میں واپس چلا گیا۔ پھر اس نے رام مندر کے بڑے پجاری کو طلب کر کے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''کچھ دیر پہلے پھر وہی مسلمان بوڑھا، راج کماری کے دروازے پر نظر آیا تھا۔ کیا تُو اس بدروح کی آمد کو نہیں روک سکتا؟'' بلرام سنگھ کا لہجہ انتہائی غضب ناک تھا۔ ''جب تک وہ یہاں آتا رہے گا، میں اپنے مقصد میں کامیاب

نہیں ہوسکوں گا۔"

"سنسار میں بھٹکنے والی ایسی کوئی آتما نہیں ہے، جسے آپ کا یہ سیوک ہمیشہ کے لئے بیڑیاں نہ پہنا سکے۔" پجاری گیانی رام نے لاف زنی کی۔ "آج رات میرے منتر اُسے جلا کر راکھ کر دیں گے۔ آپ اطمینان رکھیں سمراٹ! اب وہ بدروح ادھر کبھی نہیں آئے گی۔"

"اگر ایسا نہیں ہوا تو.....؟" ٹھاکر نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی اور خونخوار نظروں سے گیانی رام کی طرف دیکھا۔

"تو میں سمراٹ کو منہ نہیں دکھاؤں گا۔" گیانی رام سہم گیا۔

"نہیں پنڈت!" بلرام سنگھ نے زور زور سے اپنے سر کو جنبش دی۔ "ناکامی کی صورت میں تُو مندر سے نہیں، اس پاپی سنسار سے جائے گا۔"

❁==❁==❁

وہ صبح گیانی دینا ناتھ کی کٹیا میں رہنے والوں کے لئے بڑی لرزہ خیز تھی۔ رات کے پچھلے پہر رام مندر کا بڑا پجاری، گیانی رام دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ مگر اس طرح کہ اس کی موت انتہائی دردناک حالت میں واقع ہوئی تھی۔ جب ٹھاکر بلرام سنگھ نے گیانی رام کی لاش دیکھی تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"ہے بھگوان! یہ کیا ہو رہا ہے؟ ٹھاکر کو اور کیا کیا دکھائے گا؟ اپنے ہی بھگت کو ہلاک کر ڈالا؟"

درگا دیوی کا ترشول گیانی رام کے سینے کی ہڈیوں کو توڑتا ہوا پشت کی طرف نکل آیا تھا۔ تکلیف کی شدت سے بڑے پجاری کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور زبان باہر لٹک رہی تھی۔ مندر کے سیوکوں سے یہ ہولناک منظر دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ وہ کانپتی آوازوں میں "رام رام" کا وِرد کر رہے تھے اور ان کے چہروں پر موت کی پرچھائیاں ناچ رہی تھیں۔

کچھ دیر کے لئے تو ٹھاکر بھی اپنے ہوش و حواس کھو چکا تھا۔ مگر پھر وہ آہستہ آہستہ سنبھل گیا۔

"پاپیوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔" بلرام سنگھ مندر میں جمع ہونے والے سیوکوں سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا۔ "جب کوئی پجاری، گناہ کرنے سے باز نہیں آتا تو پھر بھگوان اسے اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اُتار دیتے ہیں۔"

اب بلرام سنگھ کسی کو کیا بتاتا کہ پنڈت گیانی رام کی موت کس وجہ سے ہوئی ہے؟

رام مندر کے پجاری کی آخری رسوم میں ہزاروں ہندو شریک ہوئے تھے مگر ہر شخص اپنی جگہ اس خیال سے سہما ہوا تھا کہ پتہ نہیں، کب دُرگا دیوی کا ترشول اچانک نمودار ہو اور اس کے سینے کے پار ہو جائے۔ کیونکہ وہاں موجود ہر انسان گناہ گار تھا۔ اور ٹھاکر بلرام سنگھ کے بقول جب گناہ حد سے بڑھ جاتے ہیں تو بھگوان خود ہی سزا دینے کے لئے زمین پر اُتر آتے ہیں۔

پجاری گیانی رام تو چتا کے شعلوں میں جل کے راکھ ہو گیا، مگر رام مندر کے احاطے میں رہنے والوں کو ناقابلِ بیان خوف و ہراس میں مبتلا کر گیا۔

جب بڑے پجاری کی راکھ دریائے جمنا میں بہائی جا چکی تو لٹیروں کے سردار، سارنگا نے بلرام سنگھ سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھاکر! کیا یہ بھی اتفاق ہے؟" خلافِ معمول سارنگا کا لہجہ انتہائی طنز آمیز تھا۔ "اب تو میں بھی اس دن کا انتظار

کروں گا، جب میری راکھ بھی اسی طرح پانی میں بہائی جا رہی ہوگی۔"

"نہیں سارنگا! تیرا ٹھاکر ایسے نہیں جائے گا۔" بلرام سنگھ نے اپنے اندرونی خوف پر بڑی مشکل سے قابو پاتے ہوئے کہا۔ "ٹھاکر کو جانا ہوتا تو اب تک جا چکا ہوتا۔ پجاری گیانی رام کی موت بھی محض اتفاق ہے۔"

"چاہے پوری نگری برباد ہو جائے، مگر آپ تمام حادثوں کو اتفاق کا نام دیتے رہیے گا ٹھاکر!" سارنگا دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

❁==❁==❁

شانتا بہت خوش تھی۔ پجاری گیانی رام کی موت کے سبب اسے مزید مہلت مل گئی تھی۔ اس عرصے میں جمال الدین یاقوت نے شانتا سے اس کی منصوبہ بندی کے بارے میں دریافت کیا۔

"آخر ہم چند آدمی آقائے نعمت تک کس طرح پہنچیں گے؟" یاقوت حبشی بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ "میں تو اب ان پُر پیچ راستوں سے واقف ہو گیا ہوں۔ مگر میرے ساتھیوں کے قدم اس طلسمی رہ گزر سے قطعاً ناآشنا ہیں۔ وہ بھٹک گئے تو کیا ہوگا؟"

"میرے ہوتے ہوئے کوئی نہیں بھٹکے گا۔" شانتا نے پُر جوش لہجے میں کہا۔ "میں ان کی رہنمائی کروں گی۔"

"تم؟" امیر آخور حیرت زدہ رہ گیا۔ "پھر ہمیں اتنے دن انتظار کیوں کرایا؟ یہ کام تو بہت پہلے بھی ہو سکتا تھا۔"

"آپ ٹھاکر کے حلقۂ اعتبار میں داخل ہوئے اور خفیہ راستوں کے پیچ و خم سے آگاہی حاصل کی۔ کیا یہ کام ایک دو روز میں ممکن تھا؟" شانتا کے لہجے میں ہلکی سی تلخی شامل ہو گئی تھی۔

جمال الدین یاقوت اپنے جذباتی روّیے پر شرمسار نظر آنے لگا۔

"آپ کے ساتھی پوجا کے لئے مندر میں صبح و شام آنے جانے لگے۔ بیگانگی کی فضا ختم ہوئی اور یہاں کے سیوکوں کے ساتھ گھل مل گئے۔" شانتا نے اپنے منصوبے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو معلوم ہے کہ صرف مندر ہی کے راستے سے گزر کر ٹھاکر تک پہنچا جا سکتا ہے۔"

"مجھے تم سے ندامت ہے شانتا!" امیر آخور کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

"شرمندگی کی ضرورت نہیں۔" شانتا بے تکلفانہ انداز میں مسکرانے لگی۔ "بس انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے ہی والی ہیں۔ پرسوں صبح سورج نکلنے سے پہلے سلطانِ معظم، سوامی دینا ناتھ کی کٹیا پر حملہ کر دیں گے۔"

"سلطانِ معظم؟" یاقوت حبشی حیرت سے اُچھل پڑا۔ "کیا اس طرح ہمارا منصوبہ قبل از وقت ظاہر نہیں ہو جائے گا؟ اور پھر ٹھاکر بلرام سنگھ.....؟" امیر آخور کی زبان پر لفظ ٹوٹ کر رہ گئے۔

"میں نے سمراٹ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ مگر بیٹی کی محبت میں انہوں نے میری تجویز مسترد کر دی۔ وہ اس فوجی مہم کی قیادت خود کریں گے۔"

"مگر.....؟" جمال الدین یاقوت بدستور حیرت و پریشانی میں مبتلا تھا۔

"آپ مطمئن رہیں۔ مسلمان سپاہیوں کو یہاں کوئی پہچانے گا نہیں۔" شانتا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ "بس اچانک ایک طوفان اُٹھے گا اور پھر ہر ستم گر اُس کی خوراک بن جائے گا۔"

وقت اپنی مقررہ رفتار سے گزرتا رہا۔

شانتا کی ہدایت کے مطابق التمش کا ایک سپاہی، دینا ناتھ کی کٹیا سے نکل کر قلعے کی طرف چلا گیا تھا۔ سپاہی کو حملے کے وقت لشکرِ سلطانی کی رہنمائی کرنی تھی۔

''آپ سو جائیں۔'' شانتا نے امیر آخور کو مخاطب کیا۔ ''اس جنگ کے لئے تازہ دم ہونا بہت ضروری ہے۔ میں رات کے پچھلے پہر آؤں گی۔''

جب وہ ٹھاکر کے کمرے میں پہنچی تو وہاں رقص و موسیقی کی محفل آراستہ تھی۔ راجستھان کی ایک نوخیز اور خوبصورت رقاصہ ٹھاکر بلرام سنگھ کے عشرت کدے میں ناچ رہی تھی۔ شانتا نے اسے دیکھا تو سمجھ گئی، آج رات ایک اور عورت برباد ہونے والی تھی۔ محفلِ خاص میں کرشن مندر کا پجاری سورداس، نیا پجاری بھیرومل، میواتیوں کا سردار سارنگا اور ٹھاکر کا محافظِ خاص سمیر سنگھ موجود تھے۔ رقص کی اس محفل کا اہتمام سارنگا کی خواہش پر کیا گیا تھا۔

''میں رات کو سو نہیں سکتا ٹھاکر!'' سارنگا نے بڑے شکستہ لہجے میں بلرام سنگھ سے کہا تھا۔ ''سوتا ہوں تو خون کے خواب دیکھتا ہوں۔''

ٹھاکر کس سے کہتا کہ وہ خود کس اذیت میں مبتلا ہے۔ اس نے اپنی شکست کا غم بھلانے کے لئے رقص و سرود کی محفل سجائی اور بہانہ کر دیا کہ اسے ساتھیوں کی دلجوئی منظور ہے۔

''سارنگا! زندہ بتوں کے رقص دیکھ۔ پھر تُو موت کے خواب نہیں دیکھے گا۔'' ٹھاکر نے سردار سارنگا کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

اس وقت سارنگا، راجستھانی لڑکی کا رقص دیکھ رہا تھا جو ملکوتی حُسن کی مالک تھی۔

شانتا عشرت کدے میں داخل ہوئی تو محفل اپنے عروج پر تھی۔ یہاں آنے سے پہلے اسے اس بات پر بہت افسوس تھا کہ آج ایک اور معصوم لڑکی قتل کر دی جائے گی۔

جب اس نے سرِ محفل راجستھانی لڑکی کے ناز و ادا کا مظاہرہ دیکھا تو اسے گھن سی آنے لگی۔ اپنی ہی ہم پیشہ کے لئے اس کے سینے میں نفرت کا طوفان اُٹھا۔ ''ایسی عورت کا قتل ہو جانا ہی بہتر ہے۔'' شانتا دل ہی دل میں اس لڑکی کو بددعائیں دے رہی تھی۔ ''یہ مجبوراً نہیں، خوشی سے ناچ رہی ہے۔''

اسی ذہنی اذیت میں مبتلا تھی کہ ٹھاکر نے اس کی طرف دیکھا۔

''شانتا!'' بلرام سنگھ نے لہراتے ہوئے کہا۔ ''تُو معزز مہمانوں کو شراب پلا۔ مگر اس لباس میں نہیں۔ یہ سفید کپڑے تیرا کفن معلوم ہوتے ہیں۔ بیوہ بن کر نہیں، اپسرا کا روپ دھار کر ٹھاکر کی محفل میں آ!''

شانتا کو ایسا محسوس ہوا جیسے لوہے کی کوئی دہکتی ہوئی سلاخ اس کے دماغ سے گزر کر دل تک پہنچ گئی ہے۔ ٹھاکر ہی نے اسے ایسا بنایا تھا اور اب وہی درندہ اس کے لباس اور شکل و صورت پر طعنہ زنی کر رہا تھا۔

''سوچ کیا رہی ہے؟..... جلد کر۔'' ٹھاکر نے اسے بھی سب کے سامنے طوائف بنا ڈالا تھا۔

شانتا اپنے سینے میں نفرت و قہر کا آتش فشاں لئے چلی گئی اور وہ لباس بدل کر آئی جو ٹھاکر بلرام سنگھ کا پسندیدہ لباس تھا۔

''دیکھ سارنگا!'' ٹھاکر، سردار سارنگا سے مخاطب ہوا۔ ''یہاں ایک نہیں، دو دو اپسرائیں اُتر آئی ہیں۔''

سارنگا جبراً مسکرانے لگا۔ اس کی نگاہیں راجستھانی لڑکی کے چہرے پر مرکوز تھیں مگر ذہن بلرام سنگھ کے عشرت کدے سے دُور کہیں بھٹک رہا تھا۔ وہ ڈراؤنے خوابوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''آگ اور خون'' کا سیلاب زمین دوز تہہ خانے کے دروازے پر آ کر ٹھہر گیا تھا اور سارنگا کو محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے ہی وہ باہر نکلے گا، اس سیلاب کی موجیں اسے بہا کر لے جائیں گی۔

''پوری صراحی اس میں اُلٹ دے۔'' سارنگا نے اپنا پیالہ، شانتا کی طرف بڑھا دیا۔

شانتا اکثر رات کو سونے سے پہلے ٹھاکر کو شراب پلایا کرتی تھی۔ آج بلرام سنگھ اسے سب کے سامنے رُسوا کر رہا تھا۔ لیکن وہ اس زہر کو بھی پی گئی اور سارنگا کے پیالے کو بار بار لبریز کرنے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ہوشربا مسکراہٹ تھی مگر اس کے دل میں انتقام کے انگارے دہک رہے تھے۔

''بدنصیبو! انگور سے کھنچی ہوئی شراب پی کر جھوم رہے ہو۔ لیکن یہ پتہ نہیں کہ رات ختم ہوتے ہی تم پر زندگی حرام ہو جائے گی۔''

شانتا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔ اس نے ایک خاص اندازِ دلربائی کے ساتھ بلرام سنگھ کو کئی بار جام پیش کیا۔ ٹھاکر کا وجود زمین پر نہیں تھا۔ وہ مسلسل پیتا رہا اور شانتا پلاتی رہی۔

آج کی رات بلرام سنگھ کے تمام ساتھیوں پر شانتا کی نظرِ خاص تھی۔ سمیر سنگھ کو اس نے کبھی منہ نہیں لگایا تھا مگر آج کی محفل میں وہ بھی اس کا محبوب تھا۔ شانتا، بلرام سنگھ کے محافظِ خاص سمیر سنگھ کو پیالے بھر بھر کے پلا رہی تھی۔ دونوں 'رام رام' کا جاپ کر رہے تھے مگر جام پر جام پیئے جا رہے تھے۔ شانتا کے تیور ایسے ہی تھے، جیسے ساقی نے بادہ کشوں کے ہجوم میں اعلان کر دیا ہو کہ آج کسی پر پابندی نہیں۔ جس کا جی چاہے، مے خانے کو لوٹ لے۔ شانتا بھی مے خانہ لٹا رہی تھی کہ صبح ہوتے ہی شراب کے ذخیروں کو زمین پر بہہ جانا تھا اور پینے والوں کو مے کدے سے نکل کر شمشان گھاٹ کی طرف چلا جانا تھا۔

❁==❁==❁

سیاہ رات کے سینے میں بڑے طوفان کروٹیں لے رہے تھے۔ شہر کی فضا پر عجیب پُراسرار سناٹا طاری تھا۔ قصرِ سلطانی سے ہزاروں شہسوار نکل کر سوامی دینا ناتھ کی کٹیا کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان ہی شہسواروں میں والیٔ ہند سلطان التمش بھی شامل تھا۔ تمام امیر و وزیر گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ اور کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی کہ کچھ دیر بعد ایک خوفناک زلزلہ آنے والا ہے۔ بس قلعے کے محافظ حیران نظروں سے سپاہیوں کو جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ مگر انہیں بھی اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ یہ شہسوار کہاں جا رہے ہیں اور ان کا محاذ کون سا ہے؟

❁==❁==❁

شانتا یہ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ اگر ٹھاکر کی محفلِ موسیقی تا دیر جاری رہی تو پھر اس کا منصوبہ درہم برہم ہو جائے گا۔ یہی سوچ کر وہ حاضرینِ مجلس کو بار بار شراب پلا رہی تھی۔ آخر کثرتِ بادہ نوشی رنگ لائی اور محفل کے شرکاء آہستہ آہستہ اپنے حواس کھونے لگے تھے۔

بارہ بجے کے قریب راجستھانی لڑکی بھی ناچتے ناچتے تھک گئی تھی۔ سارنگا سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا اُٹھا اور ٹھاکر کا شکریہ ادا کر کے عشرت کدے سے نکل گیا۔ محافظِ خاص کے جسم و دماغ بھی بوجھل ہو چلے تھے۔ اس نے ٹھاکر کے قدم چھوئے اور رخصت کی اجازت لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ دونوں پجاریوں کی گردنیں بھی ڈھلکی جا رہی تھیں۔ ٹھاکر ان کی حالت دیکھ کر ہنسا۔ پھر اپنے خدمت گاروں سے مخاطب ہو کر بولا۔

''ان سے اپنا بوجھ نہیں اُٹھتا۔ پھر یہ دوسروں کے پاپوں کی گٹھڑی کس طرح اُٹھائیں گے؟'' بلرام سنگھ کا لہجہ انتہائی طنز آمیز تھا۔ ''انہیں مندر جا کر چھوڑ آؤ۔ ورنہ یہ راستے ہی میں کہیں گر جائیں گے۔''

ٹھاکر کے کئی خدمت گار آگے بڑھے اور مندر کے دونوں پجاریوں کو سہارا دے کر عشرت کدے سے باہر لے گئے۔

شانتا کی تدبیر کارگر ثابت ہوئی تھی۔ اگر وہ ٹھاکر اور اس کے دوسرے ساتھیوں کو مسلسل شراب نہ پلاتی تو رقص کی یہ محفل رات بھر جاری رہتی۔ اور بلرام سنگھ کے مسلح محافظ صبح ہونے تک جاگتے رہتے۔ نتیجتاً اس بات کا امکان بھی موجود رہتا کہ امیر آخور یاقوت حبشی اور اس کے ساتھی مقررہ وقت پر زمین دوز تہہ خانے میں داخل نہ ہو پاتے اور ان کا منصوبہ درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔ شانتا نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ انسانی خون پینے والے یہ درندے خلافِ عادت جلد اپنے اپنے غاروں میں چلے گئے۔

بلرام سنگھ کا عشرت کدہ خالی ہو چکا تھا اور راجستھانی لڑکی اجازت طلب نظروں سے ٹھاکر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''شانتا! اسے میری خواب گاہ میں پہنچا دے۔'' بلرام سنگھ نے اپنی داسی کو مخاطب کر کے کہا۔

شانتا کے دل و دماغ سلگ اُٹھے تھے مگر وہ ٹھاکر کے اس نشتر کو بھی برداشت کر گئی۔ پھر راجستھانی رقاصہ کو بلرام سنگھ کی خلوت میں پہنچا کر مسکراتے ہوئے بولی۔ ''اور کوئی حکم ٹھاکر؟''

''تُو بھی تھک گئی ہو گی شانتا!'' بلرام سنگھ لڑکھڑاتا ہوا اُٹھا۔ ''بس، اب جا اور چین کی نیند سو جا!''

''ہم دکھیاروں کے بھاگ میں چین کی نیند کہاں ٹھاکر؟'' شانتا کا لہجہ شدید طنزیہ تھا مگر بلرام سنگھ نشے میں ہونے کے باعث اس کی گہرائی تک نہ پہنچ سکا۔

''تجھے کیا دکھ ہو سکتا ہے شانتا! کہ تُو ٹھاکر کی ہم راز و دم ساز ہے۔'' بلرام سنگھ لڑکھڑاتا ہوا اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔

شانتا بھی تیزی سے باہر نکلی۔ عشرت کدے کے دروازے پر معمول کے مطابق دو مسلح محافظ موجود تھے۔ شانتا نے مسکرا کر دونوں کی مزاج پُرسی کی، محافظوں نے سر جھکا دیئے۔ وہ جانتے تھے کہ شانتا، ٹھاکر کی خاص داسی ہے۔

''میں ذرا کپڑے بدل کر آتی ہوں۔'' شانتا نے اپنے سرخ لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''پھر راج کماری کے پاس جاؤں گی۔ اس لباس میں ان کے سامنے جانا اچھا نہیں لگتا۔ میں بھی کیا کرتی کہ ٹھاکر کی مرضی یہی تھی۔'' شانتا ان دونوں سے اپنائیت کے لہجے میں بات کر رہی تھی۔

''شانتا دیوی! ٹھاکر کی مرضی کے آگے تو سبھی مجبور ہیں۔'' ایک محافظ نے تلخ لہجے میں کہا۔

''ٹھاکر سو چکے ہیں۔ اب تو کل دوپہر ہی کو جاگیں گے۔'' نتاشا بڑی ہوشیاری سے بلرام سنگھ کے محافظوں کو

اپنے دام میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''اتنا بڑا جشن منایا گیا کہ شراب کے نشے میں سب بہہ گئے۔ کیا تم نے بھی.....؟''

''شراب ہمارے مقدر میں کہاں شانتا دیوی؟'' دوسرے محافظ نے کہا۔ اس کے لہجے میں بھی وہی تلخی نمایاں تھی۔ ''یہ تو بڑے لوگوں کی غذا ہے۔ برسوں بیت گئے کہ جی بھر کے نہیں پی۔ بس کبھی ہولی دیوالی کو ہونٹ گیلے ہو جاتے ہیں۔''

''آج تم بھی پیئو۔'' شانتا تیزی سے پلٹی اور ٹھاکر کے عشرت کدے سے ایک صراحی اور دو پیالے اُٹھا کر لے آئی۔ دونوں محافظ شراب پر ٹوٹ پڑے اور شانتا، سرنگ سے گزر کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ پھر وہ جمال الدین یاقوت سے اس طرح ملی کہ لمبی چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ امیر آخور نے سمیر سنگھ سے حاصل کی ہوئی دوسری تلوار شانتا کو دے دی اور وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی دوبارہ ٹھاکر کے عشرت کدے میں داخل ہو گئی۔ اس نے اچٹتی نظروں سے اپنے اطراف کا جائزہ لیا۔ پوری سرنگ خالی پڑی تھی۔ جب وہ بلرام سنگھ کے محافظوں کے قریب سے گزری تو دونوں نے بیک زبان کہا۔

''شانتا دیوی! آپ کا بہت بہت شکریہ! آپ نے جگ جگ کے پیاسوں کو امرت پلا کر دوبارہ زندہ کر دیا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' شانتا بڑے شگفتہ انداز میں مسکرائی۔ ''اس شراب پر تمہارا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ ٹھاکر کا۔ آج رات یہ سوچ کر پیئو کہ تم ہی اس عشرت کدے کے مالک ہو۔'' یہ کہہ کر شانتا، رضیہ سلطانہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

شہزادی کی نگرانی پر متعین دونوں داسیاں، شانتا کو دیکھ کر ہٹ گئیں اور وہ نیلے رنگ کی چادر میں لپٹی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔ رضیہ سلطانہ اس وقت کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ اسے صبح ہونے کا بڑی بے چینی سے انتظار تھا۔ شانتا کو دیکھ کر شہزادی کے چہرے پر مسرت آمیز اضطراب کا گہرا رنگ اُبھر آیا۔

''شانتا! ابھی صبح ہونے میں کتنا وقت ہے؟''

''آدھی رات گزر چکی ہے شہزادی عالیہ!'' شانتا نے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے اپنی چادر کے نیچے سے تلوار نکالی اور رضیہ سلطانہ کی طرف بڑھا دی۔

شہزادی ایک خاص انداز سے تلوار کو دیکھنے لگی۔

''آپ میرے جانے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر لیں گی۔'' شانتا نے شہزادی کو اپنے منصوبے کی تفصیلات سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''اس دروازے کو پندرہ بیس آدمی مل کر بھی نہیں توڑ سکتے۔ اور اگر کسی طرح وہ نازک وقت آ بھی گیا تو پھر یہ تلوار آپ کا دفاع کرے گی۔''

شہزادی بہت غور سے شانتا کی باتیں سن رہی تھی۔

''ویسے امیر آخور اور آپ کے دوسرے جاں نثار اسی کمرے کے قریب جمع ہوں گے۔ ان کی گردنیں کٹ جانے کے بعد ہی دشمن اس دروازے کو توڑ کر آپ تک پہنچ سکتے ہیں۔'' شانتا کا لہجہ انتہائی سرد تھا۔ وہ جذبات کے بجائے دماغ سے کام لے رہی تھی۔

''کیا یہ ممکن نہیں کہ میں بھی کمرے سے نکل کر ٹھاکر بلرام سنگھ کے سپاہیوں کا مقابلہ کر سکوں؟'' رضیہ سلطانہ نے

حسرت زدہ لہجے میں کہا۔

''ہرگز نہیں۔'' شانتا کی آواز سے تنبیہہ کا رنگ جھلک رہا تھا۔ ''یہ محاذِ جنگ کسی کھلے میدان میں نہیں کہ آپ اپنی مرضی سے گردش کر سکیں۔ دوسرے یہ کہ سرنگ کا راستہ بہت تنگ ہے اور آپ اس کے پیچ وخم سے واقف بھی نہیں۔''

شہزادی خاموش ہوگئی اور شانتا تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل کر چلی گئی۔ شانتا کے جاتے ہی رضیہ سلطانہ نے دروازہ بند کرلیا۔

❁==❁==❁

اگرچہ شانتا نے جمال الدین یاقوت اور دوسرے سپاہیوں سے کہا تھا کہ وہ ابتدائے شب میں سو جائیں لیکن آج کی رات شہزادی کے جاں نثاروں کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ ان میں سے ہر شخص جنگ شروع ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ شانتا خود بھی ایک لمحے کے لئے نہیں سوئی تھی۔ وہ بار بار اپنے معصوم بچے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''میرے بیٹے! آنے والی صبح تیری قسمت کا بھی فیصلہ کر دے گی۔'' شانتا نے اس بچے کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے کہا جسے ٹھاکر بلرام سنگھ نے پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم بنا دیا تھا۔

''تیری مظلوم ماں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتی کہ تُو جبر کے زنداں سے نکل کر آزادی کی فضا میں سانس لے اور تیرے باپ کا قاتل اپنے انجام کو پہنچ جائے۔'' پھر وہ بڑے جاں گداز لہجے میں زمین و آسمان کے مالک کو پکارنے لگی۔ ''اے کوئی جسم نہ رکھنے والے خدا! میرے ساتھ انصاف کر۔ ان پتھر کے خداؤں نے تو اپنے پجاریوں کو ہلاک کر ڈالا۔'' شانتا بہت دیر تک دل ہی دل میں دعائیں مانگتی رہی۔ اس کے سینے میں جلتے ہوئے بگولوں کا طوفان اٹھ رہا تھا اور پھر وہی تپتا غبار، آنسو بن کر اس کی آنکھوں سے برسنے لگتا تھا۔

پھر چار بجے کے قریب وہ اپنے کمرے سے نکلی۔ جمال الدین یاقوت اور دوسرے سپاہی وقت سے پہلے ہی تیار ہو چکے تھے۔ شانتا نے انہیں اشارہ کیا اور وہ سب کے سب ننگے پاؤں اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ سوامی دینا ناتھ کی کٹیا کے رہنے والے ہزاروں سیوکوں پر گہری نیند طاری تھی۔ شانتا تیز رفتاری کے ساتھ رام مندر کے قریب پہنچی اور یاقوت حبشی کے پانچ سپاہیوں سے سرگوشی کے انداز میں بولی۔

''تم تھوڑی دیر میں سرنگ کے راستوں کا جائزہ لینے کے بعد واپس آ جاؤ گے اور مندر کے دروازے پر کھڑے ہو کر سلطانِ معظم کے سپاہیوں کا انتظار کرو گے۔ وہ بھی ہندو سادھوؤں کے لباس میں ہوں گے۔''

''مگر وہ یہاں پہنچیں گے کس طرح؟'' امیر آخور یاقوت حبشی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''آپ کا ایک ساتھی کل رات قصرِ سلطانی پہنچ چکا ہے۔ وہی لشکرِ سلطانی کی رہنمائی کرے گا۔'' شانتا کی آواز گھٹی گھٹی تھی اور اس کی بے چین نظریں اپنے اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ''جب سلطانِ معظم کے سپاہی یہاں پہنچ جائیں تو آپ لوگ انہیں لے کر سرنگ میں داخل ہو جائیں۔'' یہ کہہ کر شانتا آگے بڑھی اور رام مندر میں داخل ہوگئی۔

اس وقت مندر میں سناٹا تھا۔ بس چھوٹا پجاری اشنان کرنے کے لئے اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا تاکہ وہ نہا دھو کر تیار ہو جائے اور پھر شنکھ (ناقوس) پھونک کر سونے والوں کو صبح کی پوجا کے لئے بیدار کر دے۔ چھوٹے پجاری

نے چونک کر آنے والے سادھوؤں کو دیکھا اور انتہائی ناگوار لہجے میں بولا۔

''ابھی پوجا کا سمے نہیں ہوا ہے۔''

''ہماری پوجا کا سمے ہو چکا ہے۔'' یہ کہہ کر جمال الدین یاقوت آگے بڑھا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے چھوٹے پجاری کی گردن پکڑ لی۔ امیر آخور کے طاقتور ہاتھوں میں وہ کسی پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہا تھا۔ چھوٹے پجاری کی یہ کیفیت کچھ دیر تک رہی۔ پھر جب اس کی گردن یاقوت حبشی کی گرفت سے آزاد ہوئی تو وہ مر چکا تھا۔ امیر آخور نے اس کے مردہ جسم کو کھینچ کر اندر کمرے میں ڈالا اور باہر سے دروازے کی کنڈی لگا دی۔ شانتا بڑی حیرت سے یاقوت حبشی کو دیکھ رہی تھی۔

''امیر! آپ نے تو پجاری کو ایک چوہے کی طرح مار ڈالا۔ میں نہیں سمجھتی تھی کہ آپ کے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے۔''

''یہ جسم کی نہیں، میرے جنون کی طاقت ہے۔'' جوشِ جذبات میں یاقوت حبشی کا سانولا چہرہ تانبے کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔ ''آج اپنی آقائے نعمت کے لئے میں ہاتھی کو بھی کسی چیونٹی کی طرح مسل سکتا ہوں۔''

شانتا آگے بڑھی۔ پانچوں سپاہی بہت غور سے راستے کے پیچ وخم کو دیکھ رہے تھے۔ بڑے پجاری کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ شانتا نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ بڑا پجاری شراب کے نشے میں اوندھا پڑا تھا۔

یاقوت حبشی نے معنی خیز نظروں سے شانتا کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا کہ کیا اس کا بھی کام تمام کر ڈالوں؟

امیر آخور کا انداز کچھ ایسا تھا کہ شانتا کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ اُبھر آئی۔ شانتا نے نفی میں اپنے سر کو جنبش دی۔ گویا کہہ رہی ہو کہ بڑا پجاری تو اس وقت مُردوں سے بھی بدتر ہے۔ پھر ایسے شخص کو کیا مارنا؟

پھر بھی یاقوت حبشی نے بڑے پجاری کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ اس نے کئی بار آنکھیں کھولیں اور بند کر لیں۔ شراب کے نشے نے اسے بے سدھ بنا دیا تھا۔ شانتا تیزی سے اس قد آدم مورتی کے قریب پہنچی جو بڑے پجاری کے طویل وعریض کمرے کے ایک گوشے میں نصب تھی۔ شانتا نے اس مورتی کو سات بار سیدھے اور سات بار اُلٹے چکر دیئے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے کمرے کے سامنے والی دیوار میں ایک بڑا شگاف نمودار ہو گیا۔ شانتا نے جمال الدین یاقوت اور دوسرے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ پھر وہ سب کے سب شگاف میں داخل ہو گئے۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد شگاف ختم ہو گیا اور دور تک ایک لمبی سرنگ نظر آنے لگی۔ سرنگ میں ہر طرف سناٹا تھا۔ بلرام سنگھ کے محافظ اپنے اپنے کمروں میں سو رہے تھے۔ یہ تمام محافظ اس وقت بیدار ہوتے تھے جب رام مندر کا چھوٹا پجاری پوری طاقت سے شنکھ (ناقوس) بجاتا تھا مگر کچھ دیر پہلے ہی شنکھ بجانے والا موت کی گہری نیند سو چکا تھا۔

شانتا نے سلطان التمش کے پانچ سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اب تم لوگ جاؤ اور مندر کے دروازے پر کھڑے ہو کر سلطانِ معظم کا انتظار کرو۔ پھر جیسے ہی لشکرِ سلطانی وہاں پہنچے، تم اپنی رہنمائی میں ایک ایک سپاہی کو اس سرنگ کے اندر داخل کر دو۔''

پانچوں سادھو نما سپاہی اپنے ترشول اور کشکول لہراتے واپس چلے گئے۔

شانتا جمال الدین یاقوت اور سپاہیوں کے ہمراہ دبے پاؤں آگے بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ ٹھاکر کا عشرت کدہ قریب آ گیا۔ دونوں مسلح محافظ شراب کے اثر سے زمین پر بیٹھے جھوم رہے تھے۔ بیک وقت اتنے انسانی قدموں کی چاپ سن کر محافظوں نے دُھندلی آنکھوں سے دیکھا۔ شانتا دیوی محافظوں کے نزدیک پہنچ چکی تھی۔

''یہ سادھو یہاں کیوں آئے ہیں شانتا دیوی؟'' ایک محافظ نے لڑکھڑاتی زبان سے کہا اور اُٹھنے کی کوشش کی مگر فوراً ہی زمین پر گر گیا۔

''یہ ٹھاکر کے درشن کرنے آئے ہیں۔'' شانتا کے ہونٹوں پر انتہائی زہریلی مسکراہٹ اُبھر آئی تھی۔ ''امیر! اسے بھی زندگی کے غموں سے نجات دے دو۔''

جمال الدین یاقوت کا ہاتھ بلند ہوا اور پھر دوسرے ہی لمحے ٹھاکر کے محافظ کی گردن جسم سے جدا ہو گئی۔

دوسرے محافظ نے چیخنے کی کوشش کی مگر ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر اس کا گلا دبا دیا اور دوسرے نے زہر میں بجھا ہوا ترشول اس کے سینے میں اُتار دیا۔ ہزاروں انسانوں کا خون کرنے والے ٹھاکر کے عشرت کدے کا فرش آج اُسی کے رکھوالوں کے خون سے سرخ ہو رہا تھا۔

اس کے بعد شانتا دائیں جانب مڑی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر شہزادی رضیہ سلطانہ کا کمرہ تھا۔ ٹھاکر کی داسیاں بڑی مستعدی سے دروازے پر پہرہ دے رہی تھیں۔ شانتا کے ساتھ اتنے سادھوؤں کو دیکھ کر گھبرا گئیں۔

''یہ کون لوگ ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں؟'' ایک داسی نے سخت لہجے میں کہا۔

''عورت ہونے کے ناتے تمہیں معاف کیا جاتا ہے۔'' شانتا نے غضب ناک ہو کر کہا۔ ''پھر بھی اگر تم نے چیخنے یا کسی کو خبردار کرنے کی کوشش کی تو موت تمہارا مقدر بن جائے گی۔''

''شانتا دیوی! ہم پر دیا کرو۔'' دونوں داسیاں، شانتا کے قدموں پر جھک گئیں۔ ''ہمیں جیون دان دو۔ ہم کسی سے کچھ نہیں کہیں گے۔''

''تو پھر اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔'' شانتا نے ایک طرف اشارہ کیا۔ سرنگ کے آخر میں داسیوں کا کمرہ تھا۔

''اندر سے دروازہ بند کر لینا۔ اگر باہر آئیں تو پھر تمہیں موت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔''

داسیاں بھاگنے لگیں۔ کئی بار گریں اور کئی بار اُٹھیں۔ یہاں تک کہ وہ دونوں اپنے کمرے میں پہنچ گئیں۔

یاقوت حبشی، شہزادی کا کمرہ دیکھ کر بے قرار ہو گیا۔ ''شانتا! میں اپنی آقائے نعمت کی خدمت میں سلام عرض کرنا چاہتا ہوں۔''

شانتا نے اسے صورتِ حال کی سنگینی کے بارے میں بہت سمجھایا مگر وہ نہیں مانا۔ مجبوراً شانتا نے رضیہ سلطانہ کو پکارا۔

''شہزادی عالیہ! دروازہ کھول دیجئے۔''

چند لمحوں بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ شہزادی پر نظر پڑتے ہی جمال الدین یاقوت گھٹنوں کے بل جھک گیا۔

''آقائے نعمت! کوئی نہیں جانتا کہ آنے والا لمحہ کیا خبر لے کر آئے؟ اس لئے ضروری تھا کہ بارگاہِ عالیہ میں سلام عرض کرتا جاؤں۔''

شہزادی کی خوب صورت آنکھوں میں حیرت و مسرت موجزن تھی۔ وہ یاقوت حبشی کو ظاہری حلیے سے تو نہیں پہچانی

تھی مگر امیر آخور کا لہجہ اور آدابِ نیاز مندی، لاکھوں انسانوں میں منفرد حیثیت رکھتے تھے۔ بس ایک اسی علامت سے رضیہ سلطانہ نے جمال الدین یاقوت کو پہچان لیا تھا۔

جب یاقوت حبشی نے شہزادی کو ذہنی کشمکش کا شکار پایا تو بڑے والہانہ لہجے میں بولا۔ ''آقائے نعمت! یہ میں ہوں۔ آپ کا جاں نثار غلام، جمال الدین یاقوت!'

شہزادی کے چہرے پر ایک عجیب سا رنگ اُبھر آیا۔ ''تمہارا سلام قبول کیا گیا۔ خدا تمہیں اس مشکل محاذ پر سرخرو کرے۔''

''آپ کا یہ غلام فتح و شکست کا حساب نہیں رکھتا۔'' جمال الدین یاقوت سیدھا کھڑا ہو گیا۔ ''مقتل کی طرف جانے سے پہلے آقائے نعمت کو ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا۔''

رضیہ سلطانہ نے ایک نظر یاقوت حبشی کو دیکھا اور دروازہ بند کر لیا۔

''بس یہی آپ لوگوں کا محاذِ جنگ ہے۔'' شانتا نے امیر آخور اور دوسرے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے مگر آپ اپنا مقام تبدیل نہیں کریں گے۔ اسی جگہ دشمن کی یلغار ہو گی۔'' یہ کہہ کر شانتا واپس چلی گئی۔

امیر آخور نے اپنے ساتھیوں کے مشورے سے طویل سرنگ میں مورچہ بندی کی اور خود پانچ سپاہیوں کے ہمراہ شہزادی رضیہ سلطانہ کے کمرے پر کسی دربان کی طرح تلوار لے کر کھڑا ہو گیا۔

❁==❁==❁

سلطان التمش اپنے ہزاروں سپاہیوں کو لے کر آہستہ آہستہ سوامی دینا ناتھ کی کٹیا کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس دوران ٹھاکر کے عشرت کدے کا ایک محافظ اپنے کمرے سے نکلا اور جب اس نے دونوں مسلح دربانوں کی لاشیں دیکھیں تو وہ چیختا ہوا بھاگا اور اپنے ساتھیوں کو چیخ چیخ کر جگانے لگا۔ نیند میں ڈوبے ہوئے سپاہی آنکھیں مل مل کر دیکھتے رہے۔ کوئی آدھے گھنٹے بعد وہ صورتِ حال کا جائزہ لینے کے قابل ہو سکے۔ پھر چند محافظوں نے ٹھاکر کے کمرے کا دروازہ پیٹ ڈالا مگر اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ بلرام سنگھ، راجستھانی رقاصہ کے ساتھ اپنی خواب گاہ میں سو رہا تھا۔ ایک محافظ گھبرا کر عشرت کدے کے اندر داخل ہوا مگر ٹھاکر وہاں موجود نہیں تھا۔ محافظ تیزی سے پلٹا اور سمیر سنگھ کے پاس پہنچا۔ وہ بھی شراب کے نشے میں اوندھا پڑا تھا۔ اسے بڑی مشکل سے جگایا گیا اور ساری صورتِ حال بیان کر دی گئی۔

''ٹھاکر کے دونوں پہرے دار قتل کر دیئے گئے ہیں، مگر قاتل نظر نہیں آتا۔''

سمیر سنگھ گھبرا کر کھڑا ہو گیا مگر شراب کے اثر سے اعصاب بوجھل ہونے کے باعث دوبارہ بستر پر گر گیا۔ ''تم جو چاہو کرو۔ مجھے سونے دو۔''

ٹھاکر کے محافظ پاگلوں کی طرح اِدھر اُدھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ یاقوت حبشی اور اس کے سپاہی، دشمنوں کی آوازیں سن رہے تھے مگر شانتا کی ہدایت کے مطابق کسی نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی۔

آخر ایک محافظ عشرت کدے سے گزر کر ٹھاکر کی خواب گاہ تک پہنچ گیا اور دروازے پر مسلسل دستک دینے لگا۔

کچھ دیر بعد راجستھانی رقاصہ بیدار ہوگئی اور پھر اس نے بلرام سنگھ کو اٹھا دیا۔ ٹھاکر کے اعصاب بھی بوجھل تھے مگر وہ پرانا بلانوش تھا، اس لئے گالیاں بکتا ہوا دروازے تک پہنچا اور پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔

ایک محافظ نے ٹھاکر کو صورتِ حال سے آگاہ کیا تو اُس کے ہوش اُڑ گئے۔

''راج کماری کی خبر لو۔ کہیں ہمارے خلاف کوئی سازش تو نہیں ہوگئی؟''

محافظ بھاگتا ہوا عشرت کدے سے نکلا اور پھر جب وہ طویل سرنگ طے کر کے دائیں جانب مڑا تو اسے بہت سے سادھو نظر آئے۔ محافظ چیختا ہوا پلٹا۔ تھوڑی ہی دیر میں ٹھاکر کے سینکڑوں محافظ اپنی اپنی کمیں گاہوں سے نکل کر شہزادی کے کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔

یاقوت حبشی نے پانچ پانچ سپاہیوں پر مشتمل نو صفیں قائم کر دی تھیں تاکہ دشمن کو دیر تک روکا جا سکے۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے دونوں گروہوں میں خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ سلطان التمش کے ماہر نیزہ باز اپنے اپنے ترشول کو اس مہارت کے ساتھ استعمال کر رہے تھے کہ ٹھاکر کے محافظ حیران و پریشان نظر آ رہے تھے۔ زہر آلود ترشول جس کے بدن سے بھی چھو جاتا، وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگتا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہلاک ہو جاتا۔ بلرام سنگھ کے سپاہی بہت دیر تک تو کچھ سمجھ ہی نہیں سکے۔ پھر جب ان کے ساٹھ ستر سپاہی موت کی خوراک بن گئے تو اُنہیں ہوش آیا۔ وہ تلواروں کا استعمال کر کے سلطان التمش کے سپاہیوں سے جنگ نہیں جیت سکتے تھے۔ کیونکہ لمبے لمبے ترشولوں کی موجودگی میں کوئی تلوار ان کے بدن کو نہیں چھو سکتی تھی۔ مجبوراً ٹھاکر کے محافظوں نے بھی نیزوں کا استعمال شروع کر دیا اور گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔

❁==❁==❁

سلطان التمش نے سوامی دینا ناتھ کی کٹیا کے قریب پہنچ کر نمازِ فجر ادا کی اور پھر جیسے ہی ہلکی روشنی نمودار ہوئی، وہ اپنے سپاہیوں کے ہمراہ آگے بڑھا اور کٹیا کے دروازے میں داخل ہوگیا۔ التمش کے تمام سپاہی گیروا رنگ کے کپڑوں میں ملبوس تھے اور لباسوں کے اندر ان کی بے نیام شمشیریں پوشیدہ تھیں۔ سلطان نے اپنا حلیہ تبدیل نہیں کیا تھا۔ وہ عام مسلمانوں کی طرح سپاہیانہ لباس میں تھا۔ کٹیا کے دروازے میں سب سے پہلے وہ شخص داخل ہوا، جو شانتا کے منصوبے کے مطابق کچھ دن تک مندر کی سرائے میں قیام کر چکا تھا۔ کٹیا کے دربان نے بڑی حیرت سے سادھوؤں کی لمبی قطار کو دیکھا جن کے لباس ہندوانہ تھے مگر داڑھیاں اہلِ ہنود سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں۔

''آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟'' دربان نے سادھوؤں کی قطاروں پر نظر ڈالی جن کا سلسلہ تاحدِ نظر قائم تھا۔

''بہت دور سے آئے ہیں۔'' سلطان کے بعض سپاہیوں نے جواب دیا اور تیزی سے آگے بڑھ گئے۔

دربان حیرت سے سادھوؤں کے قافلے کو جاتے دیکھتا رہا۔ جب بہت دیر تک سادھوؤں کی آمد کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تو دربان بے اختیار پکار اُٹھا۔ ''آج کیا سارا ہندوستان رام کے درشن کے لئے دہلی چلا آیا ہے؟''

''ہاں! کچھ ایسا ہی ہے۔'' ایک سپاہی نے بے نیازانہ انداز میں دربان کے قریب سے گزرتے ہوئے کہا۔

پھر جب سلطان التمش، کٹیا کے دروازے میں داخل ہوا تو دربان فرطِ حیرت سے اُچھل پڑا۔ وائی ہندوستان،

مسلمانوں کے لباس میں ملبوس تھا۔ ''آپ کہاں جا رہے ہیں؟ مندر میں کسی مسلمان کے داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔''

سلطان کے ایک سپاہی نے دربان کو قتل کر دینا چاہا مگر التمش نے منع کر دیا۔ ''اسے یہاں سے دُور لے جاؤ۔''

دربان صورتِ حال کو سمجھنے بھی نہیں پایا تھا کہ ایک سپاہی نے اس کا منہ بند کر دیا اور دو سپاہی اسے اٹھا کر کٹیا سے دُور لے گئے۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے دینا ناتھ کی کٹیا، سلطان کے سپاہیوں سے بھر گئی۔ شانتا رام، مندر کے دروازے پر بڑی بے چینی کے عالم میں ٹہل رہی تھی۔ جیسے ہی التمش کے سپاہی وہاں پہنچے، اس نے چیخ کر کہا۔

''اندر بہت خوفناک جنگ ہو رہی ہے۔ آپ جلد از جلد اپنے ساتھیوں کی مدد کو پہنچیں۔ میں سلطانِ معظم کا انتظار کر رہی ہوں۔''

جمال الدین یاقوت کے سپاہی اپنے ساتھیوں کو لے کر سرنگ میں داخل ہو گئے۔ وہاں ایک حشر برپا تھا۔ پوری سرنگ انسانی چیخوں سے گونج رہی تھی۔ ٹھاکر کے محافظ بڑے خوفناک انداز میں آگے بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہے تھے۔ اچانک سلطان کے سپاہیوں نے انہیں عقب سے جا لیا۔ اب انسانی چیخوں کے بجائے سرنگ میں ''اللہ اکبر'' کے پُرجلال نعرے گونجنے لگے تھے۔ بلرام سنگھ کے محافظ گھبرا کر پلٹے مگر ان کی واپسی کے تمام دروازے بند ہو چکے تھے۔

تھوڑی دیر بعد سلطان التمش بھی رام مندر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ شانتا اسے لے کر سرنگ میں داخل ہوئی۔ خونریز معرکہ اپنے انجام کے قریب تھا۔ پوری سرنگ التمش کے سپاہیوں سے بھر گئی تھی۔ مجبوراً اُسے ٹھہر جانا پڑا۔

پھر جب تلواروں کی جھنکار بند ہوئی تو وائی ہندوستان نے دیکھا کہ بلرام سنگھ کا زمیں دوز تہہ خانہ لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ چند سپاہیوں نے نقیب کے فرائض انجام دیتے ہوئے کہا۔

''لشکرِ اسلام کے جانباز راستہ چھوڑ دیں۔ وائی ہندوستان تشریف لے آئے ہیں۔''

یہ آواز سنتے ہی مسلمان سپاہی اپنے دائیں اور بائیں جانب سمٹنے لگے۔ سلطان، شانتا کے ساتھ آگے بڑھا۔ بڑا دردناک منظر تھا۔ التمش انسانی لاشوں پر سے گزرنا نہیں چاہتا تھا مگر مجبوری تھی۔ وہ بادل ناخواستہ آگے بڑھا۔

''امیر آخور کہاں ہیں؟'' شانتا مسلمان سپاہیوں سے پوچھتی جا رہی تھی۔

''ہم نہیں جانتے امیر آخور کہاں ہیں؟'' سپاہی جواب دیتے۔

شانتا کی وحشت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سلطان کے چہرے پر بھی گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے۔ جمال الدین یاقوت کی خبر نہ ملنے کا ایک ہی مفہوم تھا کہ صورتِ حال خطرناک ہو چکی ہے۔

''شہزادی کا کمرہ کہاں ہے؟'' التمش نے جھک کر شانتا سے پوچھا۔ وائی ہندوستان عام سپاہیوں پر یہ راز ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا کہ شہزادی کو رہائی دلانے کے لئے دینا ناتھ کی کٹیا پر حملہ کیا گیا ہے۔ التمش نے اپنے فوجیوں سے یہی کہا تھا کہ وہ ایک عیار دشمن پر لشکر کشی کر رہا ہے، جس نے زیرِ زمین تہہ خانوں میں پناہ حاصل کی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان، نتاشا سے سرگوشیوں میں گفتگو کر رہا تھا۔

''وہ جگہ ابھی دور ہے۔'' شانتا نے اتنے دھیمے لہجے میں جواب دیا کہ اس کی آواز قریب سے گزرنے والا کوئی

شخص بھی نہیں سن سکتا تھا۔

''اور جمال الدین یاقوت؟'' التمش نے دوسرا سوال کیا۔

''امیر آخور اور ان کے کچھ ساتھی، شہزادی حضور کی نگرانی کر رہے تھے۔ میں نے انہیں اسی حال میں چھوڑا تھا۔'' شانتا نے عرض کیا۔

''تو پھر نئے سپاہی کیسے بتا سکتے ہیں کہ جمال الدین یاقوت کہاں ہے؟'' سلطان نے بظاہر اطمینان کا سانس لیا مگر اندر سے وہ اب بھی پریشان تھا۔

آخر فاصلہ ختم ہوا۔ شانتا نے ایک ایسا جانگداز منظر دیکھا کہ وہ اپنی چیخ ضبط نہ کر سکی۔

''کیا ہوا؟'' سلطان التمش نے گھبرا کر پوچھا۔

''امیر آخور!'' شانتا نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا، جو سر سے پاؤں تک زخمی تھا مگر تلوار پر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ کمرے کے دروازے سے پشت لگائے نیم دراز حالت میں بیٹھا تھا۔

''آقائے نعمت!'' سلطان التمش کو دیکھ کر جمال الدین یاقوت نے اُٹھنے کی کوشش کی۔ والیٔ ہندوستان نے تیزی سے آگے بڑھ کر اپنے امیر آخور کو سہارا دیا۔

''خدا کا شکر ہے کہ لشکرِ سلطانی بروقت پہنچ گیا۔ ورنہ یہ غلام تو اپنے بازوؤں کی طاقت کھو چکا تھا۔'' یاقوت حبشی نے رک رک کر کہا۔

''آفرین!.....اے مردِ جاں نثار آفرین!'' التمش نے بے اختیاری کے عالم میں امیر آخور کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر فوراً ہی اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگا جو یاقوت حبشی کے خون سے رنگین ہو چکا تھا۔ ''اسے فوراً قصرِ سلطانی پہنچانے کا بندوبست کرو۔ خون بہت بہہ چکا ہے۔'' التمش نے اپنے قریب کھڑے ہوئے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں آقائے نعمت!'' یاقوت حبشی نے آگے کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔ ''پہلے آپ شہزادی حضور سے ملاقات کر لیجئے۔ میں یہ جاں فزا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

سلطان نے وہاں موجود سپاہیوں کو واپس جانے کا حکم دیا۔ پھر جب سرنگ کا وہ حصہ سنسان ہو گیا تو شانتا نے تیز آواز میں پکار کر کہا۔

''شہزادی حضور! سلطانِ معظم تشریف لے آئے ہیں۔''

رضیہ سلطانہ شمشیرِ بے نیام لئے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ شانتا کی آواز سنتے ہی دیوانہ وار آگے بڑھی اور دروازہ کھول دیا۔ التمش کو دیکھتے ہی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

''بابا محترم!'' رضیہ سلطانہ، باپ کے سینے پر سر رکھے زار و قطار رو رہی تھی۔

اور جب آنسوؤں کا سیلاب تھما تو شہزادی نے جمال الدین یاقوت کی طرف دیکھا جو خون میں نہایا ہوا سامنے کھڑا تھا۔

''آقائے نعمت! جاں نثاروں نے اپنا عہد پورا کر دیا۔'' یاقوت حبشی کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ تھی۔ جریانِ خون کے باعث وہ شدید نقاہت محسوس کر رہا تھا۔

''بے شک!'' رضیہ سلطانہ نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا اور یاقوت حبشی کو گہری نظروں سے دیکھا، جس کے

پورے جسم پر زخموں کی گل کاری تھی۔

❁==❁==❁

التمش کی ہدایت پر رضیہ سلطانہ نے گیروے رنگ کا وہ مردانہ لباس پہن لیا جو التمش اپنے ساتھ لایا تھا۔ یہ احتیاط اس لئے تھی کہ محل میں داخل ہوتے وقت کوئی شخص شہزادی کو پہچان نہ سکے۔ اس کام سے فارغ ہو کر التمش، شانتا سے مخاطب ہوا۔

''اور وہ بے ضمیر ٹھاکر کہاں ہے، جس نے راجپوتوں کی تاریخِ شجاعت پر سیاہی پھیر دی ہے؟'' سلطان کے لہجے سے نفرت و قہر کی آگ برس رہی تھی۔

شانتا بہت دیر تک مرنے والوں کے چہرے شناخت کرتی رہی مگر وہاں بلرام سنگھ کی لاش نہیں تھی۔ پھر وہ چند سپاہیوں کو لے کر ٹھاکر کے عشرت کدے میں داخل ہوئی مگر بلرام سنگھ وہاں بھی موجود نہیں تھا۔ راجستھانی رقاصہ ایک گوشے میں سہمی ہوئی بیٹھی تھی۔ شانتا کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ ٹھاکر اپنی خواب گاہ کے اندر ہے۔ شانتا کسی بھوکی شیرنی کی طرح جھپٹی مگر خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ سلطان کے سپاہیوں نے دروازہ توڑ دیا۔ ٹھاکر بلرام سنگھ نے اپنی شہ رگ کاٹ کر خودکشی کر لی تھی۔ وہ مرنے سے پہلے اس قدر تڑپا تھا کہ بستر اور خواب گاہ کے فرش پر دور تک اس کا خون جم گیا تھا۔ تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر نکل آئی تھیں اور چہرہ اتنا بگڑ گیا تھا کہ دیکھنے والوں کو خوف محسوس ہوتا تھا۔

پھر جب سلطان التمش، ٹھاکر کی خواب گاہ میں داخل ہوا تو شانتا دیوانوں کی طرح اس کے مُردہ جسم پر ٹھوکریں مار رہی تھی۔ والیٔ ہندوستان نے اسے روکا تو وہ شدتِ جذبات سے رونے لگی۔

''سلطانِ معظم! ٹھاکر تو میرا شکار تھا۔ پھر خدا نے مجھے یہ موقع کیوں نہیں دیا؟ میں نے تو برسوں سے ایک ہی دعا مانگی تھی کہ مجھے اس درندے کے جسم پر قابو دیدے، پھر میں سرِ عام تیری عبادت کروں گی۔''

''اس ذاتِ بے نیاز نے تجھے موقع دے تو دیا شانتا! کہ ایک مغرور و متکبر انسان کا جسم تیری ٹھوکروں کی زد میں ہے۔'' التمش نے بڑی مشکل سے اسے علیحدہ کیا اور پھر اپنے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

''بلرام سنگھ کی لاش قلعے میں پہنچا دو۔ اس کا فیصلہ رعایا کے سامنے ہوگا۔''

پھر جب التمش مندر کے دروازے پر آیا تو سوامی دیناناتھ کی کٹیا مقتل بنی ہوئی تھی۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں تھیں۔ ہزاروں میواتی لٹیرے مارے جا چکے اور ان کے سردار سارنگا کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔

❁==❁==❁

شہزادی رضیہ سلطانہ اس طرح محل میں داخل ہوئی کہ اُس کی کنیزِ خاص فردوس بھی نہ پہچان سکی۔ پھر جب التمش نے حرم سرا کی خواتین کو شہزادی سے ملنے کی اجازت دی تو قصرِ سلطانی کے مکین حیرت زدہ رہ گئے۔ ملکہ ترکان شاہ کے سینے سے دھواں اُٹھنے لگا۔ شہزادی کی صحت یابی نے اُس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

سلطان نے دہلی کے تمام ہندو امراء کو طلب کر کے انہیں بلرام سنگھ کی سازش سے آگاہ کیا اور پھر ان ہی کی نگرانی

میں تمام زیرِ زمین سرنگیں پاٹ دی گئیں۔ میواتیوں کے سردار سارنگا کا سر کاٹ کر جنگل کے کنارے ایک اونچے درخت پر لٹکا دیا گیا، جسے چیل کوّے نوچ نوچ کر کھا گئے۔

شانتا مسلمان ہوگئی اور سلطان نے اسے ایک بڑی جاگیر بطورِ انعام بخش دی۔

دہلی کے تمام ضرورت مندوں اور محتاجوں میں اناج کے ساتھ زرِ نقد اور کپڑے بھی تقسیم کئے گئے۔

پھر جب ایک دن رضیہ سلطانہ نے تنہائی میں راجہ دیوبل اور اس کے منصوبے کا ذکر کیا تو شدتِ غضب سے التمش کے دل و دماغ جل اُٹھے۔

والیٔ ہندوستان نے فوری طور پر راجہ اجین سے مطالبہ کیا کہ وہ کسی تاخیر کے بغیر راجہ دیوبل کو اس کے حوالے کر دے۔

''راجہ دیوبل ہمارا دوست ہے اور ہم اپنے دوستوں کی حفاظت کرنا خوب جانتے ہیں۔'' راجہ اجین نے سلطان کے خط کے جواب میں لکھا۔ اس کا انداز بڑا تحقیر آمیز تھا۔

التمش نے درباری امراء کے سامنے دوبارہ رضیہ سلطانہ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور ایک لشکرِ جرار لے کر اجین کی طرف روانہ ہوگیا۔

❁==❁==❁

سلطان التمش کے اجین روانہ ہونے سے پہلے بہرام غوری، فردوس سے ملا تھا اور اس دوشیزہ سے اس کے دل کا حال پوچھا تھا جو کئی سال سے آتشِ فراق میں جل رہی تھی۔

فردوس خاموش بیٹھی بہرام غوری کے چہرے کو دیکھتی رہی جس کے خدوخال تو وہی تھے مگر آب و تاب رخصت ہو چکی تھی۔ ''یہ آپ نے خود کو کیا سے کیا بنا ڈالا؟''

بہرام غوری مسکرانے لگا۔ ''میں بھی وہی ہوں فردوس! اور دنیا بھی وہی ہے۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا۔''

''بے شک! دنیا نہیں بدلی مگر آپ بہت بدل گئے ہیں۔'' فردوس کے لہجے میں دل کی خلش شامل تھی۔ ''یہ کیسا گرد و غبار ہے، جس نے سورج کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے؟'' فردوس کا اشارہ بہرام غوری کے چہرے کی طرف تھا جو گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ بجھتا جا رہا تھا۔ کبھی جس چہرے سے سورج کی سی شعاعیں پھوٹتی تھیں، آج وہاں اذیت و کرب کا دھواں پھیلا ہوا تھا۔

''سپاہیوں کے چہرے اور کیسے ہوتے ہیں؟'' بہرام غوری کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔ ''دھوپ کی تمازت کا عکس، راستے کے غبار کا رنگ اور زخموں کی گل کاری۔ سپاہیوں کے چہرے ایسے ہی ہوتے ہیں۔''

''یہ کسی سپاہی کا نہیں، ایک شہنشاہ کا چہرہ تھا۔'' فردوس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''جب یہ سورج سرِ دربار طوع ہوتا تھا تو سارے چہرے بجھ کر رہ جاتے تھے۔''

''تُو فانی چیزوں کے کھو جانے کا غم کیوں کرتی ہے فردوس؟'' بہرام غوری نے اس معصوم دوشیزہ کو سمجھانے کی کوشش کی، جس کے درد کا مداوا کسی کے پاس نہیں تھا۔ ''سورج کتنا ہی تابناک کیوں نہ ہو، زوال اس کا مقدر ہے۔''

''مگر میرا سورج تو وقت سے پہلے غروب ہو رہا ہے۔'' فردوس کے بہتے ہوئے آنسوؤں میں کچھ اور تیز آ گئی

تھی۔ ''مجھ بدنصیب کی دعائیں بھی تو قبول نہیں ہوتیں۔ خدا کرے کہ میں بجھ جاؤں مگر میرے سورج کو زوال نہ ہو۔''

''کوئی مسلمان بدنصیب نہیں ہوتا۔'' بہرام غوری نے تنبیہہ آمیز لہجے میں کہا۔ ''بدنصیب تو وہ ہوتے ہیں جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے۔ تُو صاحبِ ایمان بھی ہے اور صاحبِ دل بھی۔ پھر تجھ سے زیادہ خوش قسمت کون ہوگا؟''

''شہنشاہ! یہ کنیز کب تک وعدوں سے دل بہلائے گی؟'' فردوس آخر ایک انسان تھی۔ آتشِ فراق نے اُسے جھلسا کر رکھ دیا تھا اور اب وہ قربت و التفات کی بارش چاہتی تھی۔

''میں نے تجھ سے کوئی وعدہ نہیں کیا۔'' یکایک بہرام غوری کی آواز تلخ ہوگئی تھی۔ ''صرف تیرے عشق کو قبولیت کی سند بخشی ہے۔ میں تیرا احترام کرتا ہوں۔''

''مجھے عزت و احترام کے اعلیٰ ترین منصب پر نہ بٹھاؤ شہنشاہ!'' فردوس کی ناآسودہ تمنا خون بن کر آنکھوں سے ٹپکنے لگی تھی۔ ''میں جیتی جاگتی عورت ہوں، پتھر نہیں۔ مجھے اس دوزخ سے نکال کر اپنے ہمراہ لے چلئے۔''

''تُو اپنے عشق کو تماشا نہ بنا۔'' بہرام غوری، فردوس کی مجبوریاں سمجھتا تھا مگر وہ خود اس سے بھی زیادہ مجبور تھا۔ ''تُو جس ویران گھر میں آباد ہونا چاہتی ہے، وہ اس سے بھی بڑی دوزخ ہے۔ وہاں کی گرمی تجھ سے برداشت نہیں ہو گی۔ جل کر راکھ ہو جائے گی۔''

''اگر وہ دوزخ ہے تو میں اس دوزخ میں جلنا چاہتی ہوں۔'' آج فردوس کسی ضدی بچے کی طرح مچل گئی تھی۔

''تو پھر زندانِ آرزو کے کسی گوشے میں چپ چاپ جل جا۔ شمعِ انجمن کی طرح کیوں جلتی ہے کہ اہلِ محفل تیری ذات کو تماشا بنا ڈالیں۔'' یہ کہہ کر بہرام غوری، فردوس کے پہلو سے اٹھا اور سلطان التمش کے ہمراہ اجین کے محاذِ جنگ کی طرف روانہ ہوگیا۔

فردوس راستے کے غبار کو دیکھتی رہی۔ پھر یہ غبار اس قدر بلند ہوا کہ پوری فضا پر چھا گیا۔ یہاں تک کہ قصرِ سلطانی کی ایک کنیز اسی غبار میں گم ہوگئی۔

❁==❁==❁

شہزادی رضیہ سلطانہ نے محسوس کیا کہ جمال الدین یاقوت غیر شعوری طور پر اس کے قریب آتا جا رہا ہے۔ وہ حکومت کے انتظامی امور سے فارغ ہونے کے بعد اکثر اس کے بارے میں سوچا کرتی تھی۔

سلطان التمش نے بہت نوعمری سے رضیہ کو یہ احساس دلانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اُس کی وارث و جانشین ہے اور ایک جانشین کے لئے مرد ہونا ضروری ہے۔ رضیہ سلطانہ کا تعلق صنفِ نازک سے تھا مگر جانشینی کی شرط پوری کرنے کے لئے اس نے اپنی ذات پر مردانگی کا مصنوعی خول بھی چڑھا لیا تھا۔ وہ فطرتاً بہادر تھی، اس لئے سنگین مسائل کو دیکھ کر خوف زدہ نہیں ہوتی تھی۔ رضیہ سلطانہ کی اسی صفت نے اسے شہزادوں کے مقابلے میں سرخرو کیا اور پھر التمش کو بھی یقین آ گیا کہ اس کی بیٹی جانشینی کا حق ادا کر سکتی ہے۔ حالات کا یہی وہ نازک ترین موڑ تھا جس نے شہزادی کی شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ مردانہ انداز کی تربیت اور اقتدار کی لذت نے رضیہ سلطانہ کے دل و دماغ کو بڑی حد تک بدل ڈالا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب بہرام غوری نے اس سے اظہارِ عشق کیا تھا تو شہزادی کو یہ بات بڑی عجیب محسوس ہوئی تھی۔ بہرام غوری اس کی زلفوں کے سائے میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ خود شمشیروں

کے سائے میں زیست بسر کرنے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ بہرام غوری اس کے مرمریں جسم پر قبائے اطلس وحریر دیکھنا چاہتا تھا اور رضیہ سلطانہ نے سر سے پاؤں تک اپنے بدن پر آہنی ہتھیار سجا لئے تھے۔ بہرام غوری مشرقی روایات کے آئینے میں ایک ایسی محبوبہ کو دیکھ رہا تھا، جس کے چہرے پر ریشمی آنچل ہو اور وہ حیا کے بوجھ سے دہری ہوئی جا رہی ہو۔ اور رضیہ سلطانہ کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے درباری امراء سے خطاب کر رہی تھی اور اس کے جاہ و جلال سے ایوانِ سلطنت کے بام و در سہمے جا رہے تھے۔ یہی وہ فکری اور ذہنی انقلاب تھا، جس کے زیرِ اثر رضیہ سلطانہ نسوانی تقاضوں کو فراموش کر بیٹھی تھی۔ مگر اوّل و آخر وہ ایک عورت تھی۔ جمال الدین یاقوت کی جاں نثاری اور اطاعت شعاری کا منفرد انداز اُسے متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ یاقوت حبشی جس طرح اپنی جان پر کھیل کر بلرام سنگھ کے زمین دوز تہہ خانے میں پہنچا اور پھر اس نے اپنے جسم پر بے شمار زخم کھا کر شہزادی کی حفاظت کی، وہ کوئی بھولنے والا واقعہ نہیں تھا۔

اب یہ رضیہ سلطانہ کا معمول بن گیا تھا کہ وہ امورِ سلطنت انجام دینے کے بعد جمال الدین یاقوت کو اپنی خلوت میں طلب کرتی اور دیر تک اس سے گفتگو کرتی رہتی۔ بظاہر یہ بات چیت ملکی انتظامات کے سلسلے میں ہوتی لیکن درحقیقت شہزادی، یاقوت حبشی کو اپنے سامنے دیکھنا چاہتی تھی۔ کنیز فردوس نے بھی اس بدلی ہوئی صورتِ حال کو محسوس کر لیا تھا۔ پھر وہ خیالوں کی دنیا میں بھٹکنے لگی۔

''شہزادی رضیہ سلطانہ اس مرد کی طرف متوجہ ہو رہی ہیں، جو ان کے شایانِ شان نہیں ہے۔'' فردوس نے خودکلامی کے انداز میں کہا۔ ''بے شک! جمال الدین یاقوت ایک جاں نثار شخص ہے مگر اپنے حسب و نسب اور ظاہری شخصیت کے اعتبار سے اس قابل نہیں کہ ہندوستان کے شہنشاہ کی بیٹی اسے اپنے دل میں جگہ دے سکے۔'' کنیز فردوس انسانی جذبات کو دنیا کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ''کہاں خاندانِ غوری کا اعلیٰ نسب اور خوبصورت شہزادہ بہرام غوری..... اور کہاں جمال الدین یاقوت حبشی۔ دونوں میں کوئی تقابل ہی نہیں۔ پھر شہزادی عالیہ نے بہرام غوری کو کیوں مسترد کیا؟ اور یاقوت حبشی کو خلوت گاہِ ناز میں داخل ہونے کی اجازت کیوں دی؟'' فردوس بہت دیر تک اپنے خیالات میں اُلجھتی رہی۔ ''اگر بہرام غوری، شہزادی کے حضور میں شرف یاب ہو جاتا تو پھر.....؟'' فردوس نے گھبرا کر سوچا۔ ''پھر وہ میرے قریب کیسے آتا؟'' اس خیال سے ایک لمحے کے لئے فردوس کو یوں محسوس ہوا، جیسے وہ کیف و نشاط کی تند و تیز موجوں میں ڈوب گئی ہو۔ مگر یہ کیفیت بہت عارضی تھی۔ دوسرے ہی لمحے فردوس نے ایک آہِ سرد کھینچی۔ ''وہ میرے قریب ہو کر بھی مجھ سے دُور رہتا ہے۔ میرے اور اس کے درمیان لامحدود فاصلے ہیں۔ شہزادی نے اسے اپنی بارگاہِ ناز میں داخل ہونے کا اعزاز نہیں بخشا..... مگر وہ تو مستقل ان ہی کے در پر پڑا رہتا ہے۔'' پھر اُسے رضیہ سلطانہ پر رشک آنے لگا۔ ''کیسی قسمت پائی ہے شہزادی نے؟ تاج و تخت بھی ان کا اور رعایا بھی ان کی۔ جسے جب چاہا، حاصل کر لیا۔ اور ایک میں ہوں۔'' فردوس کے دل و دماغ دھواں دینے لگے۔ اور پھر اسے یوں لگا کہ جیسے یہ دھواں زمین و آسمان پر محیط ہو گیا ہے۔

❄==❄==❄

سلطان التمش نے پہلے ''مالوہ'' پر حملہ کیا۔ یہ ایک مضبوط ہندو ریاست تھی۔ مگر جب سلطان کا لشکر میدانِ جنگ میں پہنچا تو ''مالوہ'' کے حاکم کو محسوس ہوا کہ ایک کوہِ گراں اس کے سامنے ہے۔ التمش کی افواج کے مقابل ہونا ایسا ہی

تھا جیسے کوئی نادان شخص پہاڑ کو ریزہ ریزہ کرنے کے جنون میں خود ہی اس سے ٹکرا کر ہلاک ہو جائے۔ مالوہ کے حاکم نے قبل از وقت ہی اس حقیقت کا ادراک کر لیا اور میدانِ جنگ سے فرار ہو گیا۔ التمش نے مالوہ کے قلعے پر اپنا حاکم مقرر کیا اور خود اجین کی طرف روانہ ہو گیا۔

راجہ اجین نے ''مالوہ'' کی شکست سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔ جب راجہ اجین کے جاسوسوں نے اسے یہ خبر سنائی اور مصالحانہ حکمتِ عملی اختیار کرنے کا مشورہ دیا تو وہ مغرور حکمراں اپنے کارندوں پر غضب ناک ہو گیا۔

''یہ مالوہ نہیں، اجین ہے۔ اور میں راجہ نہیں، مہاراجہ ہوں۔ بکرماجیت کا طاقتور وارث۔ سلطان التمش کو آنے دو کہ اس کی بربادی اسے میری طرف کھینچے لئے آ رہی ہے۔ میں اس سے ایک ایک ہندو ریاست کی تباہی کا حساب طلب کروں گا۔''

پھر ایک دن راجہ اجین کو سلطان کا ایک خط موصول ہوا جس میں التمش نے تحریر کیا تھا۔

''اگر راجہ دیوبل کو میرے حوالے کر دیا جائے تو اس خونریز جنگ کو بھی ٹالا جا سکتا ہے اور دوستانہ ماحول میں گفتگو بھی ہو سکتی ہے۔''

جب سلطان کا قاصد راجہ اجین کے دربار میں والیٔ ہندوستان کا خط با آواز پڑھ رہا تھا تو راجہ دیوبل بھی وہاں موجود تھا۔ اگر اہلِ دربار اُس کے چہرے کے رنگ دیکھ لیتے تو انہیں ایک نظر میں اندازہ ہو جاتا کہ خوف و دہشت سے جب راجہ دیوبل کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا، جیسے وہ موت کے بڑھتے ہوئے قدموں کی چاپ سن رہا ہو۔

''ہرگز نہیں!'' سلطان کا خط ختم ہوتے ہی راجہ اجین نے چیخ کر کہا۔ ''ہم مصیبت کے وقت اپنے دوستوں کو تنہا نہیں چھوڑتے۔ سلطان سے کہہ دینا کہ یہ جالور، لکھنوتی، رنتھنبور، گوالیار اور مالوہ نہیں، یہ اجین ہے اور یہاں کے محافظ دیوتا ہیں۔ اگر سلطان باز نہیں آیا تو پھر یہاں اس کی قبر بنے گی۔'' راجہ اجین نے سلطان التمش کی گزشتہ فتوحات کا مذاق اُڑاتے ہوئے دعویٰ کیا تھا کہ اس کی ریاست ناقابلِ تسخیر ہے اور تمام دیوتا اجین کی سرحدوں کے محافظ ہیں۔

سلطان التمش نے اپنے قاصد کی زبانی غرور و کبر میں ڈوبی راجہ اجین کی تقریر سنی اور جواباً کہا۔ ''نہیں ہے کوئی توانائی اور طاقت سوائے اللہ کے جو بلند و عظیم ہے۔''

پھر اُس نے گرد و نواح کے کچھ ہندوؤں کو طلب کر کے اجین کے قلعے کے بارے میں دریافت کیا۔

''یہ بظاہر ایک مضبوط قلعہ ہے۔'' اجین کے ایک بوڑھے ہندو نے سلطان التمش کو بتایا۔ ''مگر قلعے کی حقیقی مضبوطی دیوتاؤں کی رہینِ منت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی غیر ہندو حکمراں اس قلعے کو تسخیر نہیں کر سکا۔''

''دیوتا کس طرح اس قلعے کی حفاظت کرتے ہیں؟'' سلطان التمش بڑی دلچسپی سے بوڑھے ہندو کی باتیں سن رہا تھا۔

''دراصل ''مہاکال'' کے مندر کا بڑا بت ریاست اجین کا محافظ ہے۔'' بوڑھا ہندو بڑے پُرجوش اور فخریہ لہجے میں گفتگو کر رہا تھا، جیسے وہ سلطان التمش کو اپنے دیوتاؤں کی نادیدہ طاقت سے مرعوب کرنا چاہتا ہو۔ ''اس بت کے اندر تمام دیوتاؤں کی روحیں حلول کر گئی ہیں۔ اس لئے کوئی دشمن، اجین کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔''

سلطان التمش نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی۔ والیٔ ہندوستان اس وقت بہت زیادہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

''مہاراج! میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ ریاست پر حملہ کرنا تو بڑی بات ہے، اگر کوئی حکمراں اجین پر لشکر کشی کا تصور بھی کر لے تو وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔'' بوڑھا ہندو بڑی سادگی کے ساتھ اپنے دیوتاؤں کی تعریف و توصیف کر رہا تھا۔ ''اور یہ سب ''مہا کال'' کے بڑے بت کا صدقہ ہے۔''

سلطان التمش نے بوڑے ہندو کو انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا۔ پھر وہ اپنے سپہ سالار، بہرام غوری سے مخاطب ہو کر بولا۔

''اجین پر حملے کا بنیادی مقصد راجہ دیوبل کی گرفتاری تھی۔ مگر اب یہ مقصد ثانوی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔''

''سلطانِ معظم امورِ سلطنت اور سیاسی تقاضوں کو ہم سے کہیں بہتر سمجھتے ہیں۔'' بہرام غوری نے عرض کیا۔ ''جاں نثار فتح و شکست کا تصور نہیں رکھتے، سب مرضیٔ شاہ کے پابند رہتے ہیں۔''

سلطان التمش نے تعریفی نظروں سے اپنے سپہ سالار کی طرف دیکھا۔ ''اب میں صرف ہندوؤں کے دیوتاؤں کی طاقت آزمانے کے لئے اجین پر حملہ کرنا چاہتا ہوں۔'' والیٔ ہندوستان کے لہجے میں غرورِ اقتدار کے بجائے جلالِ ایمانی جھلک رہا تھا۔ ''اب مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ تمہارے بازو زیادہ توانا ہیں یا ''مہا کال'' کا بڑا بت، جس کے اندر تمام دیوتاؤں کی طاقتیں سرایت کر گئی ہیں۔''

''اللہ اکبر۔'' بہرام غوری نے کسی جنگی حکمتِ عملی کا ذکر کرنے کے بجائے صرف اپنے رب کی کبریائی بیان کی اور سرِ تسلیم خم کر دیا۔

❁==❁==❁

راجہ دیوبل، اجین سے جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ راجہ اجین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''کیا تمہیں میرے وعدوں پر اعتبار نہیں رہا؟'' یہ کہتے کہتے راجہ اجین کا لہجہ ناخوشگوار ہو گیا تھا۔ ''کیا تم سمجھتے ہو کہ میں التمش کی طاقت سے گھبرا کر اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دوں گا اور پھر سلطان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تمہیں اس کے حوالے کر دیا جائے گا؟''

''نہیں مہاراج! میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' عیار دیوبل نے راجہ اجین کو مطمئن کرنے کے لئے بہانہ تراشا۔ ''میں تو صرف آپ کے اقتدار اور اجین کی سلامتی کے لئے یہاں سے دور جا رہا ہوں۔ آپ نے جس طرح آڑے وقت میں میری سرپرستی کی، میں اسے آخری سانس تک فراموش نہیں کر سکتا۔ سلطان التمش نے صرف مجھ پر قابو پانے کے لئے اجین کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اب یہ میرا پہلا فرض ہے کہ میں اپنے محسن کو خونریزی سے بچانے کے لئے کہیں اور چلا جاؤں۔ اگر میں اس وقت یہاں سے نہیں گیا تو ساری زندگی اپنے ضمیر پر ایک ناقابل برداشت بوجھ لئے پھرتا رہوں گا۔ اور تمام دنیا میری طرف انگلیاں اٹھا اٹھا کر چیختی رہے گی کہ وہ جا رہا ہے احسان فراموش راجہ دیوبل۔ جس نے اپنی غرض کے لئے ہزاروں انسانوں کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ نہیں مہاراج! میں اپنی روح پر ہونے والا یہ عذاب زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکوں گا۔'' مکار دیوبل نے یکایک ایک اور زاویہ بدلا۔ ''اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک قیدی کی حیثیت سے سلطان التمش کے خیمے میں چلا جاتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اپنے مطلوبہ شخص کو پا لینے کے بعد وہ دہلی کی طرف واپس لوٹ جائے گا۔''

''بس دیوبل! بس۔'' راجہ اجین بے قرار ہو کر بول اُٹھا۔ ''تُو نے حقِ دوستی ادا کر دیا۔ اگر مجھے تیرے سر کی قیمت سلطان التمش کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتی تو اب تک یہ کام کر چکا ہوتا۔''

راجہ دیوبل اور راجہ اجین ایک دوسرے کو فریب دے رہے تھے۔ راجہ دیوبل اس لئے فرار ہو رہا تھا کہ اسے سلطان التمش کی فتح کا پورا یقین تھا۔ راجہ اجین نے راجہ دیوبل کو اس لئے پناہ دی تھی کہ وہ اپنی ریاست کو ناقابلِ تسخیر سمجھتا تھا۔ اگر اسے ذرا بھی شک ہوتا کہ وہ التمش کے مقابلے میں جنگ ہار جائے گا تو اب تک راجہ دیوبل کو سلطان کے حوالے کر چکا ہوتا۔ الغرض راجہ دیوبل اپنے بیوی بچوں کو لے کر رات کے اندھیرے میں کسی طرف نکل گیا۔ اور راجہ اجین کو اس محاذ پر اکیلا چھوڑ گیا، جہاں اس کی شکست یقینی تھی۔

❁==❁==❁

پھر دہلی اور اجین کے لشکروں کے درمیان ایک خونریز معرکہ ہوا۔ جس میں راجہ بکرماجیت کے ہزاروں سپاہی تہہ تیغ ہوئے اور سلطان التمش کے سینکڑوں سپاہیوں نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ نائب سپہ سالار، بہرام غوری بہترین جنگی حکمتِ عملی کے ساتھ لڑا اور اُس نے اجین کے قلعے پر سلطان التمش کا پرچم لہرا دیا۔ دیوتاؤں کی طاقت و قدرت پر ایمان رکھنے والا راجہ بکرماجیت، میدانِ جنگ سے فرار ہو گیا۔

پھر جب کشت و خون کا یہ سیلاب رُکا اور شہر اجین پر سلطان کا قبضہ ہو گیا تو کچھ مقامی باشندوں نے التمش کو بتایا کہ راجہ بکرماجیت کے سینکڑوں مسلح سپاہی، مہا کال کے مندر میں روپوش ہو گئے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ بڑے بت کے زیرِ سایہ وہ ہمیشہ اپنے دشمنوں سے محفوظ رہیں گے۔

التمش نے اپنے کچھ سپاہیوں کو قلعے کی نگرانی پر متعین کیا اور باقی لشکر کو لے کر مہا کال کے مندر کی طرف بڑھا۔

مہا کال کا یہ مندر اپنے استحکام اور مضبوطی میں کسی قلعے کے مانند تھا۔ اس کی دیواریں چاروں طرف سے سو سو گز بلند تھیں۔ فولادی دروازے اس قدر پائیدار تھے کہ انہیں توڑنے کے لئے سینکڑوں آہنی گرزوں کی ضرورت تھی۔ یہ مندر تین سو سال کی طویل مدت میں تیار ہوا تھا۔

التمش نے مہا کال کے مندر کو بہت غور سے دیکھا۔ پھر اجین کے معزز ہندوؤں کی ایک جماعت کو طلب کر کے کہا۔ ''میں اس کی اجازت نہیں دوں گا کہ راجہ بکرماجیت کے مفرور سپاہی اپنی عبادت گاہ کو فوجی مقاصد کے لئے استعمال کریں۔''

ہندو سرداروں نے سوالیہ نظروں سے التمش کی طرف دیکھا۔

''آپ حضرات کو صرف اس لئے طلب کیا گیا ہے کہ میرے سارے اقدامات پر گواہی دیں اور اپنی عبادت گاہ کو بچانے کی کوشش کریں۔'' ہندو سرداروں سے بات کرتے وقت سلطان التمش کا لہجہ انتہائی سادہ و نرم تھا۔ ''آپ مندر کے پجاری سے کہیں کہ وہ دروازے کھول دے تاکہ میں راجہ بکرماجیت کے سپاہیوں کو زنجیریں پہنا سکوں۔''

''اور ہماری عبادت گاہ؟'' ہندو سرداروں کے چہروں کی رنگت اُڑی ہوئی تھی اور زبانیں لڑکھڑا رہی تھیں۔

''اگر افواجِ سلطانی کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کی گئی تو پھر میرا وعدہ ہے کہ آپ کی عبادت گاہ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچے گا۔'' سلطان التمش نے ہندو سرداروں کو یقین دہانی کراتے ہوئے کہا۔ ''میرا مذہب کسی پر جبر

نہیں کرتا۔ تمام ہندو بلا خوف وخطر اپنے عقیدے پر قائم رہیں مگر مہا کال کا بڑا بت مجھے ہر حال میں چاہئے۔''

''آخر کس لئے؟'' خوف و دہشت کی زیادتی سے ہندو سرداروں کے جسم پر لرزہ طاری تھا۔

''میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ایک پتھر کے مجسمے میں تمہارے دیوتاؤں کی روحوں کا اجتماع کس طرح ہوا ہے۔'' سلطان التمش نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اگر مہا کال کے بڑے بت نے میرے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک لیا اور میرے ارادوں کو شکست دے دی تو میں تمہارے دیوتاؤں کی حیثیت کو تسلیم کرلوں گا اور چپ چاپ واپس چلا جاؤں گا۔ اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو پھر تم اپنے دیوتاؤں کے بارے میں سوچنا۔ مجھے تمہارے عقائد سے کوئی غرض نہیں ہوگی۔''

جب ہندو سردار، مندر کے پجاری سے بات کرنے کے لئے جانے لگے تو التمش نے اُنہیں روکتے ہوئے کہا۔

''میں اپنے سپاہیوں کو لے کر پیچھے چلا جاتا ہوں۔ کہیں تم یہ نہ سمجھو، میں تمہیں دھوکا دے کر مندر کے دروازے کھلوانا چاہتا ہوں۔ اس وقت میری نیت بھی صاف ہے اور دل بھی۔ ہاں! اگر پجاری نے دروازہ نہیں کھولا تو اس سے کہہ دینا کہ میری منجنیقیں مندر کی دیواروں میں اتنے شگاف ڈال دیں گی کہ تمہارے سارے دیوتا مل کر بھی انہیں نہیں بھر سکتے۔ اور یہ آہنی دروازے، جن کی مضبوطی پر تمہیں بڑا ناز ہے، میرے سپاہیوں کے بازوؤں کے سامنے دیمک خوردہ لکڑی کا ایک ڈھیر ثابت ہوں گے۔''

یہ کہہ کر سلطان التمش نے اپنے سپاہیوں کو سوگز پیچھے ہٹنے کا حکم دیا تاکہ ہندو سردار اطمینان کی فضا میں مندر کے پجاری سے بات کرسکیں۔

مہا کال مندر کا پجاری لکشمن داس، راجہ بکرماجیت کی شکست کی خبر سن کر سہم گیا۔ اس کی خواہش تھی کہ کسی طرح یہ روپوش سپاہی مندر سے چلے جائیں۔ لیکن سپاہیوں نے لکشمن داس سے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگر اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو اسے بے دریغ قتل کر دیا جائے گا۔ اس وقت بھی وہ راجہ بکرماجیت کے سپاہیوں کی تلواروں کے سائے تلے ہندو سرداروں سے بات کر رہا تھا۔

''سلطان جو چاہیں کریں۔ میں کسی غیر ہندو کے لئے مندر کے دروازے نہیں کھول سکتا۔ اس پوتر استھان میں تو صرف بھگوان کے پجاری ہی پرویش کر سکتے ہیں۔'' لکشمن داس کے منہ میں زبان نہیں تھی۔ اس کی شہ رگ پر ایک سپاہی کی تلوار کا دباؤ تھا۔ نتیجتاً اس نے التمش کی پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

ہندو سردار بڑے مغموم تھے۔ وہ بجھے چہروں اور دھندلی آنکھوں سے التمش کی منجنیقوں کو مندر کی دیواروں پر بھاری پتھر برساتے دیکھ رہے تھے۔ آخر دیواروں میں جگہ جگہ شگاف پڑنے لگے۔ فولادی دروازے بھی سلطان کے آہن گروں کی ضربات کو برداشت نہ کر سکے۔ پھر اجین کے باشندوں نے بڑی حیرت کے ساتھ یہ منظر دیکھا کہ سلطان کے سپاہی کمندیں ڈال کر مندر کے طویل وعریض صحن میں اُتر رہے تھے..... اور جب دروازے ٹوٹ گئے تو التمش کے فوجیوں نے یلغار کر دی۔

چند لمحوں کا مقابلہ تھا۔ سلطان کے جانبازوں نے دیکھتے ہی دیکھتے مندر میں روپوش سپاہیوں کو قتل کر دیا۔

التمش ہندو سرداروں کو اپنے ہمراہ لے کر مندر میں داخل ہوا۔ مہا کال کا بڑا بت زمین سے پانچ گز بلند تھا۔

''اے اپنے اندر تمام دیوتاؤں کی طاقت رکھنے والے! میں تیرے نزدیک آ پہنچا۔'' سلطان عجیب لہجے میں

مہا کال مندر کے بڑے بت سے مخاطب تھا۔ ''اگر تُو مجھے روک سکتا ہے تو روک لے..... لیکن میں تیری حقیقت سے واقف ہوں اور اس راز کو جانتا ہوں کہ تُو اپنے اوپر بیٹھ جانے والی ایک مکھی کو بھی نہیں اُڑا سکتا۔ پھر ایک مردِ مجاہد کے بڑھتے ہوئے قدموں کو کس طرح روکے گا؟ اے پتھر کے بے جان مجسمے! تُو اس زمین پر سب سے زیادہ مجبور ہے۔ تیرے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔''

پھر التمش نے مندر کے پجاری سے ایک سیڑھی طلب کی اور اوپر چڑھ گیا۔ سلطان کے ہاتھ میں بھاری گرز تھا۔ والیٔ ہند، بت کے سر کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس کی پُرجلال آواز مندر میں گونجنے لگی۔ سلطان التمش، مہا کال کے بت سے مخاطب تھا۔

''کہہ کہ اللہ ایک ہے اور وہی پرستش کے لائق ہے۔ کوئی دوسرا اس کی ذات وصفات میں شریک نہیں۔ زمین و آسمان اس کی ملکیت ہیں۔ وہ جسے چاہے عزت وسربلندی بخشے اور جسے چاہے ذلیل ورسوا کر دے۔''

جیسے ہی الفاظ کی گونج ختم ہوئی، التمش کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا۔ اور پھر مہا کال کے بڑے بت کا سر زمین پر آ گرا۔

التمش آہستہ آہستہ نیچے اُترا اور بت کے سر کے قریب پہنچ کر ٹھہر گیا۔

''تم نے عمر بھر جس کی عبادت کی، وہ تمہارے کسی کام آیا؟'' التمش، مندر کے پجاریوں اور ہندو سرداروں سے مخاطب تھا۔ ''اب تم یہ فیصلہ کرو کہ تمہیں کس پر ایمان لانا ہے؟ میرا کام ختم ہوا اور میں نے تم تک اپنا پیغام پہنچا دیا۔''

مندر کے پجاری اور ہندو سردار سر جھکائے شرمسار کھڑے تھے۔

پھر اس بت کو توڑا گیا۔ اس کے کھوکھلے جسم میں قیمتی زر و جواہر چھپائے گئے تھے۔

اجین پر قبضہ مکمل کرنے کے بعد سلطان التمش دہلی واپس لوٹ آیا۔ مہا کال کے مندر سے بعض نایاب چیزیں اس کے ہاتھ لگیں۔ ان نوادر میں راجہ بکرماجیت کی ایک تصویر اور پیتل کی کچھ مورتیاں تھیں، جن کے نقش ونگار بڑی مہارت کے ساتھ اُبھارے گئے تھے۔ سلطان التمش نے بت گری اور سنگ تراشی کے تمام شاہکاروں کو جامع مسجد کے دروازے پر ڈال دیا تاکہ نماز کے لئے آنے جانے والے اُنہیں پامال کرتے رہیں۔

❁==❁==❁

مالوہ اور اجین کی فتوحات کے سلسلے میں ایک عظیم الشان جشن منایا گیا۔ مگر یہ جشن دوسرے شہنشاہوں کی تقریبات سے یکسر مختلف تھا۔ رقص و سرود اور شراب نوشی کی محفل آراستہ کرنے کے بجائے التمش نے دہلی کے باشندوں کی دعوتِ عام کی جس میں غریبوں اور امیروں نے ایک ہی جگہ بیٹھ کر ایک رنگ کا کھانا کھایا۔ دعوت کے بعد دہلی کے ہر مفلس اور نادار کو اس کی ضرورت کے مطابق سال بھر کا اناج دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی محتاجوں میں زرِ نقد اور کپڑے بھی تقسیم کئے گئے۔

دعوتِ عام سے فارغ ہو کر التمش نے اپنے امرائے سلطنت کے ساتھ جشنِ فتح منایا۔ اس تقریب میں سلطان نے مسلم فاتحین کی بلند کرداری اور شجاعت کے واقعات بیان کئے۔

''وہ اپنے نفس کی خاطر نہیں، اللہ کی خوشنودی کے لئے جنگ کرتے تھے۔ انہوں نے ظالموں کو اُجاڑا اور مظلوموں کو آباد کیا۔ وہ اپنے عہدِ حکومت میں شب بیدار رہے مگر اُن کی رعایا چین کی نیند سوئی۔ وہ مخدوم ہو کر اللہ کی مخلوق کے خادم تھے.....اور ان میں سے کچھ تو ایسے تھے کہ ایک بار وطن سے نکلے تو پھر لوٹ کر اپنے گھروں کو نہیں گئے۔ کیا کوہ و بیاباں اور کیا دشت و دریا۔ جہاں گئے، ایک پیغام لے کر گئے۔ پھر وہی پیغام سناتے سناتے اُنہیں موت آ گئی۔ مگر وہ مر کر بھی زندہ ہیں۔ میں پوری شدت کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں کہ ان کی پاک روحیں یہاں موجود ہیں اور اپنے وارثوں کو اس عظیم الشان فتح پر مبارکباد دینے آئی ہیں۔ بے شک! تم ان کے وارث ہو۔''

سلطان التمش نے بڑی ذہانت سے اپنے امراء کو ان کی ذمے داریوں کا احساس دلایا تھا۔

''آج سے شہزادی رضیہ سلطانہ میری جانشین بھی ہے اور ولی عہدِ سلطنت بھی۔ جب میں دنیا سے گزر جاؤں تو میرے امراء پر لازم ہے کہ وہ میری وصیت کا احترام کریں۔''

یہ اعلان سنتے ہی امراء کی صفوں میں ہلچل سی مچ گئی۔ ملکہ ترکان شاہ کا چہرہ مسخ ہو گیا اور شہزادہ رکن الدین جو اس وقت بدایوں کے علاوہ لاہور کا بھی حاکم تھا، حواس باختہ ہو کر اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا۔

''بابا محترم! یہ سراسر ناانصافی ہے۔ تاج و تخت کا وارث میں ہوں اور میرے سوا کوئی نہیں۔ یہ کہاں کی دانش مندی ہے کہ آپ مردانِ غیور کی گردنوں میں ایک عورت کا طوقِ غلامی ڈال رہے ہیں۔''

''اپنے باپ کو سرِ دربار رُسوا کرنے والے نافرمان بیٹے! بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ۔'' التمش کی آواز میں بڑی خلش تھی۔

شہزادہ رکن الدین کے بیٹھتے ہی وزیراعظم نظام الملک اپنی نشست پر ایستادہ ہوا اور عرض کرنے لگا۔ ''یہ مقولہ اپنی جگہ درست ہے کہ رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند.....مگر لائق بیٹوں کی موجودگی میں بیٹی کا انتخاب، اس خادم

کی فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔''

نظام الملک کے بعد دوسرے امراء نے بھی کم و بیش یہی اعتراضات کئے۔ سلطان التمش خاموشی سے اپنے امراء کی پُرجوش اور جذباتی تقریریں سنتا رہا۔ پھر جب دربار میں کوئی سوال کرنے والا باقی نہیں رہا تو سلطان اپنے معزز اراکینِ سلطنت سے مخاطب ہوا۔

''کیا تم میں سے کسی کو اس شخص کی محرومیوں کا اندازہ ہے، جسے سیاسی روایت توڑنے پر مجبور کر دیا گیا ہو؟''

تمام امراء خاموش بیٹھے رہے۔

''میری محرومی یہ ہے کہ میرا کوئی بیٹا منصبِ سلطانی پر فائز ہونے کے لائق نہیں۔'' مختصر سے وقفۂ سکوت کے بعد التمش دوبارہ اپنے امراء سے مخاطب ہوا۔ ''عیش و عشرت میں مبتلا شہزادے اتنی بڑی سلطنت کا بارِ گراں اُٹھا سکیں گے؟ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔'' سلطان نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا۔ ''میرا انتخاب روایت کے خلاف سہی مگر میں تم پر کسی بدمست و ناکارہ مرد کو مسلط کرنا نہیں چاہتا۔ تم کئی سال سے شہزادی رضیہ سلطانہ کی جانشینی کے انداز دیکھ رہے ہو۔ اس نے میری سلطنت کے ذہین ترین مردوں سے بہتر فیصلے کئے۔ حکومت کے نظم و نسق کو اس طرح چلایا کہ تین سال کے طویل عرصے میں مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ وہ مدبر بھی ہے اور شمشیر زن بھی۔ وہ نیک بھی ہے اور تمہاری غم خوار بھی۔ اگر تمہیں شہزادی رضیہ سلطانہ کی حکمرانی منظور نہیں تو پھر تم کیسا فرمانروا چاہتے ہو؟''

تمام امراء گردنیں جھکائے بیٹھے رہے۔ انہیں رضیہ سلطانہ میں اس کے سوا کوئی عیب نظر نہیں آیا کہ وہ ایک عورت تھی۔

''تمہاری خاموشی گواہ ہے کہ میں تمہاری تقدیروں کو کسی گمراہ، خودغرض اور بے رحم حاکم کے حوالے نہیں کر رہا ہوں۔''

اس کے بعد سلطان نے شہزادی رضیہ سلطانہ کی ولی عہدی پر تمام امراء سے حلف لیا۔ حلف اُٹھانے والوں میں وزیراعظم نظام الملک پیش پیش تھا۔ مگر اس کی زبان، اس کے دل کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ اس کی آنکھیں کسی اور ہی منظر میں اُلجھی ہوئی تھیں اور اس کا عیار دماغ کوئی اور ہی منصوبے بنا رہا تھا۔

❄==❄==❄

پورا شہر پُرسکون تھا کہ اچانک ایک جانگداز خبر نے اہالیانِ دہلی کے ہوش و حواس چھین لئے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلیفۂ اکبر اور سلطان شمس الدین التمش کے پیر و مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ کیا مسلمان اور کیا ہندو، ہر شخص شدتِ غم سے نڈھال ''مہرولی'' کی طرف جا رہا تھا، جہاں حضرت قطبؒ کی خانقاہ، نورِ معرفت سے روشن تھی۔

غسل دینے اور کفن پہنانے تک ہر مرحلے میں سلطان التمش شریک تھا۔ حضرت قطبؒ کا جنازہ تیار کرنے کے بعد ایک وسیع و عریض میدان میں رکھ دیا گیا۔ پھر حضرت قطبؒ کا ایک خدمت گار مرید آگے بڑھا اور انسانی ہجوم کو مخاطب کر کے بولا۔

''میں آخری لمحوں میں پیر و مرشد کے قریب موجود تھا۔ حضرت شیخ نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کی نمازِ جنازہ وہ

شخص پڑھائے گا، جس نے خود کبھی عصر اور تہجد کی نماز قضا نہ کی ہو اور بے وضو ہونے کی حالت میں کبھی آسمان کی طرف نہ دیکھا ہو۔"

بڑی سخت شرائط تھیں۔ مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ لوگ چاروں طرف دیکھنے لگے کہ وہ مردِ نیک کون ہوگا، جسے حضرت قطبؒ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کی سعادت حاصل ہوگی۔

بہت دیر تک کسی صف سے نکل کر کوئی شخص آگے نہیں بڑھا۔

"ان شرائط کی تکمیل کافی مشکل نظر آتی ہے۔" دہلی کے بعض بزرگوں نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگ پیر و مرشد کی وصیت کے خلاف نہیں کر سکتے۔" حضرت قطبؒ کے خدمت گاروں نے جواب دیا۔

"چاہے جنازہ یوں ہی رکھا رہے؟" ایک عالم نے اعتراض کیا۔ یہ صاحب درویشی کے قائل نہیں تھے اور اکثر اپنی مجلسوں میں صوفیا کا مذاق اُڑاتے تھے۔

"جنازہ رکھا کیوں رہے گا؟" خدمت گار کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔ "جب پیر و مرشد نے وصیت فرمائی تو خدا اسے تکمیل تک بھی پہنچائے گا۔"

"دیکھئے! ہم بھی انتظار کر رہے ہیں کہ وہ مردِ پارسا کب اور کہاں سے آئے گا؟" دنیا دار عالم کا انداز کچھ ایسا ہی تھا کہ جیسے وہ حضرت قطبؒ کی وصیت کا مضحکہ اُڑا رہا ہو۔

"مولانا! آپ زحمت کش انتظار نہیں ہوں گے۔" یہ کہہ کر سلطان التمش، نمازیوں کی صف سے باہر آیا۔ "آیئے! نمازِ جنازہ ادا کر لیجئے۔"

حاضرین کو چند لمحوں تک اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا۔ مگر جب سلطان التمش کو امامت کے لئے آگے بڑھتا ہوا دیکھا تو انہیں اپنی آنکھوں پر اعتبار کرنا پڑا۔

والیٔ ہندوستان نے حضرت قطبؒ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور پھر پیر و مرشد کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگا۔

"سیدی! آپ نے اپنے اس گناہ گار خادم کا پردہ کیوں فاش کر دیا؟ یہ تو میرے اور آپ کے درمیان ایک راز تھا۔ اب لوگ کیا کہیں گے؟"

دہلی کے باشندوں میں بہت دنوں تک اس واقعے کا چرچا رہا۔ جب بھی لوگ آپس میں ملتے تو ایک دوسرے سے یہی سوال کرتے۔

"کیا ہماری خاک میں اب بھی ایسی چنگاری موجود ہے؟ ہندوستان کا بادشاہ اور اتنا پرہیزگار؟"

❁==❁==❁

طویل جنگی مہمات نے التمش کو تھکا ڈالا تھا۔ شاہی طبیب اُسے مکمل آرام کا مشورہ دے رہے تھے مگر وہ انتظامی امور میں ہمہ وقت مصروف رہتا تھا۔ شہزادی رضیہ سلطانہ زیادہ اصرار کرتی تو بڑی شفقت سے بیٹی کو سمجھاتا۔

"جانِ پدر! میں تیرے راستے کے کانٹے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پیر و مرشد کی وفات کے بعد میری زندگی زیادہ نہیں ہے۔"

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ چند انتظامی امور کے سلسلے میں التمش کو ملتان کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ ملتان پہنچتے ہی سلطان بیمار

ہو گیا۔ طبیبوں نے ہر دوا آزمائی مگر بیماری میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ التمش کو عماری میں بٹھا کر دہلی لایا گیا۔ پھر وہ بسترِ مرگ پر لیٹ گیا اور روز بہ روز اس کی حالت بگڑتی چلی گئی۔

مرنے سے ایک دن پہلے سلطان نے اپنے امراء کو اُن کا عہد یاد دلایا۔

تمام اراکینِ سلطنت نے بیک زبان کہا کہ وہ شہزادی رضیہ سلطانہ کی سربراہی پر دل و جان سے رضامند ہیں۔

شدید نقاہت کے باوجود سلطان کے ہونٹوں پر آسودہ مسکراہٹ اُبھر آئی۔ اُس نے امراء کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے قصداً تمہیں کبھی کوئی تکلف نہیں پہنچائی، کسی کی حق تلفی نہیں کی اور اقتدار کے نشے میں اپنے کسی ماتحت کو رسوا نہیں کیا۔ پھر بھی اگر سہواً میری ذات سے کسی کو دکھ پہنچا ہو تو مجھے معاف کر دے۔ میں تم لوگوں سے متعلق سارے حسابات اسی دنیا میں بے باق کر دینا چاہتا ہوں۔"

سلطان کی بات سن کر امرائے سلطنت رونے لگے۔ "آپ کے ذمے ہمارا کوئی قرض نہیں ہے۔ خدا آپ پر رحم فرمائے۔"

آخری وقت میں التمش نے رضیہ سلطانہ کو طلب کیا۔ سلطان، بیٹی کو کچھ نصیحت کرنا چاہتا تھا کہ یکایک اس پر غشی طاری ہو گئی۔ ایک بار چند لمحوں کے لئے ہوش میں آیا۔ پھر با آوازِ بلند اللہ کی واحدانیت اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر گواہی دے کر خاموش ہو گیا۔

التمش کے انتقال کے چوتھے دن امرائے سلطنت نے شہزادہ رکن الدین کو تختِ شاہی پر بٹھا دیا اور سلطان کے وصیت نامے کو چاک کر کے ہوا میں اُڑا دیا۔

کسی کو اپنے الفاظ یاد نہیں رہے۔ سارے وعدے غرقِ مئے ناب کر دیئے گئے۔

وزیرِ اعظم نظام الملک نے بازی جیت لی۔ اسے ایک کٹھ پتلی بادشاہ کی تلاش تھی اور رکن الدین کی شکل میں بساطِ سیاست پر وہ بادشاہ موجود تھا۔

ملکہ ترکان شاہ کے حکم پر رضیہ سلطانہ کو اس کے کمرے میں نظر بند کر دیا گیا۔

غم زدہ شہزادی، باپ کی قبر پر حاضر ہونا چاہتی تھی مگر ترکان شاہ نے یہ کہہ کر اجازت نہیں دی۔

"اب وہ باپ کی قبر پر نہیں، خود اپنی قبر میں جائے گی۔"

❁==❁==❁

ملکہ ترکان شاہ نے شوہر کی وفات کے بعد چالیس دن اس طرح گزارے کہ ایک ایک لمحہ اس پر گراں تھا۔ وہ عظیم جشنِ فتح منانے کے لئے بے قرار تھی مگر معاشرتی رسموں نے اس کے ارادوں کو زنجیر پہنا دی تھی۔ آخر سلطان التمش کی رسمِ چہلم ادا کی گئی۔ اس روز شہزادی رضیہ سلطانہ نے اپنی سوتیلی ماں ترکان شاہ سے بڑے پُر درد لہجے میں درخواست کی۔

"میری خواہش تھی کہ میں بابا محترم کے مقبرے پر حاضر ہو کر ان کی روح کو ایصالِ ثواب کروں۔ مگر کسی نے میری التجا نہیں سنی۔ خدارا آپ تو ایک بیٹی کی حالت زار کا اندازہ کیجئے۔ میرے بھائی رکن الدین کو کیا ہو گیا ہے کہ تخت نشین ہوتے ہی اس نے تمام انسانی قدروں کو فراموش کر ڈالا۔"

ملکہ ترکان شاہ غضب ناک ہوگئی۔ ''درباری علماء کہتے ہیں کہ ایک عورت کے لئے قبرستان میں داخل ہونا جائز نہیں۔'' ترکان شاہ بڑی چرب زبان تھی۔ اس نے رضیہ سلطانہ کو التمش کی قبر پر جانے سے روکنے کے لئے ایک مذہبی حکم کا سہارا لیا۔

حالانکہ رضیہ سلطانہ آفات و مصائب کے ہجوم میں ڈوبی ہوئی تھی مگر وہ خاموش نہ رہ سکی۔ اس نے نہایت جرأت مندی کے ساتھ جواب دیا۔ ''درباری علماء کو بس وہی حکم یاد آیا جس کا تعلق میری ذات سے تھا۔ انہیں آنکھیں کھول کر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینا چاہئے کہ خلافِ شرع اور کتنے کام ہو رہے ہیں؟''

''سلطانِ معظم نے تیرا دماغ خراب کر دیا ہے۔ کیا تُو مذہبی احکام کے بارے میں علمائے وقت سے زیادہ جانتی ہے؟'' ملکہ ترکان شاہ کچھ اور برہم نظر آ رہی تھی۔ ''کیا تجھے یاد نہیں کہ تُو نے اپنی جانشینی کے دور میں شہزادہ رکن الدین سے کیا سلوک کیا تھا؟ وہ بڑا اعلیٰ ظرف حکمراں ہے کہ اس نے تجھے صرف نظر بندی تک محدود رکھا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو آج تُو بھی اپنے بابا محترم کے پاس زیرِ خاک سو رہی ہوتی۔''

''وہ اپنا یہ ارمان بھی نکال لے۔'' یکایک رضیہ کے لہجے سے جلالِ سلطانی کا اظہار ہونے لگا تھا۔ ''میں نے صرف بابا محترم کے مزار پر حاضری کی اجازت چاہی تھی، اپنی ذات کے لئے بھیک نہیں مانگی تھی اگر تم لوگوں کے دامن اور دل اتنے تنگ ہیں کہ ایک بیٹی کو باپ کی قبر پر جانے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے تو پھر مجھے تنہا چھوڑ دو۔ آئندہ میں یہ رعایت بھی طلب نہیں کروں گی۔''

ملکہ ترکان شاہ غرور و کبر کا مظاہرہ کرتی ہوئی چلی گئی۔ اب اس کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔

❁==❁==❁

اسی رات ملکہ ترکان شاہ کے حکم پر ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوا جس میں نیا سربراہِ مملکت رکن الدین، وزیرِ اعظم نظام الملک، نائب سپہ سالار سیف الدین ایبک اور بہرام غوری شریک ہوئے۔

''تم دونوں کی وفاداریاں کس کے ساتھ ہیں؟'' ملکہ ترکان شاہ نے اپنے دونوں سالاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

سیف الدین ایبک اور بہرام غوری اس اجلاس میں شریک ہونے سے پہلے آپس میں ملاقات کر چکے تھے اور آئندہ کے لئے ان دونوں نے ایک خاص لائحہ عمل طے کر لیا تھا۔

''ملکہ عالیہ سے خیر کی کوئی توقع نہیں۔'' سیف الدین ایبک نے انتہائی رازدارانہ انداز میں بہرام غوری سے کہا تھا۔ ''ہمارا کیا ہے کہ ہم تو سپاہی ہیں۔ اگر برطرف بھی کر دیئے گئے تو زندگی کے دن کسی نہ کسی طرح گزار لیں گے۔ مگر میرے اندازے کے مطابق اس وقت شہزادی عالیہ کی زندگی کو سخت خطرہ لاحق ہے۔''

''میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔'' بہرام غوری کے چہرے پر اذیت و کرب کے سائے اُبھر آئے تھے۔ ''شہزادی عالیہ کے ساتھ دشمنوں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ سلطانِ ذی وقار کی وصیت کے مطابق وہی تاج و تخت کی مالک ہیں۔ مجھے اسی بات کا شدید دکھ ہے کہ سردارانِ قوم اپنے عہد سے پھر گئے۔''

''یہ ایک سازش ہے جس کی جڑیں بہت گہری ہیں بہرام!'' سیف الدین ایبک نے ایک ایک نقطہ پر زور دیتے

ہوئے کہا۔ ''سردارانِ قوم کو معلوم تھا کہ سلطانِ معظم کا وقت قریب آ چکا ہے، اس لئے انہوں نے جھوٹ اور فریب سے کام لیا۔''

''سردارانِ قوم کو اس فریب کاری کا انجام معلوم ہے؟'' بہرام غوری کے لہجے میں بڑی تپش تھی۔

''کل کے بارے میں کوئی نہیں سوچتا۔'' سیف الدین ایبک کی آواز سے بھی گہری تلخی کا اظہار ہو رہا تھا۔ 'انسان بہت خودغرض اور جلد باز واقع ہوا ہے۔ شہزادی عالیہ کی تخت نشینی کی صورت میں سردارانِ قوم عیش و عشرت و گمراہی کی زندگی کیسے بسر کر سکتے تھے؟ بساطِ حکومت پر شہزادہ رکن الدین ان کا کمزور اور پسندیدہ مہرہ ہے۔ وہ سے جس طرح چاہیں گے، استعمال کریں گے۔''

''پھر؟'' بہرام غوری مجسم سوال بن کر رہ گیا تھا۔

''ہمیں ایسے نازک وقت میں جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔'' سیف الدین ایبک نے بہرام غوری کو سمجھایا۔ وہ اپنے ساتھی کو مضطرب دیکھ کر خود بھی پریشان سا ہو گیا تھا۔ ''تم ایک سپاہی ہو۔ صرف دماغ سے سوچو۔ جب تک صورتِ حال بدل نہیں جاتی، اس وقت تک اپنے دل کو بھی لوہے کا ایک ٹکڑا سمجھو۔''

اب بہرام غوری، سیف الدین ایبک کو کیا سمجھاتا کہ اس کے سینے میں کیسا دل ہے اور اس دل کا شہزادی رضیہ سلطانہ سے کیا رشتہ ہے؟

''فی الحال سیاست کا تقاضا یہی ہے کہ ہم شہزادہ رکن الدین کی حمایت کریں تاکہ شہزادی عالیہ، ملکہ ترکان شاہ کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔''

اپنے منصوبے کی تمام تر تفصیلات طے کرنے کے بعد سیف الدین ایبک اور بہرام غوری، ملکہ ترکان شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ان دونوں نے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ وہ ہر حال میں سلطانِ معظم کے وفادار ہیں۔

''مرحوم سلطان کی نہیں، زندہ سلطان کی بات کرو۔'' ملکہ ترکان شاہ خود ایک عیار عورت تھی، اس لئے اپنے سالاروں کے مبہم جواب کو بھی شبہ کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔

''زندہ سلطان بھی مرحوم سلطان کی نشانی ہیں۔'' سیف الدین ایبک نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''اس لئے ہمیں سلطانِ مرحوم و مغفور کی ہر نشانی سے محبت و عقیدت ہے۔'' بہرام غوری نے اپنے ساتھی سالار سیف الدین ایبک کی تائید کی۔

ترکان شاہ کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ اُبھر آئی۔ ملکہ ہند کا خیال تھا کہ سالارِ افواج اُس کے جاہ و جلال سے خوف زدہ ہو گئے ہیں، اس لئے وہ لاف زنی پر اُتر آئی۔

''تمہاری بقا اسی میں ہے کہ آخری سانس تک سلطان رکن الدین ایبک فیروز شاہ کے وفادار رہو۔'' ترکان شاہ نے سخت لہجے میں اپنے سالاروں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ ''وفاداروں کے لئے ہمارے پاس بڑا انعام ہے اور سرکشوں کے لئے بدترین سزا۔''

''ملکۂ عالیہ مطمئن رہیں۔'' سیف الدین ایبک اور بہرام غوری نے بیک زبان کہا۔ ''ہم اہلِ وفا ہیں اور اپنی ذمہ داریوں کو خوب پہچانتے ہیں۔''

ترکان شاہ نے اپنی کنیزوں کو اشارہ کیا جو ہاتھوں میں طلائی خوان لئے کھڑی تھیں۔
دونوں کنیزیں آگے بڑھیں اور سالارِ افواج کے قریب جا کر ٹھہر گئیں۔

''یہ تمہاری وفاداریوں کا انعام ہے۔'' ملکہ ترکان شاہ سیف الدین ایبک اور بہرام غوری سے مخاطب ہوئی۔ ''تمہیں پُر یقین رہنا چاہئے کہ بشرطِ وفاداری ہم ہمیشہ تم پر اسی طرح مہربان رہیں گے۔ تمہارا دامنِ طلب تنگ ہو سکتا ہے، مگر ہماری کرم نوازیاں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔'' مغرور اور کم ظرف عورت ایسے لہجے میں گفتگو کر رہی تھی کہ جیسے وہی اس زمین کی مالک ہو۔

صورتِ حال کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے دونوں سالاروں نے سر جھکا دیئے۔

''یہی اطاعت و فرمانبرداری تمہاری زندگی اور سربلندی کی ضمانت دے گی ورنہ....'' اب کی بار سلطان رکن الدین فیروز شاہ اپنے سالاروں سے مخاطب ہوا۔ اس نے بظاہر بات ادھوری چھوڑ دی تھی مگر اس کا جملہ اپنی تمام تر گہرائیوں اور وسعتوں کے ساتھ مکمل تھا۔

سیف الدین ایبک اور بہرام غوری نے اپنے نئے فرمانروا کی طرف دیکھا جو اس وقت بھی شراب کے نشے میں بدمست تھا۔ سلطان التمش کے زمانے میں رکن الدین چھپ کر شراب پیا کرتا تھا مگر آج اُسے کوئی تنبیہہ کرنے والا موجود نہیں تھا، اس لئے اس نے سارے حجابات اُٹھا دیئے تھے۔

پھر سلطان رکن الدین فیروز شاہ نے ایبک اور غوری کو ہاتھ کے اشارے سے جانے کا حکم دیا۔ دونوں سالار اپنے سینوں میں ناپسندیدگی کا طوفان چھپائے مگر ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے خلوتِ سلطانی سے نکل کر چلے گئے۔

سیف الدین ایبک اور بہرام غوری کے جاتے ہی ملکۂ ہند ترکان شاہ نے انتہائی استہزائی لہجے میں وزیراعظم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''نظام الملک! یہ ایبک اور غوری تو بہت کمزور ثابت ہوئے۔ ان کے چہرے بھی ہمارے رحم و کرم کی بھیک مانگ رہے تھے اور زبانیں بھی۔''

''میرا خیال تھا کہ شاید وہ دونوں شہزادی عالیہ کی وفاداری میں سرکشی اختیار کریں۔'' نظام الملک نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ ''مگر میرے سارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ انہیں شہزادی عالیہ سے نہیں، اپنی ذات سے زیادہ دلچسپی ہے اور حالات کا یہ زاویہ آپ کی بلند اقبالی کو ظاہر کرتا ہے۔ ایبک اور غوری، افواجِ سلطانی کے مضبوط ترین ستون ہیں۔ سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد ان کے زیر اثر ہے۔ ان کی بغاوت سے اقتدار کی بنیادیں ہل سکتی ہیں.....اور.....''

''مگر ان کی گردنیں تو ہمارے آگے جھکی جا رہی تھیں۔'' ملکہ ترکان شاہ نے نظام الملک کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''ملکۂ عالیہ! یہی تو آپ کی بلند اقبالی کی نشانی ہے۔'' نظام الملک نے ترکان شاہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''ایبک اور غوری، جاہ پرست فوجی ہیں۔ اگر آپ ان پر انعام و اکرام کی بارش کریں گی تو ایک دن وہ آپ کے تلوے بھی چاٹنے لگیں گے۔ اس دوران ہم نیا امیر لشکر تیار کر لیں گے۔ اگر ان کے چہروں پر سرکشی کا ہلکا سا رنگ بھی نظر آیا تو دونوں کو سبکدوش کر دیا جائے گا۔'' وزیراعظم نے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

''تیرا خیال درست ہے نظام الملک!'' ملکہ ترکان شاہ نے مسکراتے ہوئے اپنے سر کو جنبش دی۔

ملکۂ ہند کا طرزِ تخاطب دیکھ کر نظام الملک کو شدید ذلت کا احساس ہوا۔ ایک لمحے کے لئے نظام الملک کو التمش کا دورِ سلطانی یاد آیا۔ التمش اپنے معمولی خدمت گار کو بھی ''آپ'' کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔ مگر ترکان شاہ اپنے وزیراعظم سے اس انداز میں گفتگو کر رہی تھی جیسے وہ اس کا زرخرید غلام ہو۔ نظام الملک کے سینے میں نفرت کی تند و تیز لہریں اُٹھیں مگر اس نے اپنے باغیانہ جذبات کو چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

''میں اس عزت افزائی کے لئے ملکۂ عالیہ کا مشکور ہوں۔'' نظام الملک کا لہجہ انتہائی خوشامدانہ تھا۔ اگرچہ نظام الملک، ترکان شاہ کی عادت و خصلت سے بخوبی واقف تھا، اس لئے یہ اندازہ نہیں تھا کہ رکن الدین کے اقتدار میں آتے ہی وہ پاگل ہو جائے گی۔ وزیراعظم ہند اس بات کو شدت سے محسوس کر رہا تھا کہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ اپنی ماں کے سامنے خاموش بیٹھا رہتا تھا۔ اور ترکان شاہ اپنے امراء کو اس طرح حکم دیتی ہے کہ جیسے وہ خود سربراہِ مملکت ہو۔ نظام الملک نے ایک نئے خطرے کی آہٹ سن لی تھی مگر وقت اس کی گرفت سے نکل چکا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ رضیہ سلطانہ کے خطرے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔'' ترکان شاہ نے نہایت سرد اور سفاکانہ لہجے میں وزیراعظم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ملکۂ ہند موجودہ صورتِ حال سے مطمئن نہیں تھی۔

نظام الملک نے چونک کر ترکان شاہ کی طرف دیکھا۔ بڑے عجیب لمحات تھے۔ وزیراعظم، ترکان شاہ کو اپنے لئے خطرہ سمجھ رہا تھا اور ترکان شاہ، شہزادی رضیہ سلطانہ کے وجود کو اپنے لئے خطرناک قرار دے رہی تھی۔

''نہیں ملکۂ عالیہ!'' وزیراعظم ہند نے عرض کیا۔ ''میری ناچیز رائے میں، شہزادی عالیہ کے خلاف کوئی سنگدلانہ اقدام رعایا اور فوج کو آپ سے بدظن بھی کر سکتا ہے۔ آخر وہ سلطانِ مرحوم و مغفور کی بیٹی ہیں۔ کوئی کنیز تو نہیں کہ ان کے قتل پر آسانی کے ساتھ پردہ ڈال دیا جائے گا۔''

''پھر.....؟'' ملکۂ ہند ترکان شاہ غصے سے بھڑک اُٹھی۔ ''ایک زہریلے سانپ کو کب تک اپنی آستین میں پالا جا سکتا ہے؟''

''اگر وہ سانپ ہیں تو انہیں ذہانت و سیاست کے ساتھ راستے سے ہٹایا جائے۔'' نظام الملک خود بھی رضیہ سلطانہ کو پسند نہیں کرتا تھا لیکن اکثر درباری امراء اس راز سے واقف تھے کہ شہزادی عالیہ اور وزیراعظم ہند کے درمیان گہری پرخاش موجود ہے۔ اس لئے اگر رضیہ سلطانہ کو قتل کیا جاتا تو خود اس کا دامن بھی اس کے خون کے چھینٹوں سے محفوظ نہیں رہتا۔ پھر ہو سکتا تھا کہ سلطان التمش سے گہری وابستگی کے زیر اثر فوج بغاوت کر دیتی اور نظام الملک بھی اس کی لپیٹ میں آ جاتا۔ یہی سوچ کر وہ شہزادی رضیہ سلطانہ کے قتل کی مخالفت کر رہا تھا۔ ورنہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے مقابلے میں التمش کی بیٹی اس کے لئے کہیں زیادہ خطرناک تھی۔ ''اگر رضیہ سلطانہ کے قتل کے لئے آپ کی شمشیرِ اختیار بلند ہوئی تو فوج کی صفوں میں اس قدر انتشار پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید اس پر قابو نہ پایا جا سکے۔''

''پھر اس کا کیا حل ہے؟'' جاہل اور خودغرض ترکان شاہ، رضیہ سلطانہ کو اپنے اقتدار کے راستے سے ہٹانے کے لئے بے قرار تھی۔

''سلطانی افواج اور اپنے امراء کو راضی رکھئے۔ نتیجتاً شہزادی عالیہ تنہا رہ جائیں گی اور پھر یہی تنہائی ان کی موت کا سبب بن جائے گی۔ ممکن ہے کہ انہیں جسمانی موت نہ آئے مگر بساطِ اقتدار پر تنہا رہ جانے کے بعد ان کی سیاسی موت یقینی ہے۔'' وزیراعظم ہند بڑی ذہانت کے ساتھ ترکان شاہ کو رضیہ سلطانہ کے قتل سے باز رکھنے کی کوشش کر رہا

تھا کہ اگر ایک بار سیاسی قتل کی بنیاد پڑ جاتی تو پھر یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا جاتا۔ اور ہوسکتا تھا کہ خود نظام الملک بھی اس کی زد میں آجاتا۔

ملکہ ترکان شاہ نے اس طرح اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی کہ جیسے اس نے اپنے وزیراعظم کا مشورہ قبول کر لیا ہو۔ مگر حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ اس کا تاریک ذہن اب بھی سازشوں کے مختلف راستوں پر بھٹک رہا تھا۔

❁==❁==❁

ملکہ ترکان شاہ نے جمال الدین یاقوت کو ''امیر آخور'' کے عہدے سے معزول کر دیا تھا۔

''اب اس حکومت کو تیری خدمات کی ضرورت باقی نہیں رہی۔'' ملکہ ترکان شاہ نے نہایت تحقیر آمیز لہجے میں یاقوت حبشی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس وقت سلطان رکن الدین فیروز شاہ بھی ماں کی خدمت میں حاضر تھا۔

''کیا میں شہزادی عالیہ کی خدمت کے اعزاز سے بھی محروم کر دیا گیا ہوں؟'' یاقوت حبشی نے عرض کیا۔ اپنی معزولی کا سن کر اس کے چہرے پر رنج اور محرومی کا ہلکا سا عکس تک نہیں اُبھرا تھا۔

''اگر رضیہ سلطانہ چاہے تو تجھے اپنی خدمت گاری پر مامور کر سکتی ہے۔'' ملکہ ترکان شاہ کے لہجے میں نخوت و غرور کی وہی آمیزش تھی۔ ''دراصل تیرا حقیقی منصب یہی ہے کہ تُو کسی کے در پر ایک غلام کے مانند سر جھکائے کھڑا رہے۔''

اس طعنہ زنی پر یاقوت حبشی کے سینے میں ایک آگ سی لگ گئی اور شدتِ کرب سے اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ پھر وہ آہستہ قدموں کے ساتھ چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

کچھ دیر بعد یاقوت حبشی، رضیہ سلطانہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ''آقائے نعمت! مجھے میرے منصب سے سبکدوش کر دیا گیا ہے۔''

''تمہارے آقائے نعمت قبر میں سو رہے ہیں۔'' رضیہ سلطانہ کا لہجہ سوگوار تھا۔ ''اب ان کے نام لیواؤں کے ساتھ زمانہ جو بھی سلوک کرے، وہ کم ہے۔''

''میں آپ کی خدمت عالیہ میں اس لئے حاضر نہیں ہوا ہوں کہ زمانے کے ناروا سلوک کی شکایت کروں۔'' یاقوت حبشی ''امیر آخور'' کے عہدے سے معزول ہو جانے کے باوجود مطمئن نظر آ رہا تھا۔

''پھر؟'' رضیہ سلطانہ نے اپنے جاں نثار سے سوال کیا۔

''میں نے اربابِ اختیار سے پوچھا تھا کہ کہیں مجھے آقائے نعمت کی خدمت گاری کے اعزاز سے تو محروم نہیں کر دیا گیا ہے؟'' یاقوت حبشی کی نظریں فرش پر جمی ہوئی تھیں اور وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

''پھر اربابِ اختیار نے کیا جواب دیا؟'' رضیہ سلطانہ نے چونک کر پوچھا۔

''وہ مجھے کسی کے دروازے پر ایک غلام کی طرح سر جھکائے کھڑا دیکھنا چاہتے ہیں۔'' یکایک جمال الدین یاقوت کا لہجہ اُداس ہو گیا تھا۔ ''مگر میں غلام نہیں ہوں۔''

''تاج و تخت کا مالک بن جانے والے اپنے ماتحتوں سے اسی انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔'' رضیہ سلطانہ نے یاقوت حبشی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''اگر خدا ہدایت نہ دے تو دولت و اقتدار حاصل کرنے کے بعد ظالم و جاہل انسان خود خدائی کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں۔''

''ان کے دعوے انہیں مبارک ہوں۔'' جمال الدین یاقوت نے عرض کیا۔ ''میں تو یہ جاننے کے لئے حاضر ہوا تھا کہ کہیں آقائے نعمت نے تو مجھے اپنی خدمت گاری کے منصب سے معزول نہیں کر دیا ہے؟''

''تم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ جو آقائے نعمت تھے، وہ خود ایک قیدی کی زندگی بس کر رہے ہیں۔'' رضیہ سلطانہ کے لہجے میں بڑی خلش تھی۔ ''دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ اس شخص کے سائے سے بھی دور رہو، جس پر اربابِ اختیار کا عتاب نازل ہو رہا ہے۔ میں نے اپنے تمام ہمدردوں سے کہہ دیا ہے کہ انہیں جدھر بھی سلامتی کا راستہ نظر آئے، وہ اس طرف چلے جائیں۔ مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

رضیہ سلطانہ کا جواب سن کر یاقوت حبشی کا چہرہ بجھ گیا۔ آج زندگی میں پہلی بار اس نے پورے انہماک کے ساتھ شہزادی کی طرف دیکھا تھا۔ جمال الدین یاقوت کی آنکھوں میں ایک ہی سوال لرز رہا تھا۔

''کیا آقائے نعمت یہ سمجھتی ہیں کہ ان کے جانثار انہیں اس طوفان میں تنہا چھوڑ کر چلے جائیں گے؟''

پھر یہی سوال یاقوت حبشی کے ہونٹوں پر آ کر مچل گیا۔

''میں نہیں چاہتی کہ کوئی شخص اس لئے قہرِ سلطانی کا نشانہ بن جائے کہ میری جانثاری کا دم بھرتا تھا۔'' رضیہ سلطانہ نے یاقوت حبشی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''غلام سود و زیاں کا حساب نہیں رکھتا۔'' یاقوت حبشی نے دایاں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر قدرے خم ہوتے ہوئے کہا۔ ''میرا زیاں یہ ہے کہ اپنی آقائے نعمت کو مصائب کے گرداب میں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ اور میرا سود یہ ہے کہ میں آپ کے در پر اس وقت تک کھڑا رہوں جب تک فرشتہ اجل میرے اور آپ کے درمیان جدائی کی دیوار نہ کھینچ دے۔ پھر اہلِ دنیا پکار پکار کر کہیں کہ وہ جا رہی ہے جمال الدین یاقوت کی لاش جو اپنے عہد پر قربان ہو گیا۔''

رضیہ سلطانہ کچھ دیر تک جمال الدین یاقوت کو عجیب نظروں سے دیکھتی رہی۔ آج شہزادی کو حبشی زادہ بہت بدلا ہوا نظر آیا۔ چٹان کی طرح مضبوط اور آندھی کی طرح تند و تیز۔ دولت و اقتدار سے بے نیاز۔ آفات و مصائب کے لمحات میں غمگسار و دمساز۔

آخر رضیہ سلطانہ نے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

''تو پھر یہ وعدہ بھی کیجئے کہ آپ کبھی مجھے اس اعزاز سے محروم نہیں کریں گی۔'' یاقوت حبشی نے اپنے دل کی وہ بات کہہ ڈالی جس کا مفہوم ظاہر بھی تھا اور پوشیدہ بھی۔ جب ملکہ ترکان شاہ نے غلام کہہ کر پکارا تھا تو اس کے دل و دماغ سلگ اُٹھے تھے۔ مگر اس وقت وہی شخص رضیہ سلطانہ کی بارگاہ میں ایک غلام کے مانند سر جھکائے کھڑا تھا اور اس بات پر اصرار کر رہا تھا کہ اس کی گردن کو طوقِ غلامی سے آزاد نہ کیا جائے۔ جمال الدین یاقوت اپنے منصب کے اعتبار سے ایک خدمت گزار تھا مگر شہزادی کے پیہم التفات نے اس کی آنکھوں میں بھی کچھ خواب سجا دیئے تھے۔ وہ اپنے خوابوں کو کسی کے سامنے بیان نہیں کر سکتا تھا مگر ان خوابوں کی تپش اکثر اسے راتوں کو سونے نہیں دیتی تھی۔ شاہ زادہ ہو یا غلام زادہ، مرد آخر مرد ہوتا ہے۔ ایک حسین و جمیل خاتون کی توجہ اور قربت اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ جمال الدین یاقوت بھی کئی سالوں سے شہزادی رضیہ سلطانہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پھر وہ اپنی سوچ سے خود ہی ڈر جاتا تھا۔ اس وقت بھی وہ خوف زدہ تھا مگر اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکا۔

رضیہ سلطانہ کا ذہن اُلجھ کر رہ گیا۔ جمال الدین یاقوت اس کا پسندیدہ مرد تھا جو آہستہ آہستہ ''محبوبیت'' کا درجہ

اختیار کرتا جا رہا تھا۔ مگر جب اسی مرد نے آگے بڑھ کر شہزادی کے پائے ناز پر اپنا سر رکھ دیا تو وہ گھبرا گئی۔

''ہر لحہ بدلتی ہوئی اس دنیا میں کسی شے کو پائیداری حاصل نہیں۔'' اگرچہ رضیہ سلطانہ کی شدید خواہش تھی کہ جمال الدین یاقوت اسی طرح اس کی بارگاہِ ناز میں کھڑا رہے لیکن شرم و حیا کے باعث وہ گفتگو کرنے سے گریزاں نظر آ رہی تھی۔ ''بابا محترم دیکھتے ہی دیکھتے رخصت ہو گئے، مجھے پابندِ سلاسل کر دیا گیا۔ وفادار صفِ دشمناں میں جا کھڑے ہوئے۔ ماں خنجر بکف ہے اور بھائی شمشیر بدست۔ کون کس لباس میں ہے، کچھ پتہ نہیں چلتا۔ تمہاری وفاداریوں کا مجھے اعتراف ہے مگر میں کسی کو یہ حکم نہیں دے سکتی کہ وہ میری خاطر زندگی بھر کے لئے زنجیرِ غلامی پہن لے۔ ہاں! اگر کبھی گردشِ ماہ و سال کے انداز بدل گئے تو پھر تمہاری باتوں پر غور کروں گی۔ اس وقت میرا دامن خالی ہے۔''

''میں نے اہلِ دنیا کی طرح کوئی عہدہ و منصب تو نہیں مانگا ہے آقائے نعمت!'' جمال الدین یاقوت نصف قد تک خم ہو گیا۔ ''میں نے تو اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ میری قسمت پر ہمیشہ کے لئے مہرِ غلامی ثبت کر دی جائے۔''

''نہ تاج ہے نہ تخت، نہ اختیار ہے نہ اقتدار، پھر اس مہر کی کیا حیثیت ہو گی؟'' رضیہ سلطانہ بڑی ذہانت سے یاقوت حبشی کو ٹالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

یاقوت حبشی نے شہزادی کی طرف دیکھنے کی کوشش کی مگر درمیان میں ریشمی پردہ حائل تھا۔ جمال الدین نے شاہی تقریبات میں کئی بار رضیہ سلطانہ کے چہرے کی ہلکی سی جھلک دیکھی تھی۔ پھر ٹھاکر بلرام سنگھ کے تہہ خانے میں حبشی زادے نے اس پیکرِ ناز کو مکمل طور پر بے نقاب دیکھا تھا۔ جیسے اندھیری رات میں چاند طلوع ہو رہا ہو۔ آج تک وہی جانفزا منظر اس کی آنکھوں میں محفوظ تھا۔

''آپ مہرِ غلامی ثبت کریں یا نہ کریں، میں تو ایک در کا پابند ہو چکا۔'' یہ کہہ کر جمال الدین یاقوت اُلٹے قدموں چلتا ہوا شہزادی کی بارگاہِ ناز سے نکل گیا۔

اس وقت شہزادی کی کنیزِ خاص فردوس بھی موجود تھی۔ جمال الدین یاقوت کے جاتے ہی وہ رضیہ سلطانہ سے مخاطب ہوئی۔ ''کیا امیر آخور کا طرزِ عمل گستاخانہ نہیں تھا؟'' فردوس نے عجیب انداز میں اپنی بات کہنے کی کوشش کی۔

''نہیں۔'' شہزادی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ ایک مردِ اعتبار ہے جو اس سنگین وقت میں اپنی جانثاری کا یقین دلانے آیا تھا۔''

فردوس، شہزادی کی گفتگو کا مفہوم سمجھ گئی تھی مگر پھر بھی اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ ''ہر چند کہ موسم بدل گیا ہے لیکن اسی مملکت میں آپ کے کچھ اور جانثار بھی تو موجود ہیں۔''

''جمال الدین یاقوت کا معاملہ ان سب سے جدا ہے۔'' رضیہ سلطانہ پُرزور الفاظ میں حبشی زادے کی وکالت کر رہی تھی۔ ''دوسرے جانثار تو بساطِ سیاست کے مہرے ثابت ہوئے۔ انہیں شطرنج کی بازی سے دلچسپی تھی مگر جمال الدین یاقوت تو کئی بار جان کی بازیاں کھیل چکا ہے۔ اور اب بھی ہزاروں خطرات کا دریا عبور کر کے مجھ تک پہنچا ہے۔ کسی دوسرے سے اس کی جانثاری کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ایک منفرد شخصیت کا مالک ہے اور میں ایسے ہی مردانِ اعتبار کو پسند کرتی ہوں۔''

یاقوت حبشی کی ذات میں شہزادی کی دلچسپیاں فردوس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ پھر بھی بات پردے میں تھی۔ مگر آج فردوس کو محسوس ہوا کہ وہ گہرا پردہ ہٹ چکا ہے۔ کنیزِ خاص گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر ایک طویل

وقفۂ سکوت کے بعد عرض کرنے لگی۔

''شہزادی عالیہ! کنیز کی گستاخی معاف۔ آپ کے آستانۂ جلال پر اس طرح امیر آخور کا کھڑے رہنا کوئی مناسب بات نہیں۔''

''کیوں؟'' رضیہ سلطانہ کی روشن و کشادہ پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''سلطانِ معظم کے زمانے کی بات اور تھی۔'' فردوس نے ڈرتے ڈرتے دلیل پیش کی۔ ''مگر اب حالات یکسر بدل گئے ہیں اور دشمن کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔''

''کیا کسی بے ادب نے میری طرف انگلی اٹھائی ہے؟'' یکایک رضیہ سلطانہ غضب ناک نظر آنے لگی تھی۔ ''اور کون مجھ پر انگلی اٹھانے کی جرأت کر سکتا ہے؟ پہلے لوگ اپنے گریبانوں کی طرف تو دیکھیں۔ اپنی قبائے ذات پر تو نظر ڈالیں، جہاں داغ ہی داغ نظر آتے ہیں۔ انہیں میرے لباس پر داغ تو کجا، راستے کے غبار کا ایک ذرّہ بھی نظر نہیں آئے گا۔''

فردوس خاموش ہو گئی۔ اب اسے ایک نئے طوفان کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔

❁==❁==❁

سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے برسرِ اقتدار آتے ہی نظام الملک کے خوابوں میں نئے رنگ بھرنے لگے تھے۔ ایک رات اس نے خفیہ نشست میں اپنے ساتھی امراء علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''ہماری ایک ایک چال درست ہے اور ایک ایک مہرہ صحیح مقام پر حرکت کر رہا ہے۔ عنقریب وہ عیش پرست سلطان زچ ہو جائے گا، پھر شاہ اور مات۔'' نظام الملک کا ہلکا سا قہقہہ بلند ہوا۔ ''بادشاہ اپنے وزیر پر بھروسہ کر رہا ہے اور وزیر تاج و تخت کی طرف دیکھ رہا ہے۔ آخر اس بازی کا انجام کیا ہو گا؟'' وزیرِ اعظم ہند نے استہزائیہ لہجے میں اپنے ساتھی امراء سے سوال کیا۔

''اس بازی کا اور کیا انجام ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کا سب سے زیادہ ذہین شخص ایک نا اہل حکمراں کو معزول کر کے خود تاجِ سلطانی اپنے سر پر سجا لے۔'' علاء الدین شیر خانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ یہ ترک امیر، نظام الملک کے دورِ حکومت میں وزیرِ اعظم بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کے علاوہ شیر خانی، رضیہ سلطانہ سے شادی کرنے کا بھی خواہش مند تھا۔

''وہ دن زیادہ دور نہیں شیر خانی!'' نظام الملک نے فاتحانہ انداز میں اپنے ہاتھ کو لہراتے ہوئے کہا۔ ''اگر حضور کہیں تو پھر میں شہزادی رضیہ سلطانہ کے لئے شادی کا پیغام دے دوں؟'' شیر خانی نے ابھی سے نظام الملک کی خوشامد شروع کر دی تھی۔

''میں نے سنا ہے کہ ملک التونیہ بھی شہزادی سے شادی کے خواب دیکھ رہا ہے۔'' نظام الملک نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔

''یہ آپ سے کس نے کہا ہے؟'' علاء الدین شیر خانی اس طرح پریشان نظر آنے لگا جیسے کوئی دوسرا شخص اس کی

جاگیر غصب کر لینا چاہتا ہو۔

''خود التونیہ نے مجھے بتایا تھا۔'' نظام الملک نے وضاحت کی۔ ''وہ گزشتہ دنوں سلطان مرحوم کی تعزیت کے لئے بٹھنڈہ سے دہلی آیا تھا۔ پھر باتوں ہی باتوں میں اُس نے اس واقعہ کا ذکر بھی کیا تھا اور مجھ سے میری رائے بھی طلب کی تھی۔''

''پھر آپ نے کیا فرمایا تھا؟'' علاء الدین شیر خانی کا اضطراب اپنے عروج کو پہنچ گیا تھا۔

''میں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔'' نظام الملک نے ایک خاص اندازِ بے نیازی کے ساتھ جواب دیا۔

''مگر آپ کی رائے کس کے حق میں ہے؟'' علاء الدین شیر خانی کچھ اور بے چین نظر آنے لگا تھا۔

''شیر خانی! تُو نے وہ سوال ہی کیوں کیا جس کا جواب تجھے پہلے سے معلوم ہے؟'' نظام الملک کے ہونٹوں پر ایک فریب کار مسکراہٹ اُبھر آئی۔ ''التونیہ سے میرا کیا رشتہ ہے؟ میں اپنے شریک کار کو چھوڑ کر حاکم بٹھنڈہ کی وکالت کروں گا؟ تُو نے ایسا سوچا ہی کیوں؟'' وزیر اعظم ہند نے محبت آمیز غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ یہ بھی نظام الملک کی ایک گہری چال تھی ورنہ وہ اپنی ذات کے سوا کسی سے محبت نہیں کرتا تھا۔

علاء الدین شیر خانی نے سکون کا ایک لمبا سانس لیا جیسے اس کے سر سے پہاڑ جیسا بوجھ اُتر گیا ہو۔

''تو پھر آپ شہزادی رضیہ کے لئے سلطان رکن الدین کو میرا پیغام پہنچا دیجئے۔'' علاء الدین شیر خانی نے نظام الملک سے درخواست کی۔

''تُو خود اس موضوع پر سلطان سے بات کیوں نہیں کرتا؟'' نظام الملک نے اپنے ساتھی امیر کو سمجھایا۔ ''ایسے معاملات میں براہِ راست گفتگو بہتر ہوتی ہے۔''

''عزت مآب!'' علاء الدین شیر خانی مسکرایا۔ ''شرفاء کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔''

نظام الملک نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی۔ علاء الدین شیر خانی سے بات کرتے وقت بار بار اس کے ذہن میں شہزادی کی کنیزِ خاص فردوس کا چہرہ اُبھر رہا تھا۔

❁==❁==❁

پھر ایک رات محفل ناؤ نوش برپا تھی اور ایک خوبصورت ایرانی رقاصہ اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ نظام الملک، سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے بائیں ہاتھ پر مسند نشین تھا اور بار بار والیٔ ہندوستان سے سرگوشیوں میں کہہ رہا تھا۔

''یہ ہے وقارِ شہنشاہی کہ سارا عالم میرے آقا کے سامنے رقص کر رہا ہے۔''

نوعمر سلطان نے مسکراتے ہوئے اپنے وزیر اعظم کی طرف دیکھا۔

''یہ غلام اسی دن کے لئے زندہ تھا کہ سلطان کی آراستہ کی ہوئی جنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔'' نظام الملک کی خوشامد کا انداز بڑا عجیب تھا۔ ''کیا شداد اور کیا قارون، آج تو سب ہیچ نظر آنے لگے۔ خدا اس جنتِ ارضی کو ہمیشہ آباد رکھے۔''

احمق سلطان، نظام الملک کی تعریف کے خوفناک زاویے کو سمجھ ہی نہیں سکا۔ اس نے نوخیز و حسین مطربہ کو اشارہ کیا جو ساقی گری کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ مطربہ آگے بڑھی اور سلطان کے روبرو پہنچ کر خم ہو گئی۔ پھر اس نے

ساغرِ بلوریں، شرابِ سرخ سے لبریز کر کے بصد ناز و ادا رکن الدین فیروز شاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے مطربہ کے دستِ حنائی سے جام لے کر نظام الملک کی طرف بڑھا دیا۔

''وزیر اعظم کی وفاداری کے نام۔''

نظام الملک نے بھری محفل میں سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور جام لے کر گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔ عیار وزیر اعظم بڑی ہوشیاری سے نادان فرمانروا کو شیشے میں اُتار رہا تھا۔

''کاش! ایسی کسی ہوشربا کنیز پر اس غلام کا بھی کچھ اختیار ہوتا۔'' نظام الملک نے حسرت زدہ لہجے میں کہا۔

''تجھے کس ماہ وش کی تلاش ہے نظام الملک؟'' سلطان نے وزیر اعظم کی آہِ سرد کا جواب دیا۔ ''پسند کر لے کسی کو۔ جب ہم جیسا دینے والا موجود ہے تو پھر دامنِ سوال کو پھیلاتے ہوئے کیوں ڈرتا ہے؟''

رکن الدین فیروز شاہ کے اس آمرانہ طرزِ تخاطب پر نظام الملک کے دل و دماغ سلگ اُٹھے تھے مگر وہ بے ضمیروں اور بے حیاؤں کے انداز میں مسکرا دیا۔ ''میری منظورِ نظر پری زادوں کے اس جھرمٹ میں نہیں، وہ تو شہزادی عالیہ کی کنیزِ خاص فردوس ہے۔''

''فردوس تجھے بخشی گئی۔'' رکن الدین فیروز شاہ، نظام الملک سے مخاطب تھا مگر اس کی نظریں ایرانی رقاصہ پر مرکوز تھیں۔

نظام الملک اپنی اس کامیابی پر جھوم اٹھا۔ ایک طرف فردوس جیسی خوبصورت کنیز پر تصرف حاصل کرنا اس کا مقصد تھا اور دوسری طرف وہ شہزادی رضیہ سلطانہ کو اذیت دینا چاہتا تھا تاکہ اپنی شکست کا انتقام لے سکے۔

پھر جب مجلسِ کیف و نشاط تمام ہوئی تو رکن الدین فیروز شاہ، نظام الملک سے مخاطب ہوا۔ ''فردوس کے بعد اب اور کیا چاہتا ہے؟''

''اگر شہزادی عالیہ نے حضور کے فیصلے کی مخالفت کی؟'' نظام الملک بیک وقت کئی بازیاں کھیل رہا تھا۔

''ہم نے یہ فیصلہ اسی لئے کیا ہے کہ رضیہ سلطانہ کو ہماری طاقت کا اندازہ ہو جائے۔'' کم ظرف بھائی اپنے ایک خدمت گار کے سامنے حقیقی بہن کو ذلیل کر رہا تھا۔

جب نظام الملک نے رکن الدین فیروز شاہ کو مشتعل دیکھا تو علاء الدین شیر خانی کا پیغام بھی پیش کر دیا۔ ''اس طرح آپ کو ایک بااثر ترک سردار کی حمایت بھی حاصل ہو جائے گی اور شہزادی عالیہ کا خطرہ بھی ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے گا۔''

رکن الدین فیروز شاہ کچھ دیر تک نظام الملک کی اس تجویز پر غور کرتا رہا۔ پھر وزیر اعظم کو لے کر اپنی ماں ترکان شاہ کے پاس پہنچا۔

''میرا خیال ہے کہ رضیہ اس رشتے پر آمادہ نہیں ہو گی۔'' ملکۂ ہند نے نظام الملک کی تجویز سننے کے بعد کہا۔ ''پھر بھی میں کوشش کروں گی کہ اسی بہانے ہمارے راستے کا یہ کانٹا نکل جائے۔''

❁==❁==❁

دوسرے دن ترکان شاہ ایک ہمدرد ماں کا لبادہ پہن کر رضیہ سلطانہ کے کمرے میں پہنچی۔ بڑے ریاکارانہ لہجے

میں بیٹی کی مزاج پرسی کی اور پھر اپنی ذمے داریوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

''لوگوں کی زبانیں بند کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ تُو کسی ترک سردار سے شادی کر لے۔ تیرے بھائی کا بھی یہی خیال ہے۔''

رضیہ سلطانہ حیرت سے ترکان شاہ کا منہ دیکھنے لگی۔

پھر جب ملکۂ ہند نے علاء الدین شیر خانی کا نام لیا تو رضیہ سلطانہ غضب ناک ہوگئی۔

''مادرِ گرامی! میں نے بابا محترم کے حوالے سے آپ کی بہت عزت کی۔ مگر آج میں ہر رشتے کو منقطع کرتی ہوں۔ لوگوں کی زبانیں خراب نہیں، آپ کا دل سیاہ ہے۔ اپنا یہ منافق چہرہ میری نظروں کے سامنے سے گم کر دیجئے۔''

ترکان شاہ پر کچھ دیر تک سکتے کی سی کیفیت طاری رہی۔ رضیہ سلطانہ کے آتشیں لہجے نے اس کی انا کے کاغذی پیرہن کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ پھر جب اسے اپنی ناکامی اور ذلت کا احساس ہوا تو پاگلوں کی طرح چیخنے لگی۔

''میں ملکۂ عالیہ ترکان شاہ ہوں۔ بے شمار انسانی تقدیروں کی مالک۔ جب میں تیرے سر سے عافیت کا یہ سائبان کھینچ لوں گی تو پھر تجھے اندازہ ہوگا کہ تُو کہاں کھڑی ہے؟''

''آپ میرا رزق اور پانی بھی بند کر دیجئے مگر مجھے میرے فیصلے کے خلاف مجبور نہیں کیا جا سکتا۔'' شہزادی کے لہجے سے جلالِ سلطانی نمایاں تھا۔

ترکان شاہ، رضیہ سلطانہ کو بدترین انجام کی دھمکیاں دے کر چلی گئی۔

التمش کی جانباز بیٹی نے نظام الملک اور علاء الدین شیر خانی کا منصوبہ خاک میں ملا دیا تھا۔

پھر جب سلطان رکن الدین فیروز شاہ کا یہ حکم پہنچا کہ فردوس کو وزیر اعظم کی خدمت پر مامور کر دیا گیا ہے تو شہزادی اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔ پہرے پر متعین سپاہی سر جھکائے کھڑے رہے اور وہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی اپنے بھائی کی خلوت میں داخل ہوگئی۔ اس وقت رکن الدین تنہا بیٹھا شراب پی رہا تھا۔

''سلطان التمش کے گمراہ بیٹے! غور سے سن لے کہ فردوس ایک کنیز نہیں، میری ذات کا حصہ ہے۔ وہ اس بوالہوس بوڑھے کے عشرت کدے میں نہیں ناچے گی۔'' رضیہ سلطانہ کا اشارہ نظام الملک کی طرف تھا۔ ''مجھے سزا دے کہ میں تیرا حکم ماننے سے انکار کرتی ہوں۔''

سلطان رکن الدین دم بخود بیٹھا رہا اور شہزادی رضیہ سلطانہ آندھی کے جھونکے کی طرح واپس چلی گئی۔

❄==❄==❄

سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی حُسن پرستی اور فنکار نوازی کے چرچے عام ہوئے تو ہندوستان کے بڑے بڑے صاحبانِ کمال دہلی کی طرف رخ کرنے لگے۔ ان میں علماء بھی تھے اور ادیب و شاعر بھی۔ رقاص بھی تھے اور موسیقار بھی۔ ہر شخص سلطان کی طرف سے پذیرائی کا منتظر تھا مگر رکن الدین فیروز شاہ کے دربار میں صرف گانے اور ناچنے والوں کو رسائی حاصل ہوئی۔ خوبصورت رقاصائیں اور مطربائیں ہی سلطان کی مرکزِ نظر تھیں۔ وہ عیش و عشرت میں اس قدر ڈوبا کہ اسے کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔ نظام الملک، علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی جیسے خود غرض امراء تو اسی دن کے انتظار میں تھے کہ سلطان رکن الدین کسی رقاصہ کی زلف کا اسیر ہو کر شراب کے پیالے میں غرق

ہو جائے اور پھر وہ پورے ملک میں بغاوت و انتشار پیدا کر کے تختِ سلطانی پر قابض ہو جائیں۔ دوسری طرف ان امیروں کا گروہ تھا جو حقیقتاً سلطان التمش کے وفادار تھے۔ تاج الدین، ملک محمد، بہاء الدین حسن، کریم الدین، ضیاء الملک، خواجہ رشید اور امیر فخر الدین بار بار ترکان شاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ملکۂ ہند کو بگڑتی ہوئی صورتحال سے آگاہ کرتے۔

''سلطان ابھی بچہ ہے۔ آپ حضرات مطمئن رہیں۔ وہ بہت جلد مجلسِ کیف و نشاط کو خیر باد کہہ کر امورِ سلطنت کی نگرانی کرے گا۔''

ترکان شاہ کی پُر امید باتیں سن کر امراء واپس چلے جاتے اور ملکہ ہند، بیٹے کو سمجھانے کے بجائے عیش و عشرت کی ترغیب دیتی۔

''رعایا پر رعب و جلال قائم رکھنے کے لئے ایسی مجلسوں کا انعقاد بہت ضروری ہے۔''

ترکان شاہ دنیا کی بدترین ماں تھی جو نفس کی قربان گاہ پر اپنے بیٹے کو بھینٹ چڑھا رہی تھی۔ ماں کی شہ پا کر رکن الدین بہکتا ہی چلا گیا۔ وہ قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے جمع کئے ہوئے خزانوں کو بڑی بے دردی سے میراثیوں اور بھانڈوں پر لٹا رہا تھا۔ ترکان شاہ اسی دن کے انتظار میں تھی۔ اس نے سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور بیٹے کو ایک کٹھ پتلی بادشاہ بنا کر رکھ دیا۔

پھر وہ کینہ پرور اور جفا کار عورت اپنے اصلی روپ میں نمودار ہوئی۔ ترکان شاہ نے التمش کی کئی بیویوں کو بڑے سفاکانہ انداز میں قتل کرا دیا۔ ترکی کی معزز خواتین جو سلطان کے حرم میں شامل تھیں، انہیں اس قدر ستایا کہ وہ محنت مزدوری کر کے اپنی زندگی کے بقیہ دن گزارنے لگیں۔

نظام الملک اور اس کے ساتھی امراء خوش تھے کہ سب کچھ ان کی مرضی کے مطابق ہو رہا تھا۔

مگر وفادار امرائے سلطنت کے سینوں میں ترکان شاہ کے لئے نفرت کے جذبات پیدا ہوتے جا رہے تھے۔

آخر ایک دن قصرِ سلطانی میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ ترکان شاہ کے حکم پر التمش کے سب سے چھوٹے لڑکے، شہزادہ قطب الدین کی آنکھوں میں جلتی ہوئی سلائیاں پھیر دی گئیں۔ قطب الدین کی چیخوں سے محل کے بام و در گونج اُٹھے۔ پھر اسے زندان میں ڈال دیا گیا۔ شہزادی رضیہ سلطانہ اپنے بھائی کا یہ حال دیکھ کر صدمے سے پاگل ہوگئی۔

بینائی سے محروم ہونے کے بعد قطب الدین کچھ دن تک زنداں کے اندھیروں میں بھٹکتا رہا۔ آخر ایک دن اس معصوم بچے کو اس لئے قتل کر دیا گیا کہ کہیں وہ جوان ہو کر اپنے حق کا دعویٰ نہ کر بیٹھے۔ ترکان شاہ، التمش کے ایک وارث کو مٹا دینا چاہتی تھی اور اس نے قطب الدین کے قتل سے اپنے منصوبے کا آغاز کر دیا تھا۔

قطب الدین کی لاش زنداں سے باہر آئی تو قصرِ سلطانی کے بام و در پر خوف و ہراس چھایا ہوا تھا۔ قلعے کے مکین اپنے شہزادے کے قتل پر آہ و زاری کرنا چاہتے تھے مگر لہراتی ہوئی شمشیروں نے ان کے آنسو خشک کر دیئے تھے اور زبانوں کو پتھر کا بنا دیا تھا۔

پھر جب رضیہ سلطانہ کو اس الم ناک واقعے کی خبر ملی تو وہ سپاہیوں کا پہرہ توڑ کر باہر نکل آئی اور اپنے چھوٹے بھائی قطب الدین کی لاش اٹھا کر ترکان شاہ کے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔

سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے سپاہی چیختے ہی رہے کہ ''شہزادی عالیہ! رک جائیے۔'' مگر رضیہ سلطانہ بادِ تند و

تیز کی طرح بڑھتی چلی گئی۔ اگر شہزادی کی جگہ کوئی شہزادہ ہوتا تو اب تک ترکان شاہ کے مسلح خدمت گار اسے زنجیریں پہنا کر حوالۂ زنداں کر چکے ہوتے۔ مرد سپاہی مجبور تھے کہ وہ محترم خاتون کے جسم کو نہیں چھو سکتے تھے۔ ترکان شاہ کی کنیزوں نے بھی زبانی طور پر رضیہ سلطانہ کو آگے جانے سے روکا مگر جب شہزادی نے ایک نگاہِ جلال سے کنیزوں کی طرف دیکھا تو وہ خوف سے کانپنے لگیں۔

آخر رضیہ سلطانہ اپنے چھوٹے بھائی قطب الدین کی لاش اٹھائے ہوئے ترکان شاہ کی خلوت میں داخل ہوگئی۔ کنیزوں نے اسے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ شہزادی معظمہ قطب الدین کی لاش کے ساتھ ملکۂ ہند کی خدمت میں حاضر ہو رہی ہیں۔

ترکان شاہ نے یہ خبر اس طرح سنی کہ جیسے کوئی چیونٹی کسی کے پیروں کے نیچے آ کر مر گئی ہو اور پھر اس چیونٹی کا وارث، ملکۂ ہند سے انصاف مانگنے یا احتجاج کرنے آ رہا ہو۔

''تم نے اسے روکا کیوں؟.....آنے دیا ہوتا۔ ہم یہی تو چاہتے تھے۔'' ترکان شاہ مسکرانے لگی۔ اس کی مسکراہٹ سے درندگی جھلک رہی تھی۔

اتنے میں رضیہ سلطانہ اندر داخل ہوگئی۔ اس کے چہرے سے نفرت و غضب کی آگ برس رہی تھی۔ شہزادی چند قدم آگے بڑھی اور اس نے سات سالہ قطب الدین کی لاش ملکہ ترکان شاہ کے سامنے فرش پر رکھ دی۔

''مادرِ گرامی! اس معصوم کو کس جرم میں قتل کیا گیا ہے؟'' اگرچہ رضیہ سلطانہ غصے سے بے قابو تھی لیکن شدید حالتِ غضب میں بھی اس نے تہذیب و شائستگی کے آداب کو فراموش نہیں کیا تھا۔ ''یہ بے زبان تو اپنے حق وراثت کا دعویٰ کرنے کے بھی قابل نہیں تھا۔ ابھی تو اس کی عمر ماں کی آغوش میں سونے کی تھی۔ پھر یہ قبر میں کیوں سو گیا؟'' یکایک رضیہ سلطانہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا آبشار اُبل پڑا تھا۔

''شدتِ غم سے تُو اپنے حواس کھو بیٹھی ہے۔'' ترکان شاہ نے انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں رضیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تیری ماں نہیں، ملکۂ عالیہ ترکان شاہ ہوں۔''

''آپ ملکۂ عالیہ ہی سہی، مگر مجھے اس بے گناہ کے خون کا حساب دیجئے۔'' شہزادی نے اپنے لہجے کی رقت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''قتل کس نے کیا اور کیوں کیا؟ یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ پہلے میری درد بھری کہانی سن!'' ملکہ ترکان شاہ کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ ''میں تیرے باپ کے حرم میں داخل ہونا نہیں چاہتی تھی۔ وہ خود میری ایک نگاہِ التفات کے لئے ترستا رہتا تھا۔ میرے حُسن و جمال کے آگے اس کے تاج و تخت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ برسوں میری بارگاہ میں خم رہا اور شادی کے لئے درخواست کرتا رہا۔ میں شہنشاہوں کے مزاج سے آشنا نہیں تھی، اس لئے فریب کھا گئی۔ پھر میں نے اس سے شادی کر لی۔'' ترکان شاہ انتہائی ناشائستہ لہجے میں اپنے مرحوم شوہر کا ذکر کر رہی تھی۔ ''اس نے شادی سے پہلے عہد و پیماں کئے تھے مگر شادی کے بعد سب کچھ فراموش کر دیا۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ ملکۂ عالیہ کا تاج صرف میرے لئے ہے مگر قصرِ سلطان کا ایک ایک مکین جانتا ہے کہ حرم شاہی میں میری کیا حیثیت تھی؟'' ترکان شاہ کھلا جھوٹ بول رہی تھی اور نہایت بے شرمی کے ساتھ سلطان التمش پر تہمتیں تراش رہی تھی۔

ترکان شاہ ایک حسین و جمیل ترک لونڈی تھی۔ وہ ہمہ وقت سلطان التمش کے تعاقب میں رہتی تھی۔ اسے اپنے

حُسن پر بہت ناز تھا اور اسی ہتھیار کے ذریعے والیٔ ہندوستان کو زیر کرنا چاہتی تھی۔ مگر التمش جیسا پارسا حکمراں، ترکان شاہ کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ آخر کار فریب کار عورت نے اپنی جھوٹی محبت کا ناٹک رچایا اور التمش سے صاف صاف کہہ دیا۔

''اگر سلطانِ معظم نے مجھے اپنے قدموں میں جگہ نہیں دی تو میں ابھی ناکام و نامراد زندگی کا خاتمہ کر لوں گی۔''

التمش جیسے رحم دل انسان پر یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی اور اس نے ترکان شاہ سے نہ صرف شادی کر لی بلکہ اسے ملکۂ ہند کا خطاب بخش دیا۔ ترکان شاہ، ملکۂ عالیہ بننے کے خواب دیکھ رہی تھی مگر یہ اعلیٰ ترین منصب صرف رضیہ سلطانہ کی ماں کے لئے تھا جو ترکوں کے ایک معزز قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔ ترکان شاہ اسی روز سے التمش کی دوسری بیگمات کے خلاف سازشیں کرتی رہتی تھی۔ مگر سلطان اسے ایک احمق عورت سمجھ کر نظرانداز کرتا رہتا تھا۔ پھر جیسے ہی التمش کی آنکھیں بند ہوئیں اور رکن الدین فیروز شاہ تخت نشین ہوا، ترکان شاہ نے اپنی ذات پر پڑے ہوئے تمام پردے اُتار پھینکے اور التمش کے پورے خاندان کو نیست و نابود کرنے کے منصوبے بنانے لگی۔

رضیہ سلطانہ کا بے قرار ذہن ماضی کی شاہراہوں پر بھٹک رہا تھا کہ اسے ترکان شاہ کی غضب ناک آواز سنائی دی۔

''رضیہ! میں تیرے باپ کے سلوک کو بھولی نہیں ہوں۔ تیری ماں وقت سے پہلے مر گئی ورنہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی کہ ملکۂ عالیہ کا جاہ و جلال کیا ہوتا ہے؟'' ترکان شاہ شدتِ جذبات میں وہ باتیں کہہ گئی جنہیں اہلِ دانش ہمیشہ اپنے سینے کی گہرائیوں میں دفن رکھتے ہیں۔

''اگر میری ماں سے کوئی شکایت تھی تو مجھ سے انتقام لیا ہوتا۔'' رضیہ سلطانہ کے لہجے سے آگ برس رہی تھی۔

''قطب الدین کا کیا قصور تھا کہ اسے موت کی نیند سلا دیا گیا؟''

''یہ اس ماں کا بیٹا ہے جو ہمیشہ میرے خاندان پر طعنہ زن رہتی تھی۔'' ترکان شاہ جوشِ غضب میں کرسیٔ زرنگار سے اُٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ ''دیکھا اس نے اپنی گستاخیوں کا انجام؟''

''وہ تو پاگل ہو کر دنیا کے تمام غموں سے بے نیاز ہو چکیں۔ اب آپ اپنی فکر کیجئے ملکۂ عالیہ!'' رضیہ سلطانہ کے لہجے میں شائستگی تھی مگر ہر نقطہ شدید نفرت اور طنز کا آئینہ دار تھا۔ ''آپ نے سلطانِ مرحوم کی دوسری بیگمات کی طرح قطب الدین کی ماں کو بھی غربت و افلاس کے جہنم میں ڈال دیا ہوتا۔ مگر اس کی آغوش تو نہ اُجاڑی ہوتی۔ کیا اہلِ اقتدار یہ سمجھتے ہیں کہ گردشِ ماہ و سال کا ایک ہی انداز برقرار رہے گا؟ ہرگز نہیں۔ دکھوں اور محرومیوں کی سیاہ رات آپ کا بھی انتظار کر رہی ہے۔ ظلم نے اپنی آخری حدوں کو چھو لیا۔ بس طاقت کے سورج کو گہن لگنے ہی والا ہے۔ وہ دیکھئے! ظلمت کا عفریت اپنے خونی دہن کھولے آپ کے عقب میں کھڑا ہے۔''

رضیہ سلطانہ کے طرزِ تخاطب میں اس قدر شدت اور بے ساختگی تھی کہ ترکان شاہ نے گھبرا کر اپنے پیچھے کی طرف دیکھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

''میرے زوال کی تمنائی ہے اور موت کی دعائیں کرتی ہے؟'' ملکۂ ہند پاگلوں کی طرح چیخنے لگی۔ ''کیا تُو بھی اسی کے ساتھ سونا چاہتی ہے؟''

''ہاں! اس لعنت زدہ ماحول میں زندہ رہنے سے تو بہتر ہے کہ انسان خود ہی موت کو گلے لگا لے۔'' ترکان شاہ کی دھمکیوں کے باوجود شہزادی کی برہمی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ وہ موت کے خوف سے بے نیاز تھی۔ اسی لئے

آمرانِ وقت کے سامنے اپنے چھوٹے بھائی قطب الدین کی موت پر احتجاج کر رہی تھی۔

ملکہ ہند نے غضب ناک لہجے میں اپنی خدمت گار کنیزوں کو پکارا۔

بیک وقت کئی کنیزیں ترکان شاہ کی خلوت گاہ میں داخل ہوئیں اور سر جھکا کر کھڑی ہو گئیں۔

''لے جاؤ اس گستاخ کو۔'' ملکہ ہند نے اپنی کنیزوں کو حکم دیا۔ ''اسے اس کے کمرے تک محدود کر دو۔ اگر آئندہ یہ باہر آئی تو تم سب کی سب زنداں کے اندھیرے میں ڈال دی جاؤ گی۔''

کنیزیں خوف و دہشت سے کانپنے لگیں۔ ان کے سامنے شہزادہ قطب الدین کی لاش فرش پر رکھی ہوئی تھی اور انہیں حکم دیا جا رہا تھا کہ وہ شہزادی رضیہ سلطانہ کو کسی مجرم کی طرح کھینچتی ہوئی ملکہ ہند کے کمرے سے باہر لے جائیں۔ ایک طرف ترکان شاہ جیسی ظالم اور با اختیار عورت تھی اور دوسری طرف ان کی آقا زادی تھی۔ کنیزوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں؟ آخر ایک کنیز آگے بڑھی اور رضیہ سلطانہ کے سامنے دست بستہ کھڑی ہو گئی۔

''شہزادی عالیہ! ہم غریبوں کو کسی آزمائش میں نہ ڈالیے۔'' کنیز کی آواز لرز رہی تھی۔

شہزادی رضیہ سلطانہ نے اس صورتِ حال کو سمجھ لیا تھا کہ اب ترکان شاہ اپنی پست فطرت کا مظاہرہ کئے بغیر نہیں مانے گی، اس لئے وہ ملکہ ہند کی کنیزوں کو مخاطب کر کے بولی۔

''میرے قریب مت آنا۔ میں خود اس لعنت کدے سے نکل کر چلی جاؤں گی۔'' یہ کہتے ہوئے رضیہ سلطانہ فرش کی طرف جھکی اور نم ناک آنکھوں کے ساتھ قطب الدین کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے بولی۔ ''الفراق میرے بھائی! ہم اتنے مجبور ہیں کہ تیری لاش پر نوحہ خوانی بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے جسم بھی ستم گروں کی قید میں ہیں اور ہمارے جذبات پر بھی پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں۔ داورِ حشر کی عدالت میں حاضر ہو کر اپنے لئے انصاف طلب کر کہ دنیا کی عدالت ایک مقتل کے سوا کچھ نہیں جہاں مسندِ انصاف پر قاتل جلوہ گر ہیں۔'' یہ کہہ کر رضیہ سلطانہ کھڑی ہوئی۔ ''ملکہ عالیہ! آپ کی بے پناہ طاقت نے اس معصوم کو خاک میں تو ملا دیا مگر اس کے خون کا حساب باقی ہے۔''

شدتِ غضب سے ترکان شاہ کا چہرہ مسخ ہو گیا۔ اس نے چاہا کہ رضیہ سلطانہ کے جسم پر تازیانوں کی بارش کر دے مگر ملکہ ہند جانتی تھی کہ شہزادی خود بھی ایک بہترین شمشیر زن ہے۔ اگر جواباً اس کا ہاتھ اٹھ گیا تو ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔ مجبوراً خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ رضیہ سلطانہ تیز قدموں سے آگے بڑھی اور ترکان شاہ کی خلوت گاہ سے نکل گئی۔

❁==❁==❁

کچھ دیر بعد شہزادی نے جمال الدین یاقوت کے ذریعے سالار سیف الدین ایبک کو طلب کیا۔

''آپ نے وہ خوں رنگ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بابا محترم کی خوبصورت نشانی کس بے دردی کے ساتھ خاک میں ملا دی گئی؟'' رقت کی زیادتی سے رضیہ سلطانہ کی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔

''میں تو فوجی چھاؤنی میں تھا، شہزادی عالیہ!'' سیف الدین ایبک کے لہجے سے شدید ندامت کا اظہار ہو رہا تھا۔

''جمال الدین یاقوت نے بتایا کہ شہزادۂ معظم اس دنیا میں نہیں رہے۔''

''پہلے قطب الدین کی آنکھوں میں جلتی ہوئی سلائیاں پھیر کر اسے بینائی سے محروم کیا گیا۔'' رضیہ سلطانہ اپنے

چھوٹے بھائی پر کئے جانے والے مظالم کی تفصیلات بتا رہی تھی۔ ''پھر ستم گروں نے اسے قتل کر دیا۔'' یہ کہتے کہتے شہزادی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

سالار سیف الدین ایبک بھی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''میں مجبور ہوں شہزادی عالیہ! تمام امراء خاموش تماشائی ہیں اور ان سب نے ظلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ میں تو صرف ملک کی سرحدوں کا نگراں ہوں۔ امورِ سیاست سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں مجلسِ مشاورت کا نمائندہ بھی نہیں اور مجھے کسی اجلاس میں شریک بھی نہیں کیا جاتا۔ کبھی کبھی ملکہ عالیہ تنبیہہ کی غرض سے طلب کرتی ہیں کہ اگر میں نے سلطان رکن الدین کی اطاعت سے منہ موڑا تو مجھ پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جائے گا۔ میں اپنے آقا کے وقار پر سو بار قربان ہونے کے لئے تیار ہوں مگر میری قربانی سے بھی کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ بس زیادہ سے زیادہ آپ کا ایک اور ہمدرد بساطِ ہستی سے اُٹھ کر چلا جائے گا۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں اب تک مخالفین کی صفوں کو درہم برہم کر چکا ہوتا۔''

''میں آپ کی مجبوریاں جانتی ہوں۔'' رضیہ سلطانہ نے انتہائی جذباتی فضا میں بھی سیاسی صورتِ حال کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ ''اب تو بس آپ سے اتنی درخواست ہے کہ شہزادہ قطب الدین کو دفن ہونے کے لئے اس کے باپ کے برابر قبر کی جگہ دلا دیجئے۔''

رضیہ سلطانہ کی بے بسی دیکھ کر سالار سیف الدین ایبک رونے لگا۔ ''شہزادی عالیہ! آپ مجھ سے تو اس لہجے میں بات نہ کیجئے۔''

''میں سالارِ افواج پر طنز نہیں کر رہی ہوں۔'' شہزادی سنبھل گئی۔ اس کے الفاظ کی ظاہری ساخت ہی ایسی تھی کہ سیف الدین ایبک جیسے غیرت مند فوجی کے دل پر براہِ راست چوٹ پڑی اور وہ بے حال نظر آنے لگا۔ ''ملکہ عالیہ نے بے گناہ شہزادے کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، اس کے پیشِ نظر خدشہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی قطب الدین کو معاف نہیں کیا جائے گا۔''

''آپ مطمئن رہیں شہزادی عالیہ!'' سیف الدین ایبک نے سوگوار لہجے میں کہا۔ ''میری بے خبری کے دور کی ساری کوتاہیاں معاف فرمائیے۔ مگر اب ایسا نہیں ہو گا۔'' یہ کہہ کر سیف الدین ایبک چلا گیا۔

❁==❁==❁

ترکان شاہ، شہزادہ قطب الدین کو عام قبرستان میں دفن کرانا چاہتی تھی تاکہ امرائے سلطنت پر اس کا رعب و جلال قائم ہو جائے اور اراکین حکومت ہر وقت اس کے تصور سے لرزتے رہیں۔ ملکہ ہند اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جاتی مگر سیف الدین ایبک کی بروقت مداخلت نے اس سفاک عورت کے منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ شہزادہ قطب الدین کو پورے فوجی اعزاز کے ساتھ سلطان شمس الدین التمش کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

شہزادے کی تدفین کے بعد سالار سیف الدین ایبک، سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

''سلطانِ عالی مقام!'' سیف الدین ایبک ایک فوجی کے انداز میں والیٔ ہندوستان سے مخاطب تھا۔ ''کیا آپ کو خبر ہے کہ قلعہ رنتھنبور پر دوبارہ ہندوؤں کا قبضہ ہو چکا ہے اور وہاں کے مقامی مسلمان غربت و ذلت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔''

''ہاں۔ نظام الملک نے مجھے اطلاع دی تھی۔'' سلطان رکن الدین نے شراب کا پیالہ لبریز کیا اور اپنے ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

سلطان کی بے حسی پر سیف الدین ایبک کے دل و دماغ سلگ اُٹھے۔ ناکارہ وارث مسلمانوں کی جاگیر کو کس بے دردی کے ساتھ برباد کر رہا تھا۔ ''اس وقت آپ بچے تھے، اس لئے شاید ماضی کے واقعات ذہن میں محفوظ نہ ہوں۔'' سیف الدین ایبک کے لہجے سے تلخی جھلک رہی تھی۔

''آخر تُو کیا کہنا چاہتا ہے سیف الدین؟'' سلطان بھڑک اٹھا۔ ''شہنشاہ کے بچے بھی تجھ جیسے بوڑھوں سے زیادہ عقل رکھتے ہیں۔'' رکن الدین لاف زنی پر اُتر آیا۔

''بے شک! میری حقیر عقل کو آپ کے فہم و ادراک سے کوئی نسبت ہی نہیں، مگر حالات نے مجھے ایسے موڑ پر لا کھڑا کر دیا ہے کہ میں خاموش نہیں رہ سکتا۔'' سیف الدین ایبک احمق و نادان حکمران کو بڑی ذہانت سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''آپ نے اس حقیقت پر غور نہیں فرمایا کہ قلعہ رنتھنبور کی تسخیر آپ کے والد محترم کا ایک ایسا جنگی کارنامہ ہے جسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ شاید کسی مشیر یا وزیر اعظم نے آپ کو یہ بھی نہیں بتایا کہ اس مہم میں کتنے مسلمان سپاہی شہید ہوئے تھے۔ سلطانِ ذی قدر! اس معرکے میں اتنا خون بہا تھا کہ زمین سرخ ہو گئی تھی۔ پھر آپ کی اس جاگیر پر دشمن کیسے قابض ہو گئے؟''

''مجھے کچھ خبر نہیں۔'' سلطان رکن الدین فیروز شاہ کو صرف ساغر و صراحی یاد تھے۔ ''یہ امرائے سلطنت کی ذمے داری تھی کہ وہ بابا محترم کی جاگیر کی حفاظت کرتے۔ میں امورِ سلطنت پر نظر رکھوں یا تلوار لے کر دشمنوں سے جنگ کروں؟'' سلطان رکن الدین اپنی ذات کو شراب کے پیالے میں اس حد تک ڈبو چکا تھا کہ اسے حکومت کی ذمے داریاں بھی ایک بارِ گراں محسوس ہوتی تھیں۔

''امرائے سلطنت آپ کے ماتحت و خدمت گزار ہیں۔'' سیف الدین ایبک گفتگو کو اس کے منطقی انجام تک پہنچا دینا چاہتا تھا۔ ''جاگیر آپ کی ہے۔ پھر دوسرے اس کی حفاظت کیوں کریں گے؟ آج رنتھنبور گیا ہے، کل مالوہ، لکھنوتی اور اجین بھی جا سکتے ہیں۔ اور پھر ایک دن دارالحکومت بھی.....''

''بس، بس.....!'' سلطان رکن الدین نے سیف الدین ایبک کو جھڑک دیا۔ ''میں نے انتظامی امور کی ساری ذمے داریاں ملکۂ عالیہ کے سپرد کر دی ہیں۔ انہیں بتاؤ کہ قلعۂ رنتھنبور ہماری عمل داری کی حدود سے نکل چکا ہے۔''

اپنے فرمانروا کی حالتِ مستی پر سیف الدین ایبک کا دل خون ہو گیا تھا۔ اس نے ایک نظر ساغر بدست سلطان پر ڈالی اور پھر رکن الدین کی خلوت گاہ سے نکل کر ملکہ ترکان شاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

''رنتھنبور کا نکل جانا ہی ہمارے حق میں بہتر تھا۔'' جاہل ترکان شاہ بڑے عجیب انداز سے اپنے سیاسی گناہ پر پردہ ڈال رہی تھی۔ ''ہم اپنے وسائل ان علاقوں کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں جو مکمل طور پر ہماری دسترس میں ہوں۔ رنتھنبور کا خطہ سرکاری خزانے پر ایک بوجھ تھا۔ میں نہیں جانتی کہ سلطانِ محترم نے ایک بے کار علاقے کو فتح کرنے کے لئے اتنا خون کیوں بہایا؟''

سالار سیف الدین ایبک کی حالت غیر ہو گئی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اپنی تلوار کسی پتھر پر مار کر توڑ دے۔ اپنے سینے پر آویزاں سالاری کا تمغہ نوچ کر پھینک دے اور قصرِ سلطانی سے ماتم کرتا ہوا دہلی کی شاہراہوں پر نکل جائے۔

بیٹا سرکاری خزانے کو رقاصوں اور موسیقاروں پر لُٹا رہا تھا۔ اور ماں سرکاری خزانے کا بوجھ کم کرنے کے لئے ان علاقوں سے دست بردار ہوتی جا رہی تھی جو اسلامی سلطنت کے استحکام کے لئے بے حد ضروری تھے۔

''ملکۂ عالیہ کو یقیناً خبر ہو گی کہ شہزادہ قطب الدین کی موت سے قصرِ سلطانی کے مکینوں میں شدید اضطراب پایا جاتا ہے۔'' ترکان شاہ سے ملکی سالمیت کے موضوع پر بات کرنا بے کار تھا۔ نتیجتاً اس نے گفتگو کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔

''پھر میں کیا کروں؟'' ترکان شاہ کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے شہزادہ قطب الدین کی موت کسی راستہ چلتے جانور کی موت ہو۔ حالانکہ حساس دل اپنے پالتو جانور کی موت پر بھی اُداس ہو جاتے ہیں۔

سالار سیف الدین ایبک، ترکان شاہ کے جواب پر حیران رہ گیا مگر اس نے فوراً ہی اپنے استعجاب پر قابو پا لیا اور نہایت محتاط لہجے میں ملکۂ ہند سے مخاطب ہوا۔ ''سلطانِ مرحوم سے تعلق رکھنے والے کسی فرد کو بھی اس طرح کھلے میدان میں نہیں چھوڑا جا سکتا کہ وہ بے جا تشدد کا نشانہ بن جائے۔''

''کیا تُو ان کا محافظ و نگراں ہے؟'' ترکان شاہ کا چہرہ اور لہجہ دونوں بگڑ گئے۔

''یقیناً۔'' سیف الدین ایبک کے لہجے میں سپاہیانہ اعتماد تھا۔

''تُو نے ہمیں اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا یقین دلایا تھا۔'' ترکان شاہ کے لہجے میں وہی گراوٹ تھی، جیسے سیف الدین ایبک افواجِ سلطانی کا سالار ہونے کے بجائے ملکۂ ہند کا زرخرید غلام ہو۔

''اگر میں اطاعت گزار نہ ہوتا تو اب تک قلعۂ معلّٰی کا نقشہ تبدیل ہو چکا ہوتا۔'' سیف الدین ایبک کے لہجے میں تلوار جیسی کاٹ تھی۔

''تو کیا تُو بغاوت پر آمادہ ہے سیف الدین؟'' ترکان شاہ جوشِ غضب میں کھڑی ہو گئی۔

''ہرگز نہیں۔'' ایبک نے ملکۂ ہند کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں صرف یہ عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا کہ میرے نامزد سپاہی، شہزادی عالیہ کی حفاظت کریں گے۔'' یکایک سیف الدین کا لہجہ تحکم آمیز ہو گیا تھا۔ ''اور وہ افراد بھی میری نگرانی میں رہیں گے، جن کا تعلق آقائے نعمت سلطان شمس الدین التمش کے خاندان سے ہے۔ امورِ سلطنت کی نگہبانی آپ خود فرمائیں۔ مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں نے خود ہی اپنے دست و بازو زنجیروں سے جکڑ لئے ہیں اور اپنی زبان پر مُہرِ خاموشی ثبت کر لی ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میری بینائی زائل ہو چکی ہے اور ہونٹ پتھر کے ہو گئے ہیں۔ لیکن اگر کوئی سازشی ہاتھ، شہزادی معظمہ کی طرف بڑھا تو میں بے دریغ اس ہاتھ کو کاٹ دوں گا۔ چاہے وہ ہاتھ معزز ترین رکنِ سلطنت ہی کا کیوں نہ ہو۔''

''تو پھر میں تجھے معزول کرتی ہوں۔'' ملکہ ترکان شاہ غصے کی شدت سے کانپنے لگی۔ ''بساطِ سلطانی پر ایک پیدل کی حیثیت ہی کیا ہے؟''

''مجھے جو کچھ کہنا تھا، کہہ چکا۔'' یہ کہہ کر سیف الدین ایبک مڑا۔ ''آپ جو کچھ سوچ رہی ہیں، بلا تاخیر اس پر عمل کیجئے۔'' سیف الدین ایبک کی پشت ملکۂ عالیہ کی طرف تھی۔ آج اس نے عزت و احترام کی ساری رسموں کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔ پھر افواجِ سلطانی کا سالار اسی حالت میں ترکان شاہ کے کمرے سے نکل کر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد سینکڑوں مسلح سپاہی، قلعے کے اس حصے کی طرف بڑھ رہے تھے، جہاں شہزادی رضیہ سلطانہ

''کوشک فیروزی'' میں رہتی تھی۔ سلطان التمش نے یہ محل رضیہ سلطانہ کی ماں، شاہ خانم کے لئے تعمیر کرایا تھا۔

❁==❁==❁

دوسری طرف ترکان شاہ نے فوری طور پر اپنے امرائے سلطنت کا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا تھا۔ اس اجلاس میں سلطان رکن الدین فیروز شاہ بھی شریک تھا۔

''آپ حضرات کو معلوم ہے کہ افواجِ سلطانی کا سالار سیف الدین ایبک ہم سے باغی ہو چکا ہے؟'' ملکہ ترکان شاہ نے انتہائی غضب ناک لہجے میں کہا۔

یہ انکشاف سن کر اجلاس کے تمام شرکاء دم بخود رہ گئے۔ پھر جب حیرت و سکوت کی یہ کیفیت ختم ہوئی تو سلطان رکن الدین فیروز شاہ چیخ کر بولا۔

''اس غلام کی یہ جرأت؟'' والیٔ ہندوستان کا لہجہ نہایت تحقیر آمیز تھا۔ ''آپ نے اسے برطرف کر کے حوالۂ زنداں کیوں نہ کر دیا؟''

''میں اسے معزول کر چکی ہوں مگر وہ خود سر میرا حکم ماننے کے لئے تیار نہیں۔'' ملکہ ترکان شاہ کے چہرے سے شدید غصے کے ساتھ انتہائی بے کسی کا بھی اظہار ہو رہا تھا۔

ابھی کمرے میں ملکۂ ہند کے الفاظ کی گونج باقی تھی کہ ترکان شاہ کا خدمت گارِ خاص داخل ہوا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

حاضرینِ اجلاس کی نگاہیں خادمِ خاص پر مرکوز تھیں جس کی آمد غیر متوقع تھی مگر بے سبب نہیں تھی۔

''کیا بات ہے طغرل؟'' ملکہ ترکان شاہ نے چونک کر اپنے خادمِ خاص سے پوچھا۔

''ملکۂ عالیہ کا اقبال بلند ہو۔ غلام یہ عرض کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا کہ قلعے کے تمام محافظ سپاہیوں کو ہٹا کر فوجی چھاؤنی بھیج دیا گیا ہے۔'' طغرل رک رک کر بول رہا تھا۔ ''اور یہ تبدیلی سالار سیف الدین ایبک کے حکم پر عمل میں آئی ہے۔ اب انہی کے پسندیدہ سپاہی قصرِ سلطانی اور قلعے کے تمام اہم مقامات پر پہرے دے رہے ہیں۔''

پھر جیسے ہی طغرل کی بات ختم ہوئی، ملکہ ترکان شاہ ہذیانی انداز میں چیخ اُٹھی۔ ''آپ لوگوں نے سیف الدین ایبک کی سرکشی دیکھ لی؟''

''یہ سب کچھ ناقابلِ برداشت ہے۔'' سلطان رکن الدین فیروز شاہ اپنی ماں سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''ملکۂ عالیہ! آپ اس احسان فراموش کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیجئے۔ وہ بدترین سزا کے لائق ہے۔ میں کسی ایسی زبان کو دہن میں باقی رہنے نہیں دوں گا، جس نے وقارِ سلطانی کو مجروح کیا ہو اور جو آپ کی شان میں گستاخی کی مرتکب ہوئی ہو۔''

ملکہ ترکان شاہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ وزیرِ اعظم نظام الملک درمیان میں بول اُٹھا۔ ''بے شک! سیف الدین ایبک کڑی سے کڑی سزا کا مستحق ہے۔ مگر اتنا تو پتہ چلے کہ آخر اس نے کس بات پر یہ باغیانہ روش اختیار کی ہے؟'' نظام الملک بڑے ضبط و تحمل کے ساتھ اس سنگین صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''کوئی وجہ نہیں۔'' ملکہ ترکان شاہ نے کھلا جھوٹ بولا۔ ''ایبک کچھ دیر پہلے میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ وہ اپنی

پسند کے سپاہیوں کو قلعے کی نگرانی پر متعین کرے گا۔ میں نے وجہ پوچھی تو بولا کہ آئندہ قصرِ سلطانی سے متعلق سارے امور اس کی مرضی پر سرانجام دیئے جائیں گے۔ میں نے کہا، یہ بغاوت ہے تو بولا کہ بغاوت ہو چکی۔'' ملکہ ترکان شاہ نے نہایت رنگ آمیزی کے ساتھ ایک بے بنیاد واقعہ اپنے امرائے سلطنت کو سنا دیا۔

''سیف الدین ایبک واجب القتل ہے۔'' جوشِ اضطراب میں سلطان رکن الدین فیروز شاہ اپنی نشست پر کھڑا ہو گیا۔ ''اب کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ آپ اس کی گرفتاری کے احکامات جاری کیجئے۔''

''اپنے غصے کو ضبط کیجئے سلطانِ معظم!'' نظام الملک نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''سیف الدین ایبک کی گرفتاری اتنی آسان نہیں۔ بالفرض آپ نے اسے زنجیریں پہنا بھی دیں تو ملک کا پورا سیاسی نظام تہ و بالا ہو جائے گا۔ وہ افواجِ سلطان کا سالار ہے۔''

''پھر؟'' سلطان رکن الدین فیروز شاہ نے انتہائی تند و تیز لہجے میں وزیرِ اعظم سے سوال کیا۔

''میرے خیال میں پہلے اسے صفائی کا ایک موقع فراہم کیا جائے۔'' نظام الملک نے ایک ہوش مندانہ تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر اس کی یہ سرکشی کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے تو اسے دور کر دیا جائے کہ یہی مصالحانہ روش ہمارے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر اس کا جرم ثابت ہو جائے تو نہایت ہوشیاری کے ساتھ اسے زیرِ دام لایا جائے۔ ایبک کوئی گیدڑ یا لومڑی نہیں کہ شکاری کو دیکھ کر سہم جائے گا۔ وہ فیلِ مست ہے یا شیرِ نر۔ بیک وقت کئی آہنی جال توڑ کر نکل بھی سکتا ہے۔ اگر ایک بار وہ زیرِ دام آ کر نکل گیا تو پھر ہم سب کے لئے ایک مستقل خطرہ بن کر رہ جائے گا۔'' نظام الملک خود بھی سیف الدین ایبک جیسے غدارِ سلطنت کو پسند نہیں کرتا تھا مگر اس وقت وہ ملکہ ترکان شاہ کے سامنے ایبک کی تعریف کرنے پر مجبور تھا۔ سیف الدین کی سرکشی کی خبر سن کر وزیرِ اعظم ہند کو محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی نادیدہ تلوار اس کی شہ رگ کی طرف بھی بڑھ رہی ہے۔

ملکہ ترکان شاہ اور سلطان رکن الدین کچھ دیر تک نظام الملک کی تجویز پر غور کرتے رہے۔ پھر سیف الدین ایبک کو بھی اس اجلاس میں طلب کر لیا گیا۔

❁==❁==❁

سیف الدین ایبک اپنے محافظ دستے کے ساتھ اجلاس میں شرکت کرنے کے لئے آیا۔ اس نے سپاہیوں کو باہر ٹھہرنے کا حکم دیا اور خود کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کی رفتار میں غرور و تکبر کے بجائے حلم و وقار تھا۔ ایبک ملکہ ترکان شاہ اور سلطان رکن الدین کے قریب پہنچا اور آدابِ شاہی کے مطابق دونوں کی خدمت میں سلام پیش کیا۔ ترکان شاہ اور رکن الدین کے چہروں پر شدید غصے کے آثار نمایاں تھے۔ مگر سیف الدین ایبک نے اس بگڑی ہوئی صورتِ حال کی مطلق پروا نہیں کی۔ وہ ایک خاص ادائے بے نیازی کے ساتھ خاموش کھڑا رہا۔

پھر جب وزیرِ اعظم نظام الملک نے اس کے جرم کی نشاندہی کی تو ایبک کے چہرے کا رنگ بگڑ گیا۔

''میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بارگاہِ سلطانی سے میری خدمت کا یہ صلہ پیش کیا جائے گا۔'' سیف الدین ایبک کے لہجے میں بڑی خلش تھی۔ ''اگر میں باغی ہوتا تو شہزادہ قطب الدین کی لاش لے کر قصرِ سلطانی سے

نکل جاتا اور پھر پورے ملک میں آگ لگا دیتا۔ مگر میں نے اس جرم کی پردہ پوشی کی اور سلطنت کو ایک خوفناک انتشار سے بچا لیا۔ میرا گناہ یہ ہے کہ میں نے ملکۂ عالیہ سے اپنے معصوم شہزادے کے قتل کا سبب پوچھا تھا۔ آپ حضرات سے بھی بس یہی ایک سوال کرتا ہوں کہ میرے آقا کی نشانی کو اتنی بے دردی کے ساتھ خاک میں کیوں ملا دیا گیا؟''

یہ کہہ کر سیف الدین نے وزیراعظم نظام الملک اور دیگر امرائے سلطنت کی طرف دیکھا۔

ایبک کے اس سوال کا کوئی کیا جواب دیتا؟ سب کے سب سر جھکائے بیٹھے رہے۔

''آخر تُو کون ہے ہمارے معاملات میں دخل دینے والا؟'' ملکہ ترکان شاہ شعلے کی طرح بھڑکی۔

''تُو محض ایک غلام ہے۔ اور غلام اپنے آقاؤں سے سوال کرنے کا استحقاق نہیں رکھتا۔'' سلطان رکن الدین فیروز شاہ بھی اپنے سالار سے انتہائی تحقیر آمیز لہجے میں مخاطب ہوا۔

''میری گردن میں صرف ایک شخص کا طوقِ غلامی ہے۔'' سیف الدین ایبک نے بلند آواز میں کہا۔ ''سلطانِ مرحوم و مغفور کے اخلاقِ عالیہ کا طوق..... ورنہ میں سیف الدین ایبک ہوں، ایک مردِ آزاد۔ آپ بھی آقا زادے ہیں، اس لئے احترام کرتا ہوں۔ اگر آپ کے سوا کوئی دوسرا شخص مجھ سے اس لہجے میں مخاطب ہوتا تو اب تک صورتِ حال بدل چکی ہوتی۔ میں باغی نہیں ہوں۔ صرف شہزادی عالیہ اور خاندانِ التمش سے تعلق رکھنے والے تمام افراد کا محافظ و نگہبان ہوں۔'' سیف الدین ایبک کے لہجے کی سختی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ''اگر ان معزز و محترم شخصیات کی طرف کوئی ظالم ہاتھ بڑھا تو میں بے دریغ اس ہاتھ کو قطع کر دوں گا۔'' یہ کہہ کر سیف الدین ایبک نے ملکہ ترکان شاہ اور رکن الدین کی طرف دیکھا۔ ''اگر سلطانِ ذی وقار میرے اس عمل کو بغاوت تصور کرتے ہیں تو پھر سمجھ لیجئے کہ بغاوت ہو چکی۔''

یہ کہہ کر سیف الدین ایبک جانے کے لئے مڑا۔

شراب کے نشے میں غرق سلطان ایک سپاہی کے اس آتشیں لہجے کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے مشتعل ہو کر اپنی تلوار کھینچ لی۔

شمشیر کی آواز سن کر سیف الدین ایبک پلٹا اور گہری نظروں سے رکن الدین فیروز شاہ کی طرف دیکھنے لگا۔ والئ ہندوستان کے ہاتھوں میں شمشیرِ بے نیام تھی اور اس کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔ ملکہ ترکان شاہ اور دوسرے امرائے سلطنت سکتے کی سی حالت میں اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

''کاش! آپ اس حقیقت کو سمجھ لیں کہ ساغر و صراحی سے کھیلنے والے ہاتھ تلوار کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔'' سیف الدین ایبک کے لہجے میں بڑی حسرت تھی۔ ''میرے آقا کی زندہ و تابندہ نشانی! آپ کی یہ حالت دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ خدا کے واسطے اپنے منصبِ عظیم کو پہچاننے اور صورتِ حال کو سنوارنے کی کوشش کیجئے۔ وقت آپ کے ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے۔ مجھے نہیں، وقت کو روکیے سلطانِ ذی حشم!'' یہ کہہ کر سالار سیف الدین ایبک دوبارہ مڑا اور تیز قدموں کے ساتھ چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

❁==❁==❁

ملکہ ترکان شاہ اور سلطان رکن الدین، سالارِ افواج کو معزول کرنے کے منصوبے بناتے رہے اور سیاسی انتشار کی

تند و تیز لہر دہلی کی حدود سے نکل کر پورے ملک میں پھیل گئی۔ اگرچہ سیف الدین ایبک نے اپنی طرف سے مملکت کے مفاد کی خاطر شہزادہ قطب الدین کی موت پر گہرا پردہ ڈال دیا تھا مگر دوسرے امرائے سلطنت اس خوفناک راز سے باخبر تھے۔ موجودہ صورتِ حال کے پیشِ نظر خود ان کی جانیں بھی ہوا کے رخ پر رکھا ہوا ایک چراغ تھیں اور خونی آندھی کا کوئی بھی جھونکا کسی بھی وقت ان چراغوں کو بجھا سکتا تھا۔ یہی سوچ کر سلطان رکن الدین فیروز شاہ کا ہر امیر اپنے فرماں روا سے بدظن ہو گیا اور عافیت کا سائبان ڈھونڈنے لگا۔ اکثر امراء نے خفیہ خط و کتابت کے ذریعے دوسرے علاقے کے حاکموں کو ملکہ ترکان شاہ کے مظالم سے باخبر کر دیا۔ نتیجتاً پورا ملک بدامنی اور بے اطمینانی کی لپیٹ میں آ گیا۔

پھر سب سے پہلے ملکہ ترکان شاہ کے چھوٹے بیٹے شہزادہ غیاث الدین محمد نے اپنی گردن سے بڑے بھائی کی وفاداری کا طوق اُتار پھینکا۔ غیاث الدین محمد، اودھ کا حاکم تھا۔ جب اس نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی عیاشیوں اور اپنی ماں کے مظالم کی داستانیں سنیں تو اس قدر برہم ہوا کہ بغاوت پر اُتر آیا۔ غیاث الدین محمد نے اپنے خط میں تحریر کیا۔

''میں شب و روز محنت کر کے بابا محترم کی عظیم وراثت کو بچانے کی کوشش کر رہا ہوں اور آپ میرے بزرگوں کے سرمائے کو کسی رقاصہ کی پازیب پر نچھاور کر رہے ہیں۔ معاذ اللہ! یہ شریفوں کا چلن نہیں ہوگا۔ اگر آپ نے اپنے اطوار نہیں بدلے تو پھر میں بھی اپنے فیصلوں میں یکسر آزاد ہوں۔''

سلطان رکن الدین نے چھوٹے بھائی کا خط پڑھا اور ماں کی طرف بڑھا دیا۔

ترکان شاہ نے بگڑتی ہوئی صورتِ حال کو سنوارنے کے بجائے اور اُلجھا دیا۔ وہ رکن الدین کی جگہ خود کو فرمانروائے ہند سمجھ رہی تھی۔ جاہل اور سنگ دل ملکہ نے غیاث الدین محمد کی برہمی کو بغاوت سے تعبیر کرتے ہوئے جواباً لکھا۔

''شکر ادا کرو کہ تم میرے بیٹے ہو۔ مگر یاد رکھو کہ یہ رعایت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔''

غیاث الدین محمد کو ماں کے جواب نے سخت مایوس کیا۔

''میں سلطانِ عادل کا بیٹا ہوں۔ اس لئے کسی کے ظلم و ناانصافی میں شریک کار نہیں بن سکتا۔ چاہے وہ میری والدہ معظمہ ہی کیوں نہ ہوں۔'' غیاث الدین محمد نے اپنے دوسرے خط میں صاف صاف تحریر کر دیا کہ وہ دہلی کے احکام کا پابند نہیں ہے۔

اس کے ساتھ ہی شہزادے نے لکھنوتی کے محاصل کی رقم جو دہلی کے خزانے میں جمع ہونے کے لئے بھیجی گئی تھی، راستے ہی سے واپس منگوا لی۔

یہ ملکہ ترکان شاہ اور سلطان رکن الدین کے خلاف پہلا اعلانِ بغاوت تھا۔

پھر بدایوں، ہانسی، لاہور اور ملتان کے حاکموں نے بھی آپس میں خط و کتابت کے ذریعے مشورہ کر کے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی اطاعت سے انکار کر دیا۔

❁==❁==❁

وزیراعظم نظام الملک کئی راتوں سے سکون کی نیند نہیں سویا تھا۔ اس کے جاسوس بڑی ہولناک خبریں لا رہے تھے۔ آخر نظام الملک نے نصف شب کے سناٹے میں اپنے رازدار امیروں علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی کو طلب کیا۔ اس وقت وزیراعظم کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

''عزت مآب! یہ فکر و اضطراب کیوں؟'' علاء الدین شیر خانی نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ ''ہم نے تو یہی دیکھا ہے کہ مسائل کی آندھیوں میں بھی آپ کی مسکراہٹوں کے چراغ جلا کرتے تھے۔ پھر آج یہ اندھیرا کیوں ہے؟''

''میں نے بڑی خوں آشام ہواؤں کے تھپیڑے برداشت کئے ہیں مگر یہ آندھی اور ہے شیر خانی!'' نظام الملک کے لہجے سے ایک عجیب سا خوف جھلک رہا تھا۔ ''جس قدر تیز بھاگ سکتے ہو بھاگو۔ خونی آندھی چل چکی ہے۔ اس کے جھونکے بس تم تک پہنچنے ہی والے ہیں۔ میں بھی بھاگ رہا ہوں، تم بھی بھاگو۔''

''عزت مآب! ہم کدھر بھاگیں؟'' ملک سیف الدین کوچی نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا جیسے خنجر بکف دشمن کمرے میں داخل ہونے والا ہو۔

''جدھر منہ اُٹھے۔'' نظام الملک کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور وہ شدید بے قراری کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔

''ہمیں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔'' علاء الدین شیر خانی کے لہجے میں لکنت آ گئی تھی۔

''رہنما کو خود اپنی منزل کا پتہ نہیں۔ پھر تمہاری دستگیری کس طرح کرے گا؟'' نظام الملک اپنے دونوں ساتھیوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''دوستی کا خیال تھا اس لئے خبر کر دی کہ طوفان آ رہا ہے۔ میری فکر چھوڑو اور اپنی اپنی پناہ گاہیں تلاش کرو۔ تمہارے پاس وقت بہت کم ہے۔''

❁==❁==❁

دوسرے دن رات کے اندھیرے میں نظام الملک قصرِ سلطانی سے فرار ہو گیا۔ وہ ایک برق رفتار گھوڑے پر سوار تھا اور جلد از جلد دہلی کی حدود سے نکل جانا چاہتا تھا۔ نظام الملک کئی دن کی مسافت کے بعد کول پہنچا اور بدایوں کے حاکم سے پناہ کا طالب ہوا۔ ہندوستان کی حکمرانی کا خواب دیکھنے والا دربدر مارا مارا پھر رہا تھا مگر ابھی اس کی زندگی کے دن باقی تھے۔ اس لئے بدایوں کے حاکم نے پناہ دے دی۔ پھر جیسے ہی نظام الملک کو سائبان میسر آیا، اس کے فتنہ گر دماغ نے نئی سازش کے خاکے میں رنگ بھرنا شروع کر دیئے۔ وہ بدایوں سے لاہور پہنچا اور اس علاقے کے حاکم عزالدین کو سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے خلاف بھڑکانے لگا۔ نظام الملک کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ عزالدین بھی دہلی پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا۔

جب سلطان رکن الدین کو باغی امراء کی صف بندی کا علم ہوا تو وہ ان سرکشوں کا زور توڑنے کے لئے ایک بڑا لشکر لے کر پنجاب کی طرف بڑھا۔ سیف الدین ایبک اور بہرام غوری نے سلطان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔

رکن الدین کی فوج منصوریہ کے قریب پہنچی تو اس کی صفوں میں انتشار ہو گیا۔

سلطان التمش کے زمانے کے نامور امراء تاج الدین، ملک محمد، بہاء الدین حسن، کریم الدین، ضیاء الملک، امیر فخر الدین اور خواجہ رشید، سلطان رکن الدین فیروز شاہ سے برگشتہ ہو گئے۔

''ہم آخر کس کے لئے اپنا خون بہا رہے ہیں؟'' تاج الدین نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

تمام امراء حیرت سے تاج الدین کا منہ دیکھنے لگے۔

''سلطان رکن الدین کی فتح کا ایک ہی مطلب ہے کہ ہماری باقی زندگی ترکان شاہ کی غلامی میں گزرے گی۔'' تاج الدین نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔ ''اگر وہ بد باطن اور کینہ پرور ملکہ مر بھی گئی تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟ رکن الدین کی مہربانیوں سے ناچنے اور گانے والے ہمارے سروں پر مسلط ہو جائیں گے۔ طوائفیں شاہی حرم سرا کی زینت ہوں گی اور ہندوستان بھر کے بھانڈ، اُمراء کی کرسیوں پر جلوہ گر نظر آئیں گے۔ وہ کیا برا دن ہو گا؟ خدا ہمیں جیتے جی وہ دن نہ دکھائے۔''

''پھر ہم کیا کریں؟'' بیک وقت کئی اُمراء نے ایک ہی سوال کیا۔

''کاش! ہم نے سلطان مرحوم کی وصیت کا احترام کیا ہوتا۔'' تاج الدین نے ایک آہ سرد کھینچی۔ پھر یکایک اس کا لہجہ پُرجوش ہو گیا۔ ''آؤ لوٹ چلیں۔ ابھی وقت ہماری گرفت میں ہے۔''

❁==❁==❁

پھر یہ تمام امراء خفیہ طور پر لشکرِ سلطانی سے جدا ہو کر دہلی پہنچے۔ سیف الدین ایبک اور بہرام غوری کو تنہائی میں طلب کر کے کہا گیا۔

''ہم سب دل کی گہرائیوں سے خود کو شہزادی عالیہ کا تسلیم کرتے ہیں۔'' پورا کمرہ اُمراء کی آوازوں سے گونج اُٹھا۔

''حق بحق دار رسید۔'' شدتِ جذبات سے بہرام غوری کی آواز لرز رہی تھی۔ ''بے شک وہ فرمانروائی کے لائق ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا کام ختم ہوا۔''

''مجھے اسی دن کا انتظار تھا۔'' سیف الدین ایبک اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور پوری طاقت سے نعرہ زن ہوا۔ ''اب میرے ہاتھ آزاد ہیں۔''

جب سیف الدین ایبک نے رضیہ سلطانہ کو یہ خوشخبری سنائی تو وہ کچھ دیر تک حیرت و سکوت کے عالم میں اسی طرح بیٹھی رہی کہ شہزادی پر پتھر کے مجسمے کا گمان ہونے لگا۔ پھر وہ آہستہ سے اُٹھی اور مالکِ حقیقی کے سامنے سجدہ ریز ہو گئی۔

یکایک پورا محل نسوانی چیخوں سے گونجنے لگا۔ امراء کے فیصلے کے مطابق ترکان شاہ کے سر سے تاجِ سلطانی اُتار لیا گیا تھا اور اسے گرفتار کر کے زنداں کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔

''بے ادبو! مجھے پہچانتے نہیں؟ میں ہندوستان کی ملکۂ عالیہ ہوں۔'' ترکان شاہ دیوانہ وار چیخ رہی تھی۔ ''میرے خدمت گار کہاں مر گئے؟ اور میرا تاج کون چھین کر لے گیا؟''

ترکان شاہ دل کے زور سے چیخ رہی تھی۔ مگر آج اس کی فریاد سننے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ اپنے حامیوں اور مددگاروں کو پکار رہی تھی لیکن آج اس کا کوئی مددگار نہیں تھا۔ رضیہ سلطانہ کے سپاہیوں نے ترکان شاہ کے ساتھ کوئی گستاخی اور بدتمیزی نہیں کی تھی مگر ملکہ ہند انہیں اسی متکبرانہ لہجے میں مخاطب کر رہی تھی۔

''رکن الدین بس دہلی پہنچنے ہی والا ہے۔ جانتے ہو کہ پھر تمہارا کیا حشر ہو گا؟ تمہارے کاندھوں پر سر نہیں رہیں

گے۔تمہارے بیوی بچے اور اہل خاندان، سب قتل کر دیئے جائیں گے۔ ہر طرف جلتے ہوئے گھر اور بے کفن لاشیں ہوں گی۔ ڈرو میرے قہر سے کہ اس سے کوئی مرثیہ خواں تک باقی نہیں رہے گا۔

سپاہیوں نے ترکان شاہ کے خدائی دعوؤں کو اس طرح سنا جیسے کوئی مخبوط الحواس شخص ہذیان بک رہا ہو۔

''ملکۂ عالیہ! براہِ کرم تشریف لے چلئے۔'' ایک سپاہی نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

''میں کہیں نہیں جاؤں گی۔'' ترکان شاہ چلتے چلتے رک گئی اور بری طرح چیخنے لگی۔ ''اگر تم لے جا سکتے ہو تو اُٹھا کر لے جاؤ۔''

اس صورتِ حال سے سپاہی سخت پریشان تھے۔ اگر کوئی عام عورت ہوتی تو اسے کسی نہ کسی طرح زنداں کے دروازے تک لایا جا سکتا تھا۔ مگر ملکۂ ہند کے معاملے میں وہ بے بس نظر آ رہے تھے۔ آخر رضیہ سلطانہ سے رجوع کیا گیا۔ اس نے فوری طور پر ان عورتوں کو طلب کیا جو کسی حد تک ملکہ سے واقف تھیں اور قلعۂ معلیٰ کی نسوانی فوج سے تعلق رکھتی تھیں۔ پھر کچھ دیر بعد وہی عورتیں ترکان شاہ کو زنداں خانے کی طرف لے گئیں۔ اس دوران ملکۂ ہند کی چیخیں اُبھرتی رہیں۔ وہ رضیہ سلطانہ اور تمام امراء کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔

''نمک حرامو! وہ دن دور نہیں جب تم اپنے اپنے اعمال کی عبرت ناک سزا پاؤ گے۔''

محل کی جن معزز و محترم خواتین کو ترکان شاہ نے تکلیفیں پہنچائی تھیں، ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

ظلم اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔

❁==❁==❁

دوسرے دن امرائے سلطنت نے رضیہ سلطانہ کی رسمِ تاج پوشی کرنی چاہی تو شہزادی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا۔

''ہم مخالفین کے ساتھ حالت جنگ میں ہیں۔ پہلے اس جنگ کا فیصلہ ہو جائے، پھر رسمِ تاج پوشی بھی ادا ہو جائے گی۔''

''سلطان عالیہ!'' امیر تاج الدین نے عرض کیا۔ ''تختِ سلطانی کو ایک لمحے کے لئے بھی خالی نہیں رکھا جا سکتا۔''

''تاجپوشی کی رسمِ پُرشکوہ نہ سہی۔ مگر اس تقریب کا اہتمام اور اعلان نہایت ضروری ہے۔'' دوسرے امیر خواجہ رشید نے عرض کیا۔ ''رعایا کو معلوم ہونا چاہئے کہ اب ان کا حکمران کون ہے اور وہ مظالم کی تپتی ہوئی دھوپ میں بے سائبان نہیں کھڑے ہیں۔''

رضیہ سلطانہ کچھ دیر تک سوچتی رہی، پھر اثبات میں سر کو جنبش دیتے ہوئے بولی۔ ''مگر میں پہلے بابا محترم کے مزار پر حاضر ہونا چاہتی ہوں۔''

''یہ بھی ضروری ہے۔'' تمام امرائے سلطنت نے بیک زبان کہا۔

پھر ایک حفاظتی دستے کے ساتھ رضیہ سلطانہ، التمش کے مزار پر حاضر ہوئی۔

امرائے سلطنت اور مسلح سپاہی کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے۔

رضیہ سلطانہ بڑی وارفتگی کے عالم میں آگے بڑھی اور باپ کی قبر سے لپٹ کر رونے لگی۔

''بابا محترم! میں آپ کی قدم بوسی کو حاضر ہوئی ہوں۔ اللہ علیم و خبیر ہے کہ آپ کی بیٹی یہاں تک کس طرح پہنچی

ہے۔'' اگرچہ رضیہ سلطانہ آہنی اعصاب رکھنے والی خاتون تھی لیکن باپ کے حضور میں پہنچ کر اس کے جذبات بے قابو ہو گئے۔ ''آپ کی وراثت کو آپ ہی کے وارثوں نے برباد کیا۔ مگر جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ میں اس شرمناک کھیل میں شریک نہیں تھی۔ گردشِ وقت ٹھہری ہے تو میرے ہاتھ کھلے ہیں۔ اب ان ہی کمزور ہاتھوں سے اس ذاتِ بے نیاز کے کرم کی بھیک مانگ رہی ہوں جو زمین و آسمان کا مالک ہے۔ اسی نے مجھے دشمنوں کے نرغے سے نکالا ہے اور آئندہ بھی وہی میری دستگیری فرمائے گا۔ آپ کی بیٹی سود و زیاں کا حساب نہیں رکھتی۔ مجھے اس عہد کے سوا کچھ یاد نہیں کہ میں آپ کے ورثے کی حفاظت کے لئے ہجومِ دشمناں سے جنگ کروں گی۔ یہاں تک کہ اہلِ دنیا اپنی آنکھوں سے آپ کے نظامِ انصاف کو دوبارہ زندہ ہوتے ہوئے دیکھیں گے۔ بس یہی میرا فرضِ منصبی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔''

شدتِ جذبات میں رضیہ سلطانہ کی آواز اتنی بلند ہو گئی تھی کہ اس کے الفاظ کی بازگشت امرائے سلطنت بھی سن رہے تھے۔ سلطان التمش کی وصیت کے خلاف شہزادہ رکن الدین کو سربراہِ مملکت بنانے والے ترک سردار اپنی کوتاہی پر شرمسار تھے۔

❁==❁==❁

پھر دربارِ سلطانی میں رضیہ کی تاج پوشی کی ایک سادہ سی تقریب منعقد ہوئی۔ امیر تاج الدین دوسرے ترک امراء کی نیابت کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اس نے سرِ دربار اپنی نشست پر کھڑے ہو کر طویل تقریر کی۔

''معزز اراکینِ سلطنت! ہمارے گزشتہ چھ ماہ شدید ذہنی اذیت اور ناقابل بیان کرب میں بسر ہوئے ہیں۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ ہم کھلے دل سے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر لیں۔ ہم روحِ سلطان سے بے حد شرمندہ ہیں۔ اگر ان کی وصیت پر عمل کیا گیا ہوتا تو یہ سنگین صورتِ حال پیدا نہ ہوتی۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ سلطانِ مرحوم و مغفور اپنی زندگی میں جو کچھ دیکھ رہے تھے، ہماری کمزور آنکھیں سیاست کے ان خدوخال کو دیکھنے سے قاصر تھیں۔ بے شک! ان کی بصیرت ہم سے کہیں زیادہ تھی۔ اہلِ دربار گواہ رہیں کہ ہم نے اپنے سردار کی وصیت کو تکمیل تک پہنچا دیا۔ خدا ہی ہماری مدد فرمائے۔''

فرمانروائے ہند کی خدمت میں نذریں پیش کرنے کی رسم ملتوی کر دی گئی۔

پھر رضیہ سلطانہ کے نقیب دہلی اور اس کے قرب و جوار میں صدائیں لگاتے پھر رہے تھے۔ اور برق رفتار قاصد دہلی کا حکم نامہ لے کر مختلف علاقوں کی طرف دوڑ رہے تھے کہ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کو معزول کیا جا چکا ہے۔ اب رکن الدین کے حامیوں کو دارالحکومت کا باغی تصور کیا جائے گا۔

❁==❁==❁

اس وقت سلطان رکن الدین فیروز شاہ پنجاب کے علاقے میں مقیم تھا اور باغی امراء کی سرکشی کو کچلنے کے لئے منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ ابھی رکن الدین کے لشکر نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی تھی کہ اسے رضیہ سلطانہ کی تخت نشینی کی خبر ملی۔ سلطان کو محسوس ہوا کہ اس کے قدموں کے نیچے زمین موجود نہیں ہے اور وہ فضا میں معلق ہو کر رہ گیا ہے۔

رکن الدین نے اپنے مصاحبوں سے مشورہ کیا جو خوشامد کے سوا کوئی ہنر نہیں جانتے تھے۔

''باغیوں کو چھوڑیئے اور دارالحکومت کی خبر لیجئے۔'' ایک مصاحب نے پُرجوش لہجے میں مشورہ دیا۔ ''دہلی محفوظ رہی تو سب کچھ بچ جائے گا۔'' مصاحب کا مشورہ درست تھا مگر اس احمق کو یہ معلوم نہیں تھا کہ پوری مملکت میں اب رکن الدین کا کوئی حامی باقی نہیں رہا ہے اس لئے دارالحکومت کی طرف واپسی کا سفر خطرناک بھی ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی زمانہ آشنا مشیر، سلطان کے ساتھ ہوتا تو وہ یہی مشورہ دیتا کہ رکن الدین کچھ روز پنجاب میں ٹھہر کر صورتِ حال کا جائزہ لے اور اپنے باغی امراء کو منانے کی کوشش کرے۔ پھر جب حالات قابو میں آجائیں تو وہ اپنی تمام عسکری قوت سمیٹ کر دارالحکومت کی طرف بڑھے۔ مگر سلطان کے سر پر بدنصیبیاں سایہ فگن تھیں۔ اس کی صفوں میں نہ کوئی جانباز تھا، نہ کوئی سچا ہمدرد اور نہ کوئی ہوش مند مشیر۔

خود سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی عقل بھی خبط ہو کر رہ گئی تھی۔ کثرتِ شراب نوشی نے اس کے اعصاب کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ ذرا ذرا سی باتوں پر مشتعل ہو کر معززینِ سلطنت کو ناراض کر دیتا تھا۔ اس کی بارگاہِ جلال میں صرف وہ خوب صورت عورتیں باریاب تھیں جنہیں رقص و موسیقی کا ہنر آتا تھا۔ نتیجتاً اراکینِ سلطنت اور اربابِ سیاست آہستہ آہستہ اس سے دور ہوتے چلے گئے۔ رہی سہی کسر اس کی ماں ترکان شاہ کے مظالم نے پوری کر دی تھی۔ اب وہ اپنی زندگی کے مشکل ترین محاذ پر تنہا کھڑا تھا۔ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی مدہوشی کا یہ عالم تھا کہ وہ دہلی پر لشکرکشی کو ایک کھیل سمجھ رہا تھا۔ جیسے محاذِ جنگ بھی موسیقی کی کوئی محفل ہو۔ جہاں وہ خود میرِ مجلس ہو اور اس کے سپاہی سازندے بن کر رباب کے تار چھیڑ رہے ہوں۔

❁==❁==❁

سلطان رکن الدین فیروز شاہ ایک ایسی فوج کو لے کر دہلی کی طرف بڑھ رہا تھا جو دلی طور پر جنگ سے گریزاں تھی مگر اپنے امیر کے حکم سے مجبور ہو کر بے مقصد گردش کر رہی تھی۔

جب رضیہ سلطانہ کو خبر ملی کہ اس کا بھائی لشکر لے کر دارالحکومت کی طرف آرہا ہے تو اس نے اپنے نائب سالار بہرام غوری کو طلب کر کے حکم دیا۔

''آپ دہلی کی حدود سے نکل کر رکن الدین کی فوج کا مقابلہ کریں۔'' اگرچہ رضیہ سلطانہ اس حیثیت سے بہرام غوری کا احترام کرتی تھی کہ وہ کسی زمانے میں اس کا اتالیق رہ چکا تھا..... لیکن گفتگو کرتے وقت فرمانروائے ہند کے لہجے سے بیگانگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس اجنبیت اور بے رخی کی ایک ہی وجہ تھی کہ بہرام غوری، رضیہ سلطانہ سے عشق کرتا تھا اور رضیہ سلطانہ اس کا چہرہ دیکھنے تک کی روادار نہیں تھی۔

بہرام غوری نے سر اٹھا کر اس ریشمی پردے کو دیکھا، جس کے پیچھے اس کی محبوب اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ جلوہ افروز تھی۔ بہرام غوری کے سینے میں خلش اور محرومی کی ایک تند و تیز لہر اُٹھی جو اس کے پورے وجود پر چھا گئی۔ وہ کئی سال سے دشتِ تنہائی میں کھڑا چپ چاپ جل رہا تھا اور ہوائے فراق کے آتشیں بگولے اس کے جسم، دل اور روح کو پھونکے ڈال رہے تھے۔ بہرام غوری نے بہت دن بعد اپنی محبوب کی آواز سنی تو ایک لمحے کے لئے اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کے تپتے ہوئے بدن پر التفات کی بارش شروع ہوگئی ہے مگر ایک سرفروش عاشق کی

یہ کیفیت بہت عارضی تھی۔ رضیہ سلطانہ کا حکم سن کر بہرام غوری پریشان نظر آنے لگا تھا۔

''جنگ کے دوران اس بات کا لحاظ رہے کہ رکن الدین کو کوئی گزند نہ پہنچے۔'' رضیہ سلطانہ نے اپنے حکم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''اور وہ فرار ہونے بھی نہ پائے۔ میں اسے زندہ حالت میں گرفتار دیکھنا چاہتی ہوں۔''

بہرام غوری اپنی فرمانروا کا حکم سن کر بظاہر خاموش کھڑا رہا مگر اس کے ذہن میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔

''آپ نے میری بات سنی؟'' رضیہ سلطانہ کی آواز سے ہلکی سی ناگواری کا اظہار ہو رہا تھا۔

''اگر سلطانِ عالیہ مجھے اس ذمے داری سے سبکدوش فرما دیں تو میں تاحیات حضورِ والا کا احسان مند رہوں گا۔'' بہرام غوری نے اس طرح رک رک کر کہا جیسے اسے بات کرنے میں بہت زیادہ دشواری پیش آرہی ہو۔

''کیوں؟'' رضیہ سلطانہ کا دل بہرام غوری کی طرف سے پہلے ہی صاف نہیں تھا۔ نائب سپہ سالار کا جواب سن کر والیٔ ہند کی شفاف پیشانی شکن آلود ہوگئی تھی۔

''میں سلطان رکن الدین کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکتا۔'' لمحاتی کشمکش کے بعد بہرام غوری سنبھل گیا اور اس نے رضیہ سلطانہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔

''اب وہ سلطان نہیں، اس مملکت کا مجرم ہے۔'' یکایک رضیہ سلطانہ کا لہجہ انتہائی تلخ ہوگیا تھا۔

''بے شک! ان کے سر سے تاجِ سلطانی اُتر گیا مگر وہ ہر حال میں میرے لئے قابلِ احترام ہیں۔'' بہرام غوری نے اپنے انکار کی توجیہہ پیش کرتے ہوئے کہا۔

''اور میں؟'' رضیہ سلطانہ جوشِ اضطراب میں ایک ایسی بات کہہ گئی، جس کا مفہوم بہت گہرا تھا۔

''سلطانِ عالیہ خوب جانتی ہیں کہ میرے دل میں ان کا کیا مقام ہے؟'' بہرام غوری کا جواب مبہم تھا مگر رضیہ سلطانہ ان چند لفظوں کے اسرار و رموز سے بخوبی واقف تھی۔

''آپ کے دل اور زبان میں کوئی ہم آہنگی نہیں ہے۔'' رضیہ سلطانہ کی آواز کچھ اور بلند ہوگئی تھی۔

''شاید سلطانِ عالیہ کو احساس نہ ہو مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ بہرام غوری کے قول و فعل میں کبھی کوئی تضاد نہیں رہا۔'' نائب سپہ سالار بہت آہستہ بول رہا تھا۔ ''جو کچھ دل میں ہے، زبان اس کا اقرار کرتی ہے اور زبان سے جو کچھ ادا ہوتا ہے، دل اس پر گواہی پیش کرتا ہے۔''

رضیہ سلطانہ چند لمحوں کے لئے سوچ میں پڑ گئی۔ پھر سخت لہجے میں مخاطب ہوئی۔ ''اس وقت رکن الدین باغیوں کی صف میں کھڑا ہے اور ایک باغی کی سرکوبی آپ کا فرضِ اوّلین ہے۔''

''میں شہزادے کے مقابل آنے سے معذور ہوں سلطانِ عالیہ!'' بہرام غوری، رکن الدین کے خلاف تلوار اٹھانے پر آمادہ نہیں تھا۔

''فرمانروا کے حکم سے سرتابی بھی بغاوت کا درجہ رکھتی ہے۔'' رضیہ سلطانہ کے لہجے سے جلالِ سلطانی کا اظہار ہو رہا تھا۔

''میری مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کیجئے سلطانِ عالیہ! میں باغیوں کا ساتھی نہیں ہوں۔'' بہرام غوری کے چہرے سے اس کے دل کا درد چھلکنے لگا تھا۔ ''میں نے سلطان مرحوم و مغفور سے عہد کیا تھا کہ میری تلوار ان کے وارثوں کی حفاظت کرے گی لیکن گردشِ وقت نے مجھے عجیب منزل پر پہنچا دیا ہے۔''

رضیہ سلطانہ نے بہرام غوری کی مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ فرمانروائے ہند کو بس یہی خیال گزرا کہ بہرام غوری بہانے تراش کر اس سے اپنی شکست کا انتقام لے رہا ہے۔ بالآخر حکم عدولی اور باغیوں کی حمایت کے جرم میں بہرام غوری کو حوالۂ زنداں کر دیا گیا۔

جب سیف الدین ایبک کو یہ خبر ملی تو وہ بدحواسی کے عالم میں رضیہ سلطانہ کے پاس پہنچا اور بہرام غوری کی وکالت کرتے ہوئے بولا۔ ''میں اس صورتِ حال کو سمجھنے سے قاصر ہوں۔''

''ایک باغی کا مقام زنداں ہے یا مقتل۔'' رضیہ سلطانہ کی برہمی ناقابل بیان تھی۔

''اگر بہرام غوری آپ کا وفادار نہیں ہے تو پھر تمام اراکین سلطنت بے اعتبار ٹھہریں گے۔'' سیف الدین ایبک انتہائی پُر جوش لہجے میں بول رہا تھا۔ ''بہرام غوری نمائش پسند انسان نہیں ہے۔ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اپنی خدمت گزاریوں کے قصے سرِ دربار بیان کر کے آپ سے اعلیٰ منصب کا طلب گار ہوتا۔ وہ ہر صلے اور انعام سے بے نیاز سلطنتِ دہلی کا ایک خاموش کارکن ہے۔ اس کی وفاؤں پر شک نہ کیجئے۔ بہرام غوری آپ کے حفاظتی انتظامات کے سلسلے میں قدم بہ قدم میرے ساتھ رہا ہے۔ سلطان رکن الدین اور ملکہ ترکان شاہ نے اسے کئی بار عبرت ناک انجام کی دھمکیاں دی تھیں مگر وہ اقتدار کے آگے خم نہیں ہوا۔''

رضیہ سلطانہ نے سیف الدین ایبک کی گفتگو بڑی حیرت سے سنی مگر اپنا فیصلہ تبدیل نہیں کیا۔ ''مجھے زمانہ ساز انسانوں سے شدید نفرت ہے۔ میں آپ کو غلط بیاں نہیں کہتی مگر بہرام غوری کے انکار نے ان کی شخصیت کو مشکوک بنا دیا ہے۔ فی الوقت آپ رکن الدین کا مقابلہ کیجئے۔ مگر یاد رہے کہ اس کی زندگی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ آخر وہ میرے باپ کی نشانی ہے۔''

سیف الدین ایبک دل پر ایک عجیب سا بوجھ لئے ہوئے چلا گیا۔ اسے بہرام غوری کی گرفتاری کا بہت قلق تھا۔

❁==❁==❁

سلطان رکن الدین فیروز شاہ اپنے انجام سے بے خبر تیز رفتاری کے ساتھ دہلی کی طرف بڑھتا رہا۔ سلطان کی بدنصیبی یہ تھی کہ آج تک اسے کسی جنگ میں شریک ہونے کا موقع میسر نہیں آیا تھا۔ وہ ایک طویل عرصے تک بدایوں اور لاہور کا حاکم رہ چکا تھا۔ یہ اس کی تربیت اور امتحان کا زمانہ تھا مگر رکن الدین نے اس مہلت کو گنوا دیا۔ اگر وہ حکمرانی کے لائق ہوتا تو سلطان شمس الدین التمش مرتے وقت اسی کو اپنا جانشین نامزد کرتا۔ چھ ماہ کے مختصر ترین دورِ حکومت میں بھی اس نے سنبھلنے کی کوشش نہیں کی۔ مجبوراً ترک سرداروں نے اس کا تختہ اُلٹ دیا۔ اب وہی معزول حکمراں اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو بچانے کے لئے دارالحکومت کی جانب رواں دواں تھا۔

ادھر سے سیف الدین ایبک اپنا لشکر لے کر دہلی کی حدود سے باہر نکلا۔ پھر ''کیلوکھڑی'' کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔ سیف الدین ایبک کا خیال تھا کہ ایک ہولناک خونریزی کے بعد یہ جنگ اپنے منطقی انجام کو پہنچے گی۔ مگر سلطان رکن الدین کے سپاہی بے دلی کے ساتھ لڑے۔ بالآخر سورج غروب ہوتے ہوئے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کا اقتدار بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

سیف الدین ایبک نے پہلے ہی اپنے سپاہیوں کو ہدایت کر دی تھی کہ سلطان کے جسم پر مشقِ ستم نہ کی جائے۔

نتیجتاً ایبک کے سپاہیوں نے اس طرف یلغار نہیں کی جہاں سلطان رکن الدین قلب میں کھڑا اپنی فوج کو لڑا رہا تھا۔ پھر جب میمنہ اور میسرہ کی صفیں درہم برہم ہو گئیں تو سلطان کے جاں نثار بھی میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ شکست کے آثار دیکھ کر رکن الدین فیروز شاہ نے بھی فرار ہونے کی کوشش کی مگر ایبک کے سپاہیوں نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ اسے گرفتار کر لیا۔ اس کشمکش میں سلطان کے جسم پر ہلکی سی خراش تک نہ آئی اور یہ سب کچھ رضیہ سلطانہ کے سخت احکامات کے زیرِ اثر ہو رہا تھا۔

بالآخر سلطان رکن الدین فیروز شاہ کو ایک قیدی کی حیثیت سے رضیہ سلطانہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

''آئینِ سیاست یہ ہے کہ جب دشمن پر غلبہ حاصل کر لو تو اس کا نام و نشان تک مٹا ڈالو۔'' رضیہ سلطانہ اپنے بھائی سے مخاطب تھی۔

''میں تاجدارِ ہند ہوں۔ مجھے کوئی نہیں مٹا سکتا۔'' سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی لاف زنی کا وہی عالم تھا۔ اسیر ہوتے ہوئے بھی اس کی زبان نفرتوں کے شعلے اُگل رہی تھی۔

''مگر میں تجھے نہیں مٹا سکتی میرے بھائی! کہ تُو بابا محترم کی نشانی ہے۔'' رضیہ سلطانہ کا لہجہ نرم تھا۔ ''اگر میں چاہتی تو تجھے میدانِ جنگ میں قتل کیا جا چکا ہوتا۔ اور دنیا یہ سمجھ کر خاموش ہو جاتی کہ جب دو حریف عرصۂ کارزار میں ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں تو کسی ایک کو زیرِ قبر جانا پڑتا ہے۔ مگر تُو اپنے جسم کو غور سے دیکھ کہ وہاں کسی زخم کا ہلکا سا نشان بھی نہیں ہے۔''

''اگر میں دوبارہ برسرِ اقتدار آ گیا تو تجھے سانس لینے کی مہلت بھی نہیں دوں گا۔'' کثرتِ شراب نوشی نے سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی دماغی صلاحیتوں پر بھی بہت برا اثر ڈالا تھا۔ موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی اور وہ زندہ رہنے کی کوئی تدبیر کرنے کے بجائے اپنی تباہی کے عمل کو تیز تر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

رضیہ سلطانہ چاہتی تھی کہ بھائی کے ساتھ مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے مگر سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی بد دماغی نے افہام و تفہیم کے تمام راستے بند کر دیئے تھے۔ آخر رضیہ سلطانہ ایک انتہائی ناگوار روش اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی۔ سلطان رکن الدین فیروز شاہ کو دہلی کے ایک مضافاتی قلعے میں نظر بند کر دیا گیا۔

❁==❁==❁

رکن الدین کے فتنے سے نجات پانے کے بعد رضیہ سلطانہ نے باقاعدہ اپنی تاج پوشی کا جشن منایا۔ تمام امرائے سلطنت نے فرمانروائے ہند کی خدمت میں قیمتی نذریں پیش کیں۔ جشن تاج پوشی میں بٹھنڈہ کا حاکم، ملک التونیہ بھی شریک تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی رضیہ سلطانہ نے پردہ ترک کر دیا۔ جب وہ پہلی بار مردانہ لباس میں جلوہ گر ہوئی تو اہلِ دربار اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ اگرچہ مردانی عبا اور عمامے نے رضیہ کے نسوانی حُسن کو متاثر کیا تھا لیکن اس کے دلکش نقش و نگار دیکھ کر انسانی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ ملک اختیار الدین التونیہ نے بہت پہلے محل کے خواصوں سے رضیہ سلطانہ کے حُسن کے چرچے سنے تھے اور پھر در پردہ اس پر عاشق ہو گیا تھا۔ آخر اسی عشق نے ملک التونیہ کو التمش کے سامنے دستِ سوال پھیلانے پر مجبور کر دیا تھا مگر التمش نے نہایت ہوشیاری اور سلیقے سے التونیہ کو ٹال دیا تھا۔ بظاہر یہ بات بہت پرانی ہو گئی تھی مگر التونیہ کے سینے کا زخم اسی طرح تازہ تھا۔ آج جب اس نے رضیہ سلطانہ کو

بے نقاب دیکھا تو بے قرار ہو گیا۔

پھر جب دربار برخاست ہو گیا تو ملک التونیہ خلوتِ سلطانی میں حاضر ہوا۔

رضیہ سلطانہ اس وقت بھی مردانہ قبا میں ملبوس تھی۔ فرمانروائے ہند نے جلالِ شاہانہ کے ساتھ اپنے ایک معزز امیر کا خیر مقدم کیا۔ ملک التونیہ ایک خاص منصوبے کے تحت رضیہ سلطانہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تھا۔ وہ اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ فرمانروائے ہند اس کی شخصیت سے متاثر ہوتی ہے یا دیگر امرائے سلطنت کی طرح روایتی سلوک کرتی ہے۔

''نظام الملک، علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی سیاسی پناہ حاصل کرنے کے لئے بٹھنڈہ آئے تھے۔'' ملک التونیہ نے گفتگو کا آغاز کیا۔

رضیہ سلطانہ نے نہایت پُرسکون انداز میں اس شخص کی طرف دیکھا جو مردانہ وجاہت کا بہترین نمونہ تھا۔ ''پھر آپ نے ان حضرات کو کیا جواب دیا؟'' رضیہ کے لہجے میں استقامت کے ساتھ بے نیازی بھی تھی۔

''میں نے انہیں پناہ دینے سے انکار کر دیا۔'' ملک التونیہ کے لہجے میں عشق کا گداز شامل تھا۔ حاکمِ بٹھنڈہ کی پیاسی نظریں مستقل رضیہ سلطانہ کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''کیوں؟'' فرمانروائے ہند نے ملک التونیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

ملک التونیہ کا خیال تھا کہ ایک عورت ہونے کی حیثیت سے رضیہ سلطانہ اس سے گفتگو کرتے وقت شرم اور جھجک کا شکار ہو جائے گی مگر حاکمِ بٹھنڈہ کی ساری قیاس آرائیاں غلط ثابت ہوئیں۔

''اس لئے کہ وہ آپ کے دشمن ہیں۔'' ملک التونیہ کے چہرے اور لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ہندوستان کی حکمراں سے نہیں، اپنی محبوب ہستی سے محوِ کلام ہے..... ''اور آپ کا دشمن میرا دشمن ہے۔''

''ہمیں آپ کا طرزِ عمل پسند آیا۔'' رضیہ سلطانہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھری مگر اس کی مسکراہٹ میں بھی ایک خاص تمکنت تھی۔

طویل گفتگو کے بعد ملک التونیہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ رضیہ سلطانہ اسے ایک فرمانبردار امیر سے زیادہ حیثیت دینے کے لئے آمادہ نہیں۔ حاکم بٹھنڈہ کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ ایک خوبصورت مرد اور طاقتور امیر ہونے کے باعث ملک التونیہ کو یقین تھا کہ رضیہ سلطانہ اس کی شخصیت کے طلسم میں گرفتار ہو جائے گی۔ مگر فرمانروائے ہند نے حاکم بٹھنڈہ کے مردانہ وجود کی نفی کر دی تھی۔

ملک التونیہ بڑی شکستہ حالت میں اٹھا۔ رضیہ سلطانہ بدستور اپنی کرسیٔ زرنگار پر بیٹھی رہی۔

پھر جیسے ہی حاکم بٹھنڈہ واپس جانے کے لئے مڑا، فرمانروائے ہند کی پُرجلال آواز گونجی۔

''اور ہمارے دشمنوں کو پناہ دیجئے گا بھی نہیں۔''

یہ کھلا حکم تھا اور پس پردہ تنبیہہ۔ ملک التونیہ کو محسوس ہوا کہ وہ بھی قصرِ سلطانی کا ایک خدمت گار ہے، رضیہ سلطانہ کے دل کا حکمراں نہیں۔

حاکم بٹھنڈہ ایک بار پھر ناکام و نامراد لوٹ گیا۔

جب ملک التونیہ واپس جا رہا تھا، اس وقت رضیہ سلطانہ کی سماعت میں اپنے مرحوم باپ سلطان التمش کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ''بیٹی! ملک التونیہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی رضیہ سلطانہ کو ان الفاظ کی بازگشت بھی سنائی دی تھی جو اس نے کئی سال پہلے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہے تھے۔ ''وہ مجھ پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہا ہے۔''

❁==❁==❁

ملک التونیہ نے بٹھنڈہ جانے سے پہلے امیر تاج الدین سے تنہائی میں ملاقات کی اور رضیہ سلطانہ کے سلسلے میں اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''سلطان مرحوم اس رشتے کو پسند فرما چکے تھے۔ مگر ان کی بے وقت موت نے صورتِ حال کو بدل ڈالا۔''

''مگر اب سلطان ہمارے درمیان موجود نہیں۔'' امیر تاج الدین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''اور پھر تم جس ہستی سے رشتے کے خواہش مند ہو، وہ خود با اختیار ہے۔''

''بس آپ میرا پیغام ان تک پہنچا دیجئے۔'' ملک التونیہ نے درخواست گزاری کے انداز میں کہا۔ ''اور یہ بات بھی سمجھانے کی کوشش کیجئے کہ ان کے لئے یہ رشتہ بہت سودمند ثابت ہو گا۔'' ملک التونیہ نے در پردہ ایک سیاسی رشوت کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''تم خود یہ ذکر کیوں نہیں چھیڑتے؟'' امیر تاج الدین گریزاں نظر آ رہا تھا۔

''آپ خوب جانتے ہیں کہ شرفاء کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔'' ملک التونیہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ ہماری تہذیبی روایت نہیں کہ ہم براہِ راست کسی خاتون کو شادی کا پیغام دیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ جیسا شفیق بزرگ بہتر انداز میں میری ترجمانی کر سکے گا۔''

''اگر تم زبانی طور پر اپنا مفہوم ظاہر نہیں کر سکتے تو پھر تحریر کا سہارا لو۔'' امیر تاج الدین صورتِ حال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے دامن بچا رہا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں رضیہ سلطانہ اس کی طرف سے بدگمان نہ ہو جائے۔

''زبان سے کہوں یا قلم کو اپنا ترجمان بناؤں، دونوں صورتیں ایک جیسی ہیں۔'' ملک التونیہ بہت اُلجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔

آخر امیر تاج الدین نے حاکم بٹھنڈہ سے وعدہ کر لیا کہ وہ اپنی بیوی کے ذریعے رضیہ سلطانہ تک اس کا پیغام پہنچا دے گا۔

ملک التونیہ کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی اور وہ امیر تاج الدین کا شکریہ ادا کر کے واپس چلا گیا۔

❁==❁==❁

تخت نشین ہوتے ہی رضیہ سلطانہ نے کئی احکام جاری کئے۔

شراب نوشی پر پابندی لگا دی گئی اور رقص و سرود کی محفلیں ممنوع قرار دے دی گئیں۔ رضیہ سلطانہ کو یہ بات سخت ناپسند تھی کہ صنفِ نازک اوباش مردوں کے سامنے کٹھ پتلی کی طرح ناچتی رہے۔ اس نے اپنے اس حکم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا۔

''عورت کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور اسے وہی درجہ دو جس کی وہ مستحق ہے۔''

بیوہ عورتوں کے وظیفے مقرر کئے گئے اور غریب لڑکیوں کی شادی کی ذمے داری حکومت کے سپرد کی گئی۔
سلطنت کے باغیوں، رہزنوں اور قزاقوں کے لئے سخت ترین سزا کا اعلان کیا گیا۔
اور آخر میں اس نے اہلِ دربار کو مخاطب کرتے ہوئے اپنا یادگار تاریخی جملہ کہا۔ ''قانون کے ہاتھ کھول دیئے گئے ہیں اور جرائم کو زنجیریں پہنا دی گئی ہیں۔''
اس کے ساتھ ہی رضیہ نے سکّوں پر لفظ ''سلطان اعظم'' کندہ کرنے کا حکم جاری کیا۔
اب اہلِ دربار شمس الدین التمش کی بیٹی کو ''سلطان اعظم'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

❁==❁==❁

جمال الدین یاقوت کو ''امیر آخور'' کے عہدے پر بحال کر دیا گیا۔ دربار ہو یا قصرِ سلطانی، وہ سائے کی طرح فرمانروائے ہند کے ساتھ ساتھ رہتا۔ ترک سردار اس کا یہ غلامانہ انداز دیکھ کر مذاق اُڑاتے تھے مگر وہ ان تمام باتوں سے بے نیاز اس وقت تک خواب گاہ کے دروازے پر کسی دربان کے مانند کھڑا رہتا جب تک کہ رضیہ سلطانہ گہری نیند نہ سو جاتی۔
فردوس کو یاقوت حبشی کا یہ عمل سخت ناپسند تھا۔ اس نے کئی بار اشارتاً اپنی آقا زادی کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ بارگاہِ سلطانی میں ایک نامحرم کی یہ رسائی کسی بڑے ہنگامے کا سبب بن سکتی ہے۔ مگر جب رضیہ نے اپنی کنیزِ خاص کے مشورے کو جھٹلا دیا تو وہ خاموش ہو گئی۔ یاقوت حبشی اطاعت و فرمانبرداری کے راستے سے آیا۔ پھر مسلسل قربانیاں دے کر حلقۂ اعتبار میں شامل ہو گیا۔ قلعے کے مکین اسے محافظِ خاص سمجھتے تھے مگر وہ رضیہ سلطانہ کی کمزوری بن چکا تھا۔
ایک دن رضیہ نے یاقوت حبشی کو طلب کر کے کہا۔
''تم نے اپنے سلطان کی خدمت میں کوئی نذر پیش نہیں کی؟'' رضیہ کے لہجے میں محبت آمیز شکایت تھی۔
یاقوت حبشی نصف قد تک خم ہو گیا۔ ''غلام کیا نذر پیش کرے کہ اس کی اپنی کوئی جاگیر و ملکیت نہیں۔ سب کچھ سلطانِ اعظم کا ہے۔ بس ایک جانِ بے قرار میری ہے۔ مگر کیا کروں کہ نذرانۂ جاں بھی آقائے نعمت کے شایانِ شان نہیں۔'' یاقوت حبشی کے لہجے سے سرشاری جھلک رہی تھی۔
فخر و مسرت کے جذبات سے رضیہ سلطانہ کا چہرہ گلرنگ ہو گیا۔ اس نے بڑی عجیب نظروں سے اپنی کنیزِ خاص فردوس کی طرف دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ پوری مملکت میں اس جیسا کوئی اور ہے؟
فردوس کو اپنی آقا زادی کی یہ ادا پسند نہیں آئی تھی۔ ایک طرف حبشی زادے پر بارشِ کرم..... اور دوسری طرف بہرام غوری پر مشقِ ستم۔ فردوس نے چاہا کہ آج وہ بہرام غوری کے بارے میں سب کچھ بیان کر دے اور پھر فرمانروائے ہند سے پوچھے کہ جاں نثاری کسے کہتے ہیں؟ مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔ جس طرح بہرام غوری چپ چاپ جل رہا تھا۔ اسی طرح فردوس بھی اندر ہی اندر سلگتی رہی۔ اسے اپنی آقا زادی سے بے پناہ محبت تھی مگر جب سے بہرام غوری کو حوالۂ زنداں کیا گیا تھا، اسی دن سے فردوس اور رضیہ سلطانہ کے درمیان فاصلے حائل ہو گئے تھے۔

❁==❁==❁

ملک التونیہ کے جانے کے بعد امیر تاج الدین نے اپنی بیوی کے ذریعے بٹھنڈہ کے حاکم کا پیغام رضیہ سلطانہ تک پہنچا دیا۔
''شادی فطرت کا تقاضا اور انسانی ضرورت ہے سلطانِ اعظم!'' تاج الدین کی بیوی زرنگار خانم نے ملک التونیہ کی وکالت کرتے ہوئے کہا۔ ''ایک عورت کا تنہا رہنا کسی بھی صورت میں مناسب نہیں۔ اور پھر ملک التونیہ ایک طاقتور امیر ہے۔ اس شادی کے بعد آپ کی سلطنت کو زیادہ استحکام حاصل ہو گا۔''
رضیہ سلطانہ خاموشی سے زرنگار خانم کی گفتگو سنتی رہی۔ پھر بڑے بے تکلفانہ انداز میں بولی۔ ''امیر تاج الدین، ملک التونیہ کا پیغام لے کر خود کیوں نہیں آئے؟''
''وہ ایک مرد ہونے کی حیثیت سے اس موضوع پر کھل کر بات نہیں کر سکتے تھے۔'' زرنگار خانم نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔
زرنگار خانم کو امید ہو چلی تھی کہ رضیہ سلطانہ شادی کے لئے آمادہ ہو جائے گی۔ مگر جب امیر تاج الدین اپنی بیوی کے ساتھ خلوتِ سلطانی میں داخل ہوا تو صورتِ حال بدل چکی تھی۔
''مجھے افسوس ہے کہ آپ نے اس شخص کی وکالت کی جو مردِ میدان نہیں تھا۔'' رضیہ سلطانہ نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا۔
امیر تاج الدین گھبرا کر اس دوشیزہ کا منہ دیکھنے لگا جو اپنے طرزِ گفتار میں مردوں سے زیادہ بے باک تھی۔
''بے شک اس نے بابا محترم سے میرا رشتہ مانگا تھا مگر پھر مصیبت کے وقت مجھے بھول کیوں گیا؟'' رضیہ سلطانہ کی آواز معمول سے زیادہ بلند ہو گئی تھی۔ ''اس نے سلطان رکن الدین کے خلاف اعلانِ بغاوت کیوں نہیں کیا؟'' وہ اس وقت کیوں نہیں آیا، جب کسی ہمدرد کا انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ آج موسم بدل گیا ہے تو اسے ماضی کے رنگین خواب یاد آ رہے ہیں۔ کہہ دیجئے اس سے کہ ان خوابوں کی کوئی تعبیر نہیں۔''
امیر تاج الدین کے پاس رضیہ سلطانہ کے کسی سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا اور پھر اس نے ملک التونیہ کے نام ایک خط میں ساری تفصیلات تحریر کر دیں۔

❁==❁==❁

اقتدار سے محروم ہو جانے کا صدمہ اتنا شدید تھا کہ ملکہ ترکان شاہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی تھی۔ ایک دن اس پر اتنا سخت دورہ پڑا کہ وہ زنداں کی سنگی دیواروں سے سر ٹکراتی رہی اور پھر بے ہوش ہو گئی۔ رضیہ سلطانہ کے حکم پر بہترین طبیبوں نے دن رات اس کی نگہداشت کی مگر دماغ سے زیادہ خون بہہ جانے کے سبب وہ دوبارہ ہوش میں نہ آ سکی اور ایک عجیب بے چارگی کے عالم میں دنیا سے گزر گئی۔
سلطان رکن الدین بھی مستقل بیمار رہتا تھا۔ کثرتِ شراب نوشی سے اس کے پھیپھڑے تباہ ہو چکے تھے اور وہ قید خانے میں مسلسل خون تھوک رہا تھا۔ رضیہ نے اسے بھی علاج کی تمام تر سہولتیں فراہم کیں مگر کوئی طبیب دق کے

موذی مرض پر قابو نہ پا سکا۔ رکن الدین کی حالت روز بہ روز بگڑتی جا رہی تھی۔

❁==❁==❁

سیف الدین ایبک نے کئی بار بہرام غوری کی سفارش کی مگر ہر مرتبہ رضیہ سلطانہ نے ایک ہی جواب دیا۔

''اگر وہ سرِ دربار اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے معافی طلب کرے تو اس کی سزا موقوف کی جا سکتی ہے۔''

سیف الدین ایبک نے اس سلسلے میں بہرام غوری سے بات کی تو معزول سپہ سالار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اب زندگی کی کوئی ہوس نہیں ہے۔ موت سے میرا معاہدہ ہو چکا ہے۔ ایک دن وہ آئے گی اور بڑی شان کے ساتھ مجھے لے کر گھر چلی جائے گی۔''

''مگر میرے بھائی! تم نے ایسا کیوں کیا؟'' سیف الدین کا لہجہ بہت اُداس تھا۔

''میں رکن الدین پر تلوار کیسے اُٹھاتا کہ وہ بھی تو میرے سلطان کی اولاد ہے۔'' بہرام غوری نے بات کو ٹالنے کی کوشش کی۔

''تلوار تو میں نے بھی اٹھائی مگر ظلم کے خلاف۔'' سیف الدین ایبک نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''تمہاری بات اور ہے۔ میں ظالم اور مظلوم کے فرق کو نہیں سمجھتا۔'' یکایک بہرام غوری کا لہجہ بدل گیا تھا۔ ''مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔'' یہ کہہ کر بہرام غوری نے منہ پھیر لیا۔

سیف الدین ایبک چلا گیا۔ اس کے دماغ میں کئی سوالات اُبھر رہے تھے۔

''بہرام غوری، سلطان کا اتالیق بھی رہ چکا ہے۔'' ایبک نے سوچا۔ ''پھر اپنے اتالیق کے ساتھ سلطان کا رویہ اس قدر بے رحمانہ کیوں ہے؟'' ایبک کا ذہن اُلجھتا چلا گیا۔

کچھ دن بعد ایبک ملاقات کے لئے آیا تو بہرام غوری نے ملنے سے انکار کر دیا۔

❁==❁==❁

فردوس شدید اذیت میں مبتلا تھی۔ جب سے بہرام غوری کو حوالۂ زنداں کیا گیا تھا، وہ ایک رات بھی سکون کی نیند نہیں سوئی تھی۔ اس نے کئی بار بہرام غوری سے ملنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ وہ ایک سیاسی قیدی تھا اور سلطان کی مرضی کے بغیر اس سے ملاقات ممکن نہیں تھی۔ آخر فردوس اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی اور رضیہ سلطانہ کی بارگاہ میں عرضِ حال کر بیٹھی۔

''آج یہ کنیز آپ سے اپنی خدمات کا صلہ مانگتی ہے سلطانِ اعظم!'' فردوس نے رضیہ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔

''مانگنے کا یہ کون سا انداز ہے فردوس؟'' رضیہ سلطانہ نے اپنی کنیز کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''تُو ہماری کنیز نہیں، رازدار بھی ہے۔''

''میری طلب، میری حیثیت سے بہت زیادہ ہے۔'' فردوس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

''اگر وہ چیز ہماری دسترس میں ہے تو پھر تیرا دامن خالی نہیں رہے گا۔'' رضیہ سلطانہ نے کنیزِ خاص کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''تُو اپنی حیثیت کو نہ دیکھ، ہمارے دستِ کرم پر نظر کر کہ خدا نے اسے کیسی وسعت اور فراخی بخشی ہے۔''

''تو پھر مجھے بہرام غوری سے ملنے کی اجازت مرحمت کی جائے۔'' یہ کہتے کہتے فردوس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں اور آواز کانپ رہی تھی۔

اپنی کنیزِ خاص کی عرضداشت سن کر رضیہ سلطانہ سناٹے میں آ گئی۔

کچھ دیر تک کمرے کے بام و در پر گہرا سکوت طاری رہا جیسے وہ سلطانِ اعظم کی خلوتِ خاص نہ ہو، قبرستان کا کوئی ویران گوشہ ہو۔ رضیہ کی نظریں اپنی کنیز کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ والیٔ ہند کا خیال تھا کہ فردوس اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکے گی اور گھبرا کر جان کی امان مانگنے لگے گی۔ مگر رضیہ کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا۔ فردوس ذہنی کشمکش کا شکار تھی لیکن اس کے چہرے سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ خوف و دہشت میں مبتلا ہے۔

رضیہ انتظار کر رہی تھی کہ فردوس آگے بڑھ کر دوبارہ اس کے پیروں پر سر رکھ دے اور پھر کسی گداگر کی طرح اپنی زندگی کی بھیک مانگے۔ مگر جب کنیزِ خاص نے کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا تو ہندوستان کی حکمران فردوس سے مخاطب ہوئی۔

''تجھے اندازہ ہے کہ تُو نے ہم سے کس چیز کا سوال کر ڈالا؟'' آج رضیہ سلطانہ کا لہجہ یکسر بدلا ہوا تھا۔

فردوس کبھی اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہی تھی کہ وہ آقا زادی کی دوست ہے۔ اس نے ہمیشہ اپنے آپ کو ایک کنیز ہی سمجھا۔ مگر آج رضیہ سلطانہ نے بھی اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ محض ایک کنیز کے سوا کچھ نہیں۔

"میں نے سلطانِ اعظم کی قدرتِ اختیار دیکھ کر ہی سوال کیا ہے۔" غیر متوقع طور پر فردوس کے لہجے میں بڑی استقامت تھی۔

"مگر تُو نے اپنے سوال کی نوعیت پر غور نہیں کیا۔" یکایک رضیہ سلطانہ غضب ناک نظر آنے لگی تھی۔ "تُو اس شخص سے ملاقات کی خواہش مند ہے جو بارگاہِ سلطانی کا معتوب ہے۔"

"یہ بات میرے پیشِ نظر تھی سلطانِ اعظم!" فردوس کا لہجہ عاجزانہ تھا۔

"پھر تُو نے یہ مجرمانہ جسارت کیوں کی؟" رضیہ سلطانہ نے اپنی کنیزِ خاص سے پوچھا۔

"میرے فرض کی پکار اس قدر تھی کہ میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی۔" یہ کہتے ہوئے فردوس کے چہرے پر ایک عجیب سا رنگ اُبھر آیا تھا۔ "میں اس پکار پر دیوانہ وار دوڑی تھی مگر میرے پیروں میں زنجیریں تھیں، اس لئے منہ کے بل گر پڑی۔"

"کیسی زنجیریں؟" رضیہ سلطانہ نے چونک کر کہا۔ "اُلجھی ہوئی باتیں نہ کر۔ تجھے خوب معلوم ہے کہ میں اس طرزِ کلام سے نفرت کرتی ہوں۔"

"اگر میں خفیہ طور پر بہرام غوری تک پہنچ سکتی تو یہ راز آپ پر کبھی فاش نہ ہوتا اور میں چپ چاپ قبر میں سو جاتی۔" فردوس کے گلرنگ چہرے پر سلگتی ہوئی حسرتوں کا دھواں پھیلتا جا رہا تھا۔

"آخر تُو بہرام غوری سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟" رضیہ سلطانہ نے ناگوار لہجے میں کہا۔

"کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ غوری شہزادے پر اس قیامت کی تنہائی گزرے گی۔" فردوس کی پلکیں بھیگنے لگی تھیں۔ "کوئی غلام، کوئی کنیز تو ہو ان کی خدمت کے لئے۔"

"کوئی اور کیوں نہیں آیا؟" رضیہ سلطانہ کے لہجے کی وہی سختی لوٹ آئی تھی۔ "تیرا اس سے کیا رشتہ ہے؟"

"میں ان کی کنیز ہوں۔" فردوس نے کسی جھجک کے بغیر بہرام غوری کی محبت کا اقرار کر لیا۔ "اور ایک کنیز کا فرض ہے کہ آخری سانس تک اپنے آقا کی خدمت گزاری کا فریضہ انجام دیتی رہے۔"

رضیہ سلطانہ ایک بار پھر سناٹے میں آ گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ فردوس، بہرام غوری کے عشق کی اسیر نکلے گی۔

"مگر تُو تو ہماری کنیز ہے۔" اب رضیہ سلطانہ اپنے حقیقی خدوخال میں ظاہر ہوئی تھی۔ "بہرام غوری درمیان میں کہاں سے آ گیا؟"

"بے شک! آپ آقائے نعمت ہیں۔ میرے جسم اور دماغ پر آپ ہی کی حکومت ہے۔" یہ کہتے ہوئے فردوس نے ایک فرمانبردار کنیز کی طرح سر جھکا دیا تھا۔

"اور تیرے دل کا حکمراں کون ہے؟" رضیہ سلطانہ نے جوشِ جذبات میں ایک بے معنی سوال کر ڈالا تھا۔

"میں دل سے بھی آپ کا بہت احترام کرتی ہوں۔" فردوس کے لہجے سے اپنی آقائے نعمت کے لئے انتہائی عقیدت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"بات احترام کی نہیں، حکمرانی کی ہے۔" رضیہ سلطانہ قصداً ایسے سوالات کر رہی تھی، جن کا جواب آسان نہیں تھا۔

"حکمرانی کے کئی انداز ہوتے ہیں سلطانِ اعظم!" فردوس، رضیہ کے سوال کا مفہوم سمجھ گئی تھی مگر اس نے جان بوجھ کر واضح جواب دینے سے گریز کیا تھا۔ "میں آپ کے مقابلے میں سلطان رکن الدین کی حکمرانی کو تسلیم نہیں کرتی۔"

فردوس کی حاضر جوابی دیکھ کر رضیہ حیران رہ گئی۔ فردوس ایک باخبر اور ذہین دوشیزہ تھی۔ اس کی منطقی دلیل سن کر رضیہ سلطانہ کو مطمئن ہو جانا چاہئے تھا مگر بہرام غوری کے ذکر نے فرمانروائے ہند کو اس قدر مشتعل کر دیا تھا کہ وہ سوال پر سوال کئے جا رہی تھی۔ "مگر تُو ایک وقت میں دو انسانوں کی غلامی اختیار نہیں کر سکتی۔"

"عزت مآب مجھ سے بہتر جانتی ہیں کہ غلامی کے انداز بھی جداگانہ ہوتے ہیں۔" فردوس شدید کشمکش میں مبتلا تھی۔

"آپ کی غلامی کچھ اور ہے، بہرام کی غلامی کچھ اور۔ آقائے نعمت! مجھے کسی آزمائش میں نہ ڈالئے۔"

رضیہ سلطانہ چاہتی تو اپنی کنیز کو اس کشمکش سے نجات دے سکتی تھی لیکن گردشِ وقت نے صورتِ حال کو بری طرح اُلجھا دیا تھا۔ فرمانروائے ہند، بہرام غوری کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں تھی اور اسی حوالے سے فردوس بھی اس کے عتاب کا شکار ہو گئی۔

"جو ہمارا معتوب ہے، وہی تیرا محبوب ہے۔" تمام انسانی رشتوں کی نزاکتیں ختم ہو گئی تھیں اور اب صرف قہرِ سلطانی باقی رہ گیا تھا۔ "جب ہماری نظر میں بہرام غوری ایک راندۂ درگاہ ٹھہرا ہے تو پھر تیری خلوت گاہِ دل میں اسے کیسے پناہ مل سکتی ہے؟..... نہیں فردوس! یہ ممکن نہیں۔ تجھے بھی اسے سرِ عام ٹھکرانا ہوگا۔"

"جس کے روبرو آنکھ نہ اُٹھ سکے اور جس سے بات کرتے وقت قوتِ گفتار چھن جائے، میں اس سے کیسے کہوں کہ وہ خلوتِ دل سے واپس چلا جائے؟" اگرچہ پوری فضا قہرِ سلطانی کی آگ سے جل رہی تھی لیکن فردوس کے لہجے سے کیف و سرور کی شبنم برس رہی تھی۔

"وہ کہاں آیا تھا آقائے نعمت! میں خود اُس کی بارگاہِ غرور و ناز میں سر کے بل گئی تھی۔"

"وہ تو ہماری بارگاہِ ناز میں سجدہ ریز تھا۔ پھر تُو اس کے آستانے پر کیوں گئی؟" رضیہ سلطانہ کو کسی طرح قرار نہیں تھا۔ "یہ تو اور بھی بڑا گناہ ہے فردوس! کہ تُو نے اس شخص کو ورغلایا جو ہمارے التفات کا محتاج تھا۔" رضیہ سلطانہ ایک متوازن ذہن رکھنے والی خاتون تھی مگر بہرام غوری کے اظہارِ عشق نے اس کے لئے کئی نفسیاتی مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ ایک طرف وہ غوری شہزادے کے جذبات کی پذیرائی کرنے سے قاصر تھی اور دوسری طرف اسے یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ قصرِ سلطانی کی کوئی کنیز بہرام غوری کو اپنی مملکتِ دل کا تاجدار بنا لے۔

"سلطانِ اعظم خوب جانتی ہیں کہ یہ کنیز خیانت جیسے گناہِ عظیم کی مرتکب نہیں ہوئی ہے۔" فردوس بڑی بے باکی کے ساتھ اپنی وکالت کر رہی تھی۔ "اگر آپ میرے اس فطری عمل کو گناہ قرار دیتی ہیں تو پھر میں اتنا عرض کرنے کی اجازت چاہوں گی کہ مجھ سے یہ گناہ اس وقت سرزد ہوا، جب آقائے نعمت نے بہرام غوری کا کشکول توڑ دیا تھا اور اس پر اپنی بخشش و عطا کے تمام دروازے بند کر دیئے تھے۔"

رضیہ سلطانہ کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا مگر انسانی انا شکست تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔

"کچھ بھی ہو فردوس! تجھے بہرام غوری کو فراموش کرنا ہوگا۔ اس کی یادوں کی حفاظت تیرے حق میں بہتر ثابت نہیں ہوگی۔" فرمانروائے ہند نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

فردوس خاموش کھڑی رہی۔ اس کا چہرہ بجھتا جا رہا تھا جیسے چراغِ آخر شب کی لو تھرتھرا رہی ہو۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آقائے نعمت کے دامنِ کرم میں میرے لئے کچھ نہیں ہے۔'' فردوس کا لہجہ انتہائی شکستہ تھا۔ ''آپ بھی کیا کریں سلطانِ اعظم! کہ سوال کرنے والا ہی پاگل ہے۔'' یہ کہہ کر فردوس واپس جانے لگی۔

''نہ تُو پاگل ہے فردوس! اور نہ تیری آقائے نعمت کا دستِ کرم مفلوج ہوا ہے۔'' رضیہ کی پُر جلال آواز سے خلوتِ سلطانی گونج اُٹھی۔

فردوس گھبرا کر مڑی اور پریشان نظروں سے فرمانروائے ہند کی طرف دیکھنے لگی۔

''جا! ہم تجھے اختیار دیتے ہیں کہ تُو دونوں میں سے کسی ایک کی غلامی کا انتخاب کر لے۔'' رضیہ سلطانہ نے اپنی کنیزِ خاص کو ایک نئی آزمائش میں ڈال دیا تھا۔

''سلطانِ اعظم اس سے زیادہ عطا کرنے پر قادر ہیں۔'' فردوس، بہرام غوری کی خدمت کے ساتھ اپنے آقا شمس الدین التمش کا حق نمک بھی ادا کرنا چاہتی تھی۔

''نہیں فردوس! تُو درجۂ اعتبار سے گر چکی ہے۔'' رضیہ سلطانہ نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ ''ہم اپنی محبت میں کسی کی شرکت گوارا نہیں کرتے۔ آج سے تُو آزاد ہے۔ ہمیں چھوڑ دے اور اس شخص کی غلامی اختیار کر لے جو تیری آقائے نعمت کا مقتول بھی ہے اور معتوب بھی۔

فردوس کچھ دیر تک رحم طلب نظروں سے رضیہ سلطانہ کی طرف دیکھتی رہی کہ شاید وہ اپنا فیصلہ بدل ڈالے مگر جب فرمانروائے ہند کے چہرے پر اُبھرنے والے نفرت و حقارت کے رنگ مزید گہرے ہوتے گئے تو فردوس بڑی شکستہ حالت میں اُلٹے قدموں چلتی ہوئی خلوتِ سلطانی سے نکل گئی۔ رضیہ سلطانہ اس وقت تک فردوس کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی، جب تک اس کی کنیزِ خاص آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔ فرمانروائے ہند کو یقین تھا کہ فردوس اُس کی آتشِ جلال کے سامنے پگھل کر موم ہو جائے گی اور آن کی آن میں اس کے سر سے بہرام غوری کے عشق کا نشہ اُتر جائے گا۔ مگر جب فردوس چلی گئی تو رضیہ سلطانہ کو اندازہ ہوا کہ ایک کنیز کے دل میں بھڑکنے والا شعلۂ عشق اُس کی آتشِ جلال سے زیادہ با اثر تھا۔

❄==❄==❄

فردوس، بہرام غوری سے ملنے کے لئے زنداں کے اس گوشے میں پہنچی جو بڑے سیاسی قیدیوں کے لئے مخصوص تھا۔ غوری شہزادہ، رضیہ سلطانہ کی کنیزِ خاص کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

''فردوس تم؟'' بہرام غوری نے آنے والی کو اس طرح دیکھا کہ جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے اچانک کوئی ناقابلِ یقین منظر اُبھر آیا ہو۔

''ہاں شہنشاہ! یہ میں ہوں۔ آپ کی ادنیٰ ترین کنیز، فردوس۔'' وہ بہرام غوری کے روبرو گھٹنوں کے بل جھک گئی۔

''تمہیں اس دشتِ عذاب میں نہیں آنا چاہئے تھا۔'' بہرام غوری کے لہجے سے شدید پریشانی جھلک رہی تھی۔

''میں نہیں آتی تو پھر کون آتا؟'' فردوس کے لہجے میں بڑی سرشاری تھی۔

''میں نے کسی کو نہیں پکارا تھا۔ پھر کوئی یہاں کیوں آیا؟'' بہرام غوری قصداً فردوس سے خشک لہجے میں گفتگو کر

رہا تھا۔

''مجھے بھی نہیں؟'' فردوس نے گھبرا کر پوچھا۔

''ہاں! تمہیں بھی نہیں۔'' بہرام غوری پذیرائی کے ہر انداز سے گریزاں نظر آ رہا تھا۔ ''تمہیں خوب معلوم ہے کہ میں صحرائے زندگی سے تنہا گزر رہا ہوں۔ اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں نے تنہائی سے گھبرا کر ایک ہی ہستی کو آواز دی تھی۔ اب یہ میری بدنصیبی کہ اس نے میری آواز نہیں سنی۔''

چند لمحوں کے لئے فردوس کا چہرہ بجھ کر رہ گیا۔ پھر وہ سنبھل گئی۔ ''یہ آپ کا منصب تھا کہ آپ آواز نہ دیتے اور یہ میرا فرض تھا کہ میں ہر حال میں حاضرِ خدمت ہوتی۔'' فردوس کے لہجے میں وہی سرشاری لوٹ آئی تھی۔

بہرام غوری جانتا تھا کہ فردوس دنیا کے سیاست کدے میں جان کی بازی کھیل رہی ہے اور اس انداز کے کھلاڑی کبھی کامیاب نہیں رہتے۔ غوری شہزادے نے بہت چاہا کہ ایک لاوارث کنیز، وقت کے مصائب سے محفوظ رہے۔ وہ فردوس کے سامنے مسلسل اپنی بیزاری اور تغافل کا مظاہرہ کر رہا تھا کہ ایک کمزور دوشیزہ اپنے عافیت کدے میں واپس چلی جائے۔ مگر آج فردوس کو درِ زنداں پر دیکھ کر بہرام غوری نے محسوس کیا کہ وہ بتدریج مقتل کی طرف بڑھ رہی ہے۔

''اس سے پہلے کہ تمہاری آقائے نعمت کی پیشانی پر کبھی نہ مٹنے والا بل پڑ جائے، تم چپ چاپ اپنے سائبان کی طرف لوٹ جاؤ۔'' بہرام غوری نے بہت نرم لہجے میں فردوس کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''اب میرے سر پر کوئی سائبان باقی نہیں رہا۔'' فردوس نے اس حادثے کی ساری تفصیلات بہرام غوری کو سنا دیں جو کچھ دیر پہلے رونما ہو چکا تھا۔

''پھر تُو وقت کے اس جہنم کدے سے نکل کر کہاں جائے گی؟'' بہرام غوری یہ سنگین صورتِ حال دیکھ کر گھبرا گیا۔

''یہاں تو ہر طرف دھواں ہی دھواں ہے۔ تیری سانس گھٹ جائے گی۔'' بہرام غوری پہلی بار فردوس سے بے تکلفانہ انداز میں مخاطب تھا۔ ''یہ وہ آگ نہیں ہے، جس سے نجات حاصل کی جا سکے۔ یہ بجھانے سے اور بھڑکتی ہے۔ خدا تجھ پر اپنی رحمت نازل کرے۔ میری ہر نصیحت رائیگاں گئی اور تُو نے دوزخ کا انتخاب کر لیا۔''

''میں اسے دوزخ نہیں سمجھتی شہنشاہ!'' زنداں کے اندھیروں میں فردوس کی مسکراہٹ کے چراغ جل اٹھے۔ ''ہاں اگر آپ نے میری اس ریاضت کو قبول نہیں کیا تو پھر میرے لئے باغِ بہشت بھی جہنم بن جائے گا۔''

''میں تیری ریاضت کا پہلے بھی قائل تھا اور اب بھی اعتراف کرتا ہوں۔ مگر یہ سلامتی کا راستہ نہیں ہے۔'' بہرام غوری چاہتا تھا کہ کسی طرح قصرِ سلطانی کی یہ کنیز رضیہ کے قہر و عتاب سے محفوظ رہے۔ ''تُو آقائے نعمت کے سامنے میری ذات کی نفی کر دے۔ میں ہر حال میں تجھ سے راضی ہوں۔''

''نہیں شہنشاہ! میری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی۔'' فردوس نے بہرام غوری کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ ''اگر میری آمد سے آپ کو کسی زیاں کا اندیشہ ہے تو میں اپنے ہاتھوں سے ان مضطرب قدموں کو زنجیریں پہنا دوں گی۔ بے شک! سلطانِ اعظم کے مجھ پر بے شمار احسانات ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتیں تو کوئی ترک سردار، کوئی وزیرِ مملکت مجھ سے میرے وجود کا تقدس چھین چکا ہوتا اور میں ہوس کے مینا بازار میں اقتدار کے اشاروں پر رقص کر رہی ہوتی۔ مگر اس بخشش و عطا کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں آپ کی غلامی سے انکار کر دوں۔''

بہرام غوری اُداس نظروں سے اس کنیز کی طرف دیکھنے لگا، جس کے بدن پر غلامی کی کئی نشانیاں روشن تھیں مگر دل کسی شہنشاہ سے بھی زیادہ آزاد تھا۔

''میں تو اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں تیری محترم ذات تماشا نہ بن جائے۔'' صورتِ حال کے پیش نظر بہرام غوری کا اندازِ گفتگو بدل گیا۔ اب وہ مصنوعی بیزاری کا اظہار کرنے کے بجائے فردوس سے دلجوئی کی باتیں کر رہا تھا۔

''پورا قصرِ سلطانی ہی ایک تماشا گاہ بنا ہوا ہے۔ پھر آپ میری فکر کیوں کرتے ہیں؟''

''احسان کا بدلہ احسان کے سوا اور کیا ہے؟'' بہرام غوری کے لہجے میں دل کا گداز شامل تھا۔

فردوس ایک شکست خوردہ کنیز کی طرح آئی تھی اور ایک فاتح ملکہ کی طرح واپس چلی گئی۔ شہنشاہ نے اسے حریمِ ناز میں داخل ہونے کی اجازت دے دی تھی۔

❁==❁==❁

نظام الملک، علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی، لاہور کے حاکم ملک عزالدین کبیر خانی کی پناہ میں تھے۔ نظام الملک یہاں بھی چین سے نہیں بیٹھا اور رضیہ سلطانہ کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔

''ترک سردار کبھی ایک عورت کی غلامی پر رضامند نہیں ہوتے۔'' نظام الملک نے ایک خفیہ نشست میں ملک عزالدین کبیر خانی سے کہا۔ اس وقت علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی بھی موجود تھے۔

''پھر یہ سب کچھ کیوں ہوا؟'' ملک عزالدین نے استہزائیہ لہجے میں نظام الملک کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''میری آنکھیں تو یہی دیکھ رہی ہیں کہ تمام ترک امراء ایک عورت کا طوقِ غلامی پہن کر سر جھکائے سرِ دربار کھڑے ہیں۔''

''یہ اطاعت نہیں، انسانی مجبوریوں کا اظہار ہے۔'' نظام الملک بڑی ہوشیاری سے اپنی چال چل رہا تھا۔ ''اگر سلطان رکن الدین، ترکان شاہ کو با اختیار نہ بنا دیتا اور وہ ظالم عورت شرفائے وقت پر عرصۂ حیات تنگ نہ کر دیتی تو رضیہ سلطانہ کو کبھی اقتدار نصیب نہیں ہوتا۔''

''پھر؟'' ملک عزالدین بڑی حیرت سے نظام الملک کی گفتگو سن رہا تھا۔

''قسم کھا کر بتاؤ کہ کیا تم دل سے ایک عورت کی غلامی پر رضامند ہو؟'' نظام الملک نے بڑی عیاری کے ساتھ حاکمِ لاہور کی مردانگی کے بت پر ایک کاری ضرب لگائی۔

ملک عزالدین کبیر خانی کچھ دیر کے لئے اُلجھ کر رہ گیا، پھر محتاط لہجے میں بولا۔ ''جب تم جیسے معززینِ سلطنت مجبور ہوں تو پھر میں بھی.....'' حاکمِ لاہور نے اپنی بات نامکمل چھوڑ دی تھی۔

''تم اپنے دامن جاہ وجلال سے مجبوریوں کی اس گرد کو جھاڑ کیوں نہیں دیتے؟'' نظام الملک ایک خاص منصوبے کے تحت ملک عزالدین سے گفتگو کر رہا تھا۔ ''کب تک اپنی بقائے اقتدار پر یہ داغ سجائے زندہ رہو گے؟''

نظام الملک کی طعنہ زنی سن کر عزالدین کبیر خانی سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر کے لئے اسے سابق وزیر اعظم ہند کی شخصیت مشکوک نظر آنے لگی۔ حاکم لاہور نے سوچا کہ کہیں نظام الملک، رضیہ سلطانہ کا جاسوس تو نہیں ہے؟ یہ خیال آتے ہی ملک عزالدین ایک بار پھر محتاط ہو گیا۔

''تم ہی بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟'' حاکمِ لاہور مبہم گفتگو کر رہا تھا تاکہ کسی موقع پر اس کی گرفت نہ ہو سکے۔

''پورے ہندوستان میں تمہارے سوا عظیم ترکوں کی اخلاقی روایات کو بچانے والا کوئی نہیں۔'' نظام الملک، حاکمِ لاہور کو رضیہ سلطانہ کے خلاف ورغلا رہا تھا۔ ''میں نے ملک التونیہ سے بھی بات کی مگر وہ مردِ میدان ثابت نہیں ہوا۔ پھر وہ تمہارے مقابلے میں اتنا طاقتور بھی نہیں۔ مزید ستم یہ کہ حاکم بٹھنڈہ، رضیہ سلطانہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اگر التونیہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہو گیا تو پھر تم خود سمجھ سکتے ہو کہ تمہارا مستقبل کیا ہو گا؟''

ملک التونیہ کے بارے میں نظام الملک کے نئے انکشاف نے عزالدین کو حیرت زدہ کر دیا۔ حاکمِ لاہور، التونیہ کو اس لئے پسند نہیں کرتا تھا کہ سلطان التمش کو دوسرے غلاموں کے مقابلے میں اپنے اس غلام سے زیادہ محبت تھی۔

جب نظام الملک نے دیکھا کہ ملک عزالدین کبیر خانی کا ذہن منتشر ہو گیا ہے تو عیار سیاست دان نے ایک اور زبردست چال چلی۔

''تمہاری بقا اسی میں ہے کہ مرکز کو مضبوط نہ ہونے دو۔'' نظام الملک اتنی پستی میں اُتر گیا تھا کہ سلطنت کی تباہی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ''اب تمہارے علاقے پر وہی امیر حکومت کرے گا جس نے رضیہ کا ساتھ دیا ہے۔''

''مگر میں تو سلطان رکن الدین کا حامی نہیں تھا۔'' ملک عزالدین نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''میرا شمار فیروز شاہ کے باغیوں میں ہوتا ہے۔''

نظام الملک نے فوراً ہی نئی دلیل تراش لی۔ ''تمہارے اس دعوے کو ایک معمولی عقل رکھنے والا انسان ہی تسلیم نہیں کرے گا۔ اور رضیہ تو بہت شاطر خاتون ہے۔''

''آخر کیوں؟'' ملک عزالدین کبیر خانی، نظام الملک کی بات کا مفہوم نہیں سمجھا تھا۔

''اس لئے کہ تم نے رضیہ کی حمایت میں سلطان رکن الدین سے جنگ نہیں کی تھی۔ پھر تم مرکز کے وفادار کس طرح ٹھہرے؟'' نظام الملک نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا۔

ملک عزالدین نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی۔ نظام الملک نے سکون کا سانس لیا۔ حاکمِ لاہور بہت تیزی سے اس کے بچھائے ہوئے جال کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''علاؤالدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی کے لشکر بھی تمہارے ساتھ ہیں۔'' نظام الملک حاکمِ لاہور کو سنبھلنے کا موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ عزالدین اسی وقت رضیہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دے۔

آخر طویل مذاکرات کے بعد حاکمِ لاہور، ملک سیف الدین کوچی اور علاؤالدین شیر خانی کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا۔

اس معاہدے کے تحت مسلسل جدوجہد جاری رہے گی۔ فتح کی صورت میں نئے علاقے علاؤالدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ تینوں حکومتیں آخری وقت تک اس الحاق کو برقرار رکھیں گی اور نظام الملک ان کا مشیرِ سلطنت ہو گا۔

عزالدین شیر خانی اور ملک سیف الدین جیسے اوباش امیروں کو پُرآسائش زندگی بسر کرنے کے لئے نئی جاگیر درکار تھی۔ اس لئے وہ حاکمِ لاہور کی آڑ میں اپنے ذوق کی تکمیل چاہتے تھے۔

اور نظام الملک نہ صرف رضیہ سلطانہ کی ذلت و بربادی کا خواہاں تھا بلکہ اپنے سابقہ منصب کی بحالی بھی چاہتا تھا۔ ملک التونیہ سے مایوس ہونے کے بعد ملک عزالدین کبیر خانی اس کی آخری امید تھا۔ اگر لاہور کی پناہ گاہ بھی

چھن جاتی تو نظام الملک کی حیثیت اس دہشت زدہ گیدڑ سے مختلف نہ ہوتی جس کے تعاقب میں شکاری کتے مسلسل دوڑتے رہتے ہیں۔

❁==❁==❁

کنیز فردوس دوبارہ آقائے نعمت کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔ مگر رضیہ سلطانہ نے اسے یہ کہہ کر اپنی بارگاہِ جلال سے رخصت کر دیا تھا۔

''بہرام غوری کو اپنا آقا سمجھنے والی کنیز، خلوتِ سلطانی کی رازدار نہیں بن سکتی۔''

''وہ تو آپ کا کرمِ خاص تھا سلطانِ اعظم! ورنہ یہ کنیز تو پہلے بھی اس منصب کے لائق نہیں تھی۔'' اگرچہ فردوس پر رضیہ کا عتاب نازل ہو چکا تھا لیکن وہ پھر بھی فرمانروائے ہند کو چھوڑنے کے لئے آمادہ نہیں تھی۔ ''میں ہر حال میں صرف ایک کنیز رہنا چاہتی ہوں مگر آپ کے قدموں کے قریب تر۔''

''نہیں فردوس! تُو اپنا اعتبار کھو بیٹھی۔'' رضیہ سلطانہ نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ ''تُو اپنی مکروہ صورت کو ہماری نظروں کے سامنے سے گم کر دے ورنہ تیرا یہ منافق چہرہ دیکھ دیکھ کر ہم ہمیشہ ایک ناقابلِ بیان اذیت میں مبتلا رہیں گے۔''

فردوس اشکبار آنکھوں کے ساتھ چپ چاپ واپس چلی گئی۔ بدنصیب کنیز فرمانروائے ہند سے اتنا بھی نہ کہہ سکی کہ وہ منافق نہیں ہے۔

اب فردوس ایک عام کنیز تھی اور اس کی جگہ دوسری کنیز صوفیہ خلوتِ سلطانی کی رازداری بن گئی تھی۔

رضیہ سلطانہ کسی ایک خاتون کو اپنی رازداں بنانے کے لئے مجبور تھی۔ جمال الدین یاقوت حبشی اس کی کمزوری بن چکا تھا۔ فرمانروائے ہند کسی عام کنیز یا خدمت گار کے ذریعے امیرِ آخور کو طلب نہیں کر سکتی تھی۔ مجبوراً وہ فردوس کا سہارا لیتی تھی۔ فردوس ایک ذہین، وفا شعار اور ہمدرد کنیز تھی۔ اس نے بارہا اشاروں اور کنایوں میں اپنی آقائے نعمت کو یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ترک سردار، جمال الدین یاقوت کی اس قربت کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھ رہے ہیں۔ رضیہ سلطانہ کو فردوس کی یہ باتیں گراں گزر رہی تھیں۔ اور حالات کا یہی وہ موڑ تھا، جہاں سے فرمانروائے ہند کے دل میں اپنی کنیزِ خاص کے لئے ہلکی ہلکی کدورت پیدا ہونے لگی۔

پھر جب بہرام غوری کا معاملہ سامنے آیا تو یہی کدورت نفرت و غضب کا کثیف غبار بن گئی۔ یہاں تک کہ بچپن کی دوست نما کنیز راندۂ درگاہ قرار پائی۔

رضیہ سلطانہ کی نئی کنیز صوفیہ عیاری کی حد تک ذہین تھی۔ خوش گفتار ایسی کہ اگر کوئی ایک بار صوفیہ سے گفتگو کر لے تو پھر ہمیشہ کے لئے اس کے لفظوں کے طلسم میں گرفتار ہو جائے۔ مزاج آشنا انسان کی فطری کمزوریوں اور وقت کی رفتار کو سمجھنے والی۔ علم و ادب میں وہ فردوس سے کمتر تھی۔ مگر اسے مجلس میں نمایاں رہنے کا ہنر خوب آتا تھا۔ شکل و صورت کے اعتبار سے وہ ایک حسین و جمیل دوشیزہ تھی۔ غرض اپنی ان ہی صفات کے باعث وہ رضیہ سلطانہ کے حقیقی چھوٹے بھائی، شہزادہ معزالدین کی منظورِ نظر بن گئی تھی۔

جب رضیہ سلطانہ نے اپنی کنیزِ خاص کے لئے صوفیہ کا انتخاب کیا تو وہ پہلے معزالدین کی خدمت میں حاضر ہوئی اور شہزادے کے قدموں پر سر رکھ کر عرض کرنے لگی۔

''آقا! مجھ سے آپ کی یہ جدائی برداشت نہیں ہوگی۔'' صوفیہ کے لہجے میں بڑی وارفتگی تھی۔ وہ حقیقتاً معزالدین سے بت کرتی تھی۔ ''آپ سلطانِ اعظم سے کہہ دیں کہ وہ کسی اور کنیز کا انتخاب کر لیں۔ مجھ میں جرأتِ انکار نہیں ہے۔''

سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے بعد شہزادہ معزالدین، سلطان التمش کے تمام بیٹوں میں سب سے بڑا تھا۔ اس لئے وہ خود کو تاج و تخت کا حق دار سمجھتا تھا۔ مگر ترک امراء نے اسے نظرانداز کر کے رضیہ سلطانہ کے سر پر تاجِ سلطانی با دیا۔

شہزادہ معزالدین کو سردارانِ قوم کا یہ عمل سخت گراں گزرا۔ مگر اس میں بغاوت و سرکشی کی ہمت نہیں تھی۔ کم عمر نے کی وجہ سے ترک امراء اسے کوئی اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ لیکن ہوسِ اقتدار کی آگ اتنی تیز تھی کہ اس کے ں و دماغ جل اٹھے تھے اور وہ اپنی حقیقی بہن سے نفرت کرنے لگا تھا۔ اس نفرت کی ایک وجہ بارگاہِ سلطانی میں وت حبشی کی قربتِ خاص بھی تھی۔ جب رضیہ سلطانہ نے اپنی کنیزِ خاص کے لئے اس کی منظورِ نظر صوفیہ کا انتخاب کیا شہزادے کے چہرے پر خوشی کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔

''مجھے اسی دن کا انتظار تھا صوفیہ!'' شدتِ جذبات سے معزالدین کی آواز لرز رہی تھی۔

''کیا اس دن کا انتظار تھا کہ میں آپ سے جدا ہو جاؤں؟'' صوفیہ نے ایک خاص ادائے محبوبانہ کا مظاہرہ کرتے ئے کہا۔

''تُو احمق و نادان ہے صوفیہ!'' شہزادہ معزالدین نے مصنوعی غصے کا اظہار کیا۔ ''یہ چند گز کا فاصلہ کوئی حیثیت ں رکھتا۔ ویسے بھی تیری جگہ میرے دل میں ہے۔''

صوفیہ ابھی تک شہزادے کی خوشی کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھی۔

''رضیہ پر یہ راز کبھی ظاہر نہ ہو کہ تُو میری محبوبہ ہے۔'' شہزادہ معزالدین نے اپنی سیاست کی بساط بچھا دی تھی اور رائی بازی کھیلنے کے لئے ایک مہرے کے طور پر صوفیہ کو منتخب کر لیا تھا۔

''یہ ممکن نہیں آقا! کہ میں آپ سے اپنے رشتے کا انکار کر دوں۔'' صوفیہ بری طرح مچل گئی۔

''انکار کے لئے کون کہتا ہے؟'' شہزادہ معزالدین نے اپنی کنیز کو سمجھایا۔ ''رضیہ کے حلقۂ اعتبار میں شامل ہونے ے لئے تجھے میری ذات کو فراموش کرنا ہوگا۔''

صوفیہ نے اثبات میں اپنے سر کو جنبش دی۔ ''یہ تو بہت معمولی کام ہے۔ میں آپ کے لئے جان سے بھی گزر سکتی ں۔''

''جان سے گزریں گے تیرے دشمن۔'' معزالدین بڑے پُرفریب اور سحر کار لہجے میں صوفیہ سے گفتگو کر رہا تھا وہ نادان کنیز، شہزادے کے اشاروں پر رقص کر رہی تھی۔ ''جمال الدین یاقوت پر گہری نظر رکھنا کہ وہ حبشی زادہ، ندانِ سلطانی کے خلاف ایک بڑی خوف ناک سازش کر رہا ہے۔''

صوفیہ شہزادہ معزالدین کے منصوبے کی گہرائی تک پہنچ گئی تھی۔

پھر ایک دن رضیہ سلطانہ نے صوفیہ کو اپنی خلوت میں طلب کر کے پوچھا۔ ''رکن الدین فیروز شاہ کے بارے میں ا کیا خیال ہے؟''

صوفیہ نے حیرت زدہ نظروں سے فرمانروائے ہند کی طرف دیکھا اور وہ ذہین کنیز فوری طور پر سمجھ گئی کہ اس کا

امتحان شروع ہو چکا ہے۔

''سلطانِ اعظم کے سوا میری نظر میں کسی کی کوئی حیثیت نہیں۔'' صوفیہ نے وہی جواب دیا جو رضیہ سننا چاہتی تھی۔

''کیا وہ حق پر تھا؟'' رضیہ سلطانہ نے دوسرا سوال کیا۔

''ہرگز نہیں۔'' صوفیہ اس ہرنی کی طرح چوکنی ہو گئی تھی، جسے شکاری کے بڑھتے ہوئے قدموں کی آہٹ اپنے قریب سنائی دے رہی ہو۔

''کیوں؟'' رضیہ نے بہت غور سے صوفیہ کی طرف دیکھا۔

''سلطان مرحوم کی وصیت سے بغاوت کرنے والا پسندیدہ شخص نہیں ہو سکتا۔'' صوفیہ کے لہجے کی برجستگی قابل دید تھی۔

رضیہ سلطانہ کی غزالی آنکھوں میں چمک اُبھر آئی اور یہ چمک اس بات کی غماز تھی کہ فرمانروائے ہند، صوفیہ کے جواب سے مطمئن تھی۔

''اور امیر آخور کے متعلق امرائے سلطنت کیا کہتے ہیں؟'' آخر میں رضیہ نے سب سے زیادہ نازک اور مشکل سوال کر ڈالا تھا۔ یہ صوفیہ کی سب سے بڑی آزمائش تھی۔

صوفیہ کچھ دیر تک سر جھکائے سوچتی رہی، پھر ایک ایک نقطہ پر زور دیتے ہوئے بولی۔ ''وہ نسلی تعصب کی بنیاد پر امیر آخور سے حسد رکھتے ہیں۔''

رضیہ سلطانہ نے ستائشی نظروں سے صوفیہ کی طرف دیکھا۔ وہ ایک باخبر کنیز تھی اور فرمانروائے ہند کو ایک ایسی ہی خدمت گار کی ضرورت تھی۔

''اور امیر آخور کے بارے میں تیرا اپنا کیا خیال ہے؟'' یہ کہتے کہتے رضیہ سلطانہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اُبھر آئی تھی۔

صوفیہ نے محسوس کیا کہ وہ امتحان میں کامیاب ہو چکی ہے۔ ''جو سب سے زیادہ وفادار ہے، وہی سب سے زیادہ محترم ہے۔''

رضیہ سلطانہ کے ہونٹوں پر مچلتا ہوا تبسم مزید گہرا ہو گیا۔ یاقوت حبشی کی تعریف صوفیہ کو فرمانروائے ہند کے بہت قریب لے آئی تھی۔

❁==❁==❁

رضیہ سلطانہ شاہانِ قدیم کی طرح بھیس بدل کر اپنی رعایا کی خبر گیری کے لئے راتوں کو گشت کرتی۔ اس گشت کا مرکز دہلی کے وہ شہری اور مضافاتی علاقے ہوتے، جہاں غریبوں کی بستیاں آباد تھیں۔ رضیہ عشاء کی نماز ادا کر کے خفیہ راستوں سے گشت پر نکل جاتی اور نصف شب کے قریب قصرِ سلطانی واپس لوٹ آتی۔ جمال الدین یاقوت، حبشی افواجِ شاہی کا سالار سیف الدین ایبک اور جاں نثار سپاہیوں کا ایک دستہ اس کے ہمراہ ہوتا۔ گھوڑوں کو ایک خاص مقام پر چھوڑ دیا جاتا اور فرمانروائے ہند کے ساتھ تمام لوگ غریبوں کے لباس میں تنگ و تاریک گلیوں سے گزرتے اور کان لگا کر مکانوں کے اندر ہونے والی گفتگو سنتے۔

ایک رات رضیہ سلطانہ گشت پر تھی کہ ایک مکان سے کچھ بچوں کے رونے کی آوازیں اُبھرنے لگیں۔ وہ اپنی ماں سے کھانے کو روٹی مانگ رہے تھے اور ماں اُنہیں بددعائیں دے رہی تھی۔

''تمہارا باپ قید میں ہوگا۔ تم بھی اسی کے پاس چلے جاؤ۔ وہی تمہیں روٹی دے گا۔''

بچے ڈر کر چپ ہو گئے۔ پھر چند لمحوں کے سکوت کے بعد ایک بوڑھے کی آواز سنائی دی۔ ''بیٹی! انہیں کیوں ڈانٹتی ہے؟ یہ معصوم کیا جانیں کہ روٹی کہاں سے آتی ہے؟''

''بابا! میں کیا کروں؟'' عورت سسک سسک کر رونے لگی۔

''تُو رضیہ سلطانہ کے پاس گئی تھی؟'' بوڑھے نے عورت سے پوچھا۔ ''تُو نے بتایا کہ میرا شوہر ایک سپاہی تھا جو سلطان کی حمایت میں جنگ کرتے ہوئے مارا گیا اور آج اس کے غیرت مند بیوی بچے سوکھی روٹیوں کو ترس رہے ہیں۔''

رضیہ سلطانہ اس سے زیادہ سننے کی تاب نہیں رکھتی تھی۔ قصرِ سلطانی پہنچ کر فرمانروائے ہند نے عمدہ قسم کے کھانے پکوائے اور ایک سپاہی کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

''یہ سامان اس بدنصیب گھرانے میں پہنچا دو جس کا نگہبان مر چکا ہے اور جہاں معصوم بچے بھوک کی شدت سے بلک رہے ہیں۔''

سپاہی واپس جانے کے لئے مڑا تو رضیہ سلطانہ نے تنبیہہ کی۔ ''مگر ان لوگوں کو اس بات کی خبر نہ ہو کہ یہ کھانا میں نے بھیجا ہے۔''

❁==❁==❁

سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی حالت روز بہ روز بگڑتی جا رہی تھی۔ رضیہ کی ہدایت کے مطابق بہترین طبیب اُس کا علاج کر رہے تھے مگر دق کا موذی مرض اسے اندر ہی اندر گھن کی طرح چاٹ رہا تھا۔ رضیہ کو جب بھی فرصت ملتی، وہ بھائی کی عیادت کے لئے جاتی مگر رکن الدین ہمیشہ اسے انتہائی نازیبا کلمات سے نوازتا۔

سیف الدین ایبک نے کئی بار رضیہ کو سمجھایا کہ وہ ایک احسان فراموش شخص کی فکر چھوڑ دے مگر فرمانروائے ہند کا طرزِ عمل نہیں بدلا۔

''اگر وہ مجھ پر قابو پا جاتا تو یقیناً اب تک میری قبر تعمیر ہو چکی ہوتی۔ لیکن میں ایسا نہیں کروں گی۔'' رضیہ اپنے سالار کو جواب دیتی۔

''لب میں کچھ گھڑیوں کا مہمان ہوں۔'' الفاظ اس کی زبان سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔ ''بدن میں جس قدر لہو تھا، سب تھوک چکا۔ بس چند قطرے باقی رہ گئے ہیں۔'' رکن الدین کے چہرے پر موت کی زردی پھیلتی جا رہی تھی۔

بھائی کی شکستگی اور مایوسی دیکھ کر رضیہ بھی اُداس ہو گئی۔

''سینۂ سوزاں سے لٹی ہوئی حسرتوں کے قافلے رخصت ہو چکے۔'' رکن الدین کی آواز کانپ رہی تھی۔ ''اگر ہو سکے تو میری آخری خواہش کی تکمیل کر دے۔''

''بشرطیکہ وہ خواہش میرے دائرۂ اختیار سے باہر نہ ہو۔'' رضیہ سلطانہ نے محتاط انداز میں کہا۔

''اختیار؟'' رکن الدین کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ اُبھر آئی۔ ''بہت حقیری خواہش ہے۔'' پہلی بار رضیہ نے محسوس کیا کہ رکن الدین کے لہجے میں گداگری کا رنگ شامل تھا۔ ''بہت دنوں سے پیاسا ہوں۔ میرے لئے شراب اور رقص کا انتظام کردے۔ میں شہنشاہوں کی موت مرنا چاہتا ہوں۔''

''معاذ اللہ!'' رضیہ نے انتہائی تند و تیز لہجے میں کہا۔ ''اگر تیرا آخری وقت آ پہنچا ہے تو خدا کا نام لے۔ شہنشاہوں جیسی موت تجھے جہنم کا ایندھن بنا دے گی۔ اہلِ ایمان کی طرح موت کا استقبال کر! شاید نجات مل جائے۔''

رکن الدین اپنا دامنِ سوال پھیلائے چیختا رہا اور رضیہ سلطانہ زنداں سے نکل کر چلی گئی۔

سیف الدین ایبک نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ اس پر بھی برہم ہوگئی۔

آخر رات کے پچھلے پہر سلطان رکن الدین بڑی نامرادی کے عالم میں اپنی دنیا سے رخصت ہوگیا۔

❁==❁==❁

رضیہ سلطانہ بہ نفسِ نفیس بھائی کے جنازے میں شریک ہوئی۔ رکن الدین کو شاہی اعزاز کے ساتھ سلطان شمس الدین التمش کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

جب فرمانروائے ہند شاہی قبرستان کے دروازے پر پہنچی تو نذیر شاہ مجذوب دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخ رہے تھے۔

''اے دنیا! تُو کسی غلیظ اور مکروہ عورت کی مانند ہے۔ اس لئے میں نے تجھے سو بار طلاق دی۔''

نذیر شاہ کی آواز سن کر رضیہ سلطانہ پر دہشت سی طاری ہوگئی۔ اس نے اپنے سالار سیف الدین ایبک سے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔ ''یہ کون شخص ہے؟''

''آپ شاید ان سے واقف نہ ہوں۔'' سیف الدین ایبک نے کہا۔ ''یہ دہلی کے مردِ قلندر نذیر شاہ ہیں۔ انہیں دنیا سے کوئی غرض نہیں۔ اسی طرح سرِ راہ نعرہ زنی کرتے رہتے ہیں۔''

رضیہ کی آنکھوں کے سامنے بچپن کا وہ منظر گھوم گیا، جب علمائے دہلی کے ساتھ نذیر شاہ مجذوب بھی مجلسِ قرآن خوانی میں تشریف لائے تھے اور اس کی قرأت سن کر بے اختیار رونے لگے تھے۔

''میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔'' رضیہ نے ایبک سے کہا۔

سیف الدین تیزی سے آگے بڑھا اور نذیر شاہ کے قریب پہنچ کر انتہائی مؤدبانہ لہجے میں بولا۔ ''سلطان آپ سے ملاقات کی شدید خواہش مند ہیں۔''

''مگر میں تو ان سے ملنا نہیں چاہتا۔'' نذیر شاہ مجذوب نے ایک خاص ادائے بے نیازی کے ساتھ کہا۔

سیف الدین ایبک بجھے ہوئے چہرے کے ساتھ واپس آیا اور اس نے نذیر شاہ کا جواب فرمانروائے ہند کو منتقل کردیا۔

''اگر وہ خوشی سے نہیں آتے تو انہیں گرفتار کر کے محل پہنچا دو۔''

یہ کہہ کر رضیہ سلطانہ گھوڑے پر سوار ہوئی اور قصرِ سلطانی کی طرف روانہ ہوگئی۔

❁==❁==❁

سیف الدین ایبک شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ایک طرف نذیر شاہ کی قابل احترام روحانی شخصیت تھی، دوسری طرف رضیہ سلطانہ کا آمرانہ حکم۔ سیف الدین ایبک، نذیر شاہ کو زنجیریں کس طرح پہناتا کہ اس میں تو دہلی کے مجذوب سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔

''سید! میں بہت مجبور ہوں۔'' سالار سیف الدین ایبک دونوں ہاتھ جوڑے نذیر شاہ کے سامنے کھڑا تھا۔

''کیسی مجبوری؟'' دہلی کا مجذوب مسکرایا۔

''آپ سلطان سے ملنا نہیں چاہتے۔'' سیف الدین ایبک پر ایک مردِ قلندر کی اس قدر ہیبت طاری تھی کہ وہ رک رک کر بول رہا تھا۔ ''اور سلطان بضد ہیں کہ وہ آپ سے ملاقات کر کے رہیں گی۔'' ایبک نے نذیر شاہ کے احترام میں گرفتاری کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ اشاروں اور کنایوں میں اپنی بات کہنے کی کوشش کی۔

''تو پھر مجھے زنجیریں پہنا کر اپنی سلطان کے سامنے پیش کردو۔'' مجذوب کے ہونٹوں پر بکھرا ہوا تبسم مزید گہرا ہوگیا۔

سیف الدین ایبک نے گھبرا کر نذیر شاہ کی طرف دیکھا۔ درویشِ روشن ضمیر کی آنکھوں پر وہ راز عیاں ہو چکا تھا جو ابھی تک رضیہ سلطانہ اور سالار ایبک کے سینوں میں دفن تھا۔

''میری یہ جرأت کہاں؟'' سیف الدین نے نظریں جھکائے ہوئے کہا۔

''تم کس کے حکم سے مجبور ہو؟'' نذیر شاہ کا لہجہ نرم ہوگیا۔ ''بے خوف و خطر اپنا فرض ادا کرو۔''

مجذوب کو آمادہ پا کر سیف الدین ایبک کا حوصلہ بڑھا۔ ''تو پھر آپ زنجیروں کے بغیر ہی تشریف لے چلئے۔ کیوں مجھے گناہ گار کرتے ہیں؟''

نذیر شاہ کچھ دیر تک گہری سوچ میں ڈوبے رہے، پھر آہستہ سے بولے۔

''مگر سلطان مجھ سے مل کر کیا کریں گی؟ کہاں فرمانروائے ہند اور کہاں یہ در در بھٹکنے والا خانہ بدوش؟ میرا تو لباس بھی اس قابل نہیں کہ سلطان کے روبرو حاضر ہوسکوں۔''

سیف الدین ایبک حسرت زدہ نظروں سے مجذوب کی طرف دیکھتا رہا۔

پھر نذیر شاہ کو اس پر ترس آگیا۔ ''چلو! ایک تماشا اور سہی۔'' یہ کہہ کر نذیر شاہ قصرِ سلطانی کی طرف بڑھنے لگے۔

سالار سیف الدین ایبک اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے مجذوب کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

❁==❁==❁

قلعے کے مکینوں نے بڑی حیرت سے نذیر شاہ کو محل میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ جو لوگ نذیر شاہ کی شخصیت سے واقف تھے، ان کے چہروں پر عجیب سا رنگ اُبھر آیا تھا۔ قصرِ سلطانی میں مجذوب کی آمد کوئی عام سی بات نہیں تھی۔ باخبر لوگ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ بعض افراد نے آگے بڑھ کر نذیر شاہ کو سلام کیا مگر دہلی کے مجذوب نے ان کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

رضیہ سلطانہ کو خبر ہوئی تو وہ اپنے کمرے سے نکل کر تیز قدموں سے طویل راہداری کو طے کرنے لگی۔ فرمانروائے ہند کا خیال تھا کہ سیف الدین ایبک، نذیر شاہ کو زنجیریں پہنا کر لایا ہوگا۔ مگر جب اس نے مردِ قلندر کو زنجیروں کے

بغیر آتے دیکھا تو سکون کی ایک گہری سانس لی۔ رضیہ سلطانہ نے قریب پہنچ کر نذیر شاہ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔

''سلطان پر اللہ کی سلامتی ہو۔ مگر فقیر کو یہ انداز پسند نہیں آیا۔'' نذیر شاہ نے اس طرح کہا جیسے قصرِ سلطانی میں گزرنے والا ایک ایک لمحہ ان کی روح پر بارِ گراں ہو۔

''سید عالی مقام کو میری مجبوریوں کا کچھ تو اندازہ ہوگا۔'' رضیہ سلطانہ کے لہجے سے شرمساری کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ نذیر شاہ کے عقب میں چل رہی تھی۔

سیف الدین ایبک نے اشارے سے اجازت طلب کی اور واپس لوٹ گیا۔

''ہندوستان کا حکمراں مجبور کیسے ہوسکتا ہے؟'' نذیر شاہ کے لہجے میں تمسخر کے بجائے شگفتگی تھی۔

''بابا محترم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی رہوں۔'' رضیہ سلطانہ نے نذیر شاہ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''پھر اتنے دنوں تک سلطان کو اس فقیر کی یاد کیوں نہیں آئی؟'' نذیر شاہ نے بے نیازانہ کہا۔

رضیہ سلطانہ خاموش رہی۔

❁==❁==❁

طویل راہداری میں دونوں طرف محافظ سپاہی سر جھکائے کھڑے تھے جو نذیر شاہ کی طرف دیکھ کر نصف قد تک خم ہو جاتے تھے۔

''خدا تمہاری عمروں میں برکت دے۔'' نذیر شاہ مسلمان سپاہیوں کو دعائیں دیتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

''تم مملکتِ اسلامیہ کے محافظ ہو۔ خدا تمہاری کوششوں کو قبول کرے اور اجرِ عظیم عطا فرمائے۔''

اتنی دیر میں رضیہ سلطانہ اپنے کمرے کے قریب پہنچ چکی تھی۔

''اندر تشریف لے چلئے۔'' فرمانروائے ہند، مردِ قلندر کی میزبانی کرتے ہوئے کسی نیاز مند کی طرح جھکی جا رہی تھی۔

نذیر شاہ نے بام و در کی صناعی کو غور سے دیکھا اور رضیہ سلطانہ کے اس مخصوص کمرے میں داخل ہو گئے جہاں ہندوستان کی حکمراں اپنے امراء سے ملاقات کرتی تھی۔ کمرے میں نذیر شاہ کے لئے خاص طور پر ایک تخت بچھوایا گیا تھا جو اونچائی میں رضیہ سلطانہ کی کرسیٔ زرنگار سے کسی قدر بلند تھا۔

''آپ اس مسند کو رونق بخشیں۔'' رضیہ نے تخت کی طرف اشارہ کیا۔

مجذوب کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ رضیہ نے محسوس کیا کہ مبارک شاہ اچانک اُداس ہو گئے ہیں۔ وہ کچھ دیر تک آبنوس کی لکڑی سے بنے ہوئے تخت کو دیکھتے رہے، جسے ایک قیمتی قالین سے آراستہ کیا گیا تھا۔ پھر زور زور سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دینے لگے۔

''ہرگز نہیں سلطان! ہرگز نہیں۔'' نذیر شاہ کے انکار کا انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے سرخ قالین، انسانی خون میں ڈوبا ہوا ہو۔ ''جس انسان کو قبر کی زمین کی سختی اور ویرانی یاد ہو، وہ اس پر نہیں بیٹھ سکتا۔''

رضیہ پریشان نظر آنے لگی۔ مہمان نے اس کی تواضع کو قبول نہیں کیا تھا۔

نذیر شاہ نے پلٹ کر دیکھا، فرمانروائے ہند کے چہرے پر خفت کی آثار نمایاں تھے۔

''سلطان! کیوں میرا وقت برباد کرتی ہو؟'' مجذوب کی بے چینی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ جیسے انہیں زنداں کے کسی کمرے میں قید کر دیا گیا ہو۔ ''ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ تمہارے جاہ و جلال سے خوف زدہ ہو کر نذیر شاہ بارگاہِ سلطانی میں حاضر ہو گیا ہے۔''

''سید! آپ مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہیں؟'' نذیر شاہ کی گفتگو سن کر رضیہ سلطانہ دم بخود رہ گئی تھی۔

''اگر تمہیں احساسِ شرمندگی ہے تو مجھے چلا جانے دو۔'' نذیر شاہ کے لہجے میں بڑی خلش تھی۔ ''کاش! تمہیں اندازہ ہوتا کہ تمہارے طرزِ عمل سے اس فقیر کو کس قدر اذیت پہنچ رہی ہے؟''

''سید محترم! مجھے اندازہ ہے۔ مگر میں بھی اپنی ضرورت سے مجبور ہوں۔'' رضیہ سلطانہ اس موقع کو ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی۔

''دینے والے نے تاج و تخت دے دیئے، محافظوں کے لشکر بخشے، خدمت گاروں کی فوج عطا کی، خزانوں کے منہ کھول دیئے، پھر بھی انسانی ضرورتیں ختم نہیں ہوئیں۔'' نذیر شاہ مجذوب کے لہجے میں گہرا طنز شامل تھا۔ ''اب اور کون سی ضرورت باقی رہ گئی ہے؟''

''آپ کو معلوم ہے کہ میں دشمنوں کے نرغے میں گھری ہوئی ہوں۔'' رضیہ سلطانہ نے ایستادہ حالت میں اپنا مدعا بیان کیا۔ کیونکہ نذیر شاہ مجذوب کسی صورت بھی تخت پر بیٹھنے کے لئے آمادہ نہیں تھے۔

''جتنا بڑا مقصد، اتنے ہی زیادہ دشمن۔'' نذیر شاہ نے زندگی کا فلسفہ بیان کیا۔

رضیہ سلطانہ سمجھتی تھی کہ شدید ریاضت اور مجاہدات نے نذیر شاہ کو روحانیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا ہے۔ مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ دہلی کا مجذوب انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بھی گہری نظر رکھتا ہے۔

''میری طرف دیکھو بی بی! مجھ بے سروساماں کا بھی کوئی دشمن ہوسکتا ہے؟'' نذیر شاہ خلافِ معمول مسکرائے مگر ان کی یہ مسکراہٹ یاسیت کے زیرِ اثر تھی۔ ''ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، کان سبھی میرے دشمن ہیں۔ عقل بھی دشمن، دل بھی دشمن..... اور سب سے بڑھ کر یہ نفس میرا دشمن ہے۔ عالمِ خواب میں بھی میرے خلاف سازشیں کرتا رہتا ہے۔ یہ تو اندرونی دشمنوں کا ذکر ہے۔ بیرونی دشمنوں کی تعداد کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں۔ سب کے سب ہر وقت مجھ غریب کو ہلاک کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔''

رضیہ سلطان، مجذوب کا اشارہ سمجھ گئی تھی مگر پھر بھی اپنی ضد پر قائم رہی۔ ''تاج و تخت، لشکر و سپاہ اور طبل و علم اپنی جگہ لیکن کبھی کبھی ساری چیزیں بہت ناکارہ اور حقیر نظر آتی ہیں۔''

''نظامِ حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے تو یہی اسباب درکار ہوتے ہیں۔'' نذیر شاہ اپنا دامن چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔

''مگر مجھے آپ کی دعاؤں کی زیادہ ضرورت ہے۔'' رضیہ سلطانہ نے درخواست گزاری کے انداز میں عرض کیا۔

''میں تو حسبِ مقدور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرتا رہتا ہوں۔'' نذیر شاہ نے پُرسوز لہجے میں کہا۔ ''فرمانروائے ہند بھی ان لوگوں میں شامل ہیں۔''

''میں خصوصی دعاؤں کی طالب ہوں۔'' آخر رضیہ سلطانہ نے اپنے دل کی بات صاف صاف کہہ دی۔ ''میرے

اقتدار کی بقا کے لئے دعا فرما دیجئے۔"

"ایک ذات کے سوا یہاں کسی کو بقا حاصل نہیں۔" نذیر شاہ کے لہجے میں وہی بے باکی لوٹ آئی تھی۔ "فطرت کے خلاف دعا کرنا ہوش مندوں کا کام نہیں۔ جتنی مہلت تمہیں حاصل ہوئی ہے، اس کی قدر کرو اور واپس چلی جاؤ۔ یہی قدرت کا نظام ہے۔"

"میں دنیا سے سرخرو جانا چاہتی ہوں۔" رضیہ سلطانہ کسی قدر پُر جوش نظر آ رہی تھی۔

نذیر شاہ کچھ دیر تک آنکھیں بند کئے سوچتے رہے، پھر والہانہ انداز میں فرمایا۔ "مجھے امید ہے کہ تم سرخروئی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گی۔"

رضیہ سلطانہ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا۔ مجذوب نے اسے اپنی دعاؤں سے سرفراز کر دیا تھا۔ فرمانروائے ہند آگے بڑھی۔ اس نے میز پر سے ایک کاغذ اٹھایا اور نذیر شاہ کے سامنے کر دیا۔ یہ وہ خصوصی کاغذ تھا، جس پر فرمانِ سلطان تحریر کیا جاتا تھا۔ مگر مجذوب کے سامنے پیش کئے جانے والے کاغذ پر کوئی عبارت درج نہیں تھی۔

"سلطان! یہ کیا ہے؟" نذیر شاہ نے حیرت زدہ نظروں سے فرمانروائے ہند کی طرف دیکھا۔ "میں اس سادہ کاغذ کا کیا کروں؟"

"یہ آپ کی تحریر کا محتاج ہے۔" رضیہ سلطانہ ایک مردِ قلندر کے سامنے سوالی بن کر کھڑی تھی۔

"کیسی تحریر؟" نذیر شاہ نے پہلے فرمانروائے ہند اور پھر اس سادہ کاغذ کی طرف دیکھا۔

"میں اپنی حکومت کی توثیق چاہتی ہوں۔" رضیہ سلطانہ نے بڑی عاجزی کے ساتھ کہا۔

"حکومت کی توثیق؟" نذیر شاہ اس طرح چونکے، جیسے سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی نے کوئی سخت نامناسب بات کہہ دی ہو۔ "یہ کام تو امیروں اور سرداروں کا ہوتا ہے کہ وہ اپنے حکمراں کا انتخاب کرتے ہیں۔ میں تو ایک فقیرِ بے سروساماں ٹھہرا۔"

"امیر و وزیر تو میرے اقتدار کو تسلیم کر چکے۔" رضیہ سلطانہ مسلسل اصرار کر رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر آج نذیر شاہ قصرِ سلطانی سے نکل کر چلے گئے تو شاید دوبارہ ہاتھ نہ آ سکیں۔

"میں بھی تسلیم کر چکا۔ اس لئے کہ تمہاری رعایا ہوں۔" نذیر شاہ نے ایک اور منطقی دلیل دے کر اپنا دامن بچانے کی کوشش کی۔

"میں آپ کی تحریری گواہی چاہتی ہوں۔" رضیہ سلطانہ کی نیاز مندی نے ضد کی صورت اختیار کر لی تھی۔ "اگر کبھی امرائے سلطنت سرکشی اختیار کریں تو میں یہ دستاویز ان کے سامنے پیش کر سکوں کہ اس پر نذیر شاہ کی مہر ثبت ہے۔"

"سلطان بی بی! اللہ تمہیں اس کی جزا دے کہ تم نے ایک ناکارہ شخص سے حُسنِ ظن رکھا۔" سید نذیر شاہ کے لہجے میں بڑا سوز تھا۔ "مگر یہ دنیا اتنی سفاک ہے کہ اپنی غرض کے سامنے کسی گواہی کو تسلیم نہیں کرتی۔"

نذیر شاہ مختلف انداز سے رضیہ سلطانہ کو سمجھانے کی کوشش کرتے رہے مگر فرمانرائے ہند کا اصرار بڑھتا ہی رہا۔ آخر دہلی کے مجذوب نے رضیہ کے ہاتھوں سے وہ سادہ کاغذ لے لیا اور قلم و دوات طلب کئے۔

فرمانروائے ہند نے آگے بڑھ کر میز سے قلم اٹھایا اور نذیر شاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

نذیر شاہ ہاتھ میں قلم لئے کچھ دیر تک سوچتے رہے، پھر رضیہ سے عجیب سے لہجے میں مخاطب ہوئے۔ "سلطان!

اگر تم مجھے اس خدمت سے معاف رکھو تو زیادہ بہتر ہو گا۔"

"نہیں سید محترم! آپ اس وقت تک قصرِ سلطانی سے باہر تشریف نہیں لے جا سکتے، جب تک یہ دستاویز مکمل نہیں ہو جاتی۔" بظاہر رضیہ کے لہجے سے آمریت کا اظہار ہو رہا تھا۔ لیکن در پردہ یہ بھی عقیدت و نیاز مندی کا ایک انداز تھا۔

"تمہاری مرضی۔ فقیر تو اتمام حجت کر چکا۔" یہ کہہ کر نذیر شاہ نے اس سادہ کاغذ پر کچھ لکھنا شروع کر دیا۔

رضیہ سلطانہ بڑی امید و حسرت سے مجذوب کے اس عمل کو دیکھتی رہی۔

یہ تحریر بہت مختصر تھی۔ نذیر شاہ نے کاغذ کو تہہ کیا اور فرمانروائے ہند کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میں نے سلطان کے حکم کی تعمیل کر دی ہے۔ امید ہے کہ آئندہ اس فقیر کو تنگ نہیں کیا جائے گا۔"

رضیہ سلطانہ نے نذیر شاہ کی تحریر کو عقیدتاً آنکھوں سے لگایا۔ فرمانروائے ہند، مردِ قلندر کی ضیافت کا اہتمام بھی کرنا چاہتی تھی مگر نذیر شاہ نے انکار کر دیا اور جس طرح یہاں پر آئے تھے، اسی طرح واپس چلے گئے۔

❁==❁==❁

نذیر شاہ کے جانے کے بعد رضیہ سلطانہ نے اس کاغذ کو کھول کر دیکھا اور حیرت زدہ رہ گئی۔ کاغذ پر کسی قسم کی عبارت درج نہیں تھی۔ بس چار لکیریں کھینچی گئی تھیں، جن کا بظاہر کوئی مفہوم نہیں تھا۔ تین لکیریں بالکل سیدھی تھیں اور ان لکیروں کے بائیں جانب ایک چھوٹی سی لکیر تھی، جس کا رخ نیچے کی طرف تھا۔ رضیہ سلطانہ بہت دیر تک ان لکیروں کے طلسم میں اُلجھی رہی اور جب اس کا ذہن تھک گیا تو وہ بری طرح جھنجلا گئی۔ پھر اس نے سالار سیف الدین ایبک کو طلب کر کے کہا۔

"سید کو اسی وقت تلاش کرو۔"

سیف الدین ایبک پریشان نظر آنے لگا۔ "سلطانِ اعظم! میرا حقیر مشورہ ہے کہ سید صاحب کو دوبارہ تنگ نہ کیا جائے۔ آپ نہیں جانتیں کہ میں کتنی منت و سماجت کے بعد انہیں یہاں لایا تھا۔"

"تمہاری کوششیں رائیگاں گئیں اور میرا مقصد پورا نہیں ہوا۔" رضیہ سلطانہ پر اضطراب کا عالم طاری تھا۔ "میں یہ نہیں کہتی کہ سید نے میرے ساتھ فریب کیا مگر اتنا ضرور ہے کہ وہ چال چل گئے۔ کاش! میں نے ان کی موجودگی میں اس تحریر کو دیکھ لیا ہوتا۔" رضیہ سلطانہ نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا جس میں خاکی رنگ کا کاغذ موجود تھا۔

"کیا یہ سید صاحب کی تحریر ہے؟" سیف الدین ایبک نے جھکتے ہوئے عرض کی۔

"تم فوراً انہیں تلاش کرو۔" رضیہ سلطانہ نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر وہ دوبارہ یہاں آنے پر رضامند نہ ہوں تو میں خود ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گی۔"

سیف الدین ایبک رضیہ سلطانہ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ آخر سید صاحب نے کیا لکھ دیا ہے جو وہ اس قدر پریشان نظر آ رہی ہیں۔ مگر فرمانروائے ہند کا مضطربانہ انداز دیکھ کر سالارِ افواجِ سلطانی چپ چاپ نذیر شاہ کی جستجو میں چلا گیا۔

❁==❁==❁

سیف الدین ایبک کے جاسوس سپاہیوں نے دہلی کا چپہ چپہ چھان مارا مگر سید نذیر شاہ مجذوب کا کہیں کوئی پتہ

نہیں تھا۔ برق رفتار شہسوار، مجذوب کی تلاش میں دہلی کی سرحدوں تک جا پہنچے تھے لیکن یہاں بھی نذیر شاہ کی موجودگی کا امکان تک نہیں تھا۔ جامع مسجد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور دوسرے بزرگانِ دین کے مزارات پر بھی اس مردِ قلندر کو ڈھونڈا گیا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے نذیر شاہ یہ شہر ہی چھوڑ گئے ہیں۔

سیف الدین ایبک نے اپنی ناکامی کی اطلاع دی تو رضیہ سلطانہ کچھ اور پریشان نظر آنے لگی۔

''سلطانِ اعظم! اگرچہ یہ میرا منصب تو نہیں لیکن نمک خوارِ قدیم ہونے کے باعث اپنے فرمانروا کی اُلجھن میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔''

رضیہ سلطانہ بھی اس ذہنی دباؤ سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن اس نے وہ کاغذ اپنے سالار کے سامنے رکھ دیا۔ ''کیا تم بتا سکتے ہو کہ سید صاحب کی اس تحریر کا کیا مفہوم ہے؟''

سیف الدین ایبک کی متجسس نظریں بہت دیر تک نذیر شاہ کی کھینچی ہوئی لکیروں پر مرکوز رہیں، پھر وہ استفہامیہ انداز میں اپنی فرمانروا کی طرف دیکھنے لگا۔

رضیہ سلطانہ نے سیف الدین ایبک کو اپنا رازداں سمجھتے ہوئے پورا واقعہ تفصیل سے سنا دیا۔

ایبک کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ پھر جب وہ حیرت و استعجاب کے دائرے سے باہر نکلا تو عرض کرنے لگا۔ ''سلطانِ اعظم کی مملکت میں بڑے بڑے علماء اور ریاضی داں موجود ہیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو ان سے رجوع فرمائیے۔ اپنی کم علمی کے باوجود مجھے یقین ہے کہ سید نذیر شاہ نے کسی طلسم کے ذریعے اپنا مفہوم ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔''

رضیہ سلطانہ نے اثبات میں سر کو جنبش دی، پھر اس کا چہرہ پُرسکون نظر آنے لگا جیسے وہ شدید ذہنی کشمکش سے آزاد ہو گئی ہو۔

❄==❄==❄

رضیہ سلطانہ کی خلوت گاہ میں مولانا عماد الدین اور دوسرے درباری علماء موجود تھے۔ مولانا عماد الدین وہی دنیادار بزرگ تھے، جنہیں اپنے ظاہری علم پر بڑا ناز تھا اور جو حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ جیسے قطب زماں پر طعنہ زن رہتے تھے۔ مولانا عماد الدین نے ایک بار سلطان شمس الدین التمش کو نذیر شاہ سے بھی بدگمان کرنے کی کوشش کی تھی اور والیٔ ہندوستان بہت دنوں تک اس مردِ قلندر سے ناراض رہا تھا۔

رضیہ سلطانہ نے مولانا عماد الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ ایک پُراسرار تحریر ہے مگر میں سمجھتی ہوں کہ آپ کا ذہن میرے اس معمے کا حل تلاش کر لے گا۔''

مولانا عماد الدین بہت دیر تک ان لکیروں کو دیکھتے رہے، پھر ایک شانِ بے نیازی کے ساتھ کہنے لگے۔ ''ان چار لکیروں میں کوئی پراسراریت نہیں۔''

مولانا عماد الدین کے بعد دوسرے علماء نے بھی باری باری ان لکیروں کو دیکھا۔ ''نہ یہ اقلیدس کی کوئی شکل ہے اور نہ ستاروں سے متعلق کوئی طلسم۔'' تمام علماء کی ایک ہی رائے تھی۔ ''کوئی جاہل شخص بھی یہ چار لکیریں کھینچ کر دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے ایک پراسرار سوال ترتیب دے دیا ہے۔''

رضیہ سلطانہ بہت غور سے اپنے درباری علماء کی رائے سنتی رہی۔ پھر اس نے دوبارہ مولانا عماد الدین کو مخاطب کیا۔ ''یہ سید نذیر شاہ مجذوب کی تحریر ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ ان جیسا بزرگ مہمل اور بے مقصد لکیریں کھینچ کر کوئی جھوٹا دعویٰ کر سکتا ہے۔''

نذیر شاہ کا نام سنتے ہی مولانا عماد الدین برہم نظر آنے لگے۔ ''آپ بھی کس پاگل شخص کی بات کرتی ہیں۔''

''یہ لب و لہجہ ایک عالمِ دین کے شایانِ شان نہیں۔'' رضیہ سلطانہ کے چہرے پر ناگواری کا رنگ اُبھر آیا۔ ''ہمیں آپ کا طرزِ کلام پسند نہیں آیا۔''

''سلطانِ اعظم! آپ نذیر شاہ کو نہیں جانتیں۔'' مولانا عماد الدین سنبھل گئے۔ ''نذیر شاہ ایک ناآسودہ اور محروم شخص ہے۔ غربت و افلاس کی زیادتی نے اس کا ذہنی توازن بگاڑ دیا ہے اور وہ شاہانِ وقت سے حسد رکھتا ہے اور انہیں بددعائیں دیتا ہے۔ سلطان مرحوم و مغفور بھی اس سے خفا رہتے تھے۔ پتہ نہیں کہ وہ محل میں کس کی اجازت سے آیا تھا اور ایک کاغذ پر چند لکیریں کھینچ کر کیا ثابت کرنا چاہتا تھا؟''

''مولانا محترم! آپ کو اس سے کوئی غرض نہیں ہونا چاہئے کہ نذیر شاہ یہاں کیوں آئے تھے؟'' رضیہ سلطانہ کے لہجے کی تلخی بدستور تھی۔

''مجھے غرض ہے سلطانِ اعظم! کہ میں اس خاندانِ عالیہ کا پرانا نمک خوار ہوں۔'' مولانا عماد الدین نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ''شاید آپ کو یاد نہیں رہا کہ ختمِ قرآن کی تقریب میں نذیر شاہ بھی شریک ہوا تھا اور پھر آپ کو موت کی بددعا دے کر چلا گیا تھا۔'' مولانا عماد الدین نے بہت پرانی بات دہرائی۔ وہ نذیر شاہ مجذوب سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ نذیر شاہ کا قصور بس اتنا تھا کہ وہ دنیادار علماء پر سرِ عام سخت تنقید کرتے تھے۔ مولانا عماد الدین کو خیال گزرا کہ اگر نذیر شاہ محل میں آنے جانے لگے تو ان کا مذہبی اقتدار خطرے میں پڑ جائے گا۔ حالانکہ نذیر شاہ نے ایسے کئی مواقع ٹھکرا دیئے تھے جب انہیں قصرِ سلطانی سے بے شمار مراعات حاصل ہو سکتی تھیں۔ لیکن مولانا عماد الدین کے دل میں چور تھا اس لئے وہ ایک فرضی طوفان کی آمد سے پہلے مضبوط بند باندھنا چاہتے تھے۔

رضیہ سلطانہ نے اپنے ذہن پر بہت زور دیا مگر ایسا کوئی واقعہ اس کے ذہن میں محفوظ نہیں تھا۔ فرمانروائے ہند کو تو بس نذیر شاہ کا چہرہ یاد تھا، جس پر سرشاری کی کیفیت طاری تھی اور وہ دعائیہ کلمات یاد تھے جو مجذوب کے ہونٹوں سے تیز بارش کی طرح برس رہے تھے۔ مولانا عماد الدین نے نذیر شاہ کے اس جملے کو بنیاد بنایا تھا، جب دہلی کے مجذوب نے رضیہ کی قرأت کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا۔

''افسوس! یہ بے رحم دنیا اس دلکش آواز کو زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کرے گی۔''

مولانا عماد الدین کے نزدیک یہ منحوس کلمات تھے جو رضیہ سلطانہ کے حق میں استعمال کئے گئے تھے۔ مولانا کا خیال تھا کہ فرمانروائے ہند اُن کی اس دلیل سے مطمئن ہو کر نذیر شاہ کو راندۂ درگاہ قرار دے دے گی۔ مگر رضیہ سلطانہ پر اُلٹا اثر ہوا۔

''نذیر شاہ کون ہیں، میں خوب جانتی ہوں۔'' رضیہ نے مولانا عماد الدین کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی۔ ''اگر آپ نذیر شاہ کی تحریر کا مفہوم نہیں سمجھ سکے تو براہِ کرم اپنی زبان کو غیبت سے آلودہ نہ کیجئے۔''

''سلطانِ اعظم! میں اس مجلس میں نہیں بیٹھ سکتا، جہاں ایک مخبوط الحواس شخص کو عالم کا درجہ دے دیا جائے۔'' یہ کہہ کر مولانا عماد الدین کھڑے ہو گئے۔ سلطان شمس الدین التمش کے زمانے میں بھی مولانا نے نذیر شاہ مجذوب کے حوالے سے اسی قسم کا تماشا کیا تھا۔ ''جب انسان عقیدت میں اندھا ہو جائے تو پھر کسی کے عیب بھی ہنر نظر آنے لگتے ہیں۔ مگر میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھیے گا سلطانِ اعظم! کہ نذیر شاہ نے جب بھی قصرِ سلطانی میں قدم رکھا ہے، کوئی نہ کوئی ہنگامہ ضرور برپا ہوا ہے۔ وہ ایک عورت کی حکومت کو اس ملک کے لئے لعنت سمجھتا ہے۔''

مولانا عماد الدین کا یہ انکشاف سن کر پوری مجلس پر سناٹا چھا گیا۔ ''اگر آپ نذیر شاہ کی کھینچی ہوئی بے معنی لکیروں پر اعتقاد رکھتی ہیں تو پھر سمجھ لیجئے کہ یہ آپ کی بربادی کا کوئی طلسم ہے۔'' مولانا عماد الدین دل سے ایک خاتون کی حکومت کے قائل نہیں تھے مگر زبانی طور پر دن رات رضیہ سلطانہ کی بلند اقبالی کے لئے دعائیں کرتے رہتے تھے۔ آج جب اس مجلسِ خاص میں نذیر شاہ کی شخصیت زیرِ بحث آئی تو مولانا عماد الدین نے بڑی ہوشیاری سے اپنے جذبات و خیالات کو ایک مردِ قلندر کے نام سے منسوب کر دیا جو اس سلسلے میں یکسر بے گناہ تھا۔

اپنے بارے میں نذیر شاہ کا یہ تبصرہ سن کر رضیہ کو شدید اذیت پہنچی تھی۔ اہلِ دربار نے دیکھا کہ فرمانروائے ہند حیرت و سکوت کی زیادتی سے پتھر کا کوئی مجسمہ بن کر رہ گئی تھی۔ مولانا عماد الدین، رضیہ سلطانہ کو اسی کرب میں مبتلا چھوڑ کر دربار سے رخصت ہو گئے۔ ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔

❁==❁==❁

نذیر شاہ مجذوب کی جستجو جاری رہی اور رضیہ سلطانہ اسی پراسرار تحریر میں اُلجھی رہی۔

پھر یکایک صورتِ حال بدل گئی اور سیاست کے اُفق پر تاریک بادل چھانے لگے۔

ایک دن رضیہ سلطانہ کو لاہور کے حاکم کا خط موصول ہوا۔ ملک عزالدین کبیر خانی نے القاب کے بغیر فرمانروائے ہند کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا۔

''میں ذاتی طور پر ایک عورت کی حکمرانی کا قائل نہیں ہوں۔ اس لئے میری گردن میں آپ کا طوقِ فرمانبرداری بھی موجود نہیں ہے۔ اب لاہور کی سرزمین آزاد ہے اور اس کا دہلی سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔''

یہ ایک پریشان کن خبر تھی۔ رضیہ سلطانہ نے اپنے سالار سیف الدین ایبک اور دوسرے امرائے سلطنت سے مشورہ کیا۔

''ابھی آپ مراسلت کے ذریعے ملک عزالدین کو سمجھانے کی کوشش کیجئے۔'' امیر تاج محمد نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

''ابھی ہمارے حق میں انتظار ہی بہتر ہے۔'' دوسرے امیر خواجہ رشید نے عرض کیا۔ ''فی الحال شاہی جاسوسوں کو اس بات کی تحقیق پر متعین کر دیجئے کہ ملک عزالدین نے تنہا بغاوت اختیار کی ہے یا کچھ دوسرے امیر بھی اس کے ہم نوا ہیں۔ نظام الملک، علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی کی مسلسل روپوشی مجھے ایک نامعلوم سے خطرے کا احساس دلا رہی ہے۔''

رضیہ سلطانہ نے اپنے مشیروں کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے حاکم لاہور کے خط کا جواب دیا اور اسے اس کی

گزشتہ خدمات یاد دلاتے ہوئے لکھا۔

''تم تو ان امرائے سلطنت میں شامل تھے، جن پر وفا نازاں رہتی تھی اور اعتبار فخر کیا کرتا تھا۔ پھر تمہیں یہ کیا ہو گیا کہ تمام عہد و پیماں بھلا دیئے اور باغیوں کی صف میں کھڑے ہو گئے۔ میری حکمرانی پر تمام درباری علماء اور وزیر و امیر متفق ہو چکے ہیں۔ اگر کسی غلط فہمی کے باعث تمہارے ذہن میں کچھ اندیشے پیدا ہو گئے تو دہلی آ کر انہیں رفع کر لو۔ میرے اور تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کوئی کچھ بھی کہے، مگر تم سے لاہور کی حکومت کوئی نہیں چھین سکتا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

❁==❁==❁

رضیہ کی کنیزِ خاص صوفیہ جو دراصل شہزادہ معزالدین کی جاسوسہ تھی، سائے کی طرح سلطان کے ساتھ لگی رہتی تھی۔ پھر ایک دن صوفیہ نے شہزادہ معزالدین کو باخبر کرتے ہوئے کہا۔

''سلطان میرے اور آپ کے تصور سے بھی زیادہ یاقوت حبشی پر مہربان ہیں۔''

شہزادہ معزالدین کے چہرے کا رنگ بگڑ گیا۔ ''آخر تُو نے کیا دیکھا صوفیہ؟'' شہزادے کے لہجے سے تلخی نمایاں تھی۔

''دیکھا نہیں، محسوس کیا شہزادۂ عالم!'' صوفیہ کے لہجے میں بڑی شگفتگی تھی جیسے وہ کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دے کر لوٹی ہو۔ ''کسی نامحرم کو اپنی خلوت میں طلب کرنا اور پھر گھنٹوں اس سے محوِ گفتگو رہنا.....'' کنیز صوفیہ نے قصداً اپنی بات نامکمل چھوڑ دی تھی۔

''اور وہ حبشی زادہ کیا کہتا ہے؟'' شہزادہ معزالدین کی آنکھوں میں خون سا اُتر آیا تھا۔

''وہ غلامانہ انداز میں سر جھکائے کھڑا رہتا ہے۔'' صوفیہ نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، بیان کر رہی تھی۔

''غلام اور کر بھی کیا سکتا ہے؟..... مگر جب شاہ کی مسلسل شہ ملے گی تو ایک دن وہ بھی برابری کا دعویٰ کر بیٹھے گا۔''

''مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔'' شہزادہ معزالدین کے ہونٹوں سے آگ برس رہی تھی۔

❁==❁==❁

ملک عزالدین نے رضیہ سلطانہ کو صاف صاف لکھ دیا۔

''آپ کے اقتدار کے مسئلے پر کوئی مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ آپ حکومت سے دستبردار ہو جائیں۔ میں مرکز کا پابند رہوں گا۔''

ملک عزالدین نے نظام الملک کے مشورے پر یہ چال چلی تھی۔ اسے یقین تھا کہ رضیہ سلطانہ تاج و تخت نہیں چھوڑے گی اور پھر اس کے خلاف بغاوت کا جواز پیدا ہو جائے گا۔

رضیہ سلطانہ نے ملک عزالدین کا خط پڑھا اور پھر وہ ایک لشکرِ جرار لے کر حاکمِ لاہور کی سرکوبی کے لئے دارالحکومت سے نکل کھڑی ہوئی۔

دہلی کے عام باشندوں نے پہلی بار رضیہ سلطانہ کو فوج کی قیادت کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ مردانہ لباس میں گھوڑے پر سوار تھی۔ امرائے سلطنت نے محسوس کیا کہ رضیہ سلطانہ کے تیور خطرناک تھے۔ وہ ایک ایسے پُراعتماد

سپاہی کی طرح محاذِ جنگ کی طرف بڑھ رہی تھی، جسے یقین تھا کہ فتح و نصرت اس کا مقدر ہے اور شکست و نامرادی دشمن کا نصیب۔ سالار سیف الدین ایبک، رضیہ کے بائیں جانب چند قدم کے فاصلے پر تھا۔

ملک عزالدین کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک نرم و نازک دوشیزہ کسی عقاب کی مانند اس کے سر پر آ پہنچے گی۔ وہ اپنی فوج لے کر لاہور کی حدود سے باہر نکلا۔ پھر جب دونوں لشکر مقابل ہوئے تو عزالدین کی ہمت جواب دے گئی۔ اس نے مصالحت ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔ ملک عزالدین تنہا اپنی صفوں سے نکلا اور سلطان کے خیمے کی طرف بڑھا۔ نظام الملک، علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی اسے روکتے ہی رہ گئے مگر وہ اپنے انجام سے بے پروا بڑھتا ہی چلا گیا۔

رضیہ سلطانہ کو خبر ہوئی تو اس نے اپنے خیمے کے دروازے پر حاکم لاہور کا استقبال کیا۔ ملک عزالدین، فرمانروائے ہند کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک گیا۔

''سلطانِ اعظم! مجھ سے کہا گیا تھا کہ ایک پردہ نشیں عورت ملک کو متحد نہیں رکھ سکتی۔ مگر میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں، وہ ناقابلِ یقین ہے۔''

''تیری آنکھوں نے کیا دیکھا عزالدین؟'' رضیہ سلطانہ کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

''آپ کے جاہ و جلال نے مجھ سے قوتِ گویائی چھین لی ہے۔'' عزالدین اپنی دستار کو بچانے کی آخری کوشش کر رہا تھا۔ ''اس سے زیادہ کیا عرض کروں کہ آپ کے سوا کوئی حکمرانی کے لائق نہیں۔''

''تجھے ورغلانے والے کون لوگ ہیں؟'' رضیہ سلطانہ نے قہرناک لہجے میں پوچھا۔

ملک عزالدین نے کسی پس و پیش کے بغیر نظام الملک، علاء الدین شیر خانی اور سیف الدین کوچی کے نام لے دیئے۔

''اگر تُو ان تینوں کو اس دشتِ عذاب میں بے اماں چھوڑ دے تو ہم تجھ پر پہلے سے زیادہ مہربان ہو سکتے ہیں۔'' یکایک رضیہ سلطانہ کا لہجہ بادِ صبا کی طرح خوشگوار ہو گیا۔

''میں صرف آپ کی رضا چاہتا ہوں سلطانِ اعظم!'' ملک عزالدین کو محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مصائب کے گرداب سے نکل آیا ہے اور ساحلِ مراد اس کی آنکھوں کے سامنے روشن ہے۔

رضیہ سلطانہ نے بہت دُور اندیشی سے کام لیا اور ملک عزالدین جیسے طاقتور امیر کو اپنا ہم نوا بنانے کے لئے اسے ملتان کا علاقہ بھی بخش دیا۔

حاکمِ لاہور اپنی کامیابی پر بہت مسرور تھا۔ اس نے نظام الملک، علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی کو دھوکے سے گرفتار کر کے سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کا وعدہ کیا اور اپنے لشکر کی طرف لوٹا۔

نظام الملک نے اس وقت نئے خطرے کی آہٹ سن لی تھی جب عزالدین تن تنہا لشکرِ سلطانی کی طرف روانہ ہوا تھا۔ پھر جب حاکمِ لاہور، رضیہ سلطانہ کا طوقِ غلامی پہن کر واپس لوٹا تو وہ تینوں بہت دور جا چکے تھے۔

ملک عزالدین کسی تاخیر کے بغیر دوبارہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور فرمانروائے ہند کو نئی صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔

رضیہ نے جمال الدین یاقوت کی طرف دیکھا۔

''ہندوستان کی زمین پر غلاظت کے یہ تین انبار ہیں۔ انہیں صاف کر دو۔''

یاقوت حبشی چند قدم آگے بڑھا اور فرمانروائے ہند کے روبرو خم ہو گیا۔ ''آقائے نعمت! یہ تینوں نشان مٹا دیئے گئے۔''

سالار سیف الدین ایبک اور دوسرے امرائے سلطنت کو پہلی بار محسوس ہوا کہ یاقوت حبشی اپنی حدود سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مجلسِ خاص میں موجود کسی بھی شخص کو رضیہ سلطانہ کا حکم اور جمال الدین کا یہ دعویٰ پسند نہیں آیا تھا۔

پھر یاقوت حبشی دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج لے کر تینوں باغیوں کے تعاقب میں روانہ ہو گیا اور رضیہ سلطانہ دارالحکومت لوٹ آئی۔

❁==❁==❁

دہلی کے قریب پہنچتے ہی سیف الدین ایبک کو لُو لگ گئی تھی۔ شاہی طبیبوں نے بہت علاج کیا مگر وہ جانبر نہ ہو سکا۔ رضیہ سلطانہ کو ایبک کی موت کا بہت غم تھا۔ اس جانباز سالار نے قدم قدم پر نہ صرف رضیہ کی حفاظت کی تھی بلکہ اپنی آقا زادی کو اقتدار کی منزل تک پہنچانے میں بھی نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ فرمانروائے ہند نے کئی دن تک اپنے سالار کی موت کا سوگ منایا، پھر قطب الدین کو امیرِ لشکر کی ذمہ داریاں سونپ کر اسے رنتھنبور کی طرف روانہ کر دیا۔

سلطان رکن الدین فیروز شاہ کی بدانتظامیوں کے سبب رنتھنبور کے قلعے پر دوبارہ راجپوتوں کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ اقتدار ملتے ہی ہندوؤں کا رقصِ وحشت شروع ہو گیا تھا اور مقامی مسلمانوں کے لئے زندگی ایک حرام شے بن کر رہ گئی تھی۔

''اگر تم رنتھنبور کے قلعے پر اپنا پرچم نہ لہرا سکے تو مجھے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔'' رضیہ سلطانہ نے نئے سالار قطب الدین کو رخصت کرتے ہوئے کہا۔ ''بس ان مسلمان قیدیوں کو واپس لے آؤ، جو ہندوؤں کی قید میں غلاموں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں۔''

قطب الدین، رنتھنبور کی طرف روانہ ہو گیا اور رضیہ سلطان، یاقوت حبشی کا انتظار کرنے لگی، جس کی ابھی تک کوئی خبر نہیں ملی تھی۔

❁==❁==❁

دربار پر گہرا سکوت طاری تھا۔ یکایک نقیب کی پُرشور آواز سے بام و در گونج اُٹھے۔

''امیر آخور شرفِ باریابی چاہتے ہیں۔''

حاضرینِ دربار پلٹ کر صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ جمال الدین یاقوت کے نام پر امرائے سلطنت کے چہرے بگڑ گئے تھے اور شہزادہ معزالدین کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی خدمت گار نے سرِ عام اسے گالی دے کر مخاطب کیا ہو۔

جمال الدین یاقوت اپنے گرد و پیش کے حالات سے بے خبر، باوقار انداز میں چلتا ہوا تختِ شاہی کے قریب پہنچا۔ اس کے طاقتور ہاتھوں میں ایک بڑا خوان تھا جس پر سرخ کپڑا بچھا ہوا تھا۔ یاقوت حبشی نے وہ خوان رضیہ سلطانہ کے پیروں کے نزدیک رکھ دیا۔ پھر دو قدم پیچھے ہٹ کر فرمانروائے ہند کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

''یہ کیا ہے؟'' رضیہ سلطانہ نے حیرت زدہ انداز میں خوان کی طرف اشارہ کیا۔

''آقائے نعمت کے حکم کی تعمیل..... علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی کے سر۔'' یہ کہہ کر یاقوت حبشی نے خوان پر سے سرخ کپڑا ہٹا دیا۔

بڑا ہولناک منظر تھا۔ چند لمحوں کے لئے اہلِ دربار کی سانسیں رُک سی گئی۔

رضیہ سلطانہ جوشِ اضطراب میں کھڑی ہوگئی۔ علاء الدین شیر خانی اور ملک سیف الدین کوچی کے کٹے ہوئے سروں کی طرف دیکھا۔ پھر یاقوت حبشی سے مخاطب ہوئی۔

''اور نظام الملک؟''

''غلام اس پر قابو نہ پا سکا۔'' یاقوت حبشی کے لہجے سے شدید ندامت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ''مگر اب اس کی حیثیت ایک خارش زدہ کتے سے زیادہ نہیں جو اپنی جان بچانے کے لئے تنگ و تاریک پہاڑی راستوں میں بھاگتا پھر رہا ہے۔''

جمال الدین یاقوت نے پائل کے علاقے میں علاء الدین شیر خانی اور سیف الدین کوچی کو شکست دی اور دونوں کے سر کاٹ لئے۔ ''پائل'' سرہند کا مضافاتی علاقہ ہے۔

نظام الملک فرار ہو کر ''بردار'' میں روپوش ہوگیا۔ ''بردار'' ہندوؤں کے مقدس مقام ''ہردوار'' کے نواح میں ایک پُر پیچ پہاڑی سلسلہ ہے۔ یاقوت حبشی نے کچھ دور تک نظام الملک کا پیچھا کیا مگر راستے کی دشواریوں کے سبب واپس لوٹ آیا۔

رضیہ سلطانہ نے ستائشی نظروں سے امیر آخور کی طرف دیکھا۔ ''اہلِ وفا کے یہی انداز ہوتے ہیں۔''

پھر پلٹ کر علاء الدین شیر خانی اور سیف الدین کوچی کے کٹے ہوئے سروں کی طرف دیکھا۔ ''اور اہلِ ہوس کا یہی انجام ہوتا ہے۔''

❁==❁==❁

دوسرے دن اس فتح کی خوشی میں دربارِ خاص آراستہ کیا گیا۔ نظام الملک کے نائب خواجہ مہدی غزنوی کو وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر فائز کیا گیا۔ لکھنوتی (بنگال)، سندھ اور دوسرے علاقوں کے انتظامات قابلِ اعتماد ترک سرداروں کے سپرد کئے گئے۔

سب سے آخر میں ایک ایسا اعلان کیا گیا جسے سن کر حاضرینِ دربار کے ہوش اُڑ گئے۔

جمال الدین یاقوت کو ''امیر الامراء'' بنا دیا گیا۔

ترک سرداروں کو یوں محسوس ہوا، جیسے وقت کی تیز آندھی ان کے عماموں کو سروں سے اُڑا کر لے گئی ہو..... اور پھر یاقوت حبشی ان ہی عماموں کو پامال کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہو۔

شہزدہ معزالدین اسی دن کے انتظار میں تھا۔ جمال الدین یاقوت کے ''امیر الامراء'' ہوتے ہی وہ ترک

سرداروں سے ملا۔

''میں نے جس خطرے کی پیش گوئی کی تھی، آپ نے اسے مجسم ہوتے دیکھ لیا؟''

ترک امرائے سلطنت تاج الدین، ملک محمد، ضیاء الملک اور خواجہ رشید وغیرہ خاموش بیٹھے شہزادہ معزالدین کا منہ تک رہے تھے اور ان کی آنکھوں میں شدید ناگواری کا رنگ اُبھر اُبھر کر ڈوب رہا تھا۔

''اب آپ کیا کریں گے؟'' شہزادہ معزالدین کا لہجہ طنز آمیز تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ترک سرداروں کے جذبات مشتعل ہو جائیں اور جس طرح ان با اثر لوگوں نے اس کے بڑے بھائی سلطان رکن الدین فیروز شاہ کو معزول کر کے رضیہ کو تخت پر بٹھا دیا تھا، اسی طرح وہ رضیہ کا تاج چھین کر اس کے سر پر سجا دیں گے۔ غرض اسی قسم کی خوش فہمیوں میں مبتلا شہزادہ معزالدین ترک اسیروں کو اپنی حقیقی بہن کے خلاف ورغلا رہا تھا۔

ترک سردار ابھی تک خاموش تھے۔ وہ جہاندیدہ اور تجربہ کار لوگ ایک نوعمر شہزادے کے سامنے اتنی آسانی کے ساتھ کس طرح کھل سکتے تھے۔

''کیا آپ حضرات ''امیر الامراء'' کا مطلب نہیں جانتے؟'' شہزادہ معزالدین، ترک امیروں کی خاموشی پر کچھ جھنجلا سا گیا تھا۔

امیر تاج الدین نے شہزادے کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔ ''آپ ہی بتائیں شہزادۂ معظم! کہ اس لفظ کا کیا مفہوم ہے؟''

شہزادہ معزالدین اس قدر جذباتی ہو رہا تھا کہ وہ امیر تاج الدین کے طنز کو سمجھ ہی نہیں سکا۔ ''امیر الامراء کا مطلب ہے کہ آئندہ یاقوت حبشی ہم سب پر حکومت کرے گا۔'' معزالدین اس طرح بات کی وضاحت کر رہا تھا جیسے اس کے سامنے بیٹھے ہوئے ترک سردار یا تو جاہلِ محض ہیں یا پھر نابالغ لڑکے۔

''شہزادۂ معظم نے بجا فرمایا۔'' اب کی بار خواجہ رشید کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ ''ہمیں تو ایسا لگ رہا ہے کہ ہم سب گھوڑے بن گئے ہیں اور ہمیں شاہی اصطبل میں باندھ دیا گیا ہے۔''

''اور وہ حبشی زادہ آپ کی پشت پر تازیانے برسا رہا ہے۔'' شہزادہ معزالدین نے سوچے سمجھے بغیر بات کو آگے بڑھا دیا۔

تمام ترک سرداروں نے اپنے سروں کو اثبات میں اس طرح جنبش دی جیسے وہ شہزادہ معزالدین کی رائے سے صد فیصد متفق ہوں۔

شہزادہ معزالدین کچھ اور جذباتی نظر آنے لگا تھا۔ ''تو پھر اس بے ادب ہاتھ کو کاٹ کیوں نہیں دیا جاتا جو عنقریب آپ کے عماموں اور دستاروں سے ایک شرم ناک کھیل کھیلنے والا ہے؟''

''مگر اس ہاتھ کو کون قطع کرے شہزادے! کہ اس ہاتھ پر سلطانِ اعظم کا ہاتھ ہے۔'' امیر تاج الدین بدستور مسکرا رہا تھا۔

شہزادہ معزالدین گھبرا گیا۔ اس کے پاس تاج الدین کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''ہم سب کو زہر کا یہ گھونٹ تو پینا ہی پڑے گا شہزادے!'' خواجہ رشید نے معزالدین کو صبر و تحمل کا مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ ''ہم یاقوت حبشی کو سلطنت کے مفاد میں برداشت کر رہے ہیں۔''

''کیسا مفاد؟'' شہزادہ معزالدین نے گھبرا کر کہا۔ اسے محسوس ہوا جیسے یہ بازی اس کے ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے۔

''اگر ہم سلطانِ اعظم کے اس فیصلے سے اختلاف کریں گے تو اس سے سیاسی انتشار پیدا ہو جائے گا۔'' خواجہ رشید اس طرح گفتگو کر رہا تھا جیسے ''امیر الامراء'' کے منصب پر ایک حبشی زادے کا فائز ہونا کوئی معمولی واقعہ ہو۔ ''اور یہ انتشار ملکی سالمیت کو شدید نقصان پہنچائے گا۔''

شہزادہ معزالدین، ترک سرداروں کو ورغلانے میں ناکام رہا تھا۔ اس لئے اُداس چہرے کے ساتھ چپ چاپ واپس چلا گیا۔ مگر جاتے جاتے اتنا ضرور کہہ گیا۔

''میں نہیں جانتا کہ آپ حضرات کی حکمتِ عملی کیا ہے۔ لیکن ترک قوم کی اس تذلیل پر مجھے شدید اذیت پہنچی ہے۔ اگر کبھی میری ضرورت محسوس ہو تو میں دل و جان سے حاضر ہوں۔''

❁==❁==❁

جمال الدین یاقوت، خلوتِ سلطانی میں حاضر ہوا۔ اس وقت شہزادہ معزالدین کی جاسوس کنیز صوفیہ بھی موجود تھی۔ رضیہ نے کنیزِ خاص کی طرف دیکھا۔ سلطان کا اشارہ پا کر صوفیہ کمرے سے نکل گئی۔ وہ خلوت گاہِ سلطانی سے جانا نہیں چاہتی تھی تاکہ یاقوت حبشی پر نظر رکھ سکے۔ مگر رضیہ کے حکم نے اسے مجبور کر دیا تھا۔

جب مکمل تنہائی ہو گئی تو جمال الدین یاقوت چند قدم آگے بڑھا اور رضیہ سلطانہ کے قریب جا کر ٹھہر گیا۔ اس وقت فرمانروائے ہند اپنی کرسیٔ زرنگار پر جلوہ افروز تھی۔

رضیہ بہت غور سے یاقوت حبشی کو دیکھ رہی تھی۔ جمال الدین کے سر پر ''امیر الامراء'' کا عمامہ جگمگا رہا تھا۔

یاقوت حبشی نے اپنی دستار سر سے اتاری اور رضیہ سلطانہ کے قدموں میں رکھ دی۔ فرمانروائے ہند گھبرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ جمال الدین یاقوت کے اس طرزِ عمل کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

''یاقوت! یہ کیا ہے؟'' رضیہ سلطانہ کا خیال تھا کہ جمال الدین ''امیر الامراء'' کے عہدے سے دستبردار ہونا چاہتا ہے اسی لئے اس نے اپنی دستارِ فضیلت کو فرش پر رکھ دیا ہے۔

''کیا کسی نے کچھ کہا ہے؟'' رضیہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

''نہیں آقائے نعمت!'' یاقوت حبشی سیدھا ہوا۔ ''میں اہلِ دنیا کے لئے اپنی سماعتیں بند رکھتا ہوں۔ آپ کے سوا کسی کی آواز نہیں سنتا۔''

فرمانروائے ہند کے ہونٹوں پر آسودہ مسکراہٹ اُبھر آئی مگر اس کی آنکھوں میں اب بھی ایک سوال لرز رہا تھا۔

''یہ تمام عہدہ و منصب آپ ہی کے عطا کردہ ہیں۔'' یاقوت حبشی نے بڑے والہانہ انداز میں کہا۔ ''میں نے سب کچھ آپ کے قدموں میں رکھ دیا۔ کاش! مجھ سے حسد رکھنے والے ترک سردار بھی یہ منظر دیکھتے کہ امیر الامراء کی حیثیت آپ کے پائے ناز سے اُٹھنے والے غبار کے برابر بھی نہیں۔''

یاقوت حبشی نے نیاز مندی کی انتہا کو چھو لیا تھا۔

اور رضیہ سلطانہ کے تمام جذبے سکون پا گئے تھے۔ نسائیت کا غرور.... دولت و اقتدار کا نشہ.... شوقِ سربلندی.... ذوقِ خود پسندی..... اور سب سے بڑھ کر پرستش کی خواہش..... یاقوت حبشی نے اپنی دستار رضیہ سلطانہ کے قدموں

میں رکھ کر بظاہر اپنی نفی کر دی تھی۔ مگر اس طرح وہ فرمانروائے ہند کے دل کی گہرائیوں میں اُتر گیا تھا۔

''کاش! ترک سردار اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھتے۔'' جمال الدین یاقوت نے حسرت زدہ لہجے میں اپنی بات دہرائی۔

''ہم نے تو یہ منظر دیکھ لیا۔ اب کسی اور کی گواہی کی کیا ضرورت ہے؟'' رضیہ سلطانہ کے لہجے سے سرشاری جھلک رہی تھی۔

''آقائے نعمت!'' یاقوت حبشی نے آنکھ بھر کے رضیہ سلطانہ کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی نظریں فوراً ہی جھک گئیں۔ ''میں نمود و نمائش پسند نہیں کرتا۔ بس اپنے مخالفین کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جو منصبِ غلامی پر رضامند ہو گیا ہو، اس کے نزدیک ''امیر الامراء'' کے خطاب کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اور اگر کچھ ہے تو وہ بھی آقائے نعمت کے حوالے سے ہے کہ یہ دوگز کپڑا ان کے ہاتھوں کو چھو کر آیا ہے۔''

آج یاقوت حبشی نے ہزاروں پردوں کے پیچھے سے وہ بات بھی کہہ دی تھی جسے کہتے ہوئے اس کی زبان ڈرتی تھی۔

رضیہ سلطانہ کچھ دیر تک خاموشی سے اپنے امیر الامراء کو دیکھتی رہی۔ آج اس کی آنکھیں بھی ایک گہرے راز کو فاش کر رہی تھیں۔ اگر یاقوت حبشی نظر اٹھا کر دیکھ لیتا تو یہ راز اس پر بھی فاش ہو جاتا کہ وہ ترک سرداروں کی مخالفت کے باوجود امیر الامراء کے اعلیٰ ترین منصب تک کیوں پہنچا ہے۔ مگر جمال الدین میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ فرمانروائے ہند کے چہرے کا رنگ اور آنکھوں کے زاویے دیکھنے کی کوشش کرتا۔

آخر رضیہ سلطانہ اپنی کرسیٔ زرنگار سے اُٹھی اور اس نے اپنے قدموں میں رکھی ہوئی دستار دوبارہ جمال الدین یاقوت کی طرف بڑھا دی۔

''یہ دستار ہم نے پہنائی ہے۔ زمانے کے طعن و تشنیع سے گھبرا کر اسے اُتار نہ دینا۔ اب یہ تمہارے سر کے ساتھ ہے۔''

❁==❁==❁

تمام ترک سرداروں کا ایک خفیہ اجلاس ہو رہا تھا۔ شہزادہ معزالدین کو اس اجلاس میں شرکت کی دعوت نہیں دی گئی تھی۔

''میرے خیال میں شہزادے کو بھی اپنا رازدار بنا لینا چاہئے۔'' امیر تاج الدین نے اظہارِ رائے کرتے ہوئے کہا۔ ''اب ہماری بساط پر وہی ایک مہرہ باقی رہ گیا ہے۔''

''میں امیر کی رائے سے متفق ہوں۔'' خواجہ رشید نے جواباً کہا۔ ''مگر میرے نزدیک ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔''

''امیر اپنی بات کی وضاحت فرمائیں۔'' ترک سردار ضیاء الملک نے کہا۔

''اکثر دیکھا گیا ہے کہ نوعمری اور نادانیاں ساتھ ساتھ رہتی ہیں۔'' خواجہ رشید نے دلیل پیش کی۔ ''ممکن ہے کہ شہزادہ معزالدین یہ طاقتور غذا ہضم نہ کر سکے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلطان نے اپنا جاسوس بنا کر ہماری صفوں میں

داخل کر دیا ہو۔"

خواجہ رشید نے بڑا اہم نکتہ اٹھایا تھا، جسے سن کر مجلس پر گہرا سکوت چھا گیا۔ اجلاس کے تمام شرکاء کچھ دیر تک حیران نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر امیر تاج الدین نے لب کشائی کی۔

"بڑی عجیب بات ہے کہ حالات کے اس رخ پر ہم نے غور ہی نہیں کیا تھا۔"

"اور پھر وہ سلطان کا حقیقی بھائی ہے۔" خواجہ رشید نے مزید وضاحت کی۔ "خونی رشتہ اسے مجبور کر سکتا ہے کہ وہ ہمارے خلاف زہر افشانی کرنے لگے۔ اور پھر ہم سب کے سب معتوب قرار دے دیئے جائیں۔"

"پھر ہمیں اس حبشی زادے سے کس طرح نجات ملے گی؟" ضیاء الملک نے انتہائی تلخ لہجے میں سوال کیا۔ "بہتر ہے کہ ہم سب کے سب سلطان کی خدمت میں اپنے استعفے پیش کر دیں اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لیں۔ جمال الدین کے احترام میں تو ہم کھڑے نہیں ہو سکتے۔"

"گویا استعفیٰ دے کر اپنی گردن اپنے ہی خنجر سے کاٹ دیں۔" امیر تاج الدین کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔ "حبشی زادہ یہی تو چاہتا ہے کہ ہم بساطِ سیاست سے فرار ہو جائیں۔ اور پھر وہ سلطان کی حماقتوں کے صدقے میں پورے ہندوستان پر حکومت کرے۔"

"چاہتے تو ہم بھی بہت کچھ ہیں۔" ضیاء الملک نے بلند آواز میں کہا۔ "مگر ہماری خواہش اور وقت کی رفتار میں کوئی ہم آہنگی نہیں ہے۔"

"ہمیں ہم آہنگی پیدا کرنا پڑے گی۔" خواجہ رشید مسکرانے لگا۔ "ہم کھلے راستے پر رکھا ہوا چراغ نہیں کہ ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا بھی ہمیں بجھا کر چلا جائے۔"

"برادرانِ محترم!" امیر تاج الدین نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کیا۔ "یہ تو حقیقت ہے کہ خوشگوار ہوائیں طوفانی رنگ اختیار کر چکی ہیں۔ چراغوں کو چاہئے کہ وہ کھلے راستوں سے ہٹ کر محفوظ چار دیواری میں چلے جائیں۔ اور طوفان کے گزر جانے کا انتظار کریں۔ اب سلامتی کی یہی ایک صورت باقی رہ گئی ہے۔"

"اور اگر طوفان طویل تر ہو جائے؟" ضیاء الملک نے سوال کیا۔ "پھر یہ چراغ کتنی ہی مضبوط چار دیواری میں محفوظ کیوں نہ ہوں، ایک دن تیل ختم ہو جائے گا اور چراغ بجھ جائیں گے۔"

"ہم اسی مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔" امیر تاج الدین نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ "اگر طوفان طوالت اختیار کرتا ہے تو پھر ہمیں اپنی پوری طاقت استعمال کر کے ہواؤں کا رخ موڑنا ہوگا۔"

ضیاء الملک اور دوسرے ترک امراء استفہامیہ نظروں سے تاج الدین کی طرف دیکھنے لگے۔

"ایک اور انقلاب۔" یہ کہتے کہتے تاج الدین کا چہرہ پتھر ہو گیا تھا۔

❁==❁==❁

کنیز صوفیہ، رضیہ سلطانہ اور یاقوت حبشی کی ملاقاتوں کو انتہائی رنگ آمیزی کے ساتھ بیان کر رہی تھی۔

"آخر وہی ہوا، جس کا مجھے اندیشہ تھا۔" صوفیہ نے بڑے ناز و ادا کے ساتھ کہا تھا۔ معزالدین کی قربتوں نے اسے بھی ملکہ ہند بننے کے خواب دکھائے تھے۔ اسی لئے وہ خود کو شہزادے کی محبوبہ تصور کرنے لگی تھی۔

"کیسا اندیشہ؟" معزالدین نے گھبرا کر پوچھا۔

"سلطان نے اپنی خاندانی عظمتوں کو فراموش کر دیا اور ایک غلام ان کی ہم سری کا دعویٰ کرنے لگا۔" صوفیہ نے مبہم اشاروں میں شہزادہ معزالدین کو سمجھانے کی کوشش کی۔ "یاقوت حبشی جوتوں میں بیٹھنے کے قابل بھی نہیں تھا مگر عنقریب سارا ہندوستان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ راستے کا ایک حقیر و ناکارہ پتھر، تاجِ سلطانی میں جگمگا رہا ہے۔"

"تُو بہت پراسرار گفتگو کر رہی ہے صوفیہ!" شہزادہ معزالدین نے ناگوار لہجے میں کہا۔

"کنیز کو اپنی زبان کٹ جانے کا اندیشہ ہے صاحبِ عالم!" صوفیہ یکایک سنجیدہ ہو گئی تھی اور اس کے چہرے سے خوف کا رنگ جھلکنے لگا تھا۔

"تجھے ہم نے زبان دی ہے صوفیہ!" شہزادہ معزالدین نے اس انداز سے کہا جیسے وہ ہندوستان کا با اختیار حکمراں ہے۔ "پھر تیری زبان کون کاٹ سکتا ہے؟"

"صاحبِ عالم کا اقبال بلند ہو۔ مگر میں اپنی آنکھوں سے علاء الدین شیر خانی، سیف الدین کوچی اور وزیر اعظم نظام الملک جیسی با اثر شخصیات کا انجام دیکھ چکی ہوں۔ مجھے اپنی نوازشوں کے سائے میں کچھ دن اور زندہ رہنے دیجئے صاحبِ عالم! ابھی میں مرنا نہیں چاہتی۔"

شہزادہ معزالدین اپنی بڑی بہن کی سخت گیری سے خوب اقف تھا، اس لئے گھبرا سا گیا۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر بولا۔ "تیری باتیں سلطان تک کون پہنچائے گا؟..... کیا میں؟" شہزادے نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کیا فرما رہے ہیں صاحبِ عالم؟" صوفیہ نے بے قرار ہو کر شہزادے کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"پھر تُو ہم سے یہ رازداری کیوں برت رہی ہے؟" معزالدین نے صوفیہ کے دستِ حنائی کو الگ کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تُو اس وقت اپنی زبان کھولے گی، جب وقارِ سلطانی ایک تماشا بن کر رہ جائے گا؟"

"اب ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ جمال الدین یاقوت کو قتل کرا دیا جائے۔" صوفیہ ایک تجربہ کار شاطر کی طرح چالیں چل رہی تھی۔

"مگر کیوں؟" شہزادہ معزالدین نے سوال کیا۔ "ایک غلام تنہا تو قصوروار نہیں ہوتا، جب تک اس کے جرم میں آقا کی مرضی شامل نہ ہو۔"

"میرے نزدیک صرف جمال الدین یاقوت ہی گناہ گار ہے۔" صوفیہ بڑی ہوشیاری سے بازی کھیل رہی تھی۔ "یاقوت حبشی کا پہلا جرم یہ ہے کہ اس نے وہ خواب ہی کیوں دیکھا جو اس کی آنکھوں میں حرام تھا۔"

"اسے وہ خواب دکھایا گیا ہوگا۔" شہزادہ معزالدین ہر صورت میں اپنی بڑی بہن کو مجرم ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اس سلسلے میں سلطانِ اعظم یکسر بے قصور ہیں۔" صوفیہ نے فرمانروائے ہند کی وکالت کرتے ہوئے کہا۔

"تُو یہ دعویٰ کس طرح کر سکتی ہے؟" شہزادہ معزالدین، صوفیہ کی گفتگو کی طوالت سے اُکتا گیا تھا۔

"یاقوت کی غلامانہ روش نے سلطان کو یہ دن دکھائے ہیں۔" صوفیہ کا لہجہ پُر جوش تھا۔ "خوشامد، حبشی شہزادے کا چلن ہے۔ اور اسی ہتھیار سے اس نے سلطان کا دل جیت لیا ہے۔"

شہزادہ معزالدین کے چہرے کا رنگ بگڑ گیا۔

''یاقوت نے انہیں اس منزل پر پہنچا دیا ہے کہ اب وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتیں۔'' صوفیہ بظاہر حبشی زادے کے گناہ کی تفصیلات بتا رہی تھی مگر در پردہ وہ رضیہ سلطانہ کے کردار کو بھی قتل کر رہی تھی۔ ''فرمانروائے ہند کو جمال الدین یاقوت سے عشق ہو گیا ہے۔''

شہزادہ معزالدین کے دل و دماغ جل اُٹھے۔ ''یہ تیری نظروں کا دھوکا بھی ہو سکتا ہے صوفیہ!''

''میں ایک عورت ہوں صاحبِ عالم!'' صوفیہ نے چند لفظوں میں سب کچھ کہہ دیا تھا۔

شہزادہ معزالدین حکمرانی کے خواب ضرور دیکھ رہا تھا اور اسے یاقوت حبشی کے بڑھتے ہوئے اقتدار پر بھی سخت اعتراض تھا مگر یہ بات سننے کے لئے تیار نہیں تھا، اس کی بہن ایک غلام کے عشق میں مبتلا ہو گئی ہے۔ وہ بہت دیر تک سکتے کی سی حالت میں بیٹھا رہا۔ پھر اس کے چہرے پر اذیت و کرب کے رنگ اُبھر اُبھر کر ڈوبنے لگے۔

''اسی لئے میں نے یاقوت حبشی کے قتل کی تجویز پیش کی تھی۔ بس یہی اس مسئلے کا حل ہے۔'' صوفیہ خود بھی کنیز تھی اور اسی جرم کی مرتکب ہو رہی تھی جس کے سبب اس نے ایک غلام کو واجب القتل قرار دیا تھا۔ مگر انسانی فطرت بھی عجیب ہے۔ اپنے گناہ کے اس قدر جواز تلاش کرتا ہے کہ اسے نیکی میں بدل دینا چاہتا ہے..... اور اگر کسی دوسرے انسان میں ایک عیب ہو تو اس کی ذات سے ہزار عیب وابستہ کر دیتا ہے۔ جو خواب یاقوت حبشی کی آنکھوں کے لئے حرام قرار دیا گیا تھا، وہی خواب صوفیہ خود دیکھ رہی تھی۔ جس خوشامد نے جمال الدین کو خلوتِ سلطانی میں باریاب کیا تھا، اس کی بدترین شکل خود صوفیہ نے پیش کی تھی۔ ملکۂ ہند بننے کی آرزو میں اس نے شرم و حیا کا پیرہن چاک کر دیا تھا اور تمام اخلاقی ضابطوں کو پامال کرتی ہوئی شہزادہ معزالدین کے شبستان میں داخل ہو گئی تھی۔

❁==❁==❁

کنیز صوفیہ آگ لگا کر چلی گئی۔ اس نے رضیہ سلطانہ کے بارے میں نہایت غلط بیانی سے کام لیا اور وہ یہ سب کچھ ایک خاص منصوبے کے تحت کر رہی تھی۔

اس انکشاف کے بعد رضیہ کی مخالفت کا ایک اور جواز شہزادہ معزالدین کے ہاتھ آ گیا تھا مگر اس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ ترک امراء کے سامنے اپنی بہن کو رُسوا نہیں کر سکتا تھا۔ آخر بہت غور و فکر کے بعد معزالدین نے دوبارہ ترک سرداروں سے ایک خفیہ ملاقات کی۔

''اس حبشی زادے کا اقتدار روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اور آپ حضرات اب تک خاموش بیٹھے ہیں۔'' شہزادہ معزالدین کے لہجے میں شکایت بھی تھی اور طنز بھی۔

''پھر کیا کریں شہزادۂ مکرم؟'' امیر تاج الدین نے اس طرح مسکراتے ہوئے کہا جیسے ان کے نزدیک یہ مسئلہ کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا۔

''آپ سلطان کے سامنے شدید احتجاج کریں۔'' شہزادہ معزالدین ان سیاست دانوں کو مشورہ دے رہا تھا جنہوں نے عجیب عجیب موسم دیکھے تھے اور بڑی بڑی سختیاں ہنستے ہنستے برداشت کی تھیں۔ ''اور بتائیں کہ غیور ترکوں پر

ایک کم نسب حبشی کو مسلط نہیں کیا جا سکتا۔''

ترک امراء نے حیرت سے اس نوعمر شہزادے کی طرف دیکھا جو اپنے باپ کی عمر کے لوگوں کو مشتعل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''سلطانِ اعظم اس بات کو خوب جانتی ہیں۔'' امیر تاج الدین کے بجائے خواجہ رشید نے شہزادے کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''اور وہ خود بھی تو ترک ہیں۔''

خواجہ رشید کی اس دلیل نے شہزادہ معزالدین کو لاجواب کر دیا تھا۔ ''تو پھر یاقوت حبشی کو قتل کرا دیجئے۔'' آخر اس نے جھنجلا کر کہا۔

''ہرگز نہیں!'' امیر تاج الدین نے تیز لہجے میں کہا۔

''میں اسے قتل کرائے دیتا ہوں۔'' شدتِ جذبات سے معزالدین کا لہجہ بے قابو ہو گیا تھا۔

''یاقوت کو کوئی بھی قتل کرے، الزام ہمارے سر جائے گا۔'' امیر تاج الدین نے شہزادے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

معزالدین، ترک سرداروں کے درمیان بیٹھا پیچ و تاب کھاتا رہا۔ امرائے سلطنت سمجھ رہے تھے کہ شہزادہ نسلی برتری کے غرور میں مبتلا ہے، اس لئے حبشی زادے کو قتل کرانا چاہتا ہے۔ مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کے سینے میں کیسی آگ بھڑک رہی ہے۔ اور وہ کیوں جمال الدین یاقوت کی زندگی کے درپے ہے؟

پھر کچھ دیر بعد شہزادہ معزالدین اسی آگ کی تپش سے بے قرار ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''شہزادے! اپنے جذبات پر قابو رکھیے گا۔'' خواجہ رشید نے معزالدین کو مخاطب کر کے کہا۔ بظاہر یہ ایک درخواست تھی مگر در پردہ تنبیہہ۔ ''اگر آپ نے یاقوت حبشی کے خلاف کوئی جارحانہ قدم اٹھایا تو اپنے اس عمل کے آپ خود ذمے دار ہوں گے۔''

امراء کے اس فیصلے نے معزالدین کو شدید مایوسی میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ رات بھر جاگتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایک طرف ترک سردار، یاقوت حبشی سے شدید نفرت کرتے ہیں..... مگر دوسری طرف وہ اس سے پیچھا چھڑانا بھی نہیں چاہتے۔ آخر یہ کیا راز ہے؟ سوچتے سوچتے شہزادے کا ذہن شل ہو گیا۔ مگر وہ اس معمے کو حل نہ کر سکا۔

❁==❁==❁

آخر کئی دن شدید ذہنی کشمکش کا شکار رہنے کے بعد شہزادہ معزالدین بڑی بہن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت بھی یاقوت حبشی، رضیہ سلطانہ کی نشست گاہ میں موجود تھا۔ جمال الدین کو دیکھتے ہی شہزادے کے جسم میں نفرت اور غصے کی ایک تند و تیز لہر اُٹھی۔ معزالدین کا جی چاہا کہ فرمانروائے ہند کے سامنے امیر الامراء کا سر قلم کر دے۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔

جمال الدین یاقوت کو اپنے مرحوم آقا کا ہر حوالہ عزیز تھا، اس لئے وہ معزالدین کے سامنے خم ہو گیا اور بڑے ادب سے سلام پیش کیا۔ لیکن شہزادے نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ رضیہ سلطانہ نے چھوٹے بھائی کی اس بے رخی کو محسوس کر لیا تھا مگر وہ نظر انداز کر گئی۔

''کیسے آئے معزالدین؟'' رضیہ کے لہجے سے شفقت کا اظہار ہو رہا تھا۔

''میں تنہائی میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔'' معزالدین نے اپنا چہرہ اور لہجہ سنوارنے کی کوشش کی مگر اسے دونوں میں سے کسی پر بھی اختیار حاصل نہیں تھا۔

رضیہ سلطانہ نے یاقوت حبشی کی طرف دیکھا۔ امیر الامراء اُلٹے قدموں چلتا ہوا بارگاہِ سلطانی سے نکل گیا۔

''خیریت تو ہے؟'' رضیہ کے لہجے میں تشویش تھی۔

''ایک بھائی کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں ہر اس بات کو اپنی زبان پر لے آؤں جو آپ کے مفاد میں نہیں ہے۔'' شہزادہ معزالدین نے بڑی احتیاط سے گفتگو کا آغاز کیا۔

''مجھے تمہارے احساسِ فرض شناسی پر ناز ہے۔'' رضیہ کی آنکھوں سے بھائی کے لئے بے پناہ محبت کا اظہار ہو رہا تھا۔

''ترک سردار آپ کے اس فیصلے سے خوش نہیں ہیں۔'' شہزادہ معزالدین نے اپنی بات کہنے کے لئے دوسروں کا سہارا لیا۔ ''کیا پوری ترک قوم میں ایک بھی لائق اور معتبر شخص نہیں جسے امیر الامراء کے منصب پر فائز کیا جا سکے؟'' معزالدین اپنے لہجے کی تلخی کو چھپانے سے قاصر رہا۔

''کیا تم ترک سرداروں کے ترجمان بن کر آئے ہو؟'' یکایک رضیہ کا لہجہ بدل گیا اور اب وہ بڑی بہن کے بجائے فرمانروائے ہند نظر آ رہی تھی۔

''ترک امیروں کا قاصد بن کر نہیں، ایک ہمدرد بھائی کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں۔'' معزالدین سنبھل گیا۔

''تو پھر میرے بھائی! ان آوازوں کو مت سنا کرو جن سے سماعت مجروح ہو جاتی ہے اور دل کے شیشے میں بال آ جاتا ہے۔'' رضیہ کی آواز سے پھر وہی نرمی جھلکنے لگی تھی۔ ''تم ابھی بچے ہو، مفاد پرستوں کی چالوں کو نہیں سمجھو گے۔''

''آخر ایک حبشی غلام کی خاطر آپ معزز اراکین سلطنت کی ناراضگیاں کیوں خرید رہی ہیں؟'' شہزادہ خود اپنی آنکھوں سے صورتِ حال کا اندازہ کرنا چاہتا تھا۔

''میں دوسروں کے دماغ سے فیصلے نہیں کرتی۔ جمال الدین کو اس کی اہلیت کے مطابق منصب دیا گیا ہے۔'' رضیہ کی پُر جمال آواز اُبھری۔ ''معزز وہ ہے جو اپنے عہد کا پابند ہے۔ امیر وہ ہے جسے سلطنت کا مفاد عزیز ہے..... اور منصب دار وہ ہے جو رعایا کا غم گسار ہے۔''

شہزادہ معزالدین زاویے بدل بدل کر یاقوت حبشی کی مخالفت کرتا رہا مگر رضیہ سلطانہ نے اس کی کسی بات کو لائق التفات نہیں سمجھا۔

پھر جب وہ بارگاہِ سلطانی سے اُٹھا تو اسے اپنی کنیز صوفیہ کی فراہم کردہ اطلاعات پر یقین آ چکا تھا۔

❁==❁==❁

رضیہ سلطانہ ترک امراء کے احساس و جذبات سے باخبر ہو چکی تھی مگر اس نے اپنی روش تبدیل نہیں کی۔ یاقوت حبشی امیر الامراء بھی تھا اور مقربِ خاص بھی۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب رضیہ سیر و تفریح یا شکار کی غرض سے گھوڑے پر سوار ہوتی تو جمال الدین یاقوت اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیتا۔ رضیہ، یاقوت حبشی کے ہاتھ پر اپنا پاؤں رکھتی اور پھر گھوڑے کی پشت پر سوار ہو جاتی۔ شہزادہ معزالدین اور ترک امراء اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھتے اور دل ہی

دل میں پیچ و تاب کھاتے رہتے۔

سالار قطب الدین، رنتھنبور کی مہم پر گیا ہوا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے مقامی مسلمانوں کو ہندوؤں کی قید سے نکالا اور پھر انہیں لے کر دہلی واپس چلا آیا۔ رضیہ سلطانہ نے اپنے سالار کا پُر جوش خیر مقدم کیا اور اسے انعام و اکرام سے نوازا۔ یہی قطب الدین کا جنگی کارنامہ تھا کہ اس نے رنتھنبور کا قلعہ فتح کرنے کے بجائے ہزاروں نیم جاں مسلمانوں کو نئی زندگی بخشی۔

قطب الدین کے واپس آتے ہی ترک امراء کی صفوں میں ہلچل پیدا ہوئی۔ مسلسل خفیہ اجلاس ہونے لگے۔ ان اجلاسوں میں سالار قطب الدین بھی شریک ہوتا تھا۔

قطب الدین بھی سیف الدین ایبک کی طرح رضیہ سلطانہ کا وفادار تھا۔ مگر جب اس نے امیر تاج الدین اور خواجہ رشید کے کہنے پر یاقوت حبشی کا وہ بے تکلفانہ عمل دیکھا تو اسے شدید اذیت پہنچی۔

''میں اس سلسلے میں سلطانِ اعظم سے بات کروں گا۔'' قطب الدین کا لہجہ انتہائی تلخ تھا۔

''اب کچھ نہیں ہوگا۔ ہم لوگ اتمام حجت کر چکے۔'' امیر تاج الدین نے اسے روک دیا۔ ''بس تمہارا ہی انتظار تھا۔ ''تم کیا کہتے ہو؟''

''میں آپ حضرات سے علیحدہ نہیں ہوں۔'' رضیہ سلطانہ کے لئے قطب الدین کے جذباتِ عقیدت فنا ہو چکے تھے، اس لئے وہ بھی ترک سرداروں کا ہم نوا بن گیا۔

❁==❁==❁

پھر ایک دن قصرِ سلطانی میں زلزلہ سا آ گیا۔ بٹھنڈہ کے حاکم ملک التونیہ نے پرچم بغاوت بلند کر دیا تھا۔

''آپ نے ایک حبشی غلام کو اتنا سر چڑھایا کہ وہ کم نسب اپنے جامے سے باہر نکل گیا اور پھر اس نے ترک امراء کی دستارِ فضیلت کو اپنے قدموں سے روند ڈالا۔ میں نہیں جانتا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ اذیت ناک اور رُسوا کن تماشا آپ کی مرضی کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ یاقوت حبشی پوری ترک قوم کا مجرم ہے۔ اسے فوری طور پر معزول کر کے ہمیشہ کے لئے ہندوستان سے نکال دیا جائے ورنہ بغاوت و سرکشی کے اس طوفان کا انتظار کیجئے جو عنقریب دہلی کی حدود میں داخل ہونے والا ہے۔''

ملک التونیہ کا خط پڑھ کر رضیہ سلطانہ شدتِ غضب سے کانپنے لگی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر اُبھر آیا، جب حاکمِ بٹھنڈہ نے امیر تاج الدین کے ذریعے اپنی شادی کا پیغام بھیجا تھا۔ رضیہ کا ذہن ماضی کے گرداب میں اُلجھ کر رہ گیا۔ وہ ملک التونیہ کی بغاوت شادی سے انکار کا ردِ عمل سمجھ رہی تھی۔ حاکمِ لاہور ملک عزالدین کی بغاوت کے موقع پر رضیہ سلطانہ نے اسے خط و کتابت کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ مگر ملک التونیہ کا معاملہ مختلف تھا۔ اس لئے وہ مفاہمت کی راہ ڈھونڈنے کے بجائے دوسرے راستے پر نکل کھڑی ہوئی۔

رضیہ نے اپنے امراء کو طلب کر کے ان کی رائے دریافت کی۔

''جمال الدین یاقوت کے انتخاب سے کسی کو بھی اختلاف ہو سکتا ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک معمولی سی بات کو بنیاد بنا کر بغاوت کی روش اختیار کر لی جائے۔'' امیر تاج الدین نے بلند آواز میں کہا۔ ''ملک التونیہ کا

انداز مجرمانہ ہے اور وہ مکر وفریب سے کام لے رہا ہے۔"

"اگر ایک مثال قائم ہوگئی تو پھر یہ سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوگا۔" خواجہ رشید نے رضیہ سلطانہ کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔ "ہر علاقے کا حاکم اپنے مطالبات پیش کرے گا اور جب اس کی خواہش کی تکمیل نہیں ہوگی تو وہ بغاوت کا علم لے کر کسی اور طرف نکل جائے گا۔ پھر مرکز کی کیا حیثیت باقی رہے گی؟"

رضیہ سلطانہ نے اپنے سالار قطب الدین کی طرف دیکھا۔

"اگر التونیہ کی سرکوبی نہ کی گئی تو پورے ملک میں انتشار پھیل جائے گا۔" قطب الدین نے اپنی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا ہوا کہ کچھ لوگ بروقت پہچانے گئے۔ انہیں جلد از جلد خاک میں ملا دیجئے تاکہ پھر کوئی فتنہ سر نہ اٹھا سکے۔"

رضیہ نے ہر طرح سے اطمینان کر لینے کے بعد فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ وہ ملک التونیہ کو نیست و نابود کر دینا چاہتی تھی۔

یاقوت حبشی اس راز سے باخبر تھا کہ حاکم بٹھنڈہ باغی ہوگیا ہے۔ مگر رضیہ سلطانہ نے اسے بغاوت کی وجہ نہیں بتائی تھی۔

❁==❁==❁

پھر ایک دن راستوں سے اتنا غبار اُٹھا کہ دوپہر کے وقت آفتاب کی روشنی ماند پڑ گئی۔ دہلی کے باشندوں کو "سورج گرہن" کا گمان ہونے لگا۔ یہ رضیہ سلطانہ کا لشکرِ جرار تھا جو دارالحکومت کی حدود سے نکل کر بٹھنڈہ کی طرف جا رہا تھا۔ گھوڑوں کی کثرت کے سبب کچے راستوں سے وہ دھول اُڑی تھی کہ آسمان نظر نہیں آ رہا تھا۔

تمام امرائے سلطنت، رضیہ کے ہمراہ تھے۔ امیر تاج الدین اور خواجہ رشید کو قلعے کی نگرانی کے لئے دہلی میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

شاہی فوج دن بھر اپنا سفر جاری رکھتی اور اندھیرا ہوتے ہی پڑاؤ ڈال دیا جاتا۔

ایک رات سپاہی آرام کر رہے تھے کہ ناگہاں ایک انسانی چیخ نے سناٹے کا جگر چاک کر دیا۔

رضیہ سلطانہ نیم خوابی کے عالم میں تھی کہ چیخ سن کر اٹھ بیٹھی۔

"آقائے نعمت! غلام کو رخصت کی اجازت دیجئے۔" چیخ دوبارہ سنائی دی۔

رضیہ نے اس آواز کو پہچان لیا۔ وہ جمال الدین یاقوت تھا جو انتہائی کرب کے عالم میں چیخ رہا تھا۔

رضیہ گھبرا کر خیمے کے دروازے پر آئی۔

"آپ کو باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔" محافظ سپاہیوں کی تلواروں نے فرمانروائے ہند کا راستہ روک دیا۔

"الوداع آقائے نعمت!" یاقوت حبشی کی آواز آہستہ آہستہ ڈوب گئی۔

ایک تو نیند کا ہلکا سا خمار، دوسرے یاقوت حبشی کی چیخیں اور تیسرے محافظ سپاہیوں کا ناقابل فہم سلوک۔ یہ واقعات کچھ اتنی تیزی سے رونما ہوئے تھے کہ کچھ دیر کے لئے رضیہ کو سکتہ سا ہو گیا تھا۔ پھر جب وہ سنبھلی تو اس نے خیمے کے محافظ سپاہیوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"یہ کیسی تلواریں ہیں جو میرا راستہ روک رہی ہیں؟"

"اب ان تلواروں پر آپ کا کوئی اختیار نہیں۔" ایک محافظ نے جواب دیا۔

"پھر وہ کون ہے کہ جس کے ہاتھ تم نے اپنی وفاداریاں فروخت کر دیں؟" رات کے سناٹے میں رضیہ سلطانہ کے لفظوں کی گونج دور تک سنائی دے رہی تھی۔

"سالار قطب الدین کا یہی حکم ہے کہ آپ اپنے خیمے سے باہر نہیں جا سکتیں۔" دوسرے محافظ نے کہا۔

"کہاں ہے قطب الدین؟" رضیہ سلطانہ اتنے زور سے چیخی کہ محافظ سپاہی گھبرا کر چند قدم پیچھے ہٹ گئے۔

"ہم نہیں جانتے کہ سالار کہاں ہیں؟" بیک وقت کئی سپاہیوں کی آوازیں اُبھریں۔

"امیر الامراء جمال الدین یاقوت کو میرے پاس بھیجو۔ وہ برابر کے خیمے میں موجود ہیں۔" رضیہ سلطانہ نے محافظ سپاہیوں کو حکم دیا۔

"آپ کسی سے ملاقات نہیں کر سکتیں۔" جواب دینے والے سپاہی کا لہجہ سخت تھا۔ "اب آپ ایک قیدی ہیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔" یہ کہہ کر وہ سپاہی سلطان کے خیمے کے اندر داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے کچھ اور سپاہی بھی تیزی سے آگے بڑھے۔

رضیہ سپاہیوں کی اس بے ادبی پر انہیں تنبیہہ کرتی رہی مگر وہ چپ چاپ خیمے کی تلاشی لیتے رہے۔ پھر کچھ دیر بعد انہوں نے فرمانروائے ہند کی تلوار اور خنجر اپنے قبضے میں لے لئے۔

"ہمیں یہ بھی حکم ہے کہ آپ کو زنجیریں پہنا دی جائیں۔"

رضیہ خیمے کے درمیان میں خاموش کھڑی سوچتی رہی۔ اس پر تمام صورتِ حال واضح ہو چکی تھی۔ پھر وہ اسی پُرجلال لہجے میں بولی۔ "میں زنجیریں نہیں پہنوں گی۔"

"ہم کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" سپاہیوں نے رضیہ سلطانہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

"اور میں فرار کا راستہ بھی اختیار نہیں کروں گی۔" رضیہ کے چہرے پر خوف و ہراس کی ہلکی سی رمق بھی نہیں تھی۔

سپاہی ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ وہ شدید ذہنی کشمکش کا شکار تھے۔ پھر ایک سپاہی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے ساتھیوں کو خفیہ اشارہ کیا اور خیمے سے نکل گیا۔

رضیہ سلطانہ کے خیمے کے برابر جمال الدین یاقوت کا خیمہ تھا اور اس کے برابر سالار قطب الدین کا خیمہ۔

"سلطان زنجیریں پہننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔" رضیہ کے خیمے سے نکل کر آنے والا سپاہی، قطب الدین کے سامنے کھڑا تھا۔ "اب ہمارے لئے کیا حکم ہے؟"

قطب الدین کچھ دیر تک اس صورتِ حال پر غور کرتا رہا، پھر سپاہی سے مخاطب ہو کر بولا۔ "سلطان کے ہاتھ کھلے رہنے دو مگر ان کے گرد پہرہ اتنا تنگ کر دو کہ وہ بمشکل سانس لے سکیں۔"

سپاہی واپس چلا گیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے فوج کے ایک دستے نے فرمانروائے ہند کے خیمے کو گھیر لیا۔

رضیہ رات بھر ٹہلتی رہی۔ اس کے ذہن میں بے شمار چہرے اور منظر اُبھر اُبھر کر ڈوبتے رہے۔ کئی بار وہ خیمے کے دروازے تک آئی اور اس نے سپاہیوں سے پوچھا۔

"میں نے جمال الدین یاقوت کی چیخ سنی تھی۔ وہ اس وقت کہاں ہے اور کس حال میں ہے؟"

سپاہی اس طرح خاموش کھڑے رہے جیسے کوئی پاگل شخص ہذیان بک رہا ہو۔

❁==❁==❁

سورج طلوع ہوتے ہی رضیہ سلطانہ سے کہا گیا کہ وہ اپنے سفر پر روانہ ہو جائے۔

''مجھے کہاں جانا ہے؟'' رضیہ کے لہجے میں وہی طمطراق تھا۔

''آپ ہمارے پیچھے پیچھے چلتی رہیں اور کوئی سوال نہ کریں۔''

رضیہ سلطانہ خیمے سے باہر نکلی۔ دور تک مسلح شہسوار نظر آ رہے تھے۔ چڑھی ہوئی آنکھیں، ٹیڑھی گردنیں اور بگڑے ہوئے چہرے۔ رضیہ نے اپنے چاروں طرف نگاہ کی۔ کوئی ایک سر بھی احترام میں نہیں جھکا۔ فرمانروائے ہند کو رات کے اندھیرے ہی میں یقین آ گیا تھا کہ انقلاب اس کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ مگر وہ دن کے اجالے میں بغاوت کے صحیح خدوخال دیکھنا چاہتی تھی۔ رضیہ کو باغیوں کی طویل قطاریں تو نظر آئیں مگر ان کا سرغنہ دکھائی نہیں دیا۔ آخر وہ آہستہ آہستہ اپنے گھوڑے کی طرف بڑھی۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا، پھر زیرِ لب کچھ کہا اور گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گئی۔

شام کے قریب رضیہ سلطانہ پر یہ راز فاش ہو چکا تھا کہ وہ بٹھنڈہ کے قریب پہنچ چکی ہے۔

سازش مکمل ہو چکی تھی۔ قطب الدین اپنا لشکر لے کر دہلی کی طرف لوٹ گیا تھا۔ باغی امراء نے خط و کتابت کے ذریعے پہلے ہی ملک التونیہ سے ساز باز کر لی تھی۔

انجام کار رضیہ کو بٹھنڈہ کے قلعے میں نظر بند کر دیا گیا۔

اب رضیہ سلطان، ملک التونیہ کی قید میں تھی۔ اس شخص کی قید میں، جسے بارگاہِ سلطانی سے دو بار ٹھکرایا جا چکا تھا۔

سلطان التمش کی موت کے بعد رضیہ نے گردشِ وقت کے عجیب عجیب زاویے دیکھے تھے مگر یہ انداز ناقابلِ بیان حد تک اذیت ناک تھا۔ جس کی ایک جنبشِ چشم پر انسانی تقدیروں کے فیصلے ہوا کرتے تھے، آج وہ خود کسی کے رحم و کرم کی محتاج تھی۔ رضیہ کا خیال تھا کہ ملک التونیہ اس سے اپنی شکست کا انتقام لے گا۔ مگر ابھی تک بٹھنڈہ کے حاکم نے کسی جارحیت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ نظر بندی کے دوران بھی رضیہ سلطانہ کو دنیا کی ساری آسائشیں میسر تھیں۔ ہمہ وقت اس کی خدمت کے لئے کئی کنیزیں حاضر رہتی تھیں۔ مگر پھر بھی وہ ایک قیدی تھی۔

رضیہ بار بار جمال الدین یاقوت کی ان چیخوں کے متعلق سوچتی رہی جو اس نے نیم خوابی کی حالت میں سنی تھیں۔ وہ اپنے امیر الامراء کے بارے میں جاننا چاہتی تھی کہ اس پر کیا گزری؟..... مگر اسے کون بتاتا کہ یاقوت حبشی کو قتل کیا جا چکا ہے۔

یہ رضیہ سلطانہ کے خلاف ایک گہری سازش تھی، جس کا منصوبہ باغی سرداروں اور ترک امیروں نے مل کر تیار کیا تھا۔ ملک التونیہ نے اس وقت بغاوت کا اعلان کیا تھا، جب اسے امرائے سلطنت کی طرف سے یقین دلایا جا چکا تھا کہ وہ اس جنگ میں رضیہ سلطانہ کا ساتھ نہیں دیں گے۔ بظاہر ترک سرداروں نے یاقوت حبشی کی بے جا حمایت کو بغاوت کی بنیاد بنایا تھا۔ مگر درپردہ کچھ اور باتیں بھی تھیں جن کی وجہ سے اراکین حکومت اور فرمانروائے ہند کے

درمیان بہت فاصلے حائل ہو چکے تھے۔ ایک بلند کردار عورت ہونے کی وجہ سے رضیہ نے شراب نوشی اور رقص و سرود پر پابندیاں عائد کر دی تھیں۔ اس کا نظامِ انصاف اس قدر سخت اور مستحکم تھا کہ بڑے سے بڑا مجرم امیر بھی قانون کی گرفت سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ مختصراً یہ کہ رضیہ سلطانہ کی معاشرتی اصلاحات کے سبب امرائے سلطنت کی عیش پرستانہ زندگی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ نتیجتاً وہ ایک ایسے حکمراں کو زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ بالآخر ان لوگوں نے اس قدر رازداری کے ساتھ سازش کے اس منصوبے میں رنگ بھرے کہ رضیہ سلطانہ آخری لمحے تک خوش فہمی میں مبتلا رہی اور ملک التونیہ کی بغاوت کو کچلنے کے لئے قصرِ سلطانی سے نکل کر سیاست کی اس شکار گاہ تک پہنچ گئی، جہاں زیرِ زمین ہزاروں دام بچھے ہوئے تھے۔

ترک سردار سب سے پہلے یاقوت حبشی سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس وقت امیر الامراء پر شب خون مارا جب وہ رات کے پچھلے پہر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ یاقوت حبشی کے خیمے کے دروازے پر دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ اچانک سالار قطب الدین ایبک کے خیمے سے پچاس سپاہی برآمد ہوئے اور کسی شکاری پرندے کی طرح یاقوت حبشی کے محافظ سپاہیوں پر جھپٹے۔ وہ بے خبر فوجی اس یلغار کا مقابلہ کس طرح کرتے؟ بس چیخ چیخ کر امیر الامراء کو ہوشیار کرتے رہے۔ سپاہیوں کی چیخوں سے جمال الدین یاقوت جاگ تو گیا تھا مگر وہ صورتِ حال کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ پھر جب حقیقتِ حال واضح ہوئی تو وقت گزر چکا تھا۔ یاقوت حبشی شمشیر بکف اُٹھا۔ اس نے کئی نامعلوم حملہ آوروں کو موت کے گھاٹ اُتارا مگر کہاں تک اتنی شمشیروں کا مقابلہ کرتا۔ آخر ایک دشمن تلوار اس کے سینے میں اُتر گئی۔

یاقوت حبشی نے اپنے آقائے نعمت کو پکارا۔

پھر کئی اور تلواریں اس کے جسم کے پار ہو گئیں۔

یاقوت حبشی نے آقائے نعمت سے رخصت کی اجازت چاہی۔ موت کے منہ میں ہوتے ہوئے بھی اس نے آدابِ غلامی کو فراموش نہیں کیا تھا۔

پھر ایک تلوار نے اس کی شہ رگ کاٹ دی۔ یاقوت حبشی تڑپا اور کچھ دیر بعد ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ مگر ابھی تک اس کی چیخیں رضیہ سلطانہ کا تعاقب کر رہی تھیں۔

❁==❁==❁

پھر ایک دن ملک التونیہ، رضیہ سلطانہ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ بٹھنڈہ کے حاکم نے اسی انداز سے سلام پیش کیا جیسے رضیہ ابھی تک فرمانروائے ہند کے منصب پر فائز ہو۔

رضیہ نے بڑی حیرت سے ملک التونیہ کے طرزِ عمل کو دیکھا، پھر انتہائی طنز آمیز لہجے میں حاکمِ بٹھنڈہ سے مخاطب ہوئی۔ ''التونیہ! اب میں تمہاری قیدی ہوں۔ پھر منافقت کا یہ مظاہرہ کیوں؟''

''منافقت نہیں سلطانِ اعظم!'' ملک التونیہ کا لہجہ عقیدت مندانہ تھا۔ ''یہ اہلِ وفا کا انداز ہے جو کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔''

''سلطانِ اعظم'' کے الفاظ پر رضیہ چونکی۔ اس کے لئے ملک التونیہ کا یہ رویہ ناقابلِ فہم تھا۔

"مجھے اقتدار سے معزول کر دیا گیا اور اب میں تمہارے پسندیدہ زنداں خانے میں قید ہوں۔" رضیہ سلطانہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "کوئی اور حسرت باقی رہ گئی ہے؟" فرمانروائے ہند کے لہجے میں طنز کی ایک ایسی آگ پوشیدہ تھی، جس کی تپش حاکمِ بٹھنڈہ نے بھی محسوس کی۔

"میں سمجھا نہیں سلطانِ اعظم!" ملک التونیہ نے گھبرا کر پوچھا۔

"اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو.....؟" رضیہ کے لہجے میں جلالِ سلطانی بھی تھا اور ملک التونیہ کی طرف سے بے نیازی بھی۔

"اس کے سوا کچھ نہیں کہ خدمتِ عالیہ میں باریابی کا شرف حاصل ہوتا رہے۔" ملک التونیہ کا لہجہ محکومانہ تھا۔

رضیہ سلطانہ نے ایک بار پھر چونک کر حاکمِ بٹھنڈہ کی طرف دیکھا۔ "وہی فریب، وہی ریاکاری۔ مجھے اس طرزِ کلام سے نفرت ہے۔" یہ کہتے کہتے اس کے چہرے کا رنگ بگڑ گیا تھا۔

"خدا جانے کہ آپ کو کس طرح میرے جذبوں کی صداقت پر یقین آئے گا؟" یکایک ملک التونیہ کے لہجے سے اُداسی جھلکنے لگی تھی۔

"اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہوتے تو مجھ پر یہ قیامت کیوں نازل ہوتی؟" رضیہ سلطانہ نے اس کمرے کے در و دیوار کی طرف اشارہ کیا جہاں اسے نظر بند کیا گیا تھا۔

"سلطانِ اعظم! یہ میری مجبوری تھی۔" ملک التونیہ کی آنکھیں جھکی جا رہی تھیں۔ "اگر میں ایسا نہ کرتا تو شاید....." حاکمِ بٹھنڈہ کی زبان لڑکھڑانے لگی تھی۔

رضیہ سلطانہ نے نفرت آمیز نظروں سے ملک التونیہ کی طرف دیکھا۔

"خاکمِ بدہن، آپ کے دشمن اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب ہو جاتے اور ملک التونیہ شاہراہوں پر اپنی خوں شدہ آرزوؤں کا ماتم کر رہا ہوتا۔" حاکمِ بٹھنڈہ کی آواز سے دل کا درد نمایاں تھا۔

"دشمنوں کی اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہو گی کہ میں تخت و تاج سے محروم، دارالحکومت سے دور، اسیروں کی زندگی بسر کر رہی ہوں۔" رضیہ سلطانہ کی نفرت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔

"وہ آپ کی جان کے درپے تھے سلطانِ اعظم!" ملک التونیہ خاموش نہ رہ سکا۔ "اور میں آپ کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔"

"تم حیلہ باز اور جھوٹے ہو۔" رضیہ سلطانہ نے بٹھنڈہ کے حاکم کو اس طرح جھڑک دیا، جیسے وہ اس کا کوئی ادنیٰ خدمت گار ہو۔"

"بس کچھ دنوں کی بات ہے۔" ملک التونیہ کا چہرہ بجھ کر رہ گیا تھا۔ "کون جھوٹا ہے اور کون سچا؟ ہر شخص بے نقاب ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر ملک التونیہ مڑا اور تھکے تھکے قدموں سے واپس چلا گیا۔

رضیہ سلطانہ نے التونیہ کی فرمانبرداری کے اس انداز کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ اب اس کے چہرے پر فکر اور سوچ کی گہری پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔

❁==❁==❁

باغی امراء جنہوں نے رضیہ سلطانہ کو گرفتار کر کے التونیہ کے حوالے کر دیا تھا، تیز رفتاری کے ساتھ دارالحکومت کی طرف بڑھے اور پھر دہلی پہنچ کر دوسرے ترک سرداروں سے خفیہ مشورے کرنے لگے۔ آخر طویل مذاکرات کے بعد ایک نتیجے پر پہنچ گئے۔ اور انہوں نے رضیہ کے چھوٹے بھائی، شہزادہ معزالدین کو تخت پر بٹھا دیا۔

تاج پوشی کی رسم سے پہلے ترک سرداروں نے معزالدین سے حلف لیا کہ وہ کسی بھی حال میں اپنی بہن کے ساتھ نرمی کا سلوک روا نہیں رکھے گا۔

اقتدار مل جانے کی خوشی میں شہزادہ معزالدین کی عقل خبط ہو گئی تھی اور وہ ترک امراء کے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہا تھا..... "میں ہر صورت میں اپنے اراکین حکومت کی مرضی کا پابند رہوں گا۔"

"ہم نے مصلحتاً رضیہ کو ملک التونیہ کے حوالے کر دیا ہے۔" حاکمِ لاہور ملک عزالدین نے کہا۔ "تمہیں بہت جلد اس سے نجات حاصل کرنا ہو گی کہ ایک عورت ہماری حکمراں نہیں بن سکتی۔"

شہزادہ معزالدین نے امیر تاج الدین اور خواجہ رشید کی طرف دیکھا..... "یہ معزز سردارانِ قوم گواہ ہیں کہ میں نے کبھی اپنی بہن کی تائید نہیں کی۔ وہ خاندانِ التمش کی سنہری تاریخ میں ایک سیاہ باب کا درجہ رکھتی ہے۔"

امیر تاج الدین اور خواجہ رشید نے اثبات میں اپنے سروں کو جنبش دی۔

"تمہیں اپنے خاندان کی تاریخ سے اس سیاہ باب کو الگ کرنا ہو گا۔" ملک عزالدین کا اشارہ، رضیہ کے قتل کی طرف تھا۔

"میں اس بدنما داغ کو مٹانے میں کسی پس و پیش سے کام نہیں لوں گا۔" شہزادہ معزالدین کے دہن میں اپنی زبان موجود نہیں تھی۔ وہ ترک امیروں کی زبان سے بول رہا تھا۔

"مگر ہم سے ایک بڑی غلطی ہو گئی عزالدین!" امیر تاج الدین نے حاکمِ لاہور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

شہزادہ معزالدین اور دوسرے ترک سرداروں نے گھبرا کر تاج الدین کی طرف دیکھا۔

"ملک التونیہ، رضیہ کو ہمارے حوالے نہیں کرے گا۔" تاج الدین نے فکر آمیز لہجے میں کہا۔ "وہ شہزادی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو ہماری ساری کوششیں رائیگاں جائیں گی۔"

کچھ دیر کے لئے پوری مجلس پر سناٹا چھا گیا۔ پھر ملک عزالدین نے اس سکوت کو توڑا۔ "ملک التونیہ ایک ہوشیار حاکم ہے۔ وہ ایک ہاری ہوئی بازی نہیں کھیلے گا۔"

"شاید!" امیر تاج الدین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اگر التونیہ نے بساطِ جنگ پر اپنے کمزور پیدلوں کو آگے بڑھایا تو وہ خوب جانتا ہے کہ اس کے کمزور مہروں کا کیا حشر ہو گا؟" ملک عزالدین کی آواز گونجی اور سیاست کے شاطر گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

❁==❁==❁

ملک التونیہ دوبارہ رضیہ سلطانہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

معزول فرماں روا نے چونک کر بٹھنڈہ کے حاکم کی طرف دیکھا۔ ملک التونیہ چند قدم آگے بڑھا اور اس نے کوئی چیز رضیہ کے سامنے رکھ دی جو سرخ کپڑے میں لپٹی ہوئی تھی۔

رضیہ نے بظاہر کوئی سوال نہیں کیا تھا مگر اس کی آنکھیں ملک التونیہ سے پوچھ رہی تھیں کہ یہ کیا ہے؟

''یہ وہ خطوط ہیں جو ترک سرداروں نے مجھے تحریر کئے تھے۔'' ملک التونیہ نے بہت آہستہ لہجے میں کہا۔

رضیہ سلطانہ نے گھبرا کر اس سرخ کپڑے کو کھول دیا اور اس کے سامنے بہت سے خطوط بکھر گئے۔

رضیہ کچھ دیر تک ان خطوط کو پڑھتی رہی اور اس کے چہرے پر نفرت و غضب کے رنگ تیز ہوتے گئے۔ ہر خط میں ایک ہی بات تحریر تھی کہ اس عورت نے خاندانِ التمش کو بھی رسوا کیا ہے اور ترک قوم کی بھی بہت تذلیل کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں رضیہ اور یاقوت حبشی کا قصہ پاک کر دیا جائے۔

ترک امراء کے خطوط پڑھنے کے بعد رضیہ کے سینے میں جو آگ لگی تھی، اس کا عکس اس کے چہرے پر بھی نمایاں ہو گیا تھا۔

''میں نے انہیں تجویز پیش کی تھی کہ وہ آپ کو میرے حوالے کر دیں۔'' ملک التونیہ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔ ''میں چاہتا تھا کہ کسی طرح آپ دشمنوں کے نرغے سے نکل کر ایک محفوظ مقام پر پہنچ جائیں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔''

رضیہ سلطانہ کچھ دیر تک انتہائی خشمگیں نظروں سے ملک التونیہ کو دیکھتی رہی۔ پھر تحکم آمیز لہجے میں بولی۔

''جمال الدین یاقوت اس وقت کہاں ہے؟''

ملک التونیہ چند لمحوں تک خاموش کھڑا رہا۔ وہ رضیہ کے سوال کا جواب دینے کے لئے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہا تھا۔

''اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا۔'' ملک التونیہ نے مرنے والے کے لئے موزوں الفاظ استعمال کئے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ یاقوت حبشی کے لئے رضیہ سلطانہ کی بے چینی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

''اُسے قتل کر دیا گیا؟'' رضیہ سلطانہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی اور وہ شدید اذیت ناک انداز میں چیخی۔ ''اور تم بھی اس کے قتل میں شریک تھے؟''

''ہرگز نہیں۔'' ملک التونیہ نے احتجاج کیا۔ ''یہ کام ترک امیروں کا ہے۔ میرے ہاتھ یاقوت کے خون سے آلودہ نہیں ہیں۔''

''تم اس کے قتل کی سازش سے باخبر تھے؟'' رضیہ سلطانہ نے اسی غضب ناک لہجے میں سوال کیا۔

''یقیناً۔'' ملک التونیہ نے تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

''تم مجھے اس سازش کی اطلاع دے سکتے تھے۔'' رضیہ کے غصے کی آگ اسی طرح بھڑک رہی تھی۔

''یہ ممکن تھا سلطانِ اعظم!'' ملک التونیہ اس طرح بول رہا تھا، جیسے وہ اعترافِ جرم کر رہا ہو۔ ''مگر کوئی ذی ہوش انسان اپنے رقیب کو درازیٔ عمر کی دعائیں نہیں دے سکتا۔''

''یہ کم ظرفوں کا چلن ہے۔'' رضیہ نے چیخ کر کہا۔ ''تم ایک انتہائی خودغرض انسان ہو۔ بے رحم اور سفاک۔''

ملک التونیہ کو محسوس ہوا، جیسے رضیہ نے کوئی تیز نشتر اس کے دل میں اتار دیا ہو۔ اس نے ایک آہِ سرد کھینچی اور چند لمحوں تک حسرت زدہ نظروں سے رضیہ کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر بہت آہستہ لہجے میں کہنے لگا۔

''محبت کسی کی شرکت گوارا نہیں کرتی سلطانِ اعظم! مجھے جمال الدین یاقوت سے شاید نفرت تھی مگر میں اس کی جان کا دشمن نہیں تھا۔ وہ ترک امراء کے حسد کا شکار ہوا۔ اگر میں با اختیار ہوتا تو اسے زندگی سے محروم نہ کرتا۔''

رضیہ سلطانہ کے غصے کی آگ سرد ہونے لگی۔ وہ بہت غور سے ملک التونیہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''آپ پر کوئی جبر نہیں۔'' مختصر سے وقفۂ سکوت کے بعد ملک التونیہ دوبارہ رضیہ سلطانہ سے مخاطب ہوا۔ ''آپ آزاد بھی ہیں اور حکمراں بھی..... مگر آپ کی یہ حکمرانی صرف ملک التونیہ کے دل تک محدود ہے۔'' یہ کہہ کر حاکمِ بٹھنڈہ مڑا اور کمرے سے نکل کر چلا گیا۔

❁==❁==❁

ملک عزالدین حاکمِ لاہور کو اپنی حماقت کا احساس ہو چکا تھا۔ وہ کئی دن تک تاج الدین، خواجہ رشید اور دوسرے امراء سے مشورے کرتا رہا۔

''رضیہ جیسے زیرک دشمن کا زندہ رہنا ہمارے حق میں بہتر نہیں۔'' خواجہ رشید نے عزالدین کی طویل گفتگو سن کر اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

''پھر.....؟'' ملک عزالدین بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

''ملک التونیہ سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ رضیہ کو دارالحکومت بھیج دے۔'' امیر تاج الدین نے اس الجھے ہوئے مسئلے کا حل پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر ایسا ہو گا نہیں۔''

''کیا التونیہ انکار کی جرأت کر سکتا ہے؟'' ملک عزالدین نے جھنجلا کر کہا۔

''آزما کر دیکھ لو۔'' تاج الدین نے فکر آمیز لہجے میں کہا۔ ''میرے خیال میں تو وہ انکار کی منزل سے آگے بھی جا سکتا ہے۔''

آخر ملک عزالدین اور دوسرے ترک امراء نے مل کر سلطان معزالدین بہرام شاہ کے ذہن میں یہ بات نقش کرا دی کہ رضیہ سلطانہ کی زندگی اس کے اقتدار کے لئے ہمیشہ ایک خطرہ بنی رہے گی۔

پھر اسی روز دہلی کا ایک برق رفتار قاصد، بٹھنڈہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

❁==❁==❁

ملک التونیہ نے سلطان معزالدین بہرام شاہ کا خط پڑھا۔ فرماں روائے ہند نے اس کی خدمات کی تعریف کرتے ہوئے تحریر کیا تھا۔

''ہندوستان کی رعایا اور تمام ریاستوں کے حاکم ہمارے اقتدار پر رضامند ہو چکے ہیں۔ اس لئے فوری طور پر رضیہ کو اپنے ہمراہ لے کر دارالحکومت چلے آؤ۔''

ملک التونیہ نے مختصراً لکھ دیا۔ ''میں سلطانِ معظم کے اس حکم پر عمل کرنے سے قاصر ہوں۔''

قاصد کے روانہ ہوتے ہی ملک التونیہ، رضیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلطان معزالدین بہرام شاہ کا خط اس کے سامنے رکھ دیا۔

رضیہ، بھائی کا خط دیکھ کر گھبرا گئی اور استفہامیہ نظروں سے ملک التونیہ کی طرف دیکھنے لگی۔

''دہلی کا قاصد کہاں ہے؟''

''واپس چلا گیا۔'' ملک التونیہ نے اس طرح کہا، جیسے شاہی قاصد کی آمد اور روانگی کوئی معمول کی بات ہو۔

''تم نے جواب میں کیا لکھا؟'' رضیہ نے مضطرب لہجے میں پوچھا۔

ملک التونیہ نے اپنے الفاظ دہرا دیئے۔

رضیہ سلطانہ کو محسوس ہوا کہ شمشیرِ ستم اس کے سر پر لہراتے لہراتے اچانک پلٹ گئی ہو۔

سلطان معزالدین بہرام شاہ نے ملک التونیہ کو نئی جاگیر کی پیشکش کی مگر وہ اپنے انکار پر قائم رہا۔

آخر میں بہرام شاہ نے تنبیہہ کرتے ہوئے لکھا۔

''اگر تم رضیہ کے ہمراہ دربارِ سلطانی میں حاضر نہ ہوئے تو تمہیں بھی حکومت کا باغی تصور کیا جائے گا۔''

ملک التونیہ نے بھی واضح الفاظ میں لکھ دیا۔

''سلطان کیوں بار بار زحمت کرتے ہیں؟ میں بہت پہلے اپنے آپ کو باغی قرار دے چکا ہوں۔''

معزالدین بہرام شاہ کے سارے احکام اور ملک التونیہ کے تمام جوابات رضیہ سلطانہ کی نظروں سے گزرے۔

''التونیہ! آخر تم کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہو؟'' پہلی بار رضیہ کے لہجے سے غرور و تمکنت کے بجائے شکستگی جھلک رہی تھی۔

''جو زندگی آپ کے بغیر گزرے، وہ ہلاکت سے کم نہیں۔'' ملک التونیہ جذبۂ عشق سے سرشار نظر آ رہا تھا۔

رضیہ سلطانہ کے لئے ملک التونیہ کی شخصیت کا یہ زاویہ نیا تو نہیں، حیران کن ضرور تھا۔

''اگر میں یہاں سے جانا چاہوں؟'' رضیہ نے حاکمِ بٹھنڈہ سے سوال کیا۔

''آپ اپنے فیصلوں میں مکمل طور پر آزاد ہیں۔'' ملک التونیہ نے جواب دیا۔ مگر یہ الفاظ ادا کرتے وقت اس کے چہرے پر محرومیوں کا دھواں پھیل گیا تھا۔

رضیہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ وہ عجیب صورتِ حال سے دوچار تھی۔ ملک التونیہ نے اسے بٹھنڈہ سے جانے کی اجازت دے دی تھی مگر اسے معلوم تھا کہ یہاں سے نکل کر پورے ہندوستان میں اس کے لئے کوئی محفوظ پناہ گاہ موجود نہیں ہے۔

''تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو التونیہ؟''

ملک التونیہ کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔ وہ بدحواس ہو کر رضیہ سلطانہ کی طرف دیکھنے لگا۔

''ہاں! یہ سوال میں نے ہی کیا ہے۔'' رضیہ کے لہجے سے کسی قسم کی جھجک یا تکلف کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

''تو پھر سلطانِ اعظم میرا جواب بھی جانتی ہیں۔'' یہ کہتے کہتے ملک التونیہ کی نظریں جھک گئی تھیں۔ وہ ایک جانباز سپاہی تھا۔ مگر اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے وقت اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

''بالفرض اگر میں اقرار کر لوں تو میرا مہر کس طرح مقرر ہو گا؟'' رضیہ سلطانہ کا اندازِ گفتگو بے باکانہ تھا اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس نے بچپن سے لے کر آج تک مردانہ زندگی گزاری تھی۔ اس لئے وہ اپنی شادی کے موضوع پر بھی کھل کر گفتگو کر رہی تھی۔

ملک التونیہ نے چونک کر رضیہ کی طرف دیکھا۔

''سلطانِ اعظم جانتی ہیں کہ عورت اس سلسلے میں با اختیار ہے۔ ویسے جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اپنی پوری

جاگیر بھی آپ کے مہر میں لکھ سکتا ہوں۔''

''نہیں التونیہ!'' رضیہ نے نفی میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ ''سلطانِ اعظم کا مہر اتنا کم نہیں ہو سکتا۔''

''پھر.....؟'' ملک التونیہ سر سے پاؤں تک ایک سوال بن کر رہ گیا تھا۔

''اگر تم دہلی کی حکومت میرے مہر میں لکھ دو تو میں تمہیں اپنا شریکِ سفر بنا سکتی ہوں۔'' رضیہ سلطانہ نے شادی کے لئے سب سے اہم اور بنیادی شرط پیش کر دی تھی۔

ملک التونیہ کا پورا وجود مرکزِ حیرت بن کر رہ گیا تھا۔ بالآخر طویل خاموشی کے بعد اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

''سلطانِ اعظم! جو چیز میری دسترس میں نہیں، اسے میں کس طرح آپ کے نام کر سکتا ہوں؟''

''تم اس کا اقرار تو کر سکتے ہو۔'' رضیہ سلطانہ اپنی شرط پر قائم تھی۔

ملک التونیہ جانتا تھا کہ اس شرط کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟ بہت دیر تک اس کا منتشر ذہن سیاست کے ناہموار راستوں پر بھٹکتا رہا۔ انجام کار اپنی محبت کو حاصل کرنے کے لئے ملک التونیہ آفات و مصائب کے گرداب میں اُتر گیا۔ اس نے اپنے جذبوں اور لفظوں کو ایک عورت کے سامنے سرنگوں نہیں ہونے دیا۔

پھر رضیہ سلطانہ نے ملک التونیہ کو اپنا شوہر تسلیم کر لیا۔

رضیہ نے دلہن کا لباس پہن لیا تھا۔ مگر اس قبا میں بھی وہ خود کو فرماں روائے ہند سمجھ رہی تھی۔ وہ سر سے پاؤں تک قیمتی ہیروں اور زیورات سے آراستہ تھی۔ مگر ایسا لگ رہا تھا، جیسے وہ حجلۂ عروسی کے بجائے میدانِ جنگ کی طرف جا رہی ہو۔ ملک التونیہ کو محسوس ہوا کہ رضیہ سلطانہ کی نظریں اس کی ذات پر نہیں، دارالحکومت پر مرکوز ہیں۔ یہ احساس ایک مرد کے لئے نہایت تکلیف دہ تھا۔ ملک التونیہ بڑی قربانی دینے کے بعد بھی رضیہ سلطانہ کے دل و دماغ پر فتح حاصل نہیں کر سکا تھا۔ یہ شادی مجبوریوں کی شادی تھی۔ رضیہ اپنے ذوقِ اقتدار پرستی سے مجبور تھی.....اور ملک التونیہ اپنے دل سے۔ رضیہ سلطانہ کی آنکھوں میں حکمرانی کے خواب روشن تھے.....اور ملک التونیہ پھولوں کی سیج کو تختۂ مرگ میں تبدیل ہوتے دیکھ رہا تھا۔

❄==❄==❄

رضیہ اور ملک التونیہ کی شادی کی خبر دہلی پہنچی تو سلطان معزالدین بہرام شاہ بدحواس ہو گیا اور اس نے اپنے امراء کو طلب کر کے حکم دیا کہ کسی تاخیر کے بغیر بٹھنڈہ پر لشکر کشی کی جائے اور دونوں میاں بیوی کو گرفتار کر کے سلطان کے حضور میں پیش کیا جائے۔

ملک عزالدین، تاج الدین، خواجہ رشید اور دوسرے امرائے سلطنت نے اس جنگی اقدام کی مخالفت کرتے ہوئے کہا۔

''ہمیں صورتِ حال کے واضح ہونے تک انتظار کرنا ہو گا۔ ملک التونیہ اتنا طاقتور نہیں ہے کہ وہ دہلی پر حملہ آور ہو سکے۔''

''ہماری بخشی ہوئی مہلت نقصان دہ بھی ہو سکتی ہے۔'' سلطان معزالدین بہرام شاہ نے اپنے امراء کو قائل کرنے کی کوشش کی۔ ''سوئے ہوئے دشمن پر وار کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔''

''اگر آپ نے لشکرِ سلطانی کو بٹھنڈہ کے محاذ پر اُلجھا دیا تو دوسرے علاقوں میں ہونے والی شورشیں اور بغاوتیں زور بھی پکڑ سکتی ہیں۔ اس لئے فی الحال ملک التونیہ اور رضیہ کے قصے کو فراموش کر دیا جائے۔'' امیر تاج الدین نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر وہ مرکز کے خلاف جارحانہ روش اختیار کرتے ہیں تو بے شک انہیں نیست و نابود کر دیا جائے۔ مگر وقت سے پہلے فوجی طاقت کا استعمال دانش مندی کی دلیل نہیں ہے۔''

آخر معزالدین بہرام شاہ نے خاموشی اختیار کر لی۔ سلطان کی یہ بے چینی محض اس لئے تھی کہ کہیں گردشِ وقت کا انداز بدل نہ جائے۔ اسے رضیہ کی موت کے بعد ہی ذہنی سکون میسر آ سکتا تھا..... مگر جب امرائے سلطنت نے معزالدین بہرام شاہ سے اختلاف کیا تو مجبوراً اسے سکوت اختیار کرنا پڑا۔ وہ بظاہر مطلق العنان حکمراں تھا مگر اس کی عنانِ اقتدار ترک امیروں کے ہاتھ میں تھی۔ نتیجتاً وہ اپنی مرضی سے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔

❁==❁==❁

شادی کے بعد ملک التونیہ کچھ دن سیر و تفریح میں بسر کرنا چاہتا تھا۔ مگر رضیہ سلطانہ کے خیال میں اس کے پاس ان فضول چیزوں کے لئے وقت نہیں تھا۔ جب التونیہ بہت زیادہ جھنجلاہٹ کا شکار ہو جاتا تو رضیہ ایک دلآویز تبسم کے ساتھ اسے سمجھانے لگتی۔

''اُس شخص کو عیش و نشاط سے کیا غرض جو فنا کی وادی سے گزر رہا ہو اور بے شمار نادیدہ دشمن جس کے تعاقب میں ہوں۔ ہم تو سو بھی نہیں سکتے التونیہ! کہ کب آنکھ لگے اور کب فرشتۂ اجل ہماری سانسیں غصب کر کے رخصت ہو جائے۔''

ملک التونیہ خاموش ہو جاتا اور اپنی اس فوج کی صفیں درست کرنے لگتا، جسے سلطان معزالدین بہرام شاہ سے مقابلے کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔

رضیہ سلطانہ رات دن جاگ کر اپنا لشکر جمع کر رہی تھی۔ علاقے کے زمینداروں سے وعدہ کیا گیا کہ جنگ جیت جانے کی صورت میں انہیں بڑی بڑی جاگیریں بطور انعام دی جائیں گی۔ حرص و ہوس کی ترغیب نے زمینداروں سے ان کے حواس چھین لئے۔ نتیجتاً اس علاقے کے زمینداروں نے لڑاکا قبیلوں سے ہزاروں نوجوان منتخب کر کے انہیں جنگی جنون میں مبتلا کر دیا۔

یہ سادہ لوح نوجوان رضیہ کے سامنے جان دینے کا عہد کرتے اور پھر ان کے جسموں پر ہتھیار سجا دیئے جاتے۔ اس کے علاوہ گکھڑوں اور جاٹوں کا بھی ایک بڑا لشکر تیار کر لیا گیا تھا۔

اب رضیہ کے پاس افرادی قوت اتنی زیادہ تھی کہ آسانی کے ساتھ لشکرِ سلطانی کا مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔

معزالدین بہرام شاہ کے جاسوس مسلسل اسے ملک التونیہ کی فوجی تیاریوں کی خبریں دے رہے تھے۔ آخر سلطان نے بھی اپنے سالار عزالدین بلبن کو تیار رہنے کا حکم دے دیا۔

پھر ایک دن رضیہ سلطانہ کا لشکر بٹھنڈہ کی حدود سے نکل کر دہلی کی طرف بڑھا۔ وہ اپنی کثرتِ افواج پر نازاں تھی مگر شدتِ جذبات میں اس نے یہ پہلو نظر انداز کر دیا تھا کہ اس کی فوج کے بیشتر سپاہی نومشق اور ناتجربہ کار تھے۔

انجام کار رضیہ سلطانہ کی یہی کمزوری اس کی شکست کا سبب بن گئی۔

جب عزالدین بلبن جیسے جہاندیدہ سپہ سالار نے مخالف لشکر پر دباؤ ڈالا تو رضیہ کے سپاہی اس طرح بکھر گئے، جیسے تیز آندھی میں خشک پتے اُڑتے پھرتے ہیں۔

رضیہ سلطانہ اور ملک التونیہ نے بمشکل اپنی جانیں بچائیں اور دونوں میدانِ جنگ سے فرار ہو کر بٹھنڈہ کے قلعے میں پناہ گزین ہو گئے۔

سالار عزالدین بلبن، رضیہ کے ہزاروں سپاہیوں کو خاک و خون میں نہلا کر راستے سے واپس لوٹ گیا۔

سلطان معزالدین بہرام شاہ نے اس فتح کی خوشی میں سات دن تک جشنِ کیف و نشاط منایا اور بلبن کو گراں قدر انعامات سے نوازا۔

❁==❁==❁

ملک التونیہ نے نوشتۂ دیوار پڑھ لیا تھا مگر رضیہ سلطانہ اس تحریر کو پڑھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اپنے منتشر لشکر کو جمع کیا اور دوبارہ دہلی پر حملہ آور ہوئی۔

سلطان معزالدین بہرام شاہ نے اس بار بھی عزالدین بلبن کو رضیہ کے مقابلے پر بھیجا۔

کیتھل کے نواحی علاقے میں ایک خوں ریز جنگ ہوئی۔ رضیہ کا لشکر دوپہر تک بڑی ثابت قدمی سے جنگ کرتا رہا۔ مگر سورج کے ڈھلتے ڈھلتے ساری صفیں ٹوٹ گئیں اور تمام سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

ملک التونیہ اور رضیہ سلطانہ بھی فرار ہو کر کسی محفوظ مقام تک پہنچنا چاہتے تھے مگر اس مرتبہ تقدیر نے یاوری نہیں کی۔ مقامی زمینداروں نے دونوں کو گرفتار کر لیا۔ پھر رضیہ کے سامنے ملک التونیہ کو قتل کر دیا گیا۔

''سلطانِ اعظم! میں مہر تو ادا نہ کر سکا، مگر اپنا سر آپ کی نذر کئے جا رہا ہوں۔ انسان کے اختیار میں کچھ نہیں۔'' یہ ملک التونیہ کے آخری الفاظ تھے۔

رضیہ سلطانہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ''التونیہ! تم عظیم تھے۔'' وہ کچھ دیر تک شوہر کی لاش کے نزدیک کھڑی رہی، پھر گھٹنوں کے بل جھک کر اس نے التونیہ کو آخری سلام پیش کیا۔ ''ہر ذی روح کا یہی انجام ہوتا ہے..... مگر تم مردوں کی طرح زندہ رہے۔ زمانہ میرے نام کے ساتھ تمہیں بھی یاد رکھے گا۔ خدا تم پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔''

❁==❁==❁

پھر رضیہ سلطانہ کو اس طرح معزالدین بہرام شاہ کے سامنے پیش کیا گیا کہ زنجیروں کی آواز سے پورا دربار گونج اُٹھا۔

''خدا کا شکر ہے کہ رسوائی کی یہ طویل داستان ختم ہوئی۔'' بڑی بہن کو دیکھ کر سلطان معزالدین بہرام شاہ نے ایک پُرجوش نعرہ لگایا۔

''کیسی رُسوائی؟'' اسیر ہوتے ہوئے بھی رضیہ سلطانہ کے لہجے میں وہی تمکنت اور استقامت تھی۔ ''میں نے بابا محترم کی وصیت پر عمل کیا۔ اب اگر جاں سے بھی گزر جاؤں تو کیا غم ہے؟ اہلِ وفا تو اسی انداز سے جیتے

ہیں.....مگر تجھے کیا ہو گیا ہے میرے بھائی! تُو نے ان شعبدہ بازوں کو خوش کرنے کے لئے اپنی بہن کی ذات سے کیسے کیسے افسانے منسوب کر دیئے۔'' یہ کہہ کر رضیہ سلطانہ نے امیر تاج الدین، خواجہ رشید، ضیاء الملک اور دوسرے ترک امراء کی طرف دیکھا۔ ''فتح و شکست تو زندگی کا ایک کھیل ہے.....مگر افسوس! تم نے کھلے میدان میں میرا مقابلہ نہیں کیا۔ دن رات اپنی قومی عزت و شجاعت کے قصیدے پڑھنے والو! تم نے وقت کے آئینہ خانے میں اپنے چہرے نہیں دیکھے.....منافق.....ریاکار.....اور مکروہ چہرے۔ میں نہیں جانتی کہ تم اور کس کس کے اعتبار کا خون کرو گے۔''

ترک امراء رضیہ سلطانہ کی نشتر زنی برداشت نہ کر سکے اور وہ سرِ دربار چیخنے لگے۔

''سلطان! اپنی بہن کو گفتگو کا سلیقہ سکھاؤ ورنہ حالات قابو میں نہیں رہیں گے۔''

امراء کی تنبیہہ سن کر کٹھ پتلی حکمران بدحواس ہو گیا اور رضیہ سے مطالبہ کرنے لگا کہ وہ اپنے طرزِ کلام پر ندامت کا اظہار کرے اور سرِ دربار ترک امراء سے معافی مانگے۔

رضیہ سلطانہ نے بڑی جرأت کے ساتھ انکار کر دیا۔

''میں نے جو کچھ کہا، سچ کہا۔ مجھے اپنے کسی لفظ پر ندامت نہیں ہے۔''

❁==❁==❁

رات بھر سلطان معزالدین بہرام شاہ اور ترک امراء میں مشورے ہوتے رہے۔ بالآخر سب کے سب رضیہ کے قتل پر متفق ہو گئے کہ ان کے نزدیک رضیہ کا زندہ رہنا انتہائی خطرناک تھا۔

اسی رات پچھلے پہر بہرام غوری کو آزاد کر دیا گیا۔

بہرام غوری اپنی زنجیریں کٹ جانے پر حیرت زدہ تھا.....مگر جب وہ قید خانے سے باہر آیا تو اس کی حیرت شدید اذیت میں تبدیل ہو گئی۔

صبح کے ہوتے ہوتے رضیہ کے لئے مقتل آراستہ کیا جا چکا تھا۔ تمام ترک امراء مقتل میں جمع تھے۔ بس مجرم کا انتظار تھا۔

آخر زنجیروں کی جھنکار سنائی دی اور رضیہ سلطانہ ایک خاص ادائے شاہانہ کے ساتھ نمودار ہوئی۔

اپنی محبوب کو اس حالت میں دیکھ کر بہرام غوری کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ''یہ سب کچھ کیا ہے؟''

ترک سردار خاموش رہے۔

سلطان معزالدین بہرام شاہ اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اُس نے بہرام غوری کو آگے آنے کا اشارہ کیا۔

چند لمحوں میں بہرام غوری صورتِ حال کو سمجھ چکا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بہرام شاہ کی طرف بڑھا۔ مگر اس طرح کہ بار بار پلٹ کر رضیہ کو دیکھتا جاتا تھا جو مقتل کے درمیان کھڑی تھی۔

بہرام غوری قریب پہنچا تو سلطان معزالدین نے اس کی طرف تلوار بڑھا دی۔

بہرام غوری استفہامیہ نظروں سے سلطان کی طرف دیکھنے لگا۔

''تم سلطنتِ ہند کے ایک جانباز اور وفادار سپاہی تھے۔'' سلطان، بہرام غوری سے مخاطب ہوا۔ ''مگر تمہاری

خدمات کا اعتراف کرنے کی بجائے تمہیں زنداں کے حوالے کیا گیا، اس لئے.....''

ابھی سلطان معزالدین کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ بہرام غوری بول اُٹھا۔ ''مجھے آقائے نعمت سے کوئی شکایت نہیں ہے۔''

''مگر ہم طے کر چکے ہیں کہ تم اپنے ہاتھوں سے حکومت کی اس باغی کا سر قلم کرو گے۔'' سلطان معزالدین نے سخت لہجے میں کہا۔

بہرام غوری نے سلطان کے ہاتھ سے تلوار لے لی۔ ایک نظر رضیہ کی طرف دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر تلوار بہرام شاہ کے قدموں میں رکھ دی۔

''سلطانِ معظم! خادم کو اس حکم کی تعمیل سے معذور سمجھا جائے۔'' بہرام غوری کی آواز پورے مقتل میں گونج اٹھی۔

''زندگی بھر جس کے روبرو آنکھ نہیں اُٹھ سکی، اُس پر تلوار کیسے اُٹھے گی؟''

سلطان معزالدین نے بہرام غوری کے انکار کو رضیہ کی حمایت سے تعبیر کیا۔ پھر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں بجھا دی گئیں۔

رضیہ نے بڑی اذیت کے ساتھ یہ منظر دیکھا۔ بہرام غوری کا پورا چہرہ خون میں ڈوب گیا تھا۔

''تم سرخرو ہوئے بہرام!'' رضیہ نے بلند آواز میں اپنے اتالیق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر افسوس! مجھے اُس وقت تمہاری وفا کا اعتبار آیا، جب میری زندگی کی شام ہو رہی ہے۔''

''میں اسی ایک لمحے کے لئے زندہ تھا سلطانِ اعظم!'' تکلیف کی شدت سے بہرام غوری کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

ابھی وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ سلطان معزالدین نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ ''اسے قصرِ سلطانی سے باہر نکال دو۔''

سپاہی، بہرام غوری کو کھینچتے ہوئے لے گئے۔

❁==❁==❁

جلاد آہستہ آہستہ رضیہ سلطانہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مقتل میں موجود تمام حاضرین کا خیال تھا کہ موت کو اپنے نزدیک پا کر رضیہ خوف زدہ ہو جائے گی اور ترک امراء سے جاں بخشی کی درخواست کرے گی.....مگر اس وقت ہر ایک قاتل حیران رہ گیا، جب مرنے والی کے ہونٹوں پر ایک تحقیر آمیز مسکراہٹ اُبھر آئی۔ اُس نے سلطان بہرام شاہ اور ترک سرداروں کے اقتدار کی یکسر نفی کر دی تھی۔

''ایفائے عہد کی گھڑی آ پہنچی۔ میں خون میں نہا کر اپنے بزرگوں کے پاس جا رہی ہوں۔ ان سے میرا یہی وعدہ تھا۔ میں نے مقدور بھر خدا کے بندوں کی خدمت کی.....مگر اے حرص و ہوس کے غلامو! تم خدا کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤ گے؟''

یہ رضیہ سلطانہ کے آخری الفاظ تھے۔

پھر وہ قتل ہو گئی۔

❁==❁==❁

سلطان معزالدین کے حکم پر بہرام غوری کو قلعے سے باہر نکال دیا گیا تھا۔ وہ کئی جگہ ٹھوکریں کھا کر گرا۔ پھر اچانک دو ہاتھوں نے اسے سہارا دے دیا۔

''فردوس.....!'' بہرام غوری نے چونک کر کہا۔

''آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا؟'' فردوس نے روتے ہوئے کہا۔

''مصیبت کی اس گھڑی میں تیرے سوا اور کون آ سکتا تھا؟'' بہرام غوری نے فردوس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''جلدی کر..... مجھے شہنشاہ کی گلی میں پہنچا دے۔ نہیں تو پھر کوئی رکن الدین، کوئی معزالدین راستہ روک لے گا۔''

فردوس، بہرام غوری کو لے کر مہرولی کی طرف چلی گئی۔ جہاں شہنشاہِ معرفت حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ آرام فرما ہیں۔

(تمت بالخیر)

www.pakistanipoint.com
Waqar Azeem
Pakistanipoint